سنہری سانپ

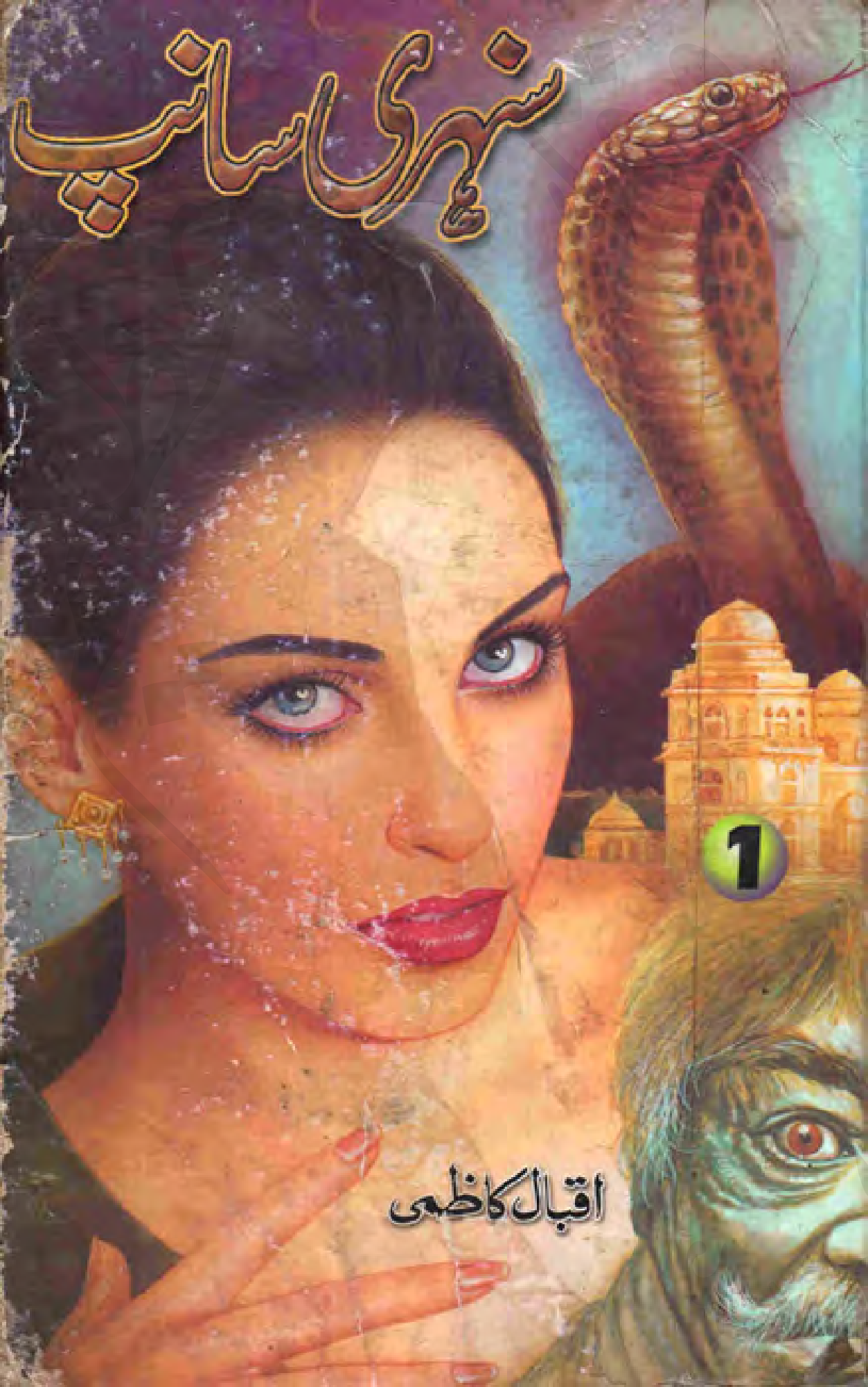

1

اقبال کاظمی

معیاری اور خوبصورت کتابیں
بااہتمام: محمد علی قریشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/175 روپے
مکمل سیٹ ——— -/350 روپے

وہ چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن سنسان پڑا تھا۔

ٹرین جا چکی تھی۔ اس کی عقبی سرخ بتی بھی تاریکی میں معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ نایاب پلیٹ فارم پر کھڑی متوحش نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اس کے علاوہ اس ویران ریلوے اسٹیشن پر صرف ایک آدمی ٹرین سے اترا تھا۔ وہ کوئی ادھیڑ عمر دیہاتی تھا جو ٹرین کے روانہ ہو جانے کے بعد ریل کی پٹڑیاں پار کر کے اسٹیشن کے دوسری طرف کھیتوں میں ایک پگڈنڈی پر جا چکا تھا۔ اس طرف بہت دور دیئے کی طرح ٹمٹماتی ہوئی ایک بہت مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ شاید وہی اس مسافر کی منزل تھی۔

نایاب مڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن پر دن میں صرف دو ٹرینیں رکا کرتی تھیں۔ ایک صبح آٹھ بجے اور دوسری شام چھ بجے اور دونوں ٹرینیں اکثر اپنے شیڈول سے لیٹ ہوا کرتی تھیں۔ اس ٹرین کو شام چھ بجے یہاں پہنچنا تھا لیکن حسب معمول تاخیر سے آئی تھی اور خلاف معمول پانچ گھنٹے لیٹ ہوئی تھی اور اس ٹرین کا اتنی تاخیر سے پہنچنا ہی نایاب کے لیے پریشانی کا سبب بن گیا تھا۔

یہ ریلوے اسٹیشن چند سال پہلے معرض وجود میں آیا تھا۔ زمین ہموار کر کے پلیٹ فارم بنا دیا گیا تھا۔ دونوں سروں پر اسٹیشن کے نام کے کنکریٹ کے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ پلیٹ فارم پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بکائین کے درخت لگے ہوئے تھے۔ ایک دو درختوں کے نیچے مسافروں کے بیٹھنے کے لیے کنکریٹ کے بنچ بھی رکھے ہوئے تھے جو اب بڑی حد تک ٹوٹ پھوٹ چکے تھے لیکن انہیں تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔

پورے پلیٹ فارم پر صرف چار لیمپ پوسٹ تھے۔ ایک ایک پلیٹ فارم کے دونوں سروں پر اور دو وسط میں ایک دوسرے سے تقریباً دس گز کے فاصلے پر۔ پلیٹ فارم کے کناروں والے دونوں اور درمیان میں صرف ایک لیمپ پوسٹ پر بتی جل رہی تھی۔ ملگی

کے تیل کے دیئے تھے جو ان لیمپ پوسٹوں پر لگے ہوئے شیشے کے ڈبوں میں رکھے ہوئے تھے۔ ان کی روشنی بھی چند فٹ تک ہی محدود تھی۔

پلیٹ فارم کے درمیان میں ایک چھوٹی سی عمارت بنی ہوئی تھی جس کے ساتھ ایک وسیع برآمدہ بھی تھا۔ یہی برآمدہ مسافر خانہ تھا۔ پلیٹ فارم پر آمد و رفت کے لیے لکڑی کے تختوں کا ایک چھوٹا سا گیٹ لگا ہوا تھا۔ برآمدے کی ایک دیوار پر ریلوے ٹائم ٹیبل اور دوسری دیوار پر کرایہ نامہ لکھا ہوا تھا۔ اس کرائے نامے کے ساتھ ہی ہکنگ ونڈو تھی جس کے اوپر ٹکٹ گھر لکھا ہوا تھا۔

اس عمارت کا دوسرا حصہ اسٹیشن ماسٹر کے دفتر اور اسٹور وغیرہ پر مشتمل تھا۔ صرف دو کمرے تھے۔ ایک اسٹیشن ماسٹر کا دفتر اور دوسرا اسٹور۔ ان دونوں کمروں کے دروازے پلیٹ فارم کی طرف تھے۔ اسٹور والے کمرے کے سامنے ایک چار فٹ اونچا چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر سگنل آپریٹ کرنے والے لیورز لگے ہوئے تھے۔

اسٹیشن ماسٹر والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا جس سے کمرے کے اندر جلنے والی لالٹین کی مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔

نایاب اس سنسان پلیٹ فارم پر کھڑی متوحش نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ایک انجانا سا خوف بھی اس کے اعصاب پر طاری ہو رہا تھا۔ اب وہ پچھتا رہی تھی کہ اس ٹرین سے کیوں آئی تھی لیکن اس میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ ٹرین ہی لیٹ ہو گئی تھی تو وہ کیا کرتی۔ راستے میں انجن خراب ہو گیا تھا اور ٹرین پانچ گھنٹوں تک ویرانے میں کھڑی رہی تھی۔ ان برانچ لائنوں پر اب بھی ایک صدی پرانے اسٹیم انجن چل رہے تھے جو سفر کے دوران اسی طرح خراب ہوتے رہتے تھے اور پریشانی مسافروں کو ہوتی تھی لیکن ریلوے حکام کو اس کا کوئی احساس نہیں تھا۔

پیر آباد نامی گاؤں اس ریلوے اسٹیشن سے تقریباً تین کوس دور تھا جہاں نایاب کو جانا تھا۔ اس نے کئی روز پہلے خط کے ذریعے اپنے آنے کی اطلاع دیدی تھی اور اسے یقین تھا کہ اسے لینے کے لیے کوئی نہ کوئی ضرور آیا ہوگا لیکن اپنے استقبال کے لیے کسی کو نہ پا کر اسے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ گاؤں تک پہنچنے کے لیے اس ویرانے میں کسی سواری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

وہ چند منٹ سنسان پلیٹ فارم پر کھڑی رہی' پھر اپنا بریف کیس اٹھا کر اسٹیشن کی عمارت کی طرف بڑھنے لگی۔ وہیں سے باہر نکلنے کا راستہ تھا۔ ابھی وہ مسافر خانے والے گیٹ کے قریب پہنچی ہی تھی کہ اسٹیشن ماسٹر والے کمرے سے ایک آدمی برآمد ہوا۔ اس نے چمکدار کپڑے کی دھوتی باندھ رکھی تھی اور سفید بنیان پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں لالٹین تھی۔ اس شخص کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ بھاری بھرکم درمیانے قد کا آدمی تھا۔ سانولی رنگت اور گھنی مونچھیں۔

نایاب اس شخص کو دیکھ کر ڈر گئی جبکہ وہ آدمی اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ اس نے غالباً نایاب کو ٹرین سے اترتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

"بی بی۔ آپ ٹرین سے اتری ہیں!" وہ نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ پھر جواب کا انتظار کیے بغیر بات جاری رکھی۔ "میں یہاں کا اسٹیشن ماسٹر ہوں' عبدالغنی۔ کہاں جانا ہے آپ کو؟"

"پیر آباد۔" نایاب نے کہتے ہوئے اس شخص کی طرف دیکھا۔ وہ اسٹیشن ماسٹر کے بجائے کوئی بھاٹیہ ہی لگتا تھا۔ نایاب نے سر جھٹک دیا۔ برانچ لائنوں کے اسٹیشن ماسٹر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے سال میں ایک آدھ بار کبھی اعلیٰ افسران کے انسپکشن کے موقع پر اسٹیشن ماسٹر وردی پہن لیتے ہوں۔ عام حالات میں تو اسی حلیے میں رہتے ہوں گے۔

"پیر آباد۔" اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی بڑبڑایا۔ "لیکن پیر آباد تو تقریباً تین کوس کے فاصلے پر ہے اور کوئی آپ کو لینے کے لیے بھی نہیں آیا۔"

"کوئی سواری نہیں مل سکے گی؟ میرا مطلب ہے کوئی تانگہ وغیرہ۔" نایاب نے کہا۔

"ایک دو تانگے ٹرین کے وقت تو یہاں ہوتے ہیں بی بی۔ آج چونکہ ٹرین لیٹ تھی' اس لیے تانگے والوں نے بھی انتظار نہیں کیا۔ ویسے کیا آپ نے اپنے عزیزوں کو اپنے آنے کی پہلے سے اطلاع نہیں دی تھی؟ کسی نہ کسی کو تو یہاں آنا چاہئے تھا آپ کو لینے کے لیے۔" عبدالغنی کہتے ہوئے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگے۔ نایاب نے اس وقت جینز اور ہلکے نیلے رنگ کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

"میں نے ایک ہفتہ پہلے خط تو لکھ دیا تھا۔" نایاب نے جواب دیا۔ "پتہ نہیں وہ خط انہیں ملا ہے یا نہیں۔ اگر خط مل گیا تھا تو کسی نہ کسی کو واقعی آنا چاہئے تھا۔"

"اس وقت تو بہرحال آپ پیرآباد نہیں جا سکیں گی۔" اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "صبح آٹھ بجے ٹرین کے وقت ایک دو تانگے یہاں آجائیں گے۔ آپ چاہیں تو رات میرے کوارٹر میں گزار سکتی ہیں۔"

"آپ کا کوارٹر!" نایاب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں ایک شریف آدمی ہوں۔" اسٹیشن ماسٹر بولا۔ "گھر میں میری بیوی موجود ہے۔ آپ کو پریشانی نہیں ہوگی۔"

نایاب نے گردن گھما کر دائیں طرف دیکھا۔ اسٹیشن کی عمارت سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر چار پانچ کوارٹر نظر آرہے تھے۔ ایک کوارٹر قدرے بڑا تھا۔ اس کے آگے وسیع رقبے کو جھاڑیوں کی باڑھ سے گھیر لیا گیا۔ دوسرے کوارٹروں کے سامنے بھی اسی طرح جھاڑیوں کی باڑھ لگا کر صحن بنائے گئے تھے۔ وہ قدرے الگ تھلگ بڑا کوارٹر غالباً اسٹیشن ماسٹر کا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ آیئے' میرے ساتھ چلیے۔" اسٹیشن ماسٹر نے کہا۔

نایاب نے ایک لمحہ کو کچھ سوچا اور پھر اس کے ساتھ چل پڑی۔ اس کی پیشکش قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ رات بھر یہاں کھڑی نہیں رہ سکتی تھی اور نہ ہی آدھی رات کو ویرانے میں اکیلی اتنی دور جا سکتی تھی۔

اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی اس سے دو قدم آگے چل رہا تھا۔ نایاب چلتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ میلی سی چاندنی میں اردگرد کا ماحول بڑا پراسرار لگ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے اسٹیشن ماسٹر کے گھر میں شب بسری کی پیشکش قبول تو کر لی ہے لیکن کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔

باڑھ کے راستے سے گزر کر عبدالغنی کوارٹر کے دروازے کے سامنے رک گیا اور مڑ کر نایاب کی طرف دیکھنے لگا جو بریف کیس ہاتھ میں جھلاتی ہوئی نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی آرہی تھی۔

دروازے کے باہر زنجیر والا کنڈا لگا ہوا تھا۔ عبدالغنی نے کھٹکا کھینچ کر دروازہ کھول دیا اور نایاب کو اندر داخل ہونے کے لیے راستہ دیا۔ نایاب جھجکتی ہوئی اندر آگئی۔ عبدالغنی نے دروازہ بند کرکے اندر سے کنڈا لگایا تو نایاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

یہ مختصر سا صحن تھا جس کے آگے انگریزی کے حرف ایل شیپ کا برآمدہ تھا۔ اس برآمدے میں ایک کمرہ ایک طرف تھا اور دوسری طرف۔ ان دو میں سے ایک کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور اندر سے لالٹین یا لیمپ کی روشنی نظر آرہی تھی۔ عبدالغنی برآمدے میں اس طرف آگیا جہاں ایک ہی کمرہ تھا۔ اس نے باہر سے کنڈا ہٹا کر دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو کر ہاتھ میں پکڑی ہوئی لالٹین کمرے میں پڑی ہوئی ایک چھوٹی میز پر رکھ دی۔

"آؤ بی بی' اندر آجاؤ۔" اس نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نایاب جھجکتی ہوئی اندر آگئی۔ "آپ کی بیگم کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔ "میں پہلے ان سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"دراصل میری بیگم کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اس وقت سو رہی ہیں۔ میں آپ کو اس سے ملوا دوں گا لیکن پہلے یہ بتایئے کہ آپ نے کچھ کھایا ہے یا نہیں؟ میرا خیال ہے ٹرین میں تو آپ کو کچھ نہیں ملا ہوگا۔" عبدالغنی بولا۔

نایاب کو بھوک تو لگ رہی تھی لیکن وہ پہلے یہ اطمینان کر لینا چاہتی تھی کہ اس گھر میں واقعی کوئی عورت ہے بھی یا یہ شخص اسے دھوکے سے یہاں لے آیا ہے۔

"آپ کی بیگم..... میرا مطلب ہے انہیں زحمت ہوگی۔" نایاب کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ یہ کمرہ بیٹھک کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ دو تین کرسیاں اور ایک ریگزین کا پرانا سا صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا جس کا ریگزین کئی جگہوں سے ادھڑا ہوا تھا۔

"وہ سو رہی ہے۔" عبدالغنی نے کہا۔ "میں اسے خود سے نہیں اٹھاؤں گا۔ وہ آوازیں سن کر خود ہی اٹھ جائے گی۔ میں دیکھتا ہوں باورچی خانے میں کچھ ہے یا نہیں۔ کھانے کو کچھ نہ ہوا تو چائے تو بنا ہی لوں گا۔ آپ آرام سے بیٹھ جائیں بی بی۔ یہاں آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

عبدالغنی کمرے سے نکل گیا۔ نایاب کچھ دیر تک اپنی جگہ پر کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی' پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسے اب اس شخص پر شبہ ہونے لگا تھا۔ وہ اسے کہہ کر لایا تھا کہ گھر میں اس کی بیوی موجود ہے لیکن اب وہ بہانہ بنا کر اسے ٹال رہا تھا۔ نایاب سوچ رہی تھی کہ اگر اس شخص نے کسی قسم کی بدتمیزی کی کوشش کی تو وہ اس کا ایسا حشر کرے

گی کہ زندگی بھر یاد کرے گا۔ اس نے مارشل آرٹس میں تھرڈ ڈان کی ڈگری حاصل کر رکھی تھی۔ ایک مرتبہ پہلے بھی یہ حربی فن اس کے کام آگیا تھا اور شاید اب پھر ہاتھ پیر ہلانے کی ضرورت پڑ جائے۔

باورچی خانہ غالباً صحن ہی میں کسی طرف تھا۔ برتنوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ نایاب محتاط انداز میں کرسی پر بیٹھی کھلے ہوئے دروازے سے باہر دیکھتی رہی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد عبدالغنی اندر داخل ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں چائے کے کپ اٹھا رکھے تھے۔

"معاف کرنا بی بی۔" وہ دونوں کپ میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ "کھانے کو تو کچھ نہیں تھا' میں نے چائے بنا لی ہے۔ دراصل میری بیوی کچھ عرصہ سے بیمار ہے۔ دن میں تو کھانا وغیرہ پوائنٹ مین کی بیوی پکا دیتی ہے اور گھر کے دوسرے کام بھی کر دیتی ہے۔ اس وقت میں نے اسے بلانا مناسب نہیں سمجھا۔ آپ چائے پیجئے۔"

ایک کپ عبدالغنی نے خود اٹھا لیا اور چسکیاں لینے لگا۔ چائے پیتے ہوئے اس کے منہ سے سڑسڑ کی آوازیں نکل رہی تھیں جو نایاب کو بہت ناگوار گزر رہی تھیں۔ اس نے بھی اپنا کپ اٹھا لیا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگی۔

"آپ کی بیگم کو کیا تکلیف ہے؟" نایاب نے اخلاقاً پوچھا۔

"بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ آپ دیکھیں گی تو خود ہی سمجھ لیں گی۔" عبدالغنی نے جواب دیا اور چائے پیتا رہا۔

"غنی...." دوسرے کمرے سے ایک مدھم سی نسوانی آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟ تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟"

"ایک مہمان ہے راشدہ۔" عبدالغنی نے دروازے کی طرف رخ کرکے جواب دیا۔ "ابھی آرہا ہوں۔"

نایاب کو اطمینان سا ہوا کہ گھر میں کوئی عورت موجود تو ہے۔ اب وہ آرام سے چائے پینے لگی۔ بالآخر اس نے کپ خالی کرکے میز پر رکھ دیا۔ عبدالغنی بھی چائے پی چکا تھا۔ وہ کپ میز پر رکھتے ہوئے اٹھ گیا۔

"آیئے۔ آپ کو اپنی بیوی راشدہ سے ملاؤں۔"

وہ دونوں اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آگئے۔ چارپائی پر ایک عورت لیٹی ہوئی تھی جس نے پورے جسم پر سفید چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اوپر سرخ رنگ کا دوپٹہ اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ اس کا چہرہ بھی پوری طرح چھپ گیا تھا۔

"راشدہ۔" عبدالغنی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ خاتون پیرآباد جانے کے لیے ٹرین سے اتری تھی۔ اسے لینے کے لیے کوئی نہیں آیا۔ ٹرین پانچ گھنٹے لیٹ تھی۔ ہوسکتا ہے کوئی آکر واپس چلا گیا ہو۔ بیچاری اکیلی ہے۔ مسافرخانے میں کیسے بیٹھی رہتی' میں اسے گھر لے آیا ہوں۔ رات یہاں گزار کر صبح واپس چلی جائے گی۔"

"اچھا کیا تم نے۔" راشدہ نے جواب دیا۔ اس کی آواز خرخراہٹ سے ملتی جلتی تھی اور وہ غالباً دوپٹے میں سے راشدہ کو دیکھ بھی رہی تھی۔ "ایسی جوان اور خوبصورت عورت کا رات کو گھر سے باہر رہنا مناسب نہیں ہے۔ بیٹھو بی بی۔ تم کھڑی کیوں ہو؟"

نایاب چارپائی کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میں اسٹیشن پر کسی کو نہ پا کر واقعی پریشان ہو گئی تھی۔" وہ راشدہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ کے ہسبینڈ بہت نیک آدمی ہیں۔ یہ....."

"پیرآباد میں کس کے گھر جانا ہے بی بی؟" راشدہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"چودھری امانت علی کے گھر۔" نایاب نے جواب دیا۔

"اوہ۔" راشدہ بولی۔ "جاگیردار سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ اس کی رشتہ دار ہو یا ویسے ہی جاگیر کی سیر کرنے آئی ہو؟"

"میں چودھری امانت علی کی بہو ہوں۔" نایاب نے جواب دیا۔ "میرے شوہر کو دو سال پہلے جاگیر پر ہی قتل کر دیا گیا تھا' میں ان دنوں شہر میں تھی۔ شوہر کے قتل کے بعد سسرال نہیں آئی کیونکہ فوراً ہی جائیداد کا جھگڑا شروع ہو گیا تھا۔ اب چودھری امانت علی نے پیغام بھیج کر مجھے بلوایا ہے۔ جھگڑے کا تصفیہ نمٹنے کے لیے' کچھ بڑے لوگ بیچ میں پڑے ہیں۔ میں نے آنے سے پہلے ایک ہفتہ پہلے خط تو لکھ دیا تھا لیکن کوئی مجھے لینے کے لیے آیا نہیں۔"

"تم نے اکیلے یہاں آکر بہت بڑا رسک لیا ہے۔" راشدہ نے کہا۔ "میں بھی پیرآباد کی رہنے والی ہوں۔ مجھے چودھری امانت علی کے بیٹے سرفراز چودھری کی پسند کی شادی' اس

کے بعد شروع ہونے والے جھگڑے اور پھر سرفراز چودھری کے قتل کے واقعہ کا بھی علم ہے۔ جاگیرداروں اور راجوں' نوابوں میں کوئی شخص اپنی موت نہیں مرتا۔ دولت بہت بری چیز ہے۔ زن' زر اور زمین ہمیشہ فساد کی جڑ رہی ہے۔ جن کے پاس دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں' انہیں دولت کی ہوس زیادہ ہے۔ کبھی زمین کی خاطر قتل ہوتے ہیں اور کبھی کوئی عورت کسی کی بھیانک موت کا باعث بنتی ہے۔ سرفراز چودھری کے قتل کے بارے میں بھی کچھ ایسی ہی متضاد باتیں سنی تھیں۔ کوئی کہتا ہے کسی مخالف زمیندار نے پرانی دشمنی کی بنا پر اسے قتل کروا دیا تھا اور کسی سے یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ اسے بڑے بھائی نے مروایا تھا تاکہ جاگیر کا بٹوارہ نہ ہو۔ ان سب کو سرفراز چودھری کی پسند کی شادی پر اعتراض تھا۔ تم غالباً شادی کے بعد صرف ایک ہفتہ گاؤں میں رہی ہو۔ میں نے تمہیں دیکھا تو نہیں تھا لیکن تمہارے حسن کی بہت تعریفیں سنی تھیں۔ لوگ ٹھیک ہی کہتے تھے۔ تم عورت نہیں اپسرا ہو۔"

نایاب خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ راشدہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ تقریباً چار سال پہلے سرفراز چودھری سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ سرفراز چودھری تعلیم کے سلسلے میں شہر میں رہائش پذیر تھا۔ ان دونوں کی ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی تھی اور سرفراز چودھری نے اپنے والدین کی رضامندی کے بغیر اس سے شادی کر لی تھی۔ وہ جب نایاب کو پہلی مرتبہ پیر آباد لے کر آیا تھا تو ٹھیک ٹھاک ہنگامے شروع ہو گئے تھے۔ نایاب ایک ہفتہ سے زیادہ گاؤں میں نہیں ٹک سکی تھی۔

شہر میں بھی چودھری امانت علی کے دو عالیشان بنگلے تھے جن میں سے ایک میں سرفراز چودھری رہائش پذیر تھا۔ وہ شادی کے بعد نایاب کو بھی اس بنگلے میں لے آیا تھا۔ سرفراز چودھری پر اپنے والدین کی طرف سے مسلسل یہ دباؤ پڑتا رہا کہ وہ نایاب کو طلاق دے دے لیکن وہ کسی دباؤ میں نہیں آیا۔ باپ نے اسے جائیداد سے عاق کر دینے کی دھمکی بھی دی مگر سرفراز چودھری اس دھمکی سے بھی مرعوب نہیں ہوا۔ اس کا بڑا بھائی چودھری سعادت علی کچھ زیادہ ہی بپھرا ہوا تھا۔ اس نے تو پورے خاندان میں سرفراز چودھری کے خلاف بائیکاٹ کی باقاعدہ مہم چلا رکھی تھی۔ اسی کے اکسانے پر کئی قریبی رشتہ داروں نے سرفراز چودھری سے تعلقات منقطع کر لیے تھے لیکن سرفراز نے کبھی اس کی پروا نہیں کی تھی۔

سعادت علی نے اس کا خرچہ بھی بند کروا دیا اور بنگلہ بھی خالی کرنے کا حکم دے دیا مگر سرفراز چودھری نے بنگلہ خالی نہیں کیا۔

ایک موقع پر سرفراز چودھری کی ماں نے بھی شہر آکر نایاب کو دھمکایا تھا۔ پہلے تو وہ اسے لالچ دینے کی کوشش کرتی رہی کہ دس بیس لاکھ لے کر اس کے بیٹے سے الگ ہو جائے مگر جب نایاب اس کی باتوں میں نہیں آئی تو وہ دھمکیوں پر اتر آئی تھی۔

آمنہ بی بی روایتی جاگیردارنی تھی۔ وہ بھی دولت کی پجارن تھی۔ وہ اپنے بیٹے کی شادی شاہ پور کے زمیندار کی بیٹی سے کرنا چاہتی تھی جو رشتے میں اس کا بھائی بھی تھا اور جہیز میں کم از کم تین سو ایکڑ زرعی اراضی ملنے کی امید تھی جبکہ نایاب کا باپ گریڈ اٹھارہ کا ایک سرکاری آفیسر تھا۔ وہ شاہ پور کے زمیندار کے مقابلے میں بھلا بیٹی کو کیا دے سکتا تھا۔ چودھری امانت علی اور اس کے خاندان نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

دو سال پہلے سرفراز چودھری گاؤں گیا تھا۔ وہ تو نایاب کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ سرفراز اکیلا چلا گیا اور پھر تیسرے ہی دن اس کی موت کی خبر آئی۔ اس روز وہ شہر واپس آنے کے لیے صبح سویرے گاؤں سے نکلا تھا۔ وہ تانگے پر سوار تھا۔ ایک عورت اور دو آدمی اور بھی تھے جو شہر جانے کے لیے اسٹیشن جا رہے تھے۔ کھیتوں میں اچانک ہی چند آدمیوں نے تانگے کو گھیر لیا۔ وہ سب ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے اور غالباً پہلے ہی سے گھات لگائے کھیتوں میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ سب لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مسلح تھے۔ تانگے والا اور دوسرے یہ سمجھے کہ وہ ڈاکو ہیں۔ وہ سب خوف سے چیخنے لگے مگر ان نقاب پوشوں نے کسی کو کچھ نہیں کہا۔ دو آدمیوں نے سرفراز چودھری کو کھینچ کر تانگے سے اتار لیا۔ سرفراز چودھری صورتحال کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ نقاب پوشوں نے اس پر لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے حملہ کر دیا۔ سرفراز چودھری نے ایک موقع پر بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ حملہ آوروں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس پر لاٹھیاں برساتے رہے۔

حملہ آور نقاب پوش سرفراز چودھری پر اس وقت تک لاٹھیاں برساتے رہے تھے جب تک انہیں اس کے ختم ہونے کا یقین نہیں ہو گیا تھا اور پھر وہ کھیتوں میں بھاگ گئے۔

سرفراز چودھری کے بھائی سعادت علی نے دوسرے گاؤں میں رہنے والے اپنے ایک مخالف زمیندار اکرام اللہ کے خلاف قتل کی رپورٹ لکھوا دی۔ ان میں پہلے ہی سے زمینوں کے تنازعہ پر مقدمے بازی چل رہی تھی۔

پیر آباد کے لوگ اکرام اللہ اور چودھری امانت علی کی مقدمے بازی سے واقف تھے اور وہ چودھری امانت علی کے گھریلو جھگڑوں کے بارے میں بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ تمام گاؤں والے اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ سرفراز چودھری کی پسند کی شادی کے بعد اس خاندان میں کس طرح پھوٹ پڑ گئی تھی اور سرفراز چودھری کو کیسی کیسی دھمکیاں دی گئی تھیں۔ بعض لوگ دبی زبان میں یہ تو کہتے تھے کہ سعادت علی نے اپنے بھائی کو مروایا ہے مگر کھل کر بات کرنے کا حوصلہ کسی میں نہیں تھا۔ پولیس مفروضوں پر قتل کی تحقیقات کرتی رہی اور قاتلوں کا آج تک پتہ نہیں چل سکا تھا۔

سرفراز چودھری کی موت کے دو ہفتے بعد سعادت علی شہر پہنچ گیا۔ نایاب اسی بنگلے میں مقیم تھی۔ سعادت علی نے اسے ایک بار پھر ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی اور ایک ہفتے کے اندر اندر وہ بنگلہ خالی کر دینے کو کہا۔

شوہر کی موت سے نایاب کے تو ابھی آنسو بھی خشک نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنے سسرال والوں سے پہلے ہی نالاں تھی۔ اس کے خیال میں اس کے شوہر کی موت کے ذمے دار سعادت علی اور اس کا باپ چودھری امانت علی تھے اور اب چودھری سعادت علی کی دھمکی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ ایسی دھمکیوں سے نہ تو پہلے ڈری تھی اور نہ اب خوفزدہ ہوئی تھی۔

نایاب نے دولت کے لالچ میں سرفراز چودھری سے شادی نہیں کی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے اور اسی چاہت میں ایک ہوئے تھے۔ اسے شادی سے پہلے ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ سسرال میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی اور شادی کے بعد تو صورتحال کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ سرفراز کے والدین ہی اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ اسے طرح طرح سے تنگ کیا جا رہا تھا اور جائیداد سے عاق کر دینے کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔

سرفراز چودھری کا شمار ایسے لوگوں میں کیا جا سکتا تھا جو بقول شخصے منہ میں سونے کا

چمچہ لے کر پیدا ہوتے تھے اور اب اس سے سب کچھ چھینا جا رہا تھا۔ خرچ ملنا بند ہو گیا تو اس نے معمولی سی تنخواہ پر نوکری کر لی۔ نایاب کے والد نے ان کی مالی مدد کرنا چاہی تھی مگر سرفراز چودھری نے کوئی مدد لینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

نایاب کو سرفراز چودھری کی محبت پر فخر تھا تو اس پر ترس بھی آتا تھا۔ ایک موقع پر اس نے سرفراز سے کہا بھی تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر اپنے والدین کی بات مان لے۔ اس پر سرفراز نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا تھا کہ آئندہ وہ ایسی کوئی بات نہ کرے۔

نایاب کو وہ تھپڑ آج بھی یاد تھا اور یہ بھی یاد تھا کہ تھپڑ مارنے کے بعد سرفراز اس سے لپٹ کر کتنا رویا تھا۔ وہ روتے ہوئے بار بار کہہ رہا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ سکتا ہے مگر اسے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

نایاب کو سرفراز چودھری کی دولت کا کوئی لالچ نہیں تھا۔ اس کی محبت ہی اس کے لیے سب سے بڑی دولت تھی مگر دولت نے سرفراز کی جان لے لی تھی اور جب اس کی موت کے صرف دو ہفتے بعد سعادت علی نے نایاب کو دھمکیاں دیں اور ایک ہفتے کے اندر اندر بنگلہ خالی کر دینے کو کہا تو اس نے بھی صورتحال کے سامنے ڈٹ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ سرفراز چودھری کی بیوہ تھی۔ سرفراز کا اپنے باپ کی جاگیر میں اتنا ہی حصہ تھا جتنا اس کے بڑے بھائی سعادت علی کا ہو سکتا تھا۔ سرفراز چودھری کی بیوہ کی حیثیت سے قانونی طور پر وہ اس حصے کی حقدار تھی۔

سعادت علی کے جانے کے دوسرے ہی روز اس نے اپنے والد سے مشورہ کیا اور اس عزم کا اظہار کیا کہ پہلے تو اسے سرفراز چودھری کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن سعادت علی کی کھلی دھمکی کے بعد وہ صورتحال کا مقابلہ کرے گی اور کسی بھی صورت میں اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوگی۔

نایاب کا والد احمد نواز گریڈ اٹھارہ کا سرکاری آفیسر تھا۔ اس محکمہ میں رشوت اور ناجائز کمائی کے ذرائع تو پیدا تھے لیکن وہ زندگی بھر اس لعنت سے دور ہی رہا تھا۔ البتہ اس کے تعلقات خاصے اوپر تک تھے۔ وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ چودھری امانت علی جیسے جاگیردار سے ٹکر لینا آسان نہیں ہوگا۔ وہ جاگیردار تھا' اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ اس کے پاس اور بھی ذرائع تھے جن سے وہ انہیں پریشان کر سکتا تھا لیکن وہ اپنی بیٹی

کی ضد سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے اگر فیصلہ کر لیا تھا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے یہ فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔

احمد نواز جس محکمہ میں تھا وہاں اس نے کمایا تو کچھ نہیں تھا البتہ کچھ لوگوں سے اچھے تعلقات ضرور بنائے تھے۔ اس نے اپنے چند دوستوں سے مشورے کئے۔ قانونی رائے بھی لی اور بالآخر ایک بہت بڑے وکیل کے توسط سے نایاب کی طرف سے چودھری امانت علی کو ایک لیگل نوٹس بھجوا دیا جو بالآخر ایک مقدمے کی بنیاد بنا۔

دو سال سے مقدمہ چل رہا تھا۔ شروع میں چودھری امانت علی نے کہا تھا کہ وہ چٹکی بجاتے ہی اس مقدمے کا فیصلہ اپنے حق میں کرا لے گا اور نایاب کو اپنے پیروں پر ناک رگڑنے پر مجبور کر دے گا مگر نہ تو اس کی چٹکی بج سکی اور نہ ہی وہ نایاب کو ناک رگڑنے پر مجبور کر سکا۔

چودھری امانت علی اس مقدمے پر روپیہ پانی کی طرح بہا رہا تھا۔ دوسری طرف احمد نواز کے تعلقات کام کر رہے تھے۔ چودھری امانت علی کے لیے آئے دن نئی نئی الجھنیں پیدا ہو رہی تھیں۔ کبھی بلوں کی عدم ادائیگی کی بنا پر اس کی اراضی پر ٹیوب ویلوں کی بجلی کاٹ دی جاتی، کبھی نہری پانی کا کوئی جھگڑا کھڑا ہو جاتا اور کبھی اراضی کی اس کے باپ دادا کے زمانے کی حدبندی کا کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہوتا۔ تقریباً پچاس ساٹھ برس پہلے چودھری امانت علی کے باپ نے محکمہ کے اہلکاروں کو پیسہ کھلا کر تقریباً چار مربعہ سرکاری زمین اپنی اراضی میں شامل کرا لی تھی اور اب محکمہ کی طرف سے بھی وہ سرکاری زمین واگزار کرانے کے لیے ایک مقدمہ بن گیا تھا۔

ہر روز پیدا ہونے والی نئی نئی پیچیدگیوں سے چودھری امانت علی کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ نایاب کو اپنے پیروں پر ناک رگڑنے پر مجبور کر دے گا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اگر صورتحال یہی رہی تو خود اسے نایاب کے پیروں پر ناک رگڑنی پڑے گی۔ بالآخر اس نے نایاب کو یہ پیغام بھجوا دیا کہ اگر وہ اپنا کیس واپس لے لے اور اس کے خلاف دیگر کارروائیاں بند کر دی جائیں تو وہ بعض شرائط کے تحت سرفراز چودھری کا حصہ اسے دینے کو تیار ہے اور نایاب وہی شرائط طے کرنے پیر آباد جا رہی تھی۔

نایاب کے والد اور دوستوں نے مشورہ دیا تھا کہ وہ اکیلی نہ جائے۔ اپنے وکیل اور کسی

اور آدمی کو بھی ساتھ لے جائے لیکن نایاب اکیلی جانے پر بضد رہی تھی۔ اس سے پہلے کچھ بڑے لوگ بیچ میں پڑ چکے تھے۔ اس لیے نایاب کو توقع تھی کہ چودھری امانت علی یا اس کا بڑا بیٹا سعادت علی اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کریں گے۔

اس نے اگرچہ ایک ہفتہ پہلے چودھری امانت علی کو خط لکھ دیا تھا کہ وہ کب آ رہی ہے لیکن اسے لینے کے لیے کوئی بھی اسٹیشن پر نہیں پہنچا تھا اور اب وہ اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی کے گھر میں بیٹھی اس کی بیوی راشدہ سے باتیں کر رہی تھی۔

راشدہ بھی پیر آباد ہی کی رہنے والی تھی اور چودھری خاندان کے اس جھگڑے سے واقف تھی اور وہ بڑے خلوص سے اسے محتاط رہنے کا مشورہ دے رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے آپ چودھری فیملی کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہیں۔" نایاب نے کہا۔

"میں ہی کیا' پیر آباد کا ہر باسی ان کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔" راشدہ نے جواب دیا۔ "امانت علی کا چھوٹا بیٹا سرفراز چودھری بہت اچھا آدمی تھا۔ اپنے گھر والوں سے بالکل مختلف مگر سعادت علی.....اس کے اندر تو شیطان کی روح بسیرا کیے ہوئے ہے۔ وہ پیر آباد کے کئی گھر اجاڑ چکا ہے۔ کئی لڑکیوں نے اس کے ہاتھوں رسوا ہو کر خودکشی کر لی۔ کسی نے گلے میں پھندا ڈال کر جان دیدی اور کسی نے کنویں میں چھلانگ لگا دی مگر کوئی اس شیطان کو روکنے والا نہیں۔ ان کے پاس پیسہ ہے۔ پولیس ان کی زرخرید ہے۔ کئی مرتبہ پولیس پیر آباد آئی مگر مظلوموں کی داد رسی کرنے کی بجائے انہی کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ بہت ظالم ہیں یہ لوگ۔"

"میں ان سے اچھی طرح واقف ہو چکی ہوں۔" نایاب نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "انہوں نے دوسروں پر ظلم اس لیے کیا کہ لوگ خاموشی سے ظلم سہتے رہتے۔ کسی نے ان کا ہاتھ نہیں روکا۔ انہوں نے تو مجھے بھی بہ تسلیم کرنے کے بجائے میرے ساتھ روایتی ہتھکنڈے استعمال کرنے کی کوشش کی مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اگر میں بھی دوسروں کی طرح ڈر جاتی تو میرا بھی وہی حشر ہوتا جو دوسروں کا ہوتا رہا ہے لیکن اب یہ بات ان کی سمجھ میں آگئی ہے کہ کوئی ان کے راستے کی رکاوٹ بھی بن سکتی ہے۔"

"پیر آباد کے لوگ اسٹیشن پر آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان سے حالات کا کچھ پتہ چلتا

رہتا ہے۔" راشدہ نے کہا۔ "سنا ہے تم اپنا مقدمہ واپس لے رہی ہو؟"

"ابھی نہیں۔" نایاب نے جواب دیا۔ "جب تک تمام معاملات طے نہیں ہو جاتے' میں اپنا مقدمہ واپس نہیں لے سکتی۔"

"خدا تمہیں سرخرو کرے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" راشدہ نے کہا۔ "چودھری سعادت علی کو کسی عورت کے قدموں میں گر کر گڑگڑاتے دیکھ کر مجھے خوشی ہوگی۔"

"آپ ایک دن یہ بھی دیکھ لیں گی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "خیر۔ چھوڑے ان باتوں کو۔ آپ نے اپنے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں۔ کیا عارضہ ہے آپ کو اور آپ نے چہرے پر دوپٹہ کیوں ڈال رکھا ہے؟"

"تمہاری وجہ سے۔" راشدہ نے جواب دیا۔ "مجھے دراصل پائیریا ہے۔ منہ سے بو آتی ہے۔ کوئی میرے قریب بھی نہیں بیٹھ سکتا' اس لیے منہ پر دوپٹہ ڈال رکھا ہے۔"

"لیکن میں اپنی انجانی ہمدرد کی صورت دیکھنا چاہتی ہوں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ عبدالغنی اس وقت کمرے میں نہیں تھا۔ نایاب نے راشدہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے چہرے سے دوپٹہ ہٹا دیا اور پھر اپنی جگہ سے اچھلنے کے ساتھ ہی وہ بری طرح چیخ اٹھی۔

بہت بھیانک چہرہ تھا راشدہ کا..... جلا ہوا..... پوری کھال جلی ہوئی تھی۔ دائیں آنکھ کا ڈیلا باہر لٹکا ہوا تھا۔ ناک کا آگے کا حصہ ندارد' اوپر کا ہونٹ بھی غائب تھا اور دانت جڑوں تک نظر آرہے تھے۔

نایاب نے اس کے جسم پر سے چادر بھی ہٹا دی۔ اس کی گردن اور سینے کا جو حصہ نظر آرہا تھا' وہ بھی جلا ہوا تھا۔ اس نے ڈھیلی ڈھالی سی قمیض پہن رکھی تھی۔ البتہ بازو نظر آرہے تھے۔ انگلیوں سے لے کر اوپر تک بازو جلے ہوئے تھے۔ ایک بازو کی کلائی کی ہڈی بھی نظر آرہی تھی۔ وہ اپنے بازوؤں کو حرکت نہیں دے سکتی تھی اور شاید اسی لیے جب نایاب نے اس کے چہرے سے دوپٹہ اتارا تھا تو وہ اس کا ہاتھ بھی نہیں روک سکی تھی۔

نایاب کی چیخ سن کر اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی دوڑ کر اندر آگیا اور پھر صورتحال کو سمجھتے ہوئے اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

راشدہ کو دیکھ کر نایاب کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔ اس کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

"یہ..... یہ....." نایاب ہکلا کر رہ گئی۔

عبدالغنی کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ باہر سے ایک آواز سنائی دی۔ کوئی آدمی اس کا نام لے کر پکار رہا تھا۔

"عبدالغنی..... او باؤ عبدالغنی....."

"کون ہے بھئی..... ابھی آتا ہوں۔" عبدالغنی نے دروازے کی طرف رخ کر کے جواب دیا اور راشدہ کے جسم پر چادر اور چہرے پر دوپٹہ ڈال دیا اور نایاب کی طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

اسی وقت نایاب کو گھوڑے کی ہنہناہٹ کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

عبدالغنی صحن والا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ اس کی واپسی تقریباً پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔

"کون تھا عبدالغنی؟" راشدہ نے پوچھا۔

"چودھری امانت علی کے آدمی تھے۔" عبدالغنی نے جواب دیا۔ "پوچھ رہے تھے ٹرین سے کوئی زنانہ سواری تو نہیں اتری تھی۔"

"اوہ..... وہ لوگ مجھے لینے کے لیے آئے ہوں گے۔" نایاب جلدی سے بولی۔ "انہیں پتہ چل گیا ہوگا کہ ٹرین آگئی ہے۔ انہیں روکیے عبدالغنی صاحب!"

"وہ لوگ جا چکے ہیں۔" عبدالغنی نے جواب دیا۔ "میں نے انہیں کہہ دیا تھا کہ آج اس ٹرین سے کوئی سواری اتری ہی نہیں۔"

"آپ نے یہ کیوں کہہ دیا؟" نایاب نے اسے گھورا۔ "کمال ہے۔ وہ لوگ مجھے لینے کے لیے آئے اور آپ نے جھوٹ بول کر انہیں واپس کر دیا۔"

"کبھی کبھی جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔" عبدالغنی نے جواب دیا۔ "ان کے ارادے نیک نہیں تھے نایاب بی بی! اگر وہ تمہیں لینے کے آئے ہوتے تو تانگے یا یکے پر آتے۔ وہ دونوں آدمی گھوڑوں پر تھے۔ جس انداز اور لہجے میں وہ مجھ سے سوال کر رہے تھے' اس سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ بہرحال تم ابھی اپنے منہ سے آواز مت

نکالنا- وہ لوگ اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک انہیں اطمینان نہ ہو جائے- یہ بھی اچھا ہوا کہ تمہیں کسی اور نے ٹرین سے اترتے ہوئے نہیں دیکھا تھا-"

"لیکن....."

"عبدالغنی ٹھیک کہہ رہے ہیں نایاب بی بی-" راشدہ نے اس کی بات کاٹ دی- "اگر وہ تمہیں لینے کے ارادے سے آئے ہوتے تو تانگے یا یکے پر ہوتے لیکن دو آدمیوں کا گھوڑوں پر آنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کے ارادے واقعی نیک نہیں ہیں- تم خاموشی سے یہاں میرے پاس بیٹھی رہو-"

نایاب واقعی خاموش ہوگئی- اس سلسلے میں اس نے مزید کوئی بات نہیں کی- باتیں کرتے ہوئے ڈیڑھ بج چکا تھا-

"نایاب بی بی-" عبدالغنی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا- "تم نے اکیلے یہاں آکر غلطی کی ہے- چودھری امانت علی تمہارا سسر ہے' تم اسے اتنا نہیں جانتیں جتنا ہم لوگ جانتے ہیں- وہ دونوں باپ بیٹے عذاب ہیں اس علاقے کے لوگوں کے لیے- تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے' وہ تمہارے سامنے ہے- انہوں نے اپنے بیٹے کو بھی اس لیے موت کے گھاٹ اتار دیا کہ جاگیر میں کوئی اور حصے دار نہ بن سکے- انہوں نے تمہیں یہاں بلایا ہے تو اس میں بھی یقیناً کوئی چال ہوگی- تم نے اکیلے یہاں آکر بہت بڑی غلطی کی ہے لیکن وقت اب بھی تمہارے ہاتھ میں ہے-" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا- "دو بجے ایک گڈز ٹرین آنے والی ہے- میرا مشورہ ہے کہ تم شہر واپس چلی جاؤ- میں تمہیں مال گاڑی میں گارڈ کے ڈبے میں بٹھا دوں گا-"

"نہیں عبدالغنی صاحب!" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا- "میرے ساتھ تو کئی لوگ آنے کو تیار تھے لیکن میں ضد کرکے اکیلی آئی ہوں اور چودھری امانت علی کو بھی اپنے خط میں یہ اطلاع دیدی تھی کہ میں اکیلی ہی آؤں گی- اگر میں واپس چلی گئی تو بزدل کہلاؤں گی اور ان کی نظروں میں کمزور پڑ جاؤں گی-"

"جو فیصلہ ٹھنڈے دماغ سے سوچ سمجھ کر کیا جائے' اسے بزدلی نہیں کہتے-" عبدالغنی نے کہا- "بہرحال اپنے معاملات کو تم ہی ہم سے بہتر سمجھتی ہو لیکن میرا مشورہ مان کر اگر واپسی کا ارادہ ہو تو میں اس مال گاڑی کو اسٹیشن پر رکوا سکتا ہوں- تم کسی کی نظروں میں

آئے بغیر واپس چلی جاؤ گی-"

"میں واپس نہیں جاؤں گی-" نایاب نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا-

"ٹھیک ہے' تمہاری مرضی-" عبدالغنی ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے بولا- "اب میں اسٹیشن جا رہا ہوں- میری واپسی دو بجے کے بعد ہی ہوگی- میری عدم موجودگی میں اگر باہر کوئی آواز دے تو تمہیں باہر نکلنے یا جواب دینے کی ضرورت نہیں- راشدہ خود ہی جواب دے لے گی-"

عبدالغنی دوسرے کمرے میں چلا گیا- اس نے میز پر رکھی ہوئی لالٹین اور نایاب کا بریف کیس اٹھا لیا- بریف کیس اس نے اس کمرے میں لاکر نایاب کے حوالے کر دیا اور دوسری چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا-

"تم یہاں سو جاؤ نایاب بی بی! میں اسٹیشن سے واپس آکر بیٹھک میں سو جاؤں گا-"

عبدالغنی چلا گیا- اس نے صحن والے دروازے کو باہر سے کنڈا لگا دیا تھا- نایاب کرسی پر بیٹھی ادھر ادھر دیکھنے لگی- بیٹھک وہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی جہاں دو تین ٹوٹی پھوٹی کرسیاں اور ایک پرانا سا صوفہ تھا- اس کمرے کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی- دو بان کی چارپائیاں- ایک چارپائی کے نیچے لوہے کا ایک پرانا سا ٹرنک رکھا ہوا نظر آرہا تھا- کھونٹی پر دو تین پرانے سے جوڑے ٹنگے ہوئے تھے- دیوار کے ساتھ لکڑی کی ایک چھوٹی میز پر دواؤں کی دو بوتلیں' گولیوں کے اسٹرپس اور چند اور چیزیں رکھی ہوئی تھیں- پانی سے بھرا ہوا سلور کا ایک گلاس بھی رکھا ہوا تھا-

سامنے والی دیوار کے کارنس پر بھی چند ایسی ہی چیزیں پڑی ہوئی تھیں- البتہ ان میں ایک ایسی چیز تھی جس نے نایاب کی توجہ کھینچ لی- وہ فریم میں لگی ہوئی ایک تصویر تھی- نایاب نے اٹھ کر وہ فریم اٹھا لیا- ایک مرد اور ایک عورت کی تصویر تھی- عورت بے حد حسین تھی اور مرد بھی بڑا اسمارٹ تھا-

"یہ کس کی تصویر ہے؟" نایاب نے راشدہ سے پوچھا-

"میری اور عبدالغنی کی-" راشدہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا- "شادی کے تقریباً ایک سال بعد کھنچوائی تھی-"

نایاب اچھل پڑی- تصویر میں راشدہ بے حد حسین تھی اور اب اسے دیکھ کر تو یہ

تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ اسی کی تصویر تھی۔ عبدالغنی بھی بہت اسمارٹ تھا۔ وہ اس تصویر میں عبدالغنی کو بالکل نہیں پہچان سکی تھی۔ کیسی تبدیلی آگئی تھی اس میں۔ اب تو وہ بہت بد ہیئت ہو گیا تھا۔

"ایک بات پوچھوں راشدہ؟" نایاب تصویر کارنس پر رکھتے ہوئے بولی۔ "تمہارے ساتھ یہ سب کچھ کیسے ہوا تھا' میرا مطلب ہے....."

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں نایاب بی بی۔" راشدہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میری تصویر تم نے دیکھ لی۔ میں گاؤں کی سب سے حسین لڑکی ہوا کرتی تھی۔ گاؤں کے بہت سے لڑکے مجھ سے شادی کے خواہش مند تھے۔ قرعہ فال عبدالغنی کے نام نکلا۔ وہ میرا ماموں زاد بھی ہے۔ شادی سے پہلے وہ کسی اور اسٹیشن پر ہوا کرتا تھا۔ پھر اس کا ٹرانسفر یہاں ہو گیا۔ ہمارے گھر اس کا آنا جانا بڑھ گیا اور پھر ہماری شادی ہو گئی۔

"میرے چاہنے والوں میں ایک نام چودھری سعادت علی کا بھی تھا لیکن اس کی چاہت میں ہوس تھی۔ اس نے کئی مرتبہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا اور پھر میری شادی ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ میری شادی کے بعد وہ میرا پیچھا چھوڑ دے گا لیکن وہ شیطان اب بھی مجھ پر نظریں رکھے ہوئے تھا۔ ایک مرتبہ اس نے مجھے گلی میں روکا تو میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ اگر اس میں شرافت کا ذرا بھی مادہ ہوتا تو اس کے بعد وہ کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا لیکن اس ذلیل آدمی کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ ایسے لوگ اس قسم کی باتوں کو بھولا نہیں کرتے۔ وہ انتقام لینے کے لیے موقع کی تاک میں رہتے ہیں اور پھر پانچ سال پہلے اسے موقع مل گیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "وہ کماد کا سیزن تھا۔ گنے کی کٹائی ہو رہی تھی۔ ایک جگہ گڑ بنانے کے لیے بہت بڑا کڑھاؤ آگ پر چڑھا دیا گیا تھا۔ فصل کی کٹائی ہوتی ہے تو سب لوگ کام کرتے ہیں' عورتیں بھی اور بچے بھی۔ میں بھی ان دنوں گاؤں گئی ہوئی تھی اور بابا کے ساتھ کھیتوں پر کام کر رہی تھی۔ بابا نے مجھے کڑھاؤ کے پاس بٹھا دیا کہ میں اس کے نیچے الاؤ میں ایندھن جھونکتی رہوں۔ بابا خود کسی اور طرف چلے گئے۔

میں وہاں اکیلی تھی۔ کڑھاؤ میں راب' گنے کا رس بھرا ہوا تھا جو کھول رہا تھا۔ میں اس کے نیچے الاؤ میں ایندھن جھونکتی جا رہی تھی۔ اسی دوران چودھری سعادت علی اپنے دو

آدمیوں کے ساتھ اس طرف نکل آیا۔ مجھے اکیلے پا کر چودھری سعادت علی کو موقع مل گیا۔ میں نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی مگر انہوں نے مجھے گھیر لیا۔ میں چیخ چیخ کر اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتی رہی مگر چودھری سعادت نے مجھے دبوچ لیا۔ میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔

میری چیخوں کی آواز سن کر دور کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ اس طرف دوڑے۔ چودھری سعادت نے جب دیکھا کہ اب کام بگڑ رہا ہے تو اس نے مجھے اٹھا کر راب کے کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں پھینک دیا۔ کڑھاؤ الٹ گیا۔ کھولتا ہوا سارا راب میرے اوپر گرا تھا۔

مجھے پہلے نورپور قصبے اور پھر شہر کے ہسپتال بھجوا دیا گیا۔ بعد میں گاؤں میں پولیس بھی آئی تھی لیکن چودھری سعادت کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے بجائے میرے بابا کو پکڑ کر حوالات میں بند کر دیا گیا۔

بابا چھ مہینوں تک نورپور کی حوالات میں بند رہا اور میں ایک سال تک ہسپتال میں پڑی رہی۔ عبدالغنی نے میرے لیے دن رات ایک کر دیا۔ میرے علاج کے لیے اس نے اپنا شہر والا مکان فروخت کر دیا۔ گھر کے برتن اور ہر وہ چیز بیچ دی جس سے دو پیسے مل سکتے تھے۔ اسے بڑی محبت ہے مجھ سے۔ میں نے کہا تھا' مجھے مر جانے دیا ہوتا۔ اس حالت میں میں اس کے کس کام کی مگر وہ کہتا ہے محبت جسم سے نہیں روح سے ہوتی ہے۔ مجھے دیکھ کر لوگ ڈر کر چیخ اٹھتے ہیں۔ میرے قریب نہیں آتے۔ میری طرف ایک نظر دیکھنا پسند نہیں کرتے مگر یہ عبدالغنی.....اسے اب بھی مجھ سے بڑی محبت ہے۔ بڑی تکلیفیں اٹھا رہا ہے میرے لیے۔ ساری تنخواہ میرے علاج پر خرچ کر دیتا ہے۔ میں نے کئی مرتبہ کہا' مجھے شہر کے ہسپتال میں رہنے دو لیکن وہ مجھے اپنی نظروں سے دور نہیں کرنا چاہتا۔

اسی لیے عبدالغنی بھی اور میں بھی بار بار تم سے کہہ رہے ہیں کہ واپس چلی جاؤ اور اپنی حفاظت کا بندوبست کر کے پیر آباد جاؤ۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔"

نایاب راشدہ کی کہانی سن کر کانپ اٹھی۔ ایک طرف گناہ اور حرص و ہوس کی کہانی تھی تو دوسری طرف محبت اور چاہت کی داستان۔ راشدہ پانچ سال سے اس حالت میں تھی۔ لوگ اس کی شکل دیکھ کر ڈرتے تھے لیکن عبدالغنی نے اسے سینے لگا رکھا تھا۔ یہ واقعی

اس کی محبت تھی کہ وہ اسے اپنی نظروں سے دور نہیں کرنا چاہتا تھا۔

یوں تو نایاب پچھلے پانچ سال سے اپنے سسرال کو بھگت رہی تھی۔ شادی کے بعد وہ صرف ایک ہفتہ اس گاؤں میں آکر رہی تھی اور پھر اس کے بعد پانچ سال کا عرصہ اس نے جس اذیت میں گزارا تھا' وہی جانتی تھی لیکن چودھری فیملی کے بارے میں اسے صرف اسی حد تک معلومات حاصل تھیں جس حد تک اس کا تعلق تھا مگر یہاں عبدالغنی اور راشدہ سے ملاقات کے بعد جو انکشافات ہوئے تھے' وہ بہت خوفناک تھے۔ ان دونوں نے اسے واپس چلے جانے کا مشورہ دیا تھا لیکن وہ بھی ضد کی پکی تھی۔ بڑھا ہوا قدم پیچھے ہٹانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ڈھائی بجے کے قریب عبدالغنی واپس آگیا۔

"وہ دونوں ابھی ابھی واپس آگئے ہیں۔" اس نے نایاب کو بتایا۔ "مجھ سے اور میرے ہوانشس مین سے طرح طرح کے سوال کرتے رہے۔ پورا اسٹیشن انہوں نے کئی مرتبہ ادھر سے ادھر تک دیکھ ڈالا۔ ان کا خیال تھا کہ ممکن ہے تم ٹرین سے اتری ہو اور کسی کو نہ پا کر وقت گزارنے کے لیے کہیں ادھر ادھر چھپ کر بیٹھی ہو۔ اب شاید انہیں یقین ہو گیا تھا کہ تم رات والی ٹرین سے نہیں آئیں۔ نایاب بی بی!" وہ رک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ان لوگوں کی باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ چودھری امانت علی اور اس کا بیٹا تمہیں پیر آباد پہنچنے سے پہلے ہی ختم کرا دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے میرا مشورہ اب بھی یہی ہے کہ پیر آباد جانا تمہارے لیے خطرے سے خالی نہیں ہے۔ تم واپس چلی جاؤ اور اپنی حفاظت کا بندوبست کرکے واپس آؤ۔"

"میں اب یہاں تک آچکی ہوں تو واپس نہیں جاؤں گی۔" نایاب نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' تمہاری مرضی۔" عبدالغنی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پھر بولا۔ "رات زیادہ ہو چکی ہے۔ تم یہاں اس چارپائی پر سو جاؤ۔ میں بیٹھک میں صوفے پر لیٹ جاتا ہوں اور ہاں.....دروازے کو اندر سے کنڈا مت لگانا تاکہ راشدہ اگر کسی وقت آواز دے تو میں اندر آسکوں۔"

"میرا خیال ہے آپ یہاں سو جایئے۔ میں بیٹھک میں چلی جاتی ہوں۔" نایاب کہتے ہوئے اٹھ گئی۔ اس نے اپنا بریف کیس بھی اٹھا لیا اور عبدالغنی کے جواب کا انتظار کیے بغیر

دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

عبدالغنی بھی لالٹین اٹھا کر اس کے ساتھ آگیا۔ بیٹھک میں آکر اس نے لالٹین میز پر رکھ دی اور کمرے سے نکل گیا۔ نایاب نے دروازہ بھیڑ دیا اور جب کنڈا لگانا چاہا تو چونک گئی' اندر کی طرف کا کنڈا ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑی سوچتی رہی' پھر اس نے دو کرسیاں اٹھا کر دروازے کے سامنے رکھ دیں اور جوگرز اتار کر صوفے پر لیٹ گئی۔ تکیے کی جگہ اس نے اسی کرسی سے گدی اٹھا کر دوہری کرکے سر کے نیچے رکھ لی تھی۔

اس وقت اگرچہ تین بجنے والے تھے لیکن نیند نایاب کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ راشدہ کی کہانی سن کر وہ کانپ اٹھی تھی۔ چودھری فیملی کے بارے میں وہ اب تک یہی سمجھتی رہی تھی کہ انہیں دولت کی ہوس ہے لیکن راشدہ کو دیکھ کر اور اس کی درد بھری کہانی سن کر اسے اندازہ ہوا تھا کہ ان باپ بیٹوں کے اندر شیطان چھپا بیٹھا تھا۔

نایاب بھی اب یہی سوچ رہی تھی کہ اسے عبدالغنی اور راشدہ کا مشورہ مان لینا چاہئے اور صبح کی ٹرین سے شہر واپس چلے جانا چاہئے۔ سعادت علی اور اس کے باپ سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ بھی کوئی زیادتی کرنے کی کوشش کریں۔ چودھری کے دو آدمی یہ معلوم کرنے کے لیے یہاں آچکے تھے کہ وہ رات والی ٹرین سے آئی تھی یا نہیں۔ اس سے نایاب کو اندازہ ہوا کہ ٹرین کے ٹائم پر شام چھ بجے کوئی نہ کوئی اس کے استقبال کے لیے اسٹیشن پر ضرور موجود ہوگا اور جب ٹرین لیٹ ہوتی چلی گئی تو وہ بھی واپس چلے گئے ہوں گے اور پھر رات گیارہ بجے انہوں نے ٹرین کی وسل کی آواز سنی ہوگی اور دو آدمی اسٹیشن پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے عبدالغنی سے اس کے بارے میں پوچھا تھا اور عبدالغنی نے عقلمندی سے کام لیتے ہوئے انہیں ٹال دیا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے رات کو عبدالغنی کے ساتھ اس کے گھر آنے کی پیشکش قبول کرکے اچھا ہی کیا تھا۔ اگر وہ اس کے ساتھ نہ آتی تو اسٹیشن پر بیٹھی رہتی اور پھر نجانے اسے کس قسم کی صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا۔ عبدالغنی کے گھر آجانے سے اسے فائدہ ہی ہوا تھا۔ چودھری فیملی کے بارے میں نہ صرف بہت سی معلومات حاصل ہو گئی تھیں بلکہ کچھ سنسنی خیز انکشافات بھی ہوئے تھے۔ اب وہ دھوکے میں ان کا شکار نہیں ہو سکتی تھی۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے رات کے آخری پہر اس کی آنکھ لگ گئی۔

انجن کے وسل کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک بے حس و حرکت پڑی چھت کو گھورتی رہی۔ کمرے میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ذرا سی گردن گھما کر دیکھا۔ دروازے کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا جس سے روشنی اندر آرہی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

کمرے کا دروازہ دو پٹ کا تھا اور اس نے سونے سے پہلے دونوں کے سامنے کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک پٹ کے سامنے سے کرسی دور ہٹی ہوئی تھی۔ باہر سے دروازہ دھکیل کر کھولا گیا تھا تو کرسی اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی۔ اس نے میز کی طرف دیکھا' لالٹین موجود نہیں تھی۔ البتہ اس کا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔

انجن کے وسل کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس کے فوراً ہی بعد گارڈ کی سیٹی کی آواز بھی اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ غالباً صبح آٹھ بجے والی ٹرین تھی۔ اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی تو دس بج رہے تھے۔ گویا یہ ٹرین بھی دو گھنٹے کی تاخیر سے پہنچی تھی اور اب غالباً اگلی منزل کی طرف روانہ ہو رہی تھی۔

نایاب نے اٹھ کر دونوں کرسیاں دروازے کے سامنے سے ہٹا دیں اور دروازہ پوری طرح کھول دیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اس قدر بے ہوشی کی نیند سوئی تھی کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ کون کب کمرے میں آیا اور واپس چلا گیا اور ظاہر ہے وہ عبدالغنی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا اور اسے زہج بھی کر ڈالتا تو اسے پتہ نہ چلتا۔

وہ کمرے سے باہر آگئی۔ پورے آنگن میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ دیر دروازے کے سامنے کھڑی رہی' پھر راشدہ والے کمرے میں آگئی۔ راشدہ حسب معمول بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ چہرے پر دوپٹہ بھی تھا۔

"جاگ گئیں نایاب بی بی۔" راشدہ نے کہا۔ "عبدالغنی تو تمہیں صبح آٹھ بجے ہی جگا رہا تھا۔ میں نے منع کر دیا تھا کہ تھکی ہوئی اور دیر تک جاگی ہے' سونے دو۔"

"کیسی ہیں آپ؟" نایاب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرا حال کیا پوچھنا۔" راشدہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "پہلے تم ناشتہ کر لو۔ باورچی خانے میں پراٹھا ڈھکا رکھا ہوگا۔ چائے بنالو۔"

"آپ کے لیے بھی چائے بنا دوں۔" نایاب اٹھتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔ میں چائے نہیں پی سکتی۔ مجھے جو کچھ کھلانا پلانا ہوتا ہے' عبدالغنی اپنے ہاتھ سے کھلاتا ہے۔ جاؤ تم ناشتہ کر لو۔ باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔" راشدہ نے کہا۔

نایاب اٹھ کر باہر آگئی۔ آنگن میں بائیں طرف غسل خانہ تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی غسل خانے میں داخل ہو گئی۔ اندر پانی کا ڈرم بھرا ہوا تھا۔ نہر کا گدلا سا پانی تھا۔ کل ٹرین میں تقریباً آٹھ گھنٹے کے سفر میں اس کا لباس بھی گرد آلود ہو چکا تھا اور جسم پر بھی ریت کے ذرات چپکے ہوئے تھے۔

نہانے کے بعد اس نے دروازہ ذرا سا کھول کر باہر جھانکا اور پھر جسم پر تولیہ لپیٹ کر دوڑتی ہوئی اس کمرے میں گھس گئی جہاں اس نے رات گزاری تھی۔ وہ اندر داخل ہو کر دروازہ بھیڑ رہی تھی کہ صحن والا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے جلدی سے دو کرسیاں اٹھا کر سامنے رکھ دیں اور جھری میں جھانک کر دیکھنے لگی۔

عبدالغنی ایک اور آدمی کے ساتھ صحن میں داخل ہو رہا تھا۔ ان دونوں کا رخ اسی کمرے کی طرف تھا۔ نایاب بدحواس سی ہو گئی۔ وہ میز پر سے بریف کیس اٹھا کر بڑی پھرتی سے دروازے کی آڑ میں کھڑی ہو گئی اور بریف کیس کھول کر کپڑے نکالنے لگی۔ اسی وقت دروازے کو باہر سے دھکیلا جانے لگا۔

"ایک منٹ رک جایئے عبدالغنی صاحب! میں کپڑے بدل رہی ہوں۔" نایاب نے دروازے کے قریب منہ لے جا کر کہا اور جلدی جلدی لباس بدلنے لگی۔

اس وقت بھی اس نے جینز اور گہرے رنگ کی ٹی شرٹ پہنی تھی۔ اس شرٹ کا گلا قدرے فراخ تھا۔ شہروں میں اس قسم کے لباس کو اب معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا اور پھر اونچے گھروں کی خواتین کا تو یہ پسندیدہ لباس بن گیا تھا لیکن گاؤں' دیہاتوں میں عورتوں کے لیے ایسا لباس پہننے کا تصور بھی نہیں تھا۔ نایاب طویل عرصہ سے اس قسم کے لباس پہن رہی تھی اور یہاں اپنے ساتھ بھی دو تین جوڑے وہ ایسے ہی کپڑوں کے لے کر آئی تھی۔

کپڑے پہن کر اس نے بریف کیس ایک طرف رکھ دیا اور کرسیاں ہٹا کر دروازہ کھول دیا۔ اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی دوسرے آدمی کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ وہ دونوں گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

نایاب کی عمر اٹھائیس سال تھی۔ دراز قامت' گداز جسم' گوری چٹی رنگت اور بھرپور

شباب- اس نے تین سال ازدواجی زندگی میں گزارے تھے- اولاد سے وہ دونوں میاں بیوی خود ہی پرہیز کرتے رہے تھے- اس لیے نایاب کا شباب کسی طرح بھی متاثر نہیں ہوا تھا-

عبدالغنی اس وقت یونیفارم میں تھا- گہری سانولی رنگت پر سفید ڈریس عجیب سا لگ رہا تھا- وہ اب بھی نایاب کی طرف دیکھ رہا تھا- نایاب نے اپنا بریف کیس اٹھایا اور اس کمرے سے نکل کر راشدہ والے کمرے میں آگئی- کرسی پر بیٹھ کر اس نے بریف کیس میں سے کنگھا نکالا اور بال سنوارنے لگی-

"ناشتہ کر لیا نایاب بی بی؟" راشدہ نے پوچھا-

"ابھی نہیں- میں نہانے چلی گئی تھی-" نایاب نے جواب دیا- بال سنوارنے کے بعد وہ کنگھا بریف کیس میں رکھ رہی تھی کہ عبدالغنی بھی وہیں آگیا-

"نایاب بی بی!" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا- "اگر تم نے پیر آباد جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہو تو بڑی اچھی بات ہے لیکن اگر جانا ہی چاہتی ہو تو میں عمردین کو لے آیا ہوں- وہ تمہارے ساتھ جائے گا' کم از کم اس کے ساتھ تم خیریت سے پیرآباد پہنچ تو جاؤ گی-"

"عمردین کون ہے؟" نایاب نے پوچھا-

"میرا دوست ہے- نورپور میں رہتا ہے- کبھی کبھی آجاتا ہے-" عبدالغنی نے جواب دیا- "پہلے پولیس میں تھا' پھر اس نے نوکری چھوڑ دی- اب وہ چھوٹے ریلوے اسٹیشنوں کے قرب و جوار میں واقع بستیوں میں ضروریات زندگی کی چیزیں سپلائی کرتا ہے- میری اس کی دوستی بہت پرانی ہے- وہ تمہارے ساتھ جائے گا- خدانخواستہ راستے میں اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہ نہ صرف تمہاری حفاظت کر سکے گا بلکہ اس قسم کے کسی واقعہ کا گواہ بھی ہوگا-"

"نایاب بی بی نے ابھی ناشتہ نہیں کیا ہے عبدالغنی-" راشدہ نے کہا-

"میں ابھی ناشتہ کر لیتی ہوں راشدہ بہن-" نایاب نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل کر باورچی خانے میں آگئی-

اس نے پہلے کچن میں رکھی ہوئی چیزوں کا معائنہ کیا- چنگیر میں ایک کپڑے میں پراٹھا لپٹا ہوا تھا- پراٹھے کو دیکھ کر صاف لگتا تھا کہ یہ مرد کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے- اس نے چولہے پر چائے کا پانی رکھ دیا اور وہیں کھڑے کھڑے پراٹھے کے لقمے توڑ توڑ کر منہ میں رکھتی

رہی- اس نے اپنے علاوہ ان دونوں کے لیے بھی چائے بنائی تھی- اس نے آواز دے کر عبدالغنی کو دو کپ دے دیئے- عبدالغنی اس کی اس خدمت پر بے حد خوش ہوا- نایاب اپنا کپ لے کر راشدہ والے کمرے میں آگئی اور کرسی پر بیٹھ کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگی-

"یہ عمردین کیسا آدمی ہے راشدہ بہن؟" اس نے پوچھا-

"بہت اچھا آدمی ہے- کئی سال سے ان دونوں کی دوستی ہے-" راشدہ نے جواب دیا- "پہلے ریلوے پولیس میں تھا- پھر نوکری چھوڑ کر دوسرے کاموں میں لگ گیا- میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوا تھا تو اس نے ہماری بڑی مدد کی تھی- اب بھی مالی مدد کرتا رہتا ہے- عبدالغنی کو اس کا بڑا سہارا ہے- اپنوں نے تو چھوڑ دیا' اب غیر ہی کام آرہے ہیں-"

"ہاں راشدہ بہن-" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا- "اب تو غیر ہی اپنوں سے بڑھ کر ہیں-" وہ چند لمحے خاموش رہی' پھر بولی- "تو آپ کے خیال میں مجھے عمردین کے ساتھ چلے جانا چاہئے؟"

"ہاں ہاں- وہ بہت اچھا آدمی ہے- کم از کم راستے میں تمہیں ڈھارس تو رہے گی-" راشدہ نے جواب دیا-

نایاب نے ہاتھ کرتے ہوئے بریف کیس کھول کر اس کی زپ پاکٹ میں سے ہزار روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کے تکیے کے نیچے رکھ دیا-

"راشدہ بہن- معمولی سی رقم ہے- میں شہر واپس جاکر آپ لوگوں کے لیے کچھ کروں گی اور میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہئے' دھوپ تیز ہو رہی ہے-"

کمرے سے باہر آکر اس نے غسل خانے سے اپنے کپڑے اٹھا کر تہہ کیے اور انہیں بریف کیس میں رکھ لیا اور پھر برآمدے کے دروازے پر آکر عبدالغنی کو بتایا کہ وہ جانے کے لیے تیار ہے-

اس کے تقریباً دس منٹ بعد وہ عمردین کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی کے کوارٹر سے نکل رہی تھی- اس کا بریف کیس عمردین نے لے لینا چاہا تھا لیکن نایاب نے اسے اپنے پاس ہی رکھا- عبدالغنی کچھ دور تک ان کے ساتھ چلا تھا' پھر اسٹیشن کی طرف مڑ گیا-

عمردین کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی- وہ بھاری ڈیل ڈول کا مالک تھا اور قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا- وہ نایاب کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور نایاب نے محسوس کیا تھا

کہ وہ بار بار کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ریلوے اسٹیشن سے پیر آباد جانے کے لیے دو راستے تھے۔ ایک تو وہ کشادہ راستہ جس پر تانگے وغیرہ چلتے تھے لیکن یہ راستہ طویل تھا۔ دوسرا راستہ ایک تنگ سی پگڈنڈی تھی جو کھیتوں میں سے گزرتی تھی۔ یہ نسبتاً قریب کا راستہ تھا۔ پیدل آنے والے اسی راستے کو استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے پگڈنڈی والا راستہ اختیار کیا تھا۔

سامنے بہت دور ایک ٹیلہ نظر آرہا تھا۔ عمردین اس ٹیلے کے بارے میں بتا رہا تھا کہ وہاں قدیم کھنڈرات ہیں۔ صدیوں پہلے یہاں کوئی آبادی ہوا کرتی تھی لیکن پھر نجانے کب اور کیسے وہ بستی کھنڈرات میں تبدیل ہو گئی۔ وہاں کے رہنے والے لوگوں کا کیا ہوا تھا' اس بارے میں تاریخ بھی خاموش ہے۔ اس ضلع کی تاریخ میں ٹیلے کے ان کھنڈرات کا بھی تذکرہ ہے لیکن تفصیل سے کچھ نہیں۔ ویسے لوگوں نے ان کھنڈروں کے بارے میں اپنے طور پر کچھ کہانیاں گھڑ رکھی ہیں۔ ان میں ایک کہانی جو سب سے زیادہ مشہور ہے' اس کے مطابق اس ٹیلے کے ارد گرد میلوں دور تک کا علاقہ شلپا نامی ایک ہندو عورت کی ملکیت تھا۔ اس علاقے کو ایک چھوٹی سی ریاست کا درجہ حاصل تھا۔

اس زمانے میں بھی یہ علاقہ اسی طرح سرسبز و شاداب ہوا کرتا تھا۔ ریاست کا اپنا ایک نہری نظام تھا جس سے زمینیں اور باغات سیراب ہوتے تھے۔ بڑی خوشحالی تھی۔ لوگ مطمئن و مسرور تھے۔ عوام پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں تھا۔ زمیندار' تاجر اور کسی بھی قسم کا کاروبار کرنے والا ہر شخص رضاکارانہ طور پر اپنی کمائی کا کچھ حصہ رانی شلپا کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا۔

یوں تو اس علاقے میں چھوٹی چھوٹی بہت سی بستیاں تھیں مگر رانی شلپا کی رہائش اس ٹیلے پر تھی۔ بہت بڑی حویلی تھی جس کے ارد گرد آبادی تھی۔

رانی شلپا بہت حسین تھی۔ اس کی عمر اگرچہ چالیس سال ہو چکی تھی مگر اس نے شادی نہیں کی تھی۔ چالیس سال کی ہونے کے باوجود اس کے حسن و شباب میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ پڑوس کی ریاستوں کے کئی حکمرانوں اور راجاؤں نے رانی شلپا کو شادی کے لیے پیغام بھیجے تھے لیکن رانی نے ہر ایک کو انکار کر دیا تھا۔

اور پھر رانی شلپا کے بارے میں بھی عجیب و غریب باتیں گردش کرنے لگیں۔ رانی

شلپا ہر چودھویں کی شب ٹیلے کے پہلو میں کھیتوں میں واقع برگد مندر جایا کرتی تھی۔ وہاں دراصل ایک بہت پرانا برگد کا درخت تھا جس کا تنا تیس فٹ سے بھی زیادہ موٹائی میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کی لمبی جٹائیں زمین کو چھوتی تھیں۔ برگد کا وہ درخت آج بھی موجود ہے۔ بہرحال ایک بندر نے برگد کے اس درخت پر ڈیرہ جما رکھا تھا۔ وہ بندر علاقے میں پائے جانے والے عام بندروں سے جسامت میں بہت بڑا تھا۔

ہندو بندر کو بھی ہنومان دیوتا سمجھتے تھے۔ رانی شلپا نے برگد کے اس درخت کے نیچے ایک بہت بڑا چبوترا بنوا کر اس پر بارہ دری بنوا دی اور وہاں ہنومان کی ایک مورتی بھی رکھوا دی۔ ایک چھوٹا سا چبوترہ الگ بنوا دیا تھا جس پر برگد پر رہنے والے بندر کے لیے کھانے پینے کی چیزیں رکھ دی جاتیں۔

اس بارہ دری کو مندر کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ لوگ روزانہ وہاں پوجا پاٹ کے لیے جانے لگے۔ ایک پنڈت نے بھی وہاں ڈیرہ جما لیا تھا لیکن پورن ماشی کی رات اس مندر میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ پنڈت بھی شام ڈھلنے سے پہلے ہی وہاں سے کہیں اور چلا جاتا۔ پورے چاند کی وہ رات رانی شلپا کے لیے مخصوص تھی۔ اس رات رانی شلپا برگد پر رہنے والے بندر کے لیے اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کر کے لاتی اور رات اس چبوترے پر گزارتی۔

پورن ماشی کی رات بستی کے کسی بھی فرد کو اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن ایک رات ایک مسافر اس طرف پہنچ گیا۔ اس مسافر نے بارہ دری میں جو کچھ بھی دیکھا' وہ اس کے لیے بہت حیرت انگیز تھا۔ وہ رات بھر چھپ کر وہ سب کچھ دیکھتا رہا اور پھر اگلے روز پوری بستی میں یہ بات پھیل گئی کہ رانی شلپا پورن ماشی کی رات بارہ دری میں ہنومان کی مورتی کے سامنے برہنہ رقص کرتی ہے۔ برگد پر رہنے والا بندر دور بیٹھا اسے دیکھتا رہتا ہے اور پھر رانی شلپا جب رقص کرتے کرتے تھک کر گر جاتی ہے تو وہ بندر اس کے پاس آجاتا ہے اور پھر وہاں وہ کھیل شروع ہو جاتا ہے جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

یہ بات پوری بستی میں پھیل گئی تھی۔ لوگ چہ مگوئیاں کرنے لگے۔ اس سلسلے میں لوگوں کی آراء مختلف تھیں۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ رانی شلپا کب تک برداشت کرتی'

اس نے اپنی انا کا بھرم رکھنے کو شادی نہیں کی تھی لیکن جب شباب کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو اس نے وہی کام ایک بندر سے لیا جو کسی مرد سے لیا جا سکتا تھا۔

دوسرا طبقہ اس رائے کے خلاف تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو رانی کی پاکدامنی کی قسمیں کھاتے تھے۔ ان کے خیال میں یہ رانی شلپا کو بدنام کرنے کے لیے اس پر بہتان لگایا جا رہا تھا۔ ان کے لیے رانی شلپا ایک دیوی تھی اور کسی دیوی سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہیں ہو سکتی تھی۔

رانی شلپا چند روز تک لوگوں کی گفتگو کا موضوع بنی رہی اور پھر لوگ اس بات کو بھول گئے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اس کو آسانی سے نہیں بھولتے۔ وہ اگلی پورن ماشی رات کا انتظار کر رہے تھے۔ ان میں وہ پنڈت رگھوناتھ بھی تھا جو برگد مندر میں رہا کرتا تھا۔

پورن ماشی کی رات کسی کو اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔ پنڈت بھی سورج غروب ہونے سے پہلے ہی وہاں سے چلایا جایا کرتا تھا لیکن اس شام وہ کہیں اور جانے کے بجائے قریب ہی جوار کے کھیتوں میں چھپ گیا۔

رانی شلپا چاند طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد مندر پہنچ گئی۔ وہ اپنے ساتھ بندر کے لیے کھانا لے کر آئی تھی۔ وہ کھانا اس نے اس چھوٹے سے مخصوص چبوترے پر رکھ دیا اور پوجا پاٹ میں مصروف ہو گئی۔

پنڈت کھیت سے نکل کر جھاڑیوں میں چھپتا ہوا ایسی جگہ پر آ گیا تھا جہاں سے بارہ دری والا چبوترہ آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر سانس روکے بیٹھا رہا۔ آدھی رات کے قریب شلپا نے پوجا ختم کر دی اور ہنومان کی مورتی کے سامنے رقص کرنے لگی۔ وہ بندر اپنی جگہ پر بیٹھا رانی کو رقص کرتے ہوئے دیکھتا رہا اور بالآخر رانی شلپا تھک کر بندر کے قریب گر گئی۔ بندر چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر اس نے رانی کو اپنی آغوش میں بھر لیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ سب کچھ ہونے لگا جسے دیکھ کر پنڈت کانپ اٹھا۔

اگلے روز بستی کے لوگوں کی زبان پر یہی قصے تھے۔ بستی کے بیشتر لوگ رانی شلپا کو دیوی مانتے تھے۔ اس کی پاکدامنی کی قسمیں کھاتے تھے لیکن وہ پنڈت کی بات کو بھی نہیں جھٹلا سکتے تھے۔ ایسے لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ غصہ میں آ گئے اور انہیں

بھڑکانے والوں کی بھی کمی نہیں تھی۔

لوگ ایک جلوس کی شکل میں رانی شلپا کی حویلی پر پہنچ گئے۔ ہجوم میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی باتیں جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھیں۔ ان کے پہنچتے ہوئے جلوس سے لوگوں کا غصہ بھڑک رہا تھا۔ ہجوم میں سے کسی نے کہا' آگ لگا دو' رانی شلپا کو زندہ جلا دو اور پھر حویلی کو آگ لگا دی گئی۔ رانی شلپا کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس کی چیخیں گونجتی رہیں اور بالآخر آگ کے شعلوں نے اس کی چیخوں کو بھی نگل لیا۔

لوگوں کا ایک ہجوم مندر کی طرف آ گیا۔ انہوں نے غصے میں بارہ دری توڑ ڈالی اور برگد کے اس بوڑھے درخت پر بندر کو تلاش کرنے لگے لیکن وہ بندر وہاں نہیں تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ شاید وہ درخت سے اتر کر کھیتوں کی طرف چلا گیا ہوگا۔ وہ لوگ وہاں بیٹھے اس کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ شام ہو گئی' بندر واپس نہیں آیا۔ بہت سے لوگ بستی میں لوٹ گئے تھے لیکن دو تین آدمی لالٹینیں لیے رات بھر وہاں بندر کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔

اور پھر کئی روز گزر گئے۔ وہ بندر واپس نہیں آیا۔

اور پھر اس کے بعد اس بستی اور ریاست کا زوال شروع ہو گیا۔ نہروں کا پانی سوکھ گیا' کنویں خشک ہو گئے' فصلیں تباہ ہو گئیں۔ ایسا زبردست قحط پڑا کہ لوگ بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے لگے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ رانی شلپا پر جھوٹا الزام لگا کر اسے زندہ جلا دیا گیا تھا اور یہ قحط' تباہی و بربادی سب کچھ اس کی بددعا کا نتیجہ تھا۔

بستیوں کی بستیاں اجڑ گئیں۔ ہر طرف انسانوں اور مویشیوں کی لاشیں نظر آنے لگیں۔ بچے کھچے لوگوں کو بیماریوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس طرح رانی شلپا کی پوری ریاست قبرستان بن گئی اور سب کچھ ختم ہو گیا۔

نصف صدی تک کسی نے اس ریاست کی زمین پر قدم نہیں رکھا اور پھر دوسرے علاقوں کے لوگ آہستہ آہستہ اس طرف آکر آباد ہونے لگے۔ لوگوں نے دوسری جگہوں پر بستیاں بسائیں لیکن اس ٹیلے کا رخ نہیں کیا۔ ٹیلے پر رانی شلپا کی حویلی اور بستی کے دوسرے مکان کھنڈر بن چکے تھے جو اب بھی جوں کے توں وہاں موجود تھے۔

کھیتوں کے بیچ میں پگڈنڈی پر چلتے ہوئے عمروین رانی شلپا کی تباہی کے

قصے سنا رہا تھا اور نایاب اس کے ساتھ خاموشی سے چل رہی تھی۔ دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ نایاب کی ٹی شرٹ پسینے سے تر ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

وہ بکائین کے ایک درخت کے نیچے رک گئی۔ ٹھنڈی چھاؤں بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ عمردین نے ایک نظر نایاب کی طرف دیکھا اور پھر رخ بدل کر کھڑا ہو گیا۔ نایاب جینز کی جیب سے رومال نکال کر چہرے اور گردن سے پسینہ پونچھ رہی تھی۔ جس جگہ وہ کھڑے تھے، وہاں سے بائیں طرف کچھ فاصلے پر وہ ٹیلہ اور کھنڈرات تھے۔ ٹوٹی پھوٹی چند دیواریں بھی نظر آ رہی تھیں۔

"وہ برگد کا درخت آپ دیکھ رہی ہیں؟" عمردین نے تقریباً سو گز دور برگد کے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ درخت بہت پھیلا ہوا تھا۔ "یہی وہ درخت ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں ایک بندر رہا کرتا تھا جو رانی شیپا کی موت کا باعث بنا تھا اس درخت کے نیچے وہ ٹوٹا پھوٹا چبوترہ بھی ابھی تک موجود ہے۔"

نایاب برگد کے اس پھیلے ہوئے درخت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس سے مزید دو گز آگے وہ ٹیلا شروع ہو جاتا تھا۔ اسے رانی شیپا کے بارے میں سنائی ہوئی عمردین کی کہانی خاصی دلچسپ لگی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ آگے جا کر برگد کے اس درخت اور ٹیلے کے کھنڈرات کو دیکھے لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ وہ سیر و تفریح میں وقت ضائع کرتی۔

"پیر آباد اب کتنی دور ہے؟" اس نے مڑ کر عمردین سے پوچھا۔

"اس ٹیلے کے دوسری طرف پیر آباد ہے۔" عمردین نے جواب دیا۔ "اتنا ہی فاصلہ باقی ہے جتنا ہم طے کر کے آئے ہیں۔"

نایاب کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ لوگ تقریباً ڈیڑھ کوس کا فاصلہ طے کر چکے تھے اور ابھی اتنا ہی فاصلہ باقی تھا۔ چمکتی دھوپ میں ڈیڑھ کوس کا یہ فاصلہ نایاب کو قیامت لگ رہا تھا۔ کھیتوں میں جس کی سی کیفیت تھی جس سے گرمی کا احساس بڑھ گیا تھا۔

وہ لوگ وہاں سے روانہ ہونا ہی چاہتے تھے کہ سامنے سے ایک سائیکل سوار کو آتا دیکھ کر عمردین رک گیا۔ وہ سائیکل سوار ابھی کافی دور تھا۔ پگڈنڈی کھیتوں کے درمیان

کھاتی ہوئی گزر رہی تھی۔ اس وجہ سے بھی اس سائیکل سوار کو وہاں تک پہنچنے میں پانچ منٹ لگ گئے۔ قریب پہنچ کر وہ سائیکل سے اتر گیا۔ اس نے سائیکل کھڑی کر کے بڑے پرجوش انداز میں عمردین سے ہاتھ ملایا تھا۔

"کیا حال ہے بھائی عمردین؟ بہت عرصہ بعد نظر آئے ہو۔" سائیکل سوار نے کہا۔

عمردین اس سے باتیں کرنے لگا۔ نایاب ایک طرف کھڑی سائیکل والے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی قمیض پسینے سے تر ہو رہی تھی۔ اس نے دھوپ سے بچنے کے لیے سر پر ایک کپڑا رکھا ہوا تھا جس سے وہ اب وہ اپنی گردن اور چہرے کا پسینہ پونچھ رہا تھا۔ اس نے ایک دو مرتبہ نایاب کی طرف بھی دیکھا تھا۔

"اور سناؤ غلام رسول۔ تمہارے پنڈ کے چودھریوں کا کیا حال ہے؟" عمردین نے اس شخص سے پوچھا۔

"ہمارے پنڈ کے چودھری تو آج کل بہت بوکھلائے ہوئے ہیں۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "سنا ہے ان کی چھوٹی بہو حساب کتاب کرنے آ رہی ہے۔ چودھری سعادت علی تو بہت بپھرا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے اپنی ایک کلہ زمین بھی کسی کو نہیں دے گا لیکن یہ بھی سنا ہے کہ ان کی بہو بڑی ڈاہڈی عورت ہے۔"

"وہ ڈاہڈی ہو یا نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ حقدار کو اس کا حق ملنا چاہیے۔" عمر دین نے کہا۔ "یہ دیکھو۔ تمہارے سامنے شیر دی بچی کھڑی ہے۔ اکیلی جا رہی ہے۔ ہے تا ہمت والی۔ دیکھ لینا یہ تمہارے چودھریوں کو ناک رگڑنے پر مجبور کر دے گی۔"

عمردین نے اگرچہ یہ الفاظ سرگوشیانہ لہجے میں کہے تھے مگر نایاب نے اس کی بات سن لی تھی اور وہ دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

غلام رسول نے چونک کر نایاب کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر بڑے ادب سے سلام کیا۔

"آپ اکیلی آئی ہیں بی بی جی؟ کسی کو ساتھ لے کر آنا چاہیے تھا۔" اس نے کہا۔

"میں اکیلی نہیں، میرا خدا میرے ساتھ ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بی بی جی۔ خدا مظلوموں کے ساتھ ہے مگر..." وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا، پھر بولا۔ "مگر چودھری سعادت بہت بپھرا ہوا ہے۔ جس نے جائیداد کے لئے اپنے سگے

بھائی کو قتل کروا دیا ہو' اس سے کسی بھی برائی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ پتہ چلا تھا کہ آپ کل کی گاڑی سے آنے والی ہیں۔ اس کے دو آدمی کل شام کو اسٹیشن پر بیٹھے رہے تھے مگر گاڑی لیٹ تھی۔ وہ واپس آ گئے۔ رات گیارہ بجے گاڑی کے وسل کی آواز سنائی دی تو چودھری نے فوراً ہی دو آدمی اسٹیشن پر بھیج دیئے تھے لیکن آپ رات والی گاڑی سے نہیں آئیں۔ آج صبح بھی دو آدمی اسٹیشن پر موجود تھے۔ حیرت ہے انہوں نے آپ کو دیکھا کیوں نہیں۔"

"میں صبح والی گاڑی سے ہی آئی ہوں۔" نایاب نے جواب دیا۔ اس نے یہ بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ رات اس نے اسٹیشن ماسٹر کے گھر پر گزاری تھی۔ "ہو سکتا ہے' وہ مجھے پہچان نہ سکے ہوں۔"

"آپ ذرا ہوشیار رہیے بی بی جی۔" غلام رسول نے مشورہ دیا۔

وہ لوگ کچھ دیر اور وہاں کھڑے باتیں کرتے رہے اور پھر غلام رسول تو سائیکل پر سوار ہو کر اپنی راہ چلا گیا اور یہ دونوں گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ کھیتوں میں دور دور تک کسان کام کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ نایاب سوچ رہی تھی کہ یہ لوگ کتنی محنت سے فصلیں اگاتے ہیں۔ اناج پیدا کرتے ہیں۔ کڑاکے کی سردی اور چلچلاتی دھوپ میں ان کا زیادہ وقت کھیتوں ہی میں گزرتا ہے اور جب فصل تیار ہو جاتی ہے تو زمیندار سب کچھ سمیٹ کر لے جاتے ہیں اور محنت کرنے والے یہ لوگ فاقوں میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ نہ ان کے پاس پیٹ بھر کھانے کو ہوتا ہے' نہ پہننے کو ڈھنگ کے کپڑے۔ ان کے بچے تعلیم سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اس کے برعکس زمیندار اور جاگیردار عیش کرتے ہیں۔

وہ پگڈنڈی پر چلتے ہوئے ٹیلے کے دوسری طرف نکل چکے تھے۔ گاؤں بھی اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ یہ ساری زمینیں چودھری امانت علی کی ملکیت تھیں۔ شادی کے بعد جب نایاب سرفراز کے ساتھ یہاں آئی تھی تو اس نے نایاب کو اپنے علاقے کی سیر کرائی تھی۔ وہ گھوڑوں پر سوار گھنٹوں کھیتوں میں گھومتے رہے تھے۔ ان کی زمینیں میلوں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔

گرمی کی شدت سے نایاب کا دماغ پگھلا جا رہا تھا۔ پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے۔ ایک طرف تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ایک چھپر دیکھ کر وہ رک گئی۔

لکڑیاں کھڑی کر کے اس پر سائبان سا بنا دیا گیا تھا۔ اس چھپر کے نیچے ایک عورت اور دو بچے بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ پانی کا مٹکا بھی رکھا ہوا تھا۔

"بھائی عمر دین' مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ میرا خیال ہے وہاں پانی مل جائے گا۔" نایاب نے کہتے ہوئے سائبان کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ یہاں رکیے' میں پانی لے آتا ہوں۔" عمر دین نے کہا۔

"میں بھی چلتی ہوں۔ سائے میں کچھ دم لے لیں گے۔" نایاب نے جواب دیا۔

وہ دونوں سائبان کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر مڑ گئے۔ سائبان کے نیچے بیٹھی ہوئی وہ عورت ٹوکنوں سے ٹوکری بنا رہی تھی۔ وہ اپنا کام چھوڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگی اور جب یہ لوگ قریب پہنچے تو وہ اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"پیاس لگ رہی ہے' پانی مل جائے گا؟" نایاب نے کہا۔

اس عورت نے سلور کا میلا سا گلاس کھنگالا اور پھر پانی سے بھر کر نایاب کے ہاتھ میں دے دیا۔ پانی گدلا سا تھا لیکن نایاب اس کی پروا کیے بغیر غٹ غٹ پانی پینے لگی۔ وہ عورت بڑی دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دور سے وہ اسے کوئی مرد ہی سمجھی تھی لیکن اب اسے حیرت ہو رہی تھی کہ شہر کی عورتیں اس قسم کا لباس پہنتی ہیں۔

عمر دین نے بھی پانی پیا۔ نایاب عورت اور اس کے بچوں کو دیکھ رہی تھی۔ عورت کی عمر تیس بتیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ میلے سے کپڑے اور ڈھیلا ڈھالا سا جسم۔ ایک بچہ چھ سات سال کا تھا جو اپنی ماں کی طرح ٹوکنوں سے کچھ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسرے کی عمر دو سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کی ناک بہہ کر منہ میں جا رہی تھی اور وہ بڑے مزے سے مٹی میں کھیل رہا تھا۔ دونوں بچوں نے میلے سے کرتے پہنے ہوئے تھے۔ پاجامہ یا چڈی وغیرہ نہیں تھی۔

وہ تقریباً پانچ منٹ تک سائبان کے نیچے کھڑے رہے' پھر گاؤں کی طرف چل پڑے۔ گاؤں اب دو سو گز سے زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ راستے میں ایک تقریباً دس فٹ چوڑی ندی تھی جس پر آمد و رفت کے لیے دو تین جگہوں پر پلیاں بنی ہوئی تھیں۔

وہ لوگ ندی سے ابھی دور ہی تھے کہ ایک گھوڑا سوار کھیتوں کی طرف سے آتا ہوا نظر آیا۔ اس گھوڑا سوار کو دیکھ کر نجانے کیوں نایاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

وہ گھوڑا سوار ان کے قریب آکر رک گیا۔ اس نے پہلے سرسری سے انداز میں عمر دین کی طرف دیکھا اور پھر گہری نظروں سے نایاب کی طرف دیکھنے لگا اور پھر کچھ کہے بغیر اس نے گھوڑے کا رخ موڑا اور اسے کھیتوں کی طرف دوڑا دیا۔

"یہ چودھری کا منشی ہے۔" عمر دین نے کہا۔ "مجھے اچھی طرح جانتا ہے لیکن غالباً آپ کی وجہ سے اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور اس نے شاید آپ کو پہچان لیا ہے اور میرے خیال میں وہ چودھریوں میں سے کسی کو اطلاع دینے گیا ہے۔"

"لیکن وہ گاؤں کی طرف تو نہیں گیا۔" نایاب نے کہا۔

"ہو سکتا ہے چودھری اس وقت کھیتوں میں ڈیرے پر ہوں۔" عمر دین نے کہا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "گاؤں میں آپ کہاں جائیں گی۔ چودھریوں کی حویلی یا....."

"ملک صلاح الدین کے گھر۔" نایاب نے جواب دیا۔ ملک صلاح الدین اس علاقے کا ایک چھوٹا زمیندار تھا اور سرفراز چودھری کے ہمدردوں میں سے تھا۔ اس کا بیٹا سراج' نایاب اور سرفراز چودھری کا کلاس فیلو تھا جو ایک سال پہلے اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلا گیا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو چودھری امانت علی سے ملک صلاح الدین کی دوستی بڑی گہری تھی مگر پانچ سال پہلے جب ملک صلاح الدین نے سرفراز اور نایاب کی شادی کی حمایت کی تھی تو ان کی دوستی میں رخنہ آ گیا تھا۔ ملک صلاح الدین' چودھری امانت علی کو سمجھانے کی کوشش کرتا رہتا تھا کہ سرفراز نے اگر پسند کی شادی کر لی ہے تو اسے تسلیم کر لینا چاہیے مگر چودھری امانت علی کو سرفراز اور نایاب سے اس کی یہ ہمدردی بری لگی تھی اور اس طرح ان کی بول چال بند ہو گئی تھی اور دونوں گھرانوں کے تعلقات منقطع ہو گئے تھے۔ سرفراز چودھری کی موت کے بعد بھی ملک صلاح الدین اکثر و بیشتر شہر آتا رہتا تھا اور نایاب اور اس کے والد سے ضرور ملاقات کرتا تھا۔

وہ دونوں نہر کی پلیا عبور کر کے گاؤں میں داخل ہو گئے۔ گاؤں کے لوگ نایاب کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اسے اس لباس میں دیکھ کر بعض عورتوں نے تو شرم سے نظریں جھکا لی تھیں۔ البتہ بعض مرد بڑے شوقیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کئی بچے بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے' وہ شاید شہر کی اس چیز کو کوئی آسمانی مخلوق سمجھ رہے

تھے۔

عمر دین نے ایک آدمی سے ملک صلاح الدین کے گھر کا پتہ دریافت کیا تو وہ شخص رہنمائی کے لیے ان کے ساتھ چل پڑا۔ دو تین گلیاں گھومنے کے بعد وہ ایک حویلی کے سامنے رک گیا۔ اندر اطلاع بھجوائی گئی تو ملک صلاح الدین فوراً ہی باہر آ گیا۔

عمر دین حویلی کے دروازے ہی سے واپس چلا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ دوپہر اپنے ایک دکاندار دوست کے پاس گزارنے کے بعد واپس چلا جائے گا۔

ملک صلاح الدین کے گھر میں نایاب کا استقبال بڑی گرمجوشی سے ہوا تھا۔ ملک صلاح الدین کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ایک بیٹا اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں امریکہ میں مقیم تھا اور دوسرے نے زمینداری سنبھال رکھی تھی۔ وہ سب سے بڑا تھا اور اس کے دو بچے تھے۔ ایک چھ سال کی لڑکی اور دوسرا تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر کا لڑکا۔ ملک صلاح الدین کی دو بیٹیوں میں سے ایک تو نایاب کی ہم عمر تھی اور دوسری کی عمر پندرہ سولہ سال کے قریب تھی۔ ان سب نے نایاب سے مل کر بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

گاؤں میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ چودھری امانت علی کی بہو آئی ہے۔ گاؤں کی عورتیں نایاب کو دیکھنے کے لیے ملک صلاح الدین کی حویلی میں آ رہی تھیں۔

ملک صلاح الدین کی بہو سکینہ نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ نایاب کے کپڑے تبدیل کروا دیئے۔ ظاہر ہے نایاب تو اپنے ساتھ شلوار قمیض نہیں لائی تھی۔ ملک صاحب کی بڑی بیٹی نرگس کے کپڑے اسے پورے آ گئے تھے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد نایاب سو گئی اور پھر اس کی آنکھ شام چھ بجے ہی کھلی تھی۔

چھوٹے چھوٹے گاؤں دیہاتوں میں بھی لوگ لسی وغیرہ کو بھول کر چائے کے عادی ہو گئے تھے۔ مہمانوں کی تواضع بھی چائے ہی سے کی جاتی تھی۔ ملک صاحب کے گھر کے لوگ ویسے بھی شام کو چائے پینے کے عادی تھے اور پھر نایاب کی وجہ سے تو خاص طور پر اہتمام کیا گیا تھا۔ چائے کے ساتھ بسکٹ وغیرہ بھی تھے۔

ملک صاحب کا بڑا بیٹا سکندر بھی زمینوں سے واپس آ چکا تھا۔ حویلی کے وسیع و عریض صحن کے ایک طرف مویشیوں کا باڑہ تھا۔ ایک آدمی مویشیوں کا چارہ وغیرہ تیار کر رہا تھا اور

دوسرا بھینسوں کا دودھ دوہنے کی تیاری کر رہا تھا۔

"ادھر سے کوئی پیغام تو نہیں آیا انکل؟" نایاب نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے ملک صاحب کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" ملک صاحب نے جواب دیا۔ "میں تھوڑی دیر پہلے باہر گیا تھا۔ چودھری امانت علی سے بھی آمنا سامنا ہوا تھا۔ ویسے تو ان لوگوں کو تمہاری آمد کا پتہ چل گیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ خود بھی اسے بتا دوں۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا لیکن وہ جواب دیئے بغیر منہ پھیر کر چل دیا۔"

"ویسے ان کی ناراضگی کا تو مجھے پتہ ہے۔" نایاب نے کہا۔ "لیکن میرے یہاں آنے سے ناراضگی شاید کچھ اور بڑھ گئی ہوگی۔ وہ سوچ رہے ہوں گے کہ شاید میں سیدھی ان کے ہاں آؤں گی۔"

"میرا خیال ہے اس کے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔" ملک صلاح الدین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "انہوں نے جو پروگرام بنا رکھا تھا' وہ کچھ اور ہے۔"

"انہوں نے مجھے یہاں تصفیے کے لیے بلایا ہے لیکن مجھے پتہ چل گیا ہے کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کل رات دو آدمی میری تلاش میں ریلوے اسٹیشن گئے تھے۔ آج صبح بھی دو آدمی ٹرین کے وقت اسٹیشن پر بیٹھے رہے۔ وہ مجھے ڈرا دھمکا کر واپس بھیج دینا چاہتے تھے یا ان کا ارادہ کچھ اور تھا لیکن میں یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ وہ اپنے کسی گھناؤنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

"میرے خیال میں چودھری امانت علی ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا جس سے اس پر فوجداری کیس بننے کا اندیشہ ہو۔" ملک صاحب نے کہا۔

"ہو سکتا ہے میرے سر میں ابھی تھوڑی بہت عقل باقی ہو اور وہ کوئی ایسی حرکت کرنے سے گریز کرے لیکن اس کا بیٹا چودھری سعادت علی سنا ہے' وہ بہت بپھرا ہوا ہے۔ کل رات دو آدمی اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی کے گھر آئے تھے اور میرے بارے میں پوچھ رہے تھے اور آج صبح بھی اسی کے دو آدمی وہاں موجود تھے۔ میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ وہ مجھے گاؤں پہنچنے سے پہلے ہی ختم کر دینا چاہتا تھا۔ بعد میں یہی کہا جاتا کہ میں تو یہاں آئی ہی نہیں لیکن بہرحال' ابھی آپ نے کہا تھا کہ چودھری امانت علی نے کوئی اور پروگرام بنا رکھ

ہے۔ اس کی کچھ وضاحت کریں گے؟" نایاب نے کہا۔

"چودھری امانت علی کا خیال ہے کہ شہر والا وہ بنگلہ جس میں تمہاری رہائش ہے' تمہیں دے دیا جائے اور اس کے عوض تم سے مقدمہ واپس لینے کی تحریر لکھوا لی جائے۔ اس نے تو تین دن سے اپنے وکیل کو بھی یہاں بلا رکھا ہے جس نے کچھ کاغذات تیار کیے ہوئے ہیں جن پر وہ تم سے دستخط کروانا چاہتا ہے۔"

"انہوں نے مجھے بچی سمجھ رکھا ہے جو ایک بنگلہ دے کر مجھے ٹرخا دیں گے۔" نایاب نے کہا۔ "بات یہ ہے انکل کہ اگر یہ لوگ مجھے اپنی بہو تسلیم کر لیتے' مجھے وہ مقام دیتے جو میرا حق تھا' مجھے بیٹی کی طرح دل میں اور گھر میں جگہ دیتے تو میں ہر چیز سے دستبردار ہو سکتی تھی۔ ان کی ہر وہ بات مانتی جو یہ مجھے کہتے لیکن انہوں نے مجھے اپنی بہو تسلیم ہی نہیں کیا۔ مجھے بچہ' کم ذات' لالچی اور نجانے کیا کیا کہہ کر طلاق دلوانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن سرفراز نے ان کی کوئی بات نہیں مانی تو یہ لوگ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔ انہوں نے دولت کی خاطر اپنے بیٹے کو بھی موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ میں لالچی نہیں ہوں۔ میں نے دولت کی خاطر سرفراز سے شادی نہیں کی تھی۔ شادی سے دو مہینے پہلے تک تو مجھے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ کسی جاگیردار کا بیٹا ہے۔ ہم صرف یہ جانتے تھے کہ اس کا تعلق ایک کھاتے پیتے گھرانے سے ہے۔ ہم بھی بچ یا بھکاری نہیں ہیں۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ میرے والد حکومت کے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔ ہمارے خاندان کو شہر کے چند معزز ترین خاندانوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ ہماری عزت ہے' وقار ہے۔ ہمیں ہر جگہ پذیرائی ملتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ آج کے دور میں دولت ہی کو سب سے زیادہ اہمت دی جاتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دولت پا کر آدمی انسانیت کے جامے سے باہر ہو جائے اور دوسروں کو اپنے سے حقیر سمجھنے لگے۔ اس دنیا میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جن کے پاس دولت نام کی کوئی چیز نہیں لیکن ان کے اخلاق اور ان کے حسن سلوک کی بنا پر لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔ مجھے دولت کا کوئی لالچ نہیں۔ اللہ نے مجھے سب کچھ دیا ہے لیکن جس کے لیے مجھے اس عمر میں بیوگی کا صدمہ اٹھانا پڑا ہے' اب میں اس سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ میں اس جاگیر سے اپنے شوہر کا حصہ ضرور لوں گی۔ اس چودھری فیملی کو یہ بھی بتا دوں گی کہ اپنا حق کیسے وصول کیا جاتا ہے اور آپ دیکھیں گے کہ اپنا حصہ وصول کر کے

میں وہ ساری زمینیں ان کسانوں میں مفت تقسیم کر دوں گی جو نسل در نسل ان زمینوں پر شب و روز محنت کر رہے ہیں اور اس کے باوجود نان شبینہ تک کو محتاج ہیں۔"

"نایاب بہن۔" ملک صاحب کے بیٹے سکندر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ یہاں کے لوگوں کے لیے اجنبی ہیں اور یہ خاندانی جھگڑا کئی سال سے چل رہا ہے۔ یہاں کے لوگوں نے آپ کو دیکھا بھی نہیں لیکن اس کے باوجود اکثریت کو آپ سے ہمدردی ہے۔ لوگوں کو سرفراز چودھری کے قتل کا بھی دکھ ہے۔ وہ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ اسے کس نے مروایا تھا۔ وہ اس خاندان کا ایک ایسا فرد تھا جس کے دل میں غریب کسانوں اور کاشتکاروں کے لیے ہمدردی تھی۔ وہ چھٹیوں میں جب بھی شہر سے آتا' اس کا زیادہ وقت انہی غریب کاشتکاروں کے ساتھ گزرتا۔ وہ ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتا' ان کی مالی مدد کرتا اور ان کے ہر دکھ سکھ میں شریک ہوتا۔ اس گاؤں کی تین لڑکیاں تو ایسی ہیں جن کی شادیاں اس نے اپنے خرچ پر کروائی تھیں۔ چودھری سعادت کو اس کی یہ باتیں اچھی نہیں لگتی تھیں۔ وہ اکثر سرفراز کو ٹوکتا رہتا تھا کہ ان غریب مزارعوں کے ساتھ نہ بیٹھا کرے۔ بے تکلف ہونے کے بجائے اپنے اور ان کے درمیان اتنا فاصلہ رکھے جو کسی جاگیردار اور مزارع کے درمیان قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس نے باپ سے بھی کئی مرتبہ شکایت کی تھی کہ سرفراز کو ایسی حرکتوں سے روکا جائے' وہ جاگیر لٹا دے گا۔ چودھری امانت نے بھی سرفراز کو کئی مرتبہ ٹوکا تھا لیکن وہ عجیب فطرت کا آدمی تھا۔ پیدا تو دولت مند گھرانے میں ہوا تھا لیکن غریبوں کے بیچ میں بیٹھ کر اسے عجیب سی خوشی ہوتی تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہاں کے لوگ آپ کو نہیں جانتے لیکن سرفراز چودھری کے ساتھ جو کچھ ہوا اور آپ کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے' وہ سب جانتے ہیں۔" ان حالات کے پیش نظر سب کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ پہلے آپ ایک ہفتہ یہاں رہ کر گئی تھیں۔ ان دنوں بھی گاؤں کی چند عورتوں کے سوا کسی سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ دو سال بعد آج دوپہر کو تو آپ یہاں آئی ہیں اور ابھی تک گھر سے باہر نہیں نکلیں لیکن یہ خبر پورے گاؤں کو ہو چکی ہے کہ چودھری امانت علی کی بہو یہاں آ گئی ہے۔ گاؤں کی عورتیں آپ سے ملنے کے لیے یہاں آ رہی ہیں اور جب لوگوں کو یہ پتہ چلے گا کہ آپ کے ارادے کیا ہیں تو یقین کیجئے اس گاؤں کی پوری آبادی

اور آس پاس کی بستیوں کے لوگ آپ کے ساتھ ہوں گے۔ آپ انشاء اللہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گی۔"

"میری چودھری فیملی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔" نایاب نے کہا۔ "میں تو صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ حقدار کو اس کا حق ملنا چاہیے اور اگر حق غصب کرنے کی کوشش کی جائے تو اسے کس طرح چھینا جاتا ہے۔"

وہ لوگ برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ملک صاحب کی چھوٹی بیٹی عذرہ نے گھر کی بتیاں جلا دی تھیں۔ اس گاؤں میں بجلی موجود تھی۔ گاؤں کے دوسری طرف تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ہائی وے تھی جو بڑے شہروں کو آپس میں ملاتی تھی۔ ہائی وے تک آمد و رفت کے لیے بھی پختہ سڑک تھی۔ ریلوے اسٹیشن اگرچہ گاؤں سے دور پڑتا تھا' اس لیے زیادہ لوگ بسوں کے ذریعے ہی سفر کرتے تھے لیکن طویل سفر کے لیے بہرحال ٹرین ہی کو ترجیح دی جاتی تھی۔

وہ لوگ ابھی باتیں کر رہے تھے کہ دو عورتیں حویلی میں داخل ہوئیں۔ ان میں ایک ادھیڑ عمر تھی اور دوسری جوان۔ ان دونوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔

"آؤ بہن اللہ رکھی۔ اتنے عرصہ بعد کیسے آنا ہوا؟" ملک صلاح الدین نے ادھیڑ عمر عورت کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اللہ رکھی کیوں آئی ہوگی۔ وہ چودھری امانت علی کے رشتے کی بہن تھی جو بیوہ ہونے کے بعد حویلی ہی میں رہ رہی تھی۔ اس کے ساتھ جوان لڑکی عارفہ اس کی بیٹی تھی۔ کہنے کو تو اللہ رکھی چودھری امانت کی رشتہ کی بہن تھی لیکن سب ہی لوگ جانتے تھے کہ وہ اس حویلی میں نوکروں کی طرح رہ رہی تھی۔

"آپ لوگوں سے ملنے کو تو بہت دل چاہتا ہے ملک جی۔" اللہ رکھی نے جواب دیا۔ "لیکن آپ جانتے ہیں چودھری صاحب ناراض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں جن سے میں نہیں ملتا' دوسرے رشتہ دار کیوں ملیں۔"

"بڑھاپے میں اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ملک صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آؤ بیٹھو بہن۔"

"نہیں ملک جی۔" اللہ رکھی نے جواب دیا۔ "میں تو چھوٹی بی بی کو لینے آئی ہوں۔

بڑے چودھری صاحب نے کہا تھا کہ وہ اپنا سامان لے کر آئے۔" وہ گردن گھما کر نایاب کی طرف دیکھنے لگی۔

"کوئی خاص معاملہ ہے؟" ملک صاحب نے اس طرح پوچھا جیسے کچھ جانتے ہی نہ ہوں۔

"آپ تو سب کچھ جانتے ہیں ملک جی۔" اللہ رکھی نے کہا۔ "گھر والوں کی باتیں سن کر لگتا ہے ان کے دل میں کچھ خیال آ گیا ہے اور چھوٹی بی بی!" وہ ایک بار پھر نایاب کی طرف مڑ گئی۔ "میرا خیال ہے وہ لوگ اس جھگڑے کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور میں سمجھتی ہوں بہت ہو چکا۔ مزید بات بڑھانے سے بدمزگی ہی پیدا ہوگی۔ اس لیے میں تمہیں بھی مشورہ دوں گی کہ ان کی بات مان کر اس جھگڑے کو ختم ہی کر دو۔"

"پھوپھو!" نایاب نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ کہیں کہ سادہ کاغذ پر دستخط کر دو تو کیا مجھے کر دینے چاہئیں؟"

"نہیں چھوٹی بی بی! میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" اللہ رکھی نے کہا۔ "میں تو کہتی ہوں کہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے اور تم بھی اپنے گھر میں رہو۔"

"میں بے گھر تو نہیں ہوں پھوپھو!" نایاب نے جواب دیا۔ "اچھا۔ آپ چلیں میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"

اللہ رکھی بیٹی کو لے کر واپس چلی گئی۔ نایاب ملک صاحب اور سکندر سے مشورہ کرنے لگی اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب وہ کرسی سے اٹھی تو ملک صاحب بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"چلو بیٹی! میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

"چلئے۔ مجھے کچھ حوصلہ رہے گا۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

چودھری امانت علی کی حویلی زیادہ دور نہیں تھی۔ حویلی کے سامنے کشادہ گلی تھی۔ حویلی کی دیواریں کسی فصیل کی طرح بلند اور بھاٹک بہت اونچا تھا۔ بھاٹک اس وقت بند تھا مگر اس کا ذیلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ چودھری کا ایک ملازم دروازے میں کھڑا شاید نایاب ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ملک صلاح الدین کو دیکھ کر وہ ایک لمحہ کو جھجکا' پھر ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

نایاب اندر داخل ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بہت شاندار حویلی تھی۔ بہت بڑا کمپاؤنڈ تھا جس کے وسط میں وسیع و عریض' خوبصورت لان بنا ہوا تھا۔ لان کے دوسری طرف شاندار دو منزلہ عمارت تھی جس میں سنگ مرمر زیادہ سے زیادہ استعمال کیا گیا تھا۔ وسیع پورچ میں دو چمچماتی ہوئی کاریں کھڑی تھیں۔ حویلی کے کمپاؤنڈ میں کئی جگہوں پر لیمپ پوسٹ لگے ہوئے تھے جن پر فینسی برقی قمقمے جگمگا رہے تھے۔ دائیں طرف آخر میں سرونٹ کوارٹر تھے۔ گیٹ میں داخل ہوتے ہی ذرا آگے بائیں طرف دو بیڈ رومز پر مشتمل ایک اور چھوٹی سی عمارت تھی۔ یہ مہمان خانہ تھا۔ یہاں ان مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا تھا جن کا خاندان سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ مہمان خانہ بھی ایک چھوٹے سے بنگلہ کی طرح تھا۔ دو بیڈ رومز کے علاوہ ایک وسیع ڈرائنگ روم اور لاؤنج بھی تھا۔ یہ مہمان خانہ پوری طرح آراستہ تھا۔

"اس طرف آجایئے چھوٹی بی بی۔" نوکر نے مہمان خانے کی طرف اشارہ کیا۔

نایاب ٹھٹک گئی۔ اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اسے کس قسم کی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مہمان خانے کی طرف مڑتے ہوئے اس نے حویلی کے برآمدے کی طرف دیکھا۔ وہاں دو عورتیں کھڑی تھیں۔ برآمدے میں بھی ٹیوب لائٹ جل رہی تھی۔ روشنی میں نایاب نے ایک عورت کو پہچان لیا۔ وہ اس کی ساس آمنہ بی بی تھی۔

نایاب مہمان خانے کے برآمدے میں آگئی۔ ملک صاحب بھی اس کے ساتھ تھے۔ چودھری کا ملازم ان سے پہلے ہی اندر جا چکا تھا۔ اس نے اندر جا کر ان کی آمد کا بتا دیا اور پھر دروازے سے باہر جھانکتے ہوئے بولا۔

"آیئے چھوٹی بی بی! اندر آجایئے۔"

نایاب برآمدے والے دروازے میں داخل ہو کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔ حویلی کے پھاٹک میں داخل ہوتے وقت اس کے دل کی دھڑکن کچھ بڑھ گئی تھی اور اس دروازے میں قدم رکھتے ہوئے اس کی دھڑکن بے قابو ہو رہی تھی۔

وسیع و عریض ڈرائنگ روم بہت شاندار طریقے سے آراستہ تھا۔ اندر تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک اس کا سسر چودھری امانت علی جس کے چہرے پر خشونت نمایاں تھی۔ باقی دو آدمی اس کے لیے اجنبی تھے لیکن نایاب کے خیال میں سرمئی شلوار سوٹ والا وکیل تھا

جسے چودھری نے شہر سے بلا رکھا تھا۔ اس کے سامنے شیشے کے ٹاپ والی کافی ٹیبل پر ایک فائل بھی رکھی ہوئی تھی۔ تیسرا آدمی میز سے ذرا ہٹ کر صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔

نایاب نے اندر داخل ہوتے ہی سلام کیا تھا۔ وکیل اور دوسرے آدمی نے تو جواب دے دیا مگر چودھری امانت علی کے لبوں کو حرکت نہیں ہوئی۔ ملک صاحب نے بھی السلام علیکم کہتے ہوئے آگے بڑھ کر تینوں سے ہاتھ ملایا تھا۔ ملک سے ہاتھ ملاتے ہوئے بھی چودھری امانت علی کے انداز میں سردمہری تھی۔ نایاب اور ملک صاحب ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔

"امانت علی۔" ملک صاحب چودھری کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "تمہاری بہو آئی ہے۔ تم نے اس کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ اس کے سر پر ہاتھ تو رکھ دو۔"

"میں نے اس لڑکی کو یہاں بہو کی حیثیت سے نہیں بلایا۔" چودھری امانت علی نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں بھی سردمہری تھی۔ "میرے اور اس لڑکی کے مابین کچھ تنازعات ہیں۔ میں چاہتا ہوں' یہ معاملات ختم ہو جائیں تاکہ میری بعض الجھنیں ختم ہوں اور یہ لڑکی بھی سکون سے زندگی گزار سکے۔"

"اس لڑکی کی زندگی اب بھی سکون سے گزر رہی ہے۔ کوئی بے سکونی نہیں ہے۔" نایاب نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن لگتا ہے آپ کی الجھنوں میں اضافہ ہو چکا ہے۔"

"میں اس معاملے کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔" چودھری امانت کے لہجہ میں کرختگی تھی۔ "جیسا کہ میں نے تمہیں خط میں بھی لکھا تھا کہ کچھ شرائط سے یہ معاملہ ختم ہو سکتا ہے۔ اس لیے میں نے تمہیں یہاں بلایا ہے۔"

"گویا آپ مجھ سے کچھ اپنی شرائط منوانا چاہتے ہیں جبکہ میں اس پوزیشن میں ہوں کہ آپ سے شرائط منوا سکوں۔" نایاب نے کہا۔ "اور یہ بھی مت سمجھئے کہ میں آپ کے بلاوے پر یہاں آئی ہوں۔ میں تو اپنے مرحوم شوہر کی زمینیں دیکھنے آئی ہوں۔ دو چار دن یہاں رہوں گی' پھر واپس چلی جاؤں گی۔ اسی دوران اگر آپ کوئی معاملہ طے کرنا چاہتے ہیں تو میرے لیے بڑی خوشی کی بات ہوگی۔"

"بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں بیٹی۔" وکیل کے ساتھ بیٹھے ہوئے دوسرے آدمی

نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ رحمت اللہ تھا۔ اس علاقے کا پٹواری اور چودھری امانت کا گہرا دوست۔ "چودھری صاحب نے تمہارے لیے ایک پیشکش رکھی ہے۔ اگر اسے قبول کر لو تو یہ معاملہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکتا ہے۔ وکیل صاحب! آپ بتایئے انہیں۔" اس نے آخری الفاظ وکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

وکیل نے اپنے سامنے میز پر رکھی ہوئی فائل اٹھا کر کھول لی۔ سب سے اوپر اسٹامپ پیپر تھا جس کے نیچے دوسرے کاغذ تھے۔ وہ چند لمحے اسٹامپ پیپر کو دیکھتا رہا' پھر اس نے فائل نایاب کی طرف بڑھا دی اور ساتھ ہی پین بھی جیب سے نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھ دیا تھا۔

"پہلے پڑھ لیجیے بی بی! اس کے بعد....."

"وکیل صاحب!" نایاب نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "آپ نے تو پین اس طرح میرے سامنے رکھ دیا جیسے میں پڑھے بغیر دستخط کروں گی۔"

"اسی لئے تو کہا ہے کہ پہلے پڑھ لیجئے۔" وکیل نے کہا۔

نایاب فائل کا مطالعہ کرنے لگی۔ وہ جیسے جیسے پڑھ رہی تھی' اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہو رہے تھے۔ بالآخر اس نے فائل کو میز پر رکھ دیا۔ چند لمحے خاموش رہی' پھر گہرا سانس لے کر وکیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"وکیل صاحب! کیا آپ کو معلوم ہے کہ میرے اور ان کے درمیان کیا تنازعہ چل رہا ہے؟"

"جی ہاں۔ جائیداد کا جھگڑا ہے جسے یہ کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر ختم کرنا چاہتے ہیں اور میرا خیال ہے' یہ ایک مناسب تجویز ہے۔" وکیل نے کہا۔

"میں نے اس جاگیر میں سے جس حصہ کا مطالبہ کیا ہے' اس کی مالیت کا بھی آپ کو اندازہ ہوگا۔" نایاب نے کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر بولی۔ "اس تحریر کے مطابق اگر میں جائیداد میں سے اپنے حصے سے دستبردار ہو جاؤں اور ان کے خلاف تمام کیسز واپس لے لوں تو وہ بنگلہ مجھے مل جائے گا جس میں' میں اس وقت رہائش پذیر ہوں۔ کیا انہوں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ وہ بنگلہ میرے مرحوم شوہر سرفراز چودھری کے نام تھا۔ ٹیرٹ شپ قانون کے تحت اب میرے نام منتقل ہو چکا ہے اور میں اس بنگلے کی جائز اور قانونی مالک

ہوں۔"

"وہ بنگلہ ان کے روپے سے تعمیر ہوا تھا اور آپ کے نام اس کا انتقال غیر قانونی ہے۔ انہوں نے اس کے خلاف درخواست دے رکھی ہے اور چند روز میں فیصلہ ہونے والا ہے۔" وکیل نے کہا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ فیصلہ دو روز پہلے میرے حق میں ہو چکا ہے۔ اس فیصلے کی نقل انہیں ڈاک کے ذریعے بھیجی جا چکی ہے۔ جو ہو سکتا ہے' انہیں اب تک نہ ملی ہو۔ آپ کو ایک اور بات بھی بتا دوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "بیرسٹر قانون کے تحت میرے نام اس بنگلے کی منتقلی کے لیے تمام قانونی تقاضے پورے کیے گئے تھے۔ دو ہفتے پہلے تین بڑے اخبارات میں یہ نوٹس شائع کرائے گئے تھے کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو متعلقہ آفیسر سے رجوع کیا جائے۔ وہ اخبارات یہاں بھی آتے ہیں۔ انہوں نے وہ نوٹس نہیں پڑھے تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے نا اور بعد از وقت کسی کارروائی کا نتیجہ تو یہی ہوتا ہے۔ اب میں قانونی طور پر اس بنگلے کی وارث اور مالک ہوں۔ اس لیے اسے بیچ میں لانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب چودھری صاحب یہ بتائیں کہ مجھے اس جائیداد میں سے کیا حصہ دے رہے ہیں؟"

وکیل خاموش ہو کر چودھری امانت علی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"انہیں ابھی تک اس فیصلے کی نقل نہیں ملی لیکن چلئے یہ مان لیں کہ اس بنگلے کا فیصلہ آپ کے حق میں ہو چکا ہے لیکن شاید آپ نے آخری پیراگراف پر غور نہیں کیا؟" وکیل نے کہا۔

"میں نے اس تحریر کا ایک ایک لفظ غور سے پڑھا ہے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے انہوں نے صورتحال کے بارے میں آپ کو مکمل طور پر اندھیرے میں رکھا ہے۔ میرا شوہر سرفراز چودھری ان کا چھوٹا اور سب سے لاڈلا بیٹا تھا۔ اس نے ان کی مرضی کے خلاف شادی کر لی تو انہیں بڑا دکھ ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے طلاق دلوانے کے لیے اپنے بیٹے پر طرح طرح سے دباؤ ڈالا' اسے جائیداد سے عاق کر دینے کی دھمکیاں بھی دی تھیں اور پھر وہی ہوا' اسے قتل کروا دیا گیا۔ گو کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے قتل کا الزام

اپنے ایک حریف زمیندار پر عاید کیا۔ وہ اگر معمولی آدمی ہوتا تو یہ لوگ اسے اب تک پھانسی لگوا چکے ہوتے لیکن دو سال گزرنے کے بعد بھی پولیس اس کے خلاف جرم ثابت نہیں کر سکی۔ میں اس زمیندار کی وکالت نہیں کر رہی لیکن اس کیس میں اسے بے قصور سمجھتی ہوں۔ ان کی جاگیر کا ہر شخص جانتا ہے کہ سرفراز چودھری کو قتل کرنے میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ میں اس وقت یہاں کوئی نیا مسئلہ نہیں چھیڑنا چاہتی۔ میں یہ سب کچھ اس لیے بتا رہی ہوں کہ آپ کو صحیح صورتحال کا ادراک ہو سکے۔ جس شخص کو اپنی اولاد سے زیادہ دولت پیاری ہو' وہ کسی اور کا کیا خیال رکھے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اس تحریر کے آخری پیراگراف میں یہ لکھا ہے کہ اگر میں ان کے بڑے بیٹے چودھری سعادت علی سے عقد ثانی کر لوں تو سارے جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ پہلے تو میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں نے سرفراز سے دولت کی خاطر شادی نہیں کی تھی کہ وہ مر گیا تو دوسرے بھائی سے شادی کر کے دولت پر قبضہ کرنے کی کوشش کروں۔

دولت سے مجھے نہیں' انہیں زیادہ پیار ہے۔ یہ نہیں چاہتے کہ اس دولت میں کوئی اور شریک ہو۔ اس لیے انہوں نے اپنے بیٹے کی قربانی دے دی۔ یہ شرط لکھواتے ہوئے انہوں نے آپ کو یہ نہیں بتایا ہوگا کہ ان کے ذہن میں منصوبہ کیا ہے۔ میں بتاتی ہوں۔" وہ خاموش ہو کر چودھری امانت علی کی طرف دیکھنے لگی جو خاموش بیٹھا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ نایاب نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ان کا منصوبہ یقیناً یہ ہوگا کہ اگر میں چودھری سعادت سے عقد ثانی کر لوں تو مجھے بہلا پھسلا کر یا کسی قسم کا دباؤ ڈال کر مجھ سے اپنے حصے سے دستبرداری کی تحریر لکھوا لی جائے گی اور اس کے بعد میرے ہاتھ میں طلاق نامہ تھما کر مجھے یہاں سے رخصت کر دیا جائے گا۔ آپ تو وکیل ہیں' مجھ سے زیادہ قانون جانتے ہیں۔ آپ ہی بتائیے اس کے بعد میرے پاس کیا رہے گا؟ وکیل صاحب میں کوئی بے وقوف یا جاہل عورت نہیں ہوں۔ آپ نے بڑے اعتماد سے قلم آگے بڑھایا تھا کہ میں خاموشی سے اس کاغذ پر دستخط کر دوں گی لیکن میں ان شرائط میں سے ایک بھی شرط ماننے کو تیار نہیں ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر خلوص اور پیار محبت سے معاملہ طے ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

آئے دن عدالتوں میں کھڑے رہنے سے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" وکیل نے کہا۔

"آپ ان کے وکیل ہیں۔ اس لیے یہ بات کہہ سکتے ہیں۔" نایاب نے کہا۔ "جہاں تک خلوص اور پیار محبت کا سوال ہے تو وہ میں پانچ سال سے دیکھ رہی ہوں۔ اس کا کچھ اندازہ تو ابھی آپ نے بھی لگا لیا ہوگا۔ مجھے گھر کے اندر لے جانے کے بجائے یہاں لا کر بٹھا دیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب تک دینا گوارا نہیں کیا لیکن ایک بزرگ کی حیثیت سے میں اب بھی ان کا بہت احترام کرتی ہوں۔ اگر یہ اس مسئلے کو حل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں میری شرائط بلکہ صرف ایک شرط ماننی ہوگی۔ یہ میرا حصہ دیدیں' سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔"

"تمہاری یہ شرط میں نہیں مان سکتا۔" چودھری امانت علی نے پہلی مرتبہ جواب دیا۔ "ابھی میں زندہ ہوں۔ زبردستی مجھ سے حصہ نہیں لیا جا سکتا۔"

"میں بھی زندہ ہوں۔" نایاب کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ "اس کیس کا فیصلہ بہرحال اب عدالت ہی میں ہوگا۔ یہاں بیٹھ کر بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"سنو لڑکی۔" چودھری امانت علی بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "ہاتھی اور چیونٹی کا کوئی مقابلہ نہیں۔ تمہارے باپ کے پاس کیا ہے.....چند ہزار روپے ماہانہ تنخواہ اور دو مکان۔ جو اب تک نہیں بکے تو اگلی دو تین پیشیوں میں بک جائیں گے۔ ایسے مقدمات کے فیصلے اتنی جلدی نہیں ہوا کرتے۔ تم اگر چاہو تو میں شہر والا دوسرا بنگلہ بھی تمہیں دے سکتا ہوں۔ اس کی مالیت پینتیس چالیس لاکھ کے قریب ہے۔ وہ بنگلہ لے لو اور مقدمے بازی ختم کر دو۔"

"جس طرح آپ اس وقت مجھے وہ بنگلہ پیش کر رہے ہیں' بالکل اسی طرح ایک روز آپ جائیداد کا حصہ پایٹ میں سجا کر مجھے پیش کریں گے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس پیشکش سے آپ کے دل کی بات بھی کھل کر سامنے آگئی ہے کہ آپ نے میرے بارے میں کیا سوچ رکھا ہے اور وکیل صاحب!" وہ وکیل کی طرف مڑ گئی۔ "آپ ان کی باتیں سن رہے ہیں اور آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اس وقت میں بالکل ٹھیک اور سلامت یہاں موجود ہوں۔ اپنے پیروں پر چل کر یہاں آئی ہوں اور اپنے پیروں ہی پر چل کر اس وقت اس حویلی سے باہر جا رہی ہوں۔ میں چند روز اس گاؤں میں رہنا چاہتی ہوں اور اگر

اس دوران مجھے کچھ ہو گیا تو اس کی تمام تر ذمہ داری میرے سسر چودھری امانت علی اور ان کے بڑے بیٹے چودھری سعادت پر ہوگی اور چودھری صاحب....." وہ سسر کی طرف مڑ گئی۔ "میں ملک انکل کے گھر قیام پذیر ہوں اور اس دوران اگر میرے حصے کی ادائیگی کے سلسلے میں کوئی نیک خیال ذہن میں آئے تو مجھے پیغام بھجوا دیجئے۔ چلئے ملک انکل!" اس نے آخری الفاظ ملک صاحب سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔

ملک صلاح الدین اس ساری گفتگو کے دوران خاموش ہی بیٹھا رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ اٹھ کر خاموشی سے نایاب کے ساتھ ڈرائنگ روم سے باہر آگیا۔

وہ مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے واپس آگئے۔

"سکینہ۔ کھانا لگاؤ بھئی۔ نایاب بہن اور ابا جان واپس آگئے ہیں۔" سکندر نے انہیں دیکھ کر اپنی بیوی کو آواز لگائی۔ پھر وہ باپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کوئی فیصلہ ہوا یا حاضری لگا کر آگئے؟"

"حاضری ہی لگی ہے۔" ملک صاحب نے برآمدے میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "چودھری امانت بے وقوف آدمی ہے۔ اپنے بیٹے کے ہاتھوں کھیل رہا ہے۔ نایاب بیٹی سے کہہ رہا تھا کہ سعادت سے شادی کر لو۔ ہے نا بے وقوفوں جیسی بات۔ احمق سے احمق آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس نے یہ بات کیوں کہی ہوگی۔ ویسے مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ آج وہ چیخا دھاڑا نہیں۔"

"میرا خیال ہے ان میں اب زیادہ چیخنے دھاڑنے کی سکت نہیں رہی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کو شاید معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان کے خلاف مقدموں کی فہرست بہت طویل ہو چکی ہے اور یہ مقدمے ایسے نہیں کہ انہیں رشوت دے کر ختم کر دیا جا سکے۔ ابھی تو چند ہی پیشیاں بھگتی ہیں۔ اگلی چند پیشیوں میں ہوش ٹھکانے آجائیں گے اور یہ بھول جائیں گے کہ وہ ایک بہت بڑے زمیندار ہیں اور وہ اپنی دولت سے سب کچھ خرید سکتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو بیٹی۔ دولت سے سب کچھ نہیں خریدا جا سکتا۔" ملک صاحب نے کہا۔ "لیکن ایک بات بتاؤں۔ میں امانت علی کو بچپن سے جانتا ہوں۔ ہم دونوں گہرے دوست ہوا کرتے تھے۔ پہلے وہ ایسا نہیں ہوا کرتا تھا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد جب

اس نے جاگیر کا نظام سنبھالا تو اس وقت اس کی عمر صرف تیئس سال تھی۔ وہ بدمزاج ضرور ہوا کرتا تھا لیکن دل کا برا نہیں تھا۔ تمام مزارع اور کارندے بھی اس سے خوش رہتے تھے۔ پچیس سال کی عمر میں اس کی شادی ہو گئی اور اس کے ایک سال بعد وہ ایک بیٹے کا باپ بن گیا۔ ہم دونوں کی شادیاں بھی آگے پیچھے ہوئی تھیں اور اولاد بھی دونوں کے ہاں ایک ڈیڑھ ہفتے کے وقفے سے ہوئی تھی۔ یہ میرا سکندر چودھری سعادت سے ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ چھوٹا ہے۔ بہرحال' سعادت کی پیدائش پر پوری جاگیر میں خوشیاں منائی گئیں۔ امانت علی نے دل کھول کر روپیہ لٹایا۔ کوئی مزارع یا کارندہ ایسا نہیں تھا جو اس کی سخاوت سے محروم رہا تھا۔

لیکن پھر جیسے جیسے بیٹا بڑا ہوتا گیا' امانت علی میں بھی تبدیلیاں آتی گئیں۔ سعادت بہت ضدی ہونے کے ساتھ ایک نمبر کا جھوٹا بھی تھا۔ اس کی ہر ضد تو پوری ہو ہی جاتی تھی لیکن جھوٹ بولنے کی عادت بعض اوقات امانت علی کو بھی دوسرے کے سامنے شرمندہ کر دیتی۔ سعادت گاؤں کے دوسرے بچوں کو مار پیٹ کر آجاتا اور ماں سے کہتا اسے فلاں بچے نے بے قصور پیٹا ہے جس پر دوسرے بچوں کی پٹائی کر دی جاتی۔

چودھری امانت علی اپنے اس بیٹے کی وجہ سے بدلتا چلا گیا۔ میٹرک کرنے کے بعد سعادت علی جاگیر کے انتظامی امور میں بھی مداخلت کرنے لگا۔ اسے یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا تھا کہ مزارع اور کارندے فصل کی کٹائی کے موقع پر اناج کیوں لے جاتے ہیں۔ وہ بے وقوف یہ نہیں جانتا تھا کہ دن رات کام کرنے والے مزارع اسی مٹھی بھر اناج پر زندہ ہیں جو فصل کی کٹائی کے موقع پر انہیں دیا جاتا ہے۔

سعادت علی نے کارندوں اور مزارعوں پر سختی شروع کر دی۔ شروع میں جب کوئی مزارع یا کارندہ امانت علی کے پاس شکایت لے کر آتا تو امانت علی کسی نہ کسی طرح اس کی اشک شوئی کر دیتا لیکن پھر وہ بھی بیٹے کی طرح ان پر سختی کرنے لگا۔

جس سال سعادت نے انتظام سنبھالا تھا' اس سال آمدنی بڑھ گئی۔ اس سے امانت علی کے دل میں طمع بھی بڑھ گئی اور وہ صرف اپنی آمدنی میں اضافے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ اس کے مزارع اور کارندے کس بدحالی میں زندگی گزار رہے ہیں۔

سرفراز سعادت سے پانچ سال چھوٹا تھا۔ یہ لڑکا اپنے باپ اور بھائی سے بالکل مختلف ثابت ہوا۔ اس کے دل میں ہمدردی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ضدی وہ بھی تھا لیکن اس کی ہر ضد نیکی کے لیے ہوتی۔ ماں اور باپ سے ضد کرکے پیسے لیتا اور غریبوں میں بانٹ دیتا۔ وہ جب بڑا ہوا تو مزید پھیل گیا۔ اناج' کپڑے اور دوسری چیزوں سے مزارعوں کی مدد کرنے لگا۔ مزارع اور کارندے خوش تھے کہ اس خاندان میں کوئی تو نیک انسان پیدا ہوا۔

سعادت بدمزاج اور سخت گیر ہونے کے علاوہ اوباش بھی تھا۔ وہ اکثر گاؤں کی لڑکیوں کو چھیڑتا۔ اس نے اپنے چند اوباش دوستوں کے ساتھ اپنے ایک مزارع کی بیٹی کی عزت لوٹی تو اس لڑکی نے گلے میں پھندہ ڈال کر خودکشی کر لی۔ بات امانت علی تک پہنچی مگر اس نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ لڑکوں سے جوانی میں ایسی حرکتیں سرزد ہو ہی جاتی ہیں۔

ایک اور لڑکی نے کنویں میں چھلانگ لگا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ وہ اسکول ماسٹر کی بیٹی تھی۔ ماسٹر نے نورپور تھانے میں سعادت علی کے خلاف رپورٹ لکھوا دی۔ پولیس یہاں آئی لیکن سعادت علی کا کچھ نہیں بگڑا۔ اس کے برعکس ماسٹر کو ڈرا دھمکا کر اس گاؤں سے ہی نکال دیا گیا۔

"ایک اور لڑکی کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ وہ بھی ان کے مزارع کی بیٹی تھی۔ سعادت علی اس پر وانت گاڑے بیٹھا تھا لیکن اس لڑکی نے اسے ایسا کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا بلکہ ایک موقع پر گلی میں دوسرے لوگوں کی موجودگی میں اس نے اس کے منہ پر تھپڑ بھی مار دیا اور پھر اس کے کچھ ہی عرصہ بعد اس لڑکی کی شادی ہو گئی۔"

"لیکن سعادت علی اس تھپڑ کو نہیں بھولا تھا۔" ملک صاحب کے خاموش ہونے پر نایاب نے کہا۔ "وہ گنے کی کٹائی کا موقع تھا۔ کھیت میں ایک جگہ گڑ بنانے کے لیے آگ کے الاؤ پر گنے کے رس کا کڑھاؤ چڑھا ہوا تھا اور وہ لڑکی اکیلی وہاں بیٹھی آگ میں ایندھن جھونک رہی تھی۔ اس دوران سعادت علی اپنے دو دوستوں کے ساتھ اس طرف آنکلا اور موقع پا کر انہوں نے لڑکی کو گھیر لیا۔ لڑکی نے سعادت علی کے منہ پر تھوک دیا جس پر سعادت علی نے اسے اٹھا کر کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں پھینک دیا۔"

"اوہ۔" ملک صاحب بولے۔ "یہ تو تمہاری شادی سے تقریباً چھ مہینے پہلے کی بات ہے۔ تم اس واقعے کے بارے میں کیسے جانتی ہو؟"

"راشدہ نام کی وہ لڑکی اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی کی بیوی ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "میں اس سے مل چکی ہوں۔ میں دراصل کل رات کی ٹرین سے آئی تھی۔ ٹرین رات گیارہ بجے پہنچی تھی۔ میں چودھری امانت علی کے بلاوے پر یہاں آئی تھی اور میں نے خط کے ذریعے اپنے آنے کا پروگرام بھی لکھ دیا تھا لیکن مجھے لینے کے لیے اسٹیشن پر کوئی نہیں پہنچا تھا۔ میں سمجھی تھی کہ یا تو میرا خط ہی نہیں ملا تھا یا اگر کوئی مجھے لینے کے لیے آیا بھی تھا تو ٹرین بہت زیادہ لیٹ ہونے کی وجہ سے واپس چلا گیا تھا۔ بہرحال مجھے اکیلے پا کر اسٹیشن ماسٹر نے مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا اور یہ پیشکش کی کہ میں رات اس کے کوارٹر میں گزار لوں۔ میرے پاس اس کی پیشکش قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں ڈرتی ڈرتی اس کے کوارٹر میں چلی گئی اور پھر میری ملاقات اس کی بیوی راشدہ سے ہوئی۔ اسے دیکھ کر میں کانپ اٹھی۔ مجھے حیرت تو یہ ہے کہ وہ زندہ کیسے ہے لیکن شاید یہ اس کے شوہر کی محبت ہے جو کوئلے کی طرح جلے ہوئے جسم سے روح کا رشتہ باقی ہے۔"

"ہاں۔ عبدالغنی واقعی اس سے بہت محبت کرتا ہے۔" ملک صاحب نے کہا۔

"اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد دو گھڑ سوار وہاں آئے تھے۔" نایاب نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی کو گھر سے باہر بلا کر پوچھا تھا کہ کوئی عورت تو ٹرین سے نہیں اتری۔ اگر اتری تھی تو کہاں گئی۔ اسٹیشن ماسٹر نے کہہ دیا تھا کہ اس ٹرین سے کوئی مسافر اترا ہی نہیں تھا۔"

"اچھا ہوا' اس نے تمہاری موجودگی کے بارے میں نہیں بتایا ورنہ وہ تمہارے ساتھ ان دونوں کو بھی ختم کر دیتے۔ تمہاری لاش غائب کر دی جاتی اور یہ کہا جاتا کہ تم پیر آباد پہنچی ہی نہیں تھی۔ اس طرح جائیداد کے بٹوارے کا معاملہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا۔"

"میرے بارے میں جان کر اسٹیشن ماسٹر بھی شاید صورتحال کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اسی لیے اس نے میرے بارے میں لاعلمی کا اظہار کر دیا تھا۔" نایاب چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر بولی۔ "اب چودھری امانت علی صاحب فرماتے ہیں کہ میں سعادت علی سے عقد ثانی کر لوں۔ کیا اس شادی کے چند روز' چند ہفتوں یا چند مہینوں بعد پراسرار طور پر میری موت واقع نہیں ہو جائے گی یا مجھے قتل کر کے ایسا رنگ نہیں دے دیا جائے گا جس سے یہ تاثر

دیا جائے کہ میری موت کسی حادثے کے نتیجہ میں واقع ہوئی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو بیٹی!" ملک صاحب نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "سعادت علی جیسے شخص سے کچھ بھی بعید نہیں ہے اور چودھری نے یہ تجویز بھی یقیناً اسی کے مشورے پر رکھی ہوگی۔"

"یہ دولت اور جائیداد بہت بری چیز ہے انکل۔" نایاب نے کہا۔ "اس کی خاطر اپنی اولاد تک کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ سندھ میں بیٹیوں کی شادی قرآن پاک سے بھی کر دی جاتی ہے۔ یہ شادیاں عام طور پر بڑے گھروں اور وڈیروں میں ہوتی ہیں۔ غریب طبقے میں ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ بیٹی کے لیے کوئی مناسب رشتہ نہیں ملا تھا' اس لیے اس کی شادی قرآن سے کر دی گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ وڈیرے لوگ یہ نہیں چاہتے کہ ان کی جائیداد اور زمینوں میں داماد کی صورت میں کوئی اور حصہ دار پیدا ہو جائے۔ اس لیے جوان بیٹی کے ارمانوں کا گلا گھونٹ کر قرآن مجید سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے۔"

"میں نے پہلے بھی ایک مرتبہ ایسی بات سنی تھی۔" ملک صاحب نے کہا۔ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے لیکن اسی وقت عذرہ آ گئی۔

"کھانا تیار ہو چکا ہے۔ اب اٹھئے آپ لوگ۔" اس نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو نایاب بیٹی۔" ملک صاحب کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔ "اب یہ لڑکی ہمیں ایک منٹ بھی یہاں نہیں بیٹھنے دے گی۔"

"ایک بات اور ابا جی۔" عذرہ نے کہا۔ "کھانے کے بعد نایاب باجی ہماری ہوں گی۔ میرا مطلب ہے کہ....."

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔" ملک صاحب نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "نایاب اب بھی تمہاری ہے اور کھانے کے بعد بھی تمہاری ہی ہوگی۔"

وہ لوگ اس کمرے میں آگئے جہاں ڈائننگ ٹیبل لگی ہوئی تھی۔ میز پر کھانا سجا ہوا تھا۔ اشتہا آمیز خوشبو سے نایاب کی بھوک چمک اٹھی۔ سکینہ نے کچھ زیادہ ہی تکلف کر ڈالا تھا۔ تین چار قسم کے سالن تھے اور دو ڈشیں میٹھے کی تھیں۔ اسی وقت سکندر بھی کمرے

میں داخل ہوا اور کھانا شروع ہو گیا۔

کھانے کے دوران باتیں بھی ہوتی رہیں لیکن یہ باتیں اب چودھری فیملی کے بارے میں نہیں تھیں۔ کھیتی باڑی کے حوالے سے گفتگو ہو رہی تھی۔ سکندر بتا رہا تھا کہ کس موسم میں کون کون سی فصلیں ہوتی ہیں۔

"یہاں نہری پانی کی کچھ کمی ہے۔" اب ملک صاحب بات کر رہے تھے۔ "پانی پورا نہ ہونے کی وجہ سے فصلوں کو بھی نقصان ہوتا ہے اور زمینداروں میں جھگڑے بھی ہوتے ہیں۔ اٹھارہ انیس سال پہلے میں نے اور چودھری امانت علی نے مل کر بجلی کے حصول کی کوشش شروع کر دی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ ٹیوب ویل لگ جانے سے ہمارا پانی کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ نورپور پاور ہاؤس سے یہاں تک چھ میل کا فاصلہ ہے۔ یہاں تک لائن ڈالنے اور دوسرے اخراجات میں نے اور چودھری امانت علی نے اپنی جیب سے ادا کیے۔ اس سے نہ صرف ہمیں بلکہ علاقے کے دوسرے چھوٹے زمینداروں کو بھی فائدہ ہوا ہے۔"

ان کی باتوں سے نایاب کی معلومات میں خاصا اضافہ ہو رہا تھا۔ اسے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اناج پیدا کرنے کے لیے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔

کھانے کے بعد عذرہ اور اس کی بڑی بہن نرگس نایاب کو اپنے کمرے میں لے گئیں۔ یہاں کنگ سائز ڈبل بیڈ تھا۔ دونوں بہنیں یہیں سویا کرتی تھیں اور وہ نایاب کو بھی اپنے ساتھ ہی سلانا چاہتی تھیں۔

"اے لڑکیو!" سکینہ نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "نایاب کو الگ بستر پر سونے دو۔ تم دونوں رات بھر اسے باتوں میں لگائے رکھو گی اور سونے نہیں دو گی۔"

"کوئی بات نہیں بھابھی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بیڈ خاصا بڑا ہے۔ میں ان کے ساتھ ہی سو جاؤں گی۔"

گھر کے فرنیچر کو دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی گاؤں میں ہے۔ نایاب کچھ دیر تک نرگس اور عذرہ سے باتیں کرتی رہی' پھر اٹھ کر باہر آ گئی۔ وہ باتھ روم سے ہو کر واپس آ رہی تھی کہ برآمدے کے دوسرے سرے پر ملک صاحب اور سکندر کو باتیں کرتے دیکھ کر رک گئی۔ ان دونوں کے رخ دوسری طرف تھے اور سکندر کہہ رہا تھا۔

"ابا جی آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں نے سارا بندوبست کر لیا ہے۔ میرے بندے پہنچ

گئے ہیں۔ کوئی اس طرف آنے کی جرات نہیں کرے گا۔ چودھری سعادت نے اگر کوئی حماقت کی تو زندگی بھر پچھتائے گا۔ آپ جا کر سو جائیں' میں باہر موجود ہوں۔"

نایاب چونک سی گئی۔ اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ انہیں چودھری امانت یا سعادت علی سے کسی قسم کا خطرہ تھا اور یہ حفاظتی انتظامات کر رہے تھے۔ ملک صاحب اپنے کمرے میں جانے کے لیے مڑے تو انہوں نے نایاب کو دیکھ لیا۔

"کیا بات ہے انکل؟" نایاب نے پوچھا۔

"کوئی بات نہیں بیٹی۔" ملک صاحب نے جواب دیا۔ "گاؤں دیہاتوں میں چوروں' ڈاکوؤں کا خطرہ تو رہتا ہی ہے ناں۔ میں سکندر سے یہی بات کر رہا تھا۔ جاؤ بیٹی تم سو جاؤ۔"

نایاب کمرے میں آ گئی۔ نرگس اور عذرہ نے اسے اپنے بیچ میں لٹا لیا اور پھر باتوں کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ملک صاحب اور سکندر کی باتیں سننے کے بعد نایاب سونا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے وہ نرگس اور عذرہ سے باتیں کرتی رہی۔ باہر ذرا سی آہٹ بھی ہوتی تو وہ چونک جاتی۔

ساڑھے بارہ بجے کے قریب دونوں بہنیں سو گئیں۔ نایاب اس کے بعد بھی کافی دیر تک جاگتی رہی اور بالآخر اس کی آنکھ لگ گئی۔

گاؤں کی زندگی شہر سے بڑی مختلف ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ صبح منہ اندھیرے اٹھ جاتے ہیں۔ جس وقت شہر کے لوگ دفتر جا رہے ہوتے ہیں' کسان اس وقت تک اپنے بہت سے کام نمٹا چکے ہوتے ہیں۔

ملک صلاح الدین کے گھر کے افراد بھی صبح سویرے ہی اٹھ گئے تھے مگر ان کی مہمان نایاب دیر تک سوتی رہی۔ رات کو اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آتے رہے تھے جن کی وجہ سے وہ دیر تک جاگتی رہی تھی۔

نایاب کمرے سے باہر نکلی تو آنگن میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ نرگس اور عذرہ برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں اور سکینہ ملازمہ سے آنگن کی صفائی کروا رہی تھی۔

"ناشتہ بناؤں نایاب باجی؟" عذرہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بھئی۔ رات کو پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا۔ اب پھر بھوک لگ رہی ہے۔" نایاب

نے کہا۔ "میں باتھ روم سے ہو کر آتی ہوں۔ تم ناشتہ تیار کرو۔"

اور پھر تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہ برآمدے میں بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔ عذرہ اور نرگس بھی اس کے ساتھ تھیں۔ نایاب کے انتظار میں انہوں نے بھی ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا۔ ناشتے کے دوران عذرہ بتا رہی تھی کہ گاؤں کی کئی عورتیں اس سے ملنے کے لیے آئی تھیں۔

"اس کے علاوہ کوئی اور خبر؟" نایاب نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ کے لیے ایک اہم خبر یہ ہے کہ چودھری انکل کا وکیل آج صبح سویرے واپس چلا گیا ہے۔" نرگس نے بتایا۔

"اسے تو جانا ہی تھا۔ وہ مستقل طور پر یہاں رہنے کے لیے تو نہیں آیا تھا۔" نایاب نے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔" نرگس نے کہا۔ "صبح ماسی اللہ رکھی بھی آئی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ رات کو آپ لوگوں کے آنے کے بعد چودھری انکل اور وکیل میں خوب گرما گرم بحث ہوئی تھی۔ وکیل نے کہا تھا کہ اسے حالات کے بارے میں مکمل طور پر اندھیرے میں رکھ کر اس سے غلط کام لینے کی کوشش کی جا رہی ہے اور وہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جس سے اس کی نیک نامی پر حرف آئے۔ اس لیے وہ واپس چلا گیا۔"

"پھوپھو اللہ رکھی کیوں آئی تھی؟" نایاب نے پوچھا۔

"یونہی۔" نرگس نے کہا۔ "ویسے آپ کو ایک بات بتاؤں۔ چودھری انکل اور آنٹی بری نہیں ہیں۔ فساد کی جڑ تو سعادت علی ہے۔ یہ سارا ہنگامہ اسی کا کھڑا کیا ہوا ہے۔ وہ اکیلا اس جاگیر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ کسی اور کو برداشت نہیں کر سکتا' اسی لیے تو اس نے سرفراز بھائی کو....." وہ کہتے کہتے رک گئی' پھر نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں بولی۔ "معاف کرنا باجی۔ میں آپ کے زخموں کو نہیں چھیڑنا چاہتی لیکن دبے لفظوں میں ہر شخص یہی کہہ رہا ہے کہ چودھری سعادت ہی نے بھائی کو مروایا تھا۔"

"مجھے بھی شروع ہی سے یہ شبہ ہے۔" نایاب نے کہا۔ "لیکن صورتحال یہ ہے کہ جب یہ افسوسناک واقعہ ہوا' میں یہاں نہیں تھی۔ پولیس نے نامعلوم افراد کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کیا تھا۔ میں نے علاقہ کے ایس ایس پی کو ایک تحریری درخواست دی تھی کہ

معاملہ جائیداد کا ہے۔ اس قتل میں چودھری سعادت کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ ایس ایس پی کے حکم پر مقامی پولیس نے چودھری سعادت کو بھی شامل تفتیش کر لیا تھا لیکن دو ہفتوں کے بعد پولیس نے اسے بے گناہ قرار دے کر تفتیش سے خارج کر دیا۔ جب تفتیشی آفیسر ہی بددیانت اور راشی ہو تو صحیح رخ پر تفتیش کیسے ہو سکتی ہے۔ بہرحال مجھے یہاں آئے ہوئے چند گھنٹے ہوئے ہیں مگر ہر طرف سے میرے کانوں میں یہ آوازیں آ رہی ہیں کہ چودھری سعادت اپنے بھائی کا قاتل ہے۔ میرا خیال تھا کہ آج میں واپس چلی جاؤں گی لیکن اب میں نے چند روز یہاں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں خود معلومات حاصل کروں گی۔ اگر اس شبہے کو ذرا بھی تقویت ملی تو شہر جا کر اعلیٰ حکام سے رابطہ کر کے ازسرنو کیس کی تحقیقات کرواؤں گی۔ ویسے تم نے بتایا نہیں پھوپھو اللہ رکھی کیوں آئی تھی؟"

"یونہی۔ آپ کو دیکھنے کے لیے۔" نرگس نے جواب دیا۔ "بات کا رخ بدل گیا۔ میں کہہ رہی تھی کہ سعادت ہی سارے فساد کی جڑ ہے۔ اگر یہ کانٹا نکل جائے تو چودھری انکل اور آنٹی آپ کو اپنی بہو تسلیم کر لیں اور آج ہی آپ کو عزت و احترام سے اپنے گھر لے جائیں۔ اس خاندان کے بیشتر لوگ آپ کے حق میں ہیں لیکن سعادت کی وجہ سے زبان نہیں کھولتے۔ ماسی اللہ رکھی بھی آپ کی حمایت میں ہیں لیکن وہ بیچاری بہت مجبور ہیں۔ منہ سے ایک لفظ نہیں نکال سکتیں۔"

"گویا زور اس بات پر ہوا کہ میری بربادی کا ذمہ دار صرف اور صرف چودھری سعادت ہے۔" نایاب نے کہا۔

"جی ہاں۔" نرگس نے سر ہلایا۔ "چند روز یہاں رہنے کا ارادہ ہے تو ذرا محتاط رہیے گا۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ خود سامنے نہیں آئے گا' اپنے لوگوں کے ذریعے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ وہ بہت بدمعاش آدمی ہے۔"

"اس کا اندازہ مجھے ہو چکا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "اگر میں بزدل ہوتی تو اکیلی یہاں نہ آتی۔ بہرحال میں تمہارے مشورے پر عمل کروں گی اور محتاط رہوں گی۔ ویسے انکل کہاں ہیں؟"

"وہ تو ڈیرے پر گئے ہوئے ہیں۔" نرگس نے جواب دیا۔

"اور ڈیرہ کہاں ہے؟" نایاب نے پوچھا۔

"کھیتوں میں۔" نرگس کے بجائے عذرہ بول پڑی۔ "چلیں گی۔ وہاں املی کا ایک بہت بڑا درخت بھی ہے جو آج کل پھل سے لدا ہوا ہے۔ کچی املی۔ کٹارے۔" بات کرتے ہوئے عذرہ کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"ابا جان سے ایسی ڈانٹ پڑے گی نا کہ روتی ہوئی واپس آؤ گی۔" نرگس نے اسے گھورا۔

"نایاب باجی ساتھ ہوں گی تو کوئی ڈانٹ نہیں پڑے گی۔ آخر وہ مہمان کا کچھ تو لحاظ کریں گے۔"

"تو چلو پھر چلیں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آج کے دن میں تمہیں ڈانٹ سے بچالوں گی۔"

وہ دونوں تیار ہو کر حویلی سے باہر آگئیں۔ گاؤں کی گلیاں کافی کشادہ تھیں لیکن کچی ہونے کی وجہ سے جا بجا گڑھے تھے اور کئی جگہوں پر کیچڑ پھیلا ہوا تھا۔ کچھ ننگ دھڑنگ بچے گلیوں میں کھیل رہے تھے۔ عورتیں اور مرد مڑ مڑ کر نایاب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کئی عورتوں نے چھوٹی بی بی کہہ کر نایاب کو سلام بھی کیا تھا۔ وہ دونوں مختلف جگہوں سے ہوتی ہوئی گاؤں سے باہر آگئیں۔ گاؤں کے باہر ایک چھوٹا سا میدان تھا اور اس سے آگے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ کل نایاب دوسری طرف سے گاؤں میں آئی تھی۔ اس طرف گاؤں کے باہر ایک نہر بھی تھی لیکن اس طرف نہر کے بجائے میدان تھا۔

"یہ چودھری انکل کی زمینیں ہیں۔" عذرہ بتا رہی تھی۔ "اس طرف آپ گھنٹوں چلتی رہیں تو بھی ان کی زمینیں ختم نہیں ہوتیں اور اس طرف کینو کا وہ باغ نظر آرہا ہے ناں' وہ ہمارا ہے اور اس کے ساتھ والی زمینیں ہماری ہیں۔ باغ کے ساتھ ہی ڈیرہ ہے۔ ابا اور سکندر بھائی وہیں ہوں گے۔"

نایاب کے اندازے کے مطابق وہ باغ وہاں سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ دونوں کھیتوں میں پگڈنڈی پر چلتی رہیں۔ تیز دھوپ میں نایاب کا پسینہ بہنے لگا۔ عذرہ بھی دوپٹے سے بار بار چہرے کا پسینہ پونچھ رہی تھی۔

راستے میں تقریباً تین فٹ چوڑی ایک ندی تھی۔ عذرہ ندی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے دونوں پیر پانی میں لٹکا دیئے۔ نایاب بھی اس کے قریب بیٹھ گی۔ ندی کے دوسری

طرف تقریباً دو کھیتوں کی زمینیں خالی اور بنجر نظر آرہی تھیں۔ اس پوری زمین پر سفید پاؤڈر سا بکھرا ہوا تھا۔

"اس زمین کی مٹی سفید کیوں ہے؟" نایاب نے پوچھا۔

"یہ تھور ہے نایاب باجی۔ اسے کلر بھی کہتے ہیں۔" عذرہ نے بتایا۔

"یہ کلر زمین کو کھا جاتا ہے۔ اس جگہ گھاس بھی پیدا نہیں ہوتی۔ جہاں کلر ہوگا' وہاں زمین بنجر اور ویران ہوگی۔ پہلے تو بہت بڑا رقبہ اسی کلر کی وجہ سے بنجر پڑا تھا۔ ابا جان نے بڑی محنت کی ہے اس زمین پر۔ دوائیں اور کیمیکل ڈال ڈال کر اس زمین کو قابل کاشت بنایا ہے۔ یہ تھوڑا سا کلر رہ گیا ہے' یہ بھی انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"گویا ندی کے اس طرف تمہاری زمین شروع ہو جاتی ہے اور یہ زمین جہاں اس وقت ہم بیٹھے ہیں؟" نایاب نے پوچھا۔

"آپ کی ہے۔" عذرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ دونوں پانی میں پیر ہلاتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں کہ نایاب چونک کر اس بنجر زمین کے ٹکڑے کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک نیولا اور سانپ کھیت سے نکل کر اس بنجر زمین پر آگئے تھے۔ نیولہ سانپ پر حملہ کر رہا تھا اور سانپ بل کھا کھا کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ موقع پا کر وہ بھی نیولے پر حملہ کر دیتا۔ نایاب حیرت سے سانپ اور نیولے کی لڑائی دیکھ رہی تھی۔ اس لڑائی میں نیولے کا پلڑا بھاری نظر آرہا تھا۔

نایاب کو زیادہ حیرت سانپ کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔ وہ سانپ لمبائی میں تقریباً ایک فٹ اور بالکل سنہری رنگت کا تھا۔ اس کی موٹائی ایک انچ کے قریب تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے سونے کی ایک موٹی سی زنجیر ہو۔ دھوپ میں وہ سونے ہی کی طرح چمک رہا تھا۔

نایاب کچھ دیر تک یہ لڑائی دیکھتی رہی۔ پھر نجانے اسے کیا ہوا کہ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور ندی سے گزر کر دوسری طرف آگئی۔ اسے اس خوبصورت سانپ پر ترس آگیا تھا جسے وہ بدشکل نیولا ختم کر دینا چاہتا تھا۔

نایاب نے مٹی کا ایک بڑا سا ڈھیلا اٹھا لیا اور آگے بڑھنے لگی۔ اسے بالکل خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ پہلے نیولے کو ہشکارتی رہی' پھر اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا مٹی کا وہ ڈھیلا کھینچ مارا۔

ڈھیلا خاصا بڑا تھا۔ نیولے کی کمر پر لگا۔ نیولے نے سانپ کو چھوڑ دیا اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے نایاب کی طرف دیکھنے لگا۔ نایاب نے ایک اور ڈھیلا اٹھا کر مارا۔ نیولا دوڑتا ہوا کھیت میں گھس گیا۔

سنہری سانپ زمین پر بل کھا رہا تھا۔ سر سے تقریباً دو انچ پیچھے نیولے کے دانتوں کے نشان نظر آرہے تھے۔ نایاب آگے بڑھنے لگی۔

"نایاب باجی۔" عذرہ دور ہی سے چیخی۔ "پیچھے ہٹ جاؤ۔ سانپ ڈس لے گا۔" نایاب کو سانپوں سے بہت خوف آتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ زخمی سانپ زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے لیکن حیرت کی بات تھی کہ اس وقت اسے سانپ سے کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا بلکہ اسے اس خوبصورت زخمی سانپ پر ترس آرہا تھا۔

وہ سانپ کے قریب پہنچ کر جھکی اور آہستہ آہستہ ہاتھ آگے بڑھانے لگی۔ اس وقت اسے کچھ خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ سانپ آہستہ آہستہ بل کھا رہا تھا۔ نایاب کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ہاتھ سانپ پر رکھ دیا۔

سانپ ایک دم تڑپ اٹھا۔ اس نے کنڈلی مار کر پھن پھیلا لیا۔ اس کا پھن بھی بڑا خوبصورت تھا۔ دونوں طرف سیاہ رنگت میں خوبصورت ڈیزائن بنے ہوئے تھے۔ سانپ نے پھن کو اس طرح جھکا دیا جیسے حملہ کرنا چاہتا ہو لیکن پھر وہ آہستہ آہستہ نیچے بیٹھ گیا۔ اس کا پھن بھی سمٹ گیا اور پھر وہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا دائیں طرف والے کھیت میں گھس گیا۔ نایاب اسے پودوں میں جاتے دیکھتی رہی اور پھر وہ اچھل پڑی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے کان میں سرگوشی کی ہو۔

"تم نے میری جان بچائی ہے' میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

نایاب نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ عذرہ ندی کے کنارے پر بے حس و حرکت کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور پھر وہ دوڑتی ہوئی نایاب سے لپٹ گئی۔

"تم بڑی بے وقوف ہو نایاب باجی۔" وہ بولی۔ "میں تمہیں دور رہنے کو چیخ رہی تھی اور تم اس سانپ کو پکڑنے جا رہی تھیں۔ اگر وہ تمہیں ڈس لیتا تو.....؟"

"تو کیا ہوتا۔" نایاب اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "سانپ کا زہر

میرے جسم میں پھیل جاتا اور میں ختم ہو....."

"بس بس..... آگے کچھ مت کہئے۔" عذرہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اب چلئے۔ مجھے یہاں ڈر لگ رہا ہے۔"

وہ دونوں ایک بار پھر پگڈنڈی پر ہوتے ہوئے کھیتوں میں چلنے لگیں اور باغ کے ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے تھوڑی ہی دیر بعد ڈیرے پر پہنچ گئیں۔

ٹاہلی کے درختوں کے نیچے ایک بہت بڑا سائبان بنا ہوا تھا جس کے نیچے دو تین ہان کی چارپائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف بھینسیں بندھی ہوئی تھیں اور دو تین کارندے مختلف کاموں میں مصروف تھے۔ سکندر یا ملک صاحب وہاں نہیں تھے۔ کارندوں نے نایاب اور عذرہ کو سلام کیا۔

"ابا جان کہاں ہیں؟" عذرہ نے ایک کارندے سے پوچھا۔

"وہ ٹیوب ویل کی طرف گئے ہیں' ابھی آتے ہی ہوں گے۔ آپ دونوں دھوپ میں آرہی ہیں۔ پانی پلاؤں؟" کارندے نے کہا۔

"ہاں۔ پلا دو۔ پیاس تو لگ رہی ہے۔" عذرہ نے کہا۔

کارندے نے مٹکے سے دونوں کو پانی پلایا۔ عذرہ نایاب کو اشارہ کرتی ہوئی ڈیرے کے پچھلی طرف آگئی جہاں املی کا ایک بہت بڑا درخت تھا جو پھل سے لدا ہوا تھا۔ عذرہ اچھل اچھل کر نیچے جھکی ہوئی ایک شاخ کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگی لیکن املی تو اس کے ہاتھ میں نہیں آئی البتہ ایک کانٹا انگلی میں چبھ گیا۔ وہ انگلی کو منہ میں ڈال کر چوسنے لگی۔ اس وقت وہ کارندہ بھی اس طرف آگیا۔

"غلام رسول۔ ہمیں کنارے توڑ کر دو۔" عذرہ نے کہا۔

"آپ ملک صاحب کی ڈانٹ کو بھول گئی ہیں چھوٹی بی بی!" غلام رسول نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کے ساتھ اس دن مجھے بھی ڈانٹ پڑ گئی تھی۔"

"ابا اس وقت تو یہاں نہیں ہیں۔" عذرہ نے کہا۔ "اگر آ بھی گئے تو آج مجھے ڈانٹ نہیں پڑے گی۔ نایاب باجی میرے ساتھ ہیں۔"

غلام رسول نے مسکراتے ہوئے ایک شاخ پکڑ کر نیچے کھینچ لی اور تین چار کنارے توڑ کر عذرہ کو دے دیئے۔

"بس یہ کافی ہیں۔" اس نے کہا۔ "آپ کا گلا پہلے ہی خراب رہتا ہے۔"

عذرہ نے وہ کٹارے نایاب کو دے دیئے۔ نایاب نے دانتوں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا توڑا۔ کھٹائی سے اس کے جبڑوں میں عجیب سی سنسناہٹ ہونے لگی۔

تھوڑی دیر بعد ملک صاحب بھی آگئے۔ وہ نایاب کو یہاں دیکھ کر حیران بھی ہوئے تھے۔

"تمہیں یہ بلا اپنے ساتھ لے کر آئی ہوگی۔" ملک صاحب نے مسکراتے ہوئے عذرہ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ املی کھانے کے لیے یہاں آتی ہے۔ دیکھو' اب بھی منہ میں بھری ہوئی ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ اگر گلا زیادہ خراب ہوگیا تو آپریشن کرانا پڑے گا۔"

"نہیں ہوتا گلا خراب۔" عذرہ نے اٹھلا کر جواب دیا۔

"آؤ نایاب بیٹی۔ اس چارپائی پر بیٹھ جاؤ۔" ملک صاحب نے ایک طرف اشارہ کیا۔ وہ دونوں سائبان کے نیچے چارپائیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ عذرہ غلام رسول کو ساتھ لے کر املی توڑنے کے لیے ڈیرے کے پچھلی طرف چلی گئی۔

"صبح چودھری سعادت یہاں آیا تھا۔" ملک صاحب نے نایاب کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اوہ۔" نایاب چونک گئی۔ "اس نے آپ کو دھمکی دی ہوگی کہ مجھے اپنے گھر سے نکال دیں۔"

"نہیں۔ مجھے وہ ایسی دھمکی نہیں دے سکتا۔" ملک صاحب نے جواب دیا۔ "وہ جانتا ہے کہ میں کمزور نہیں ہوں۔ ان جیسے لوگوں سے ہر لحاظ سے نمٹ سکتا ہوں۔"

"تو پھر وہ کیوں آیا تھا یہاں؟" نایاب نے پوچھا۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ تم نے اس سے شادی سے انکار کرکے اچھا نہیں کیا۔ تمہیں شادی والی وہ شرط بلا حیل و حجت مان لینی چاہیے تھی۔" ملک صاحب نے کہا۔

"جائیداد کو تقسیم ہونے سے بچانے کے لیے اب یہی ایک حربہ رہ گیا ہے ان کے پاس۔" نایاب نے کہا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی ایسا طریقہ نہیں جس سے وہ اپنی جائیداد بچا سکیں۔ میں سرفراز چودھری کی جائز وارث ہوں۔ اس کے نام کا حصہ حاصل کرنا میرا حق ہے۔ شہر والا وہ بنگلہ جو سرفراز کے نام تھا' میرے نام منتقل ہو چکا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جاگیر میں سے حصہ حاصل کرنے میں بھی مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔ ان

لوگوں کو صورتحال کا اندازہ ہو چکا ہے۔ وہ سمجھ گئے ہیں کہ اسٹیٹ کو بٹوارے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ اسے بچانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ سعادت مجھ سے شادی کر لے اور بعد میں یا تو مجھے طلاق دے دے یا کسی پراسرار طریقے سے موت کے گھاٹ اتار دے اور آپ جانتے ہیں کہ میں اپنی جان تو دے سکتی ہوں لیکن نہ تو سعادت جیسے بدقماش اور بدکردار شخص سے شادی کروں گی اور نہ ہی اپنے حصے سے دستبردار ہوں گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کی دولت کہاں تک ان کا ساتھ دیتی ہے۔"

"بہرحال۔" ملک صاحب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "میں نے سعادت سے کہہ دیا تھا کہ تم اس کی یہ شرط نہیں مانو گی۔ بہتر یہ ہے کہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے کر لیا جائے اور نایاب کا حصہ اسے دے دیا جائے لیکن وہ کسی طرح یہ ماننے کو تیار نہیں۔"

"تو ٹھیک ہے۔" نایاب نے کہا۔ "پھر اس کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی۔"

ملک صاحب کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے' پھر اٹھ کر ایک کارندے کے کام میں اس کی مدد کرنے لگے۔ نایاب اور عذرہ تقریباً ایک گھنٹہ ڈیرے پر رہیں اور جب وہ واپس جانے لگیں تو ملک صاحب نے غلام رسول کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

جب وہ گاؤں میں داخل ہوئیں تو ایک گلی میں سامنے سے چودھری امانت علی کو آتے دیکھ کر نایاب رک گئی۔ چودھری کے ساتھ دو تین آدمی اور بھی تھے۔ جب وہ قریب پہنچا تو نایاب نے اپنے سسر کو سلام کیا لیکن چودھری جواب دیئے بغیر منہ پھیر کر آگے نکل گیا۔

حویلی میں دو تین عورتیں موجود تھیں جو نایاب ہی سے ملنے کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ چودھری فیملی نے گاؤں میں یہ بات پھیلا دی تھی کہ نایاب چودھری سعادت سے شادی پر آمادہ ہوگئی ہے۔ اس شادی کے بعد سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

"کیا یہ سچ ہے چھوٹی بی بی؟" رحمت بی بی نام کی ایک عورت نے کہا۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نکا چودھری تم سے شادی کیوں کرنا چاہتا ہے؟"

"میں سب جانتی ہوں لیکن یہ جھوٹ ہے۔ میں نے شادی کی کوئی بات نہیں کی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں کسی ایسے شخص سے شادی کر سکتی ہوں جو میری بربادی کا ذمہ دار ہے۔ جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ میرے شوہر کو قتل

کروانے میں اس کا ہاتھ ہے۔ نہیں ماسی۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے شادی کی کوئی بات نہیں کی۔ البتہ وہ لوگ ایسا ضرور چاہتے ہیں تاکہ ان کی جائیداد تقسیم ہونے سے بچ جائے۔"

"ان کی بات کبھی ماننا بھی مت۔ بڑے ظالم ہیں یہ لوگ۔" رحمت بی بی نے کہا۔ اس روز شام تک گاؤں کی عورتیں آتی رہیں۔

دوسرے روز ناشتہ کرنے کے بعد نایاب کھیتوں پر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ اس نے جینز اور ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی اور اوپر دوپٹہ پھیلا لیا تھا۔ آج وہ ان زمینوں پر جانا چاہتی تھی جو چودھری فیملی کی ملکیت تھیں۔

وہ حویلی سے اکیلی ہی نکلی اور گلیوں سے ہوتی ہوئی نہر کی طرف آگئی۔ پلیا پار کر کے وہ کھیتوں میں پگڈنڈیوں پر اس طرح ٹہلنے لگی جیسے کوئی زمیندار اپنی فصلوں کا جائزہ لے رہا ہو۔

کھیتوں میں ادھر ادھر لوگ کام کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ وہ ایک دو مزارعوں کے قریب رکی بھی تھی۔ انہوں نے اسے چھوٹی بی بی کہہ کر سلام بھی کیا تھا۔

نایاب کھیتوں میں ٹہلتی ہوئی بہت دور نکل آئی تھی۔ دوپٹہ اس نے سر سے اتار کر گلے میں اس طرح ڈال لیا تھا کہ اس کے دونوں پلو آگے کی طرف دائیں بائیں نیچے لٹکے ہوئے تھے۔ دھوپ کی وجہ سے وہ پسینے سے تر ہو رہی تھی اور دوپٹے کے پلو سے بار بار چہرے کا پسینہ پونچھ رہی تھی۔

وہ ٹاہلی کے ایک درخت کے نیچے رک گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ تاحد نگاہ لہلہاتی ہوئی فصلیں بہت بھلا منظر پیش کر رہی تھی۔

دفعتاً ایک گھڑ سوار کو اس طرف آتے دیکھ کر وہ چونک گئی۔ وہ سفید گھوڑا تھا جو کھیتوں کے درمیان پگڈنڈیوں پر بڑے اطمینان سے ٹہلتا ہوا آرہا تھا۔ جب وہ قریب پہنچا تو سوار کو دیکھ کر نایاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ چودھری سعادت تھا۔

درخت کے نیچے پہنچ کر اس نے گھوڑا روک لیا۔ چند لمحے گھوڑے پر ہی بیٹھا رہا' اسے گھورتا رہا۔ پھر نیچے اتر آیا اور گھوڑے کی لگام چھوڑ دی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" اس نے نایاب کو گھورتے ہوئے کہا۔ لہجے میں سرد مہری

نمایاں تھی۔

"تم مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو کہ میں کیوں آئی ہوں۔" نایاب نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔" سعادت بولا۔ "تم یہ خیال ذہن سے نکال دو کہ تم ان زمینوں پر چودھرانی کی طرح سیر کر سکو گی۔ البتہ بابا نے تمہارے سامنے ایک شرط رکھی تھی۔ اگر تم وہ شرط مان لو تو اس اسٹیٹ کی مالک بننے کا خواب پورا ہو سکتا ہے۔"

"وہ شرط۔" نایاب نے اسے گھورا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہاری وہ شرط مان سکتی ہوں۔ رہی اسٹیٹ کی بات تو میں خوابوں کی دنیا میں نہیں' حقیقت کو زیادہ پسند کرتی ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ میں اب بھی اسٹیٹ کی مالک ہوں۔"

"یہ خیال ذہن سے نکال دو۔ تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔" سعادت بولا۔

"میں خواب نہیں حقیقت کی بات کر رہی ہوں۔ اس اسٹیٹ پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا۔ یعنی آدھے کی مالک۔" نایاب نے جواب دیا۔

"میں سب کچھ بھول کر تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ شرط مان لو تو تم پوری اسٹیٹ کی مالک بن جاؤ گی۔" سعادت نے کہا۔

"کیا تم اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے ہو کہ کوئی شریف عورت تم سے شادی کر سکے؟" نایاب نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تم نے اپنے آپ کو اس قابل رکھا ہی کب ہے۔ تم کتنے گھر برباد کر چکے ہو۔ تمہاری وجہ سے کتنی معصوم لڑکیوں نے اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیا۔ راشدہ کا چہرہ تو اب بھی میری نظروں کے سامنے گھوم رہا ہے۔ ان سارے کارناموں کے بعد بھی تم سمجھتے ہو کہ کوئی شریف لڑکی تم سے شادی کے بارے میں سوچ سکتی ہے۔"

"اوہ۔" سعادت چونک گیا۔ "تو تم اس رات اسٹیشن پر پہنچ گئی تھیں اور وہ رات تم نے اسٹیشن ماسٹر کے گھر میں گزاری تھی۔"

"ہاں۔ میں اس وقت بھی وہیں تھی جب تمہارے دو آدمی مجھے تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔" نایاب نے کہا۔ "تم انسان نہیں وحشی ہو۔ مجھے یہ سب کچھ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے لیکن میں اپنی زبان بند نہیں رکھ سکتی اور میرے بارے میں ایک اور بات

بھی ذہن میں رکھ لینا۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو ظلم سہہ کر یا تو اپنے ہونٹ سی لیتی ہیں یا گلے میں پھندہ ڈال کر اپنے آپ کو ختم کر لیتی ہیں۔ میں بہت مختلف قسم کی لڑکی ہوں۔ میرے بارے میں کوئی غلط فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا۔"

چودھری سعادت کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے تھا۔ اس نے کسی لڑکی سے آج تک ایسی باتیں کہاں سنی تھیں۔ لڑکیاں تو اس کے سامنے آتے ہوئے کتراتی تھیں۔ اسے دیکھ کر دور ہی سے راستہ بدل لیتی تھیں اور اگر کبھی سامنا ہو بھی جاتا تو خوف سے سمٹی رہتی تھیں اور ان کے منہ سے آواز تک نہیں نکلتی تھی لیکن یہ نایاب بڑی بے خوفی سے اس کے سامنے کھڑی ایسی کھری کھری سنا رہی تھی جنہیں وہ بڑی مشکل سے برداشت کر رہا تھا۔

"تمہارے لیے اچھی بات یہ ہوگی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے' یہاں سے واپس چلی جاؤ۔" سعادت نے گھوڑے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اس نے گھوڑے کی لگام پکڑی اور مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آج کے بعد میں تمہیں ایسے لباس میں نہ دیکھوں۔ یہ گاؤں ہے شہر نہیں۔ یہاں لوگ بے حیائی کو برداشت نہیں کرتے۔"

"میں جو بھی لباس پہنوں' تمہیں کیا اعتراض ہے۔" نایاب نے کہا۔

"پھر بتاؤں گا۔" سعادت کہتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس نے گھوڑے کا رخ ایک کھیت کی پگڈنڈی کی طرف موڑ دیا۔

چودھری سعادت کے جانے کے بعد بھی نایاب دس پندرہ منٹ تک درخت کے نیچے کھڑی رہی۔ پھر گاؤں کی طرف چلنے لگی۔ واپسی کے لیے اس نے دوسرا راستہ اپنایا تھا۔ وہ کھیتوں میں کام کرنے والے مردوں اور عورتوں سے ملتی ہوئی چلتی رہی اور اس طرح دوپہر کے قریب وہ گاؤں واپس پہنچ گئی۔

اس رات بھی نایاب کو دیر تک نیند نہیں آئی تھی۔ وہ سعادت کے بارے میں سوچتی رہی۔ بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں اگرچہ سرد مہری تھی لیکن خلاف معمول باتوں کا انداز جارحانہ نہیں تھا۔ حالانکہ جب بھی ملاقات ہوتی تھی' اس کا انداز جارحانہ اور دھمکی آمیز ہوا کرتا تھا لیکن آج اس نے اپنے آپ پر بڑا کنٹرول رکھا ہوا تھا اور اس کی وجہ بھی نایاب سمجھتی تھی۔

چودھری سعادت جائیداد کو تقسیم ہونے سے بچانے کے لیے اس سے شادی کرنا چاہتا تھا اور شاید اسی لیے اس کا انداز تھوڑا سا بدل گیا لیکن نایاب جانتی تھی کہ وہ کس قدر کینہ پرور ہے۔ کھری کھری باتیں اور صاف جواب سننے کے بعد وہ اگرچہ وہاں سے چلا گیا تھا لیکن اس سے یہ توقع نہیں تھی کہ آئندہ بھی وہ اسی شرافت کا مظاہرہ کرے گا۔

نایاب اگرچہ رات کو دیر سے سوئی تھی لیکن خلاف معمول صبح اس کی آنکھ جلدی کھل گئی۔ نرگس اس سے پہلے اٹھ کر کمرے سے جا چکی تھی۔ البتہ عذرہ ابھی تک سو رہی تھی۔ نایاب کچھ دیر بستر پر لیٹی رہی' پھر اٹھ کر باہر آ گئی۔ اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا اور سنہری دھوپ پھیل رہی تھی۔ ملک صاحب اور سکندر کھیتوں میں جا چکے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد نایاب برآمدے میں بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی کہ ملک صاحب کے ایک کارندے کی بیوی فاطمہ اپلوں کا گٹھر سر پر لادے حویلی میں داخل ہوئی۔ اس نے گٹھر ایک طرف دیوار کے قریب پھینک دیا اور گردن سہلاتی ہوئی برآمدے کی طرف آ گئی اور سکینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اندھیر ہے بی بی جی اندھیر۔"

"کیا ہوا فاطمہ.....؟" سکینہ نے پوچھا۔

"کیا بتاؤں بی بی کیسا اندھیرا ہو گیا ہے۔" فاطمہ متاسفانہ لہجے میں بولی۔ "اس بیچارے کی بیوی کو ظالموں نے پہلے ہی جلا دیا تھا۔ اب اسے بھی جلا کر مار ڈالا۔"

"کیا ہوا' کس کی بات کر رہی ہو؟" سکینہ نے پوچھا۔

"ٹیشن ماسٹر کی۔" فاطمہ نے جواب دیا۔ "پانچ سال پہلے چودھری کے بڑے بیٹے نے راشدہ کو اٹھا کر کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں پھینک دیا تھا۔ وہ بیچاری اب تک نجانے کس طرح زندہ تھی۔ رات کو کسی نے ٹیشن ماسٹر کے کوارٹر کو آگ لگا دی۔ آگ لگانے سے پہلے دروازوں کو باہر سے کنڈے لگا دیئے تھے۔ وہ دونوں میاں بیوی جل کر کوئلہ ہو گئے۔ بڑی پولیس آئی ہوئی ہے ٹیشن پر۔"

نایاب کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دم راشدہ کا جلا ہوا بھیانک چہرہ گھوم گیا۔ جلے ہوئے اس خوفناک چہرے میں بھی کتنا خلوص تھا اور پھر اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی..... کتنا ہمدرد انسان تھا وہ۔ کتنی محبت تھی اسے اپنی بیوی سے۔ بیوی کی شکل بگڑنے کے بعد بھی وہ اسے پہلے ہی کی طرح چاہتا تھا اور بالآخر وہ دونوں اکٹھے ہی

جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ کتنی بھیانک موت ہوگی۔ نایاب یہ سوچ کر ہی کانپ اٹھی تھی۔

نایاب ناشتہ چھوڑ کر اٹھ گئی اور کمرے میں جا کر لباس تبدیل کرنے لگی۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ گزشتہ روز جب اس نے سعادت کو بتایا تھا کہ اس رات ٹرین لیٹ ہونے کی وجہ سے وہ رات اس نے اسٹیشن ماسٹر کے گھر پر گزاری تھی تو سعادت کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔

سعادت نے اس رات دو آدمی نایاب کی تلاش میں ریلوے اسٹیشن بھیجے تھے۔ انہوں نے اسٹیشن ماسٹر سے بھی نایاب کے بارے میں پوچھا تھا اور اسٹیشن ماسٹر نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ اسٹیشن ماسٹر کے اس جھوٹ سے چودھری سعادت کو یہ نقصان ہوا تھا کہ نایاب زندہ سلامت گاؤں پہنچ گئی تھی اور اسٹیشن ماسٹر کو جھوٹ کی سزا دینے کے لیے سعادت نے اس کے گھر کو آگ لگوا دی تھی اور وہ دونوں میاں بیوی جل کر راکھ ہو گئے تھے۔

"کہاں جا رہی ہو نایاب؟ تم نے ناشتہ بھی ڈھنگ سے نہیں کیا۔" سکینہ نے اسے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ نایاب نے جینز اور ٹی شرٹ پہن لی تھی۔

"میں تھوڑی دیر میں واپس آتی ہوں۔" نایاب کہتے ہوئے پھاٹک کی طرف بڑھ گئی۔

گاؤں سے نکل کر کھیتوں میں پہنچنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گئی تھی کہ سامنے سے آنے والے ایک آدمی نے اس کا راستہ روک لیا۔ وہ لمبا تڑنگا آدمی سعادت کے ڈیرے کی طرف سے آرہا تھا۔

"اے لڑکی۔" وہ آدمی غراتے ہوئے بولا۔ "کہاں منہ اٹھائے چلی جا رہی ہو۔ تمہیں معلوم نہیں یہ زمینیں چودھری سعادت کی ملکیت ہیں۔"

"ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔" نایاب کے لہجے میں غراہٹ تھی۔ "تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے۔ جانتے نہیں میں کون ہوں؟"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔" اس شخص نے ایک ہاتھ قمیض کی سائیڈ والی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "چودھری سعادت کا حکم ہے کہ تمہیں ان زمینوں پر آنے سے روکا جائے اور اگر تم باز نہ آؤ تو....."

اس نے جیب سے چاقو نکال لیا اور نایاب کی طرف بڑھنے لگا۔ نایاب کے چہرے پر خوف کے سائے پھیل گئے۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔ وہ آدمی بھی چاقو کو مخصوص انداز میں حرکت دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور پھر اسی وقت ایک پھنکار سی سنائی دی۔ ان

دونوں نے بیک وقت اس طرف دیکھا تھا۔

سنہری سانپ گیڈنڈی پر پھن پھیلائے بیٹھا تھا اور اس کے منہ سے پھنکاریں نکل رہی تھیں۔ وہ سانپ نایاب کے پیر سے تقریباً دو فٹ کے فاصلے پر تھا۔ نایاب کا چہرہ زرد ہو گیا۔

"اب مجھے اپنے ہاتھ تمہارے خون سے رنگنے کی ضرورت نہیں۔" اس آدمی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "یہ سانپ تمہاری زندگی کا خاتمہ کر دے گا اور چودھریوں کے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔"

سانپ رینگتا ہوا نایاب کی پنڈلی سے لپٹ گیا۔ نایاب کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ سانپ کے ڈسنے کی منتظر تھی لیکن وہ سنہری سانپ اس کے پیر سے اتر کر پھنکارتا ہوا اس شخص کی طرف رینگنے لگا۔

اس شخص کی آنکھیں وحشت سے پھیل گئیں۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا' پھر اس نے دوڑ لگا دی مگر اس سانپ نے اسے زیادہ دور جانے کا موقع نہیں دیا۔ وہ شخص ٹھوکر کھا کر گرا اور اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ سانپ نے اس کی پنڈلی پر ڈس لیا۔

اس شخص کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی خوفناک تھی۔ وہ نیچے گر کر تڑپنے لگا۔

سانپ گیڈنڈی پر رینگتا ہوا واپس آرہا تھا۔ نایاب بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ اس کی نظریں رینگتے ہوئے اس سنہری سانپ پر جمی ہوئی تھیں جو اس کے پیر پر چڑھ کر پنڈلی سے لپٹ گیا اور پھر نیچے اتر کر رینگتا ہوا کھیت میں چلا گیا۔ ایک سرگوشی سی نایاب کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ تم نے میری زندگی بچائی تھی۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔"

نایاب پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی پلک جھپکے بغیر ان پودوں کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں وہ سنہری سانپ غائب ہو گیا تھا۔ پھر جب اس نے گردن گھما کر گیڈنڈی پر پڑے ہوئے اس شخص کی طرف دیکھا تو اس کے منہ سے بے اختیار ایک خوفناک چیخ نکل گئی۔

دوسری قسط

نایاب چند لمحے بے حس و حرکت کھڑی پگڈنڈی پر پڑے ہوئے اس شخص کو دیکھتی رہی' پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی قریب آگئی اور جھک کر اسے دیکھنے لگی۔ زیادہ سے زیادہ دو منٹ پہلے اسے سانپ نے ڈس لیا تھا۔

سانپ کا زہر بہت ہی سریع الاثر تھا۔ اس سے نہ صرف فوری طور پر اس شخص کی موت واقع ہو گئی تھی بلکہ زہر پورے جسم میں پھیل گیا تھا اور اس شخص کے جسم کی رنگت تبدیل ہونے لگی تھی۔ پہلے اس کے جسم میں نیلاہٹ پھیلی اور پھر اس کی رنگت سیاہ پڑنے لگی۔

دور کھیتوں میں کام کرتے ہوئے کچھ مزارعوں نے عبدالرحمٰن نامی شخص کو کچھ دیر پہلے نایاب کا راستہ روکتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ لوگ عبدالرحمٰن کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ چودھری سعادت کا خاص گرگا تھا۔ گاؤں کے کسی شریف آدمی کی بگڑی اچھالنا ہوتی یا کسی لڑکی کو اٹھوانا ہوتا' چودھری سعادت ایسے کام اسی سے لیا کرتا تھا۔ گاؤں اور آس پاس کی بستیوں کے لوگ اس کے سائے سے بھی ڈرتے تھے۔

عبدالرحمٰن نے جب نایاب کا راستہ روکا تو کھیتوں میں کام کرنے والے مزارعے سمجھ گئے تھے کہ کچھ ہونے والا ہے۔ انہوں نے عبدالرحمٰن کو نایاب سے باتیں کرتے اور پھر اچانک ہی مڑ کر ایک طرف بھاگتے اور پھر گرتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر انہوں نے نایاب کی چیخ بھی سنی تھی۔

نایاب کی چیخ سن کر دو تین آدمی اپنا کام چھوڑ کر اس طرف دوڑ پڑے۔ کسی کے ہاتھ میں درانتی تھی' کسی کے ہاتھ میں کھرپہ اور ایک آدمی نے تو پھاوڑہ اٹھا رکھا تھا۔ انہیں دیکھ کر دوسرے کھیتوں سے کچھ اور آدمی بھی اس طرف دوڑے تھے۔

"چھوٹی بی بی۔ کیا ہوا؟" ایک آدمی نے دور ہی سے پوچھا۔ اس کے ہاتھ میں درانتی

تھی۔

نایاب نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا مگر وہ کوئی جواب نہیں دے سکی۔ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔ وہ شخص کھیت سے نکل کر پگڈنڈی پر آگیا اور پھر عبدالرحمٰن کی لاش دیکھتے ہی ٹھٹک کر رک گیا۔

"اوہ۔ اسے کیا ہوا؟" اس کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔

"یہ.....یہ شخص مجھ پر چاقو سے حملہ کرنا چاہتا تھا۔ پھر اچانک ہی اس طرف سے ایک سانپ نکل آیا۔ سانپ اس کی طرف لپکا اور یہ سانپ کو دیکھ کر بھاگا تھا لیکن ٹھوکر کھا کر گر گیا۔ سانپ نے اس کی پنڈلی پر ڈس لیا اور اس طرف چلا گیا۔" نایاب نے ایک کھیت کی طرف اشارہ کیا۔ پھر بولی۔ "یہ شخص گر کر ایک لمحہ کو تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔ شاید سانپ کے زہر سے اس کے جسم کی رنگت پہلے نیلی ہوئی تھی اور اب یہ سیاہ پڑ رہا ہے۔"

درانتی والے اس مزارعے کا نام رمضان تھا۔ وہ آگے بڑھ کر عبدالرحمٰن کی لاش کو دیکھنے لگا جو سیاہ ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے سیدھے ہاتھ میں اب بھی لمبے پھل والا چاقو دبا ہوا تھا۔

"ایسے لوگوں کا انجام یہی ہونا چاہئے۔" رمضان نے زمین پر تھوک کر نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "نجانے کتنے گھروں کو برباد کر چکا ہے اور بالآخر اپنے اس بھیانک انجام کو پہنچ گیا۔"

اس دوران تین چار آدمی اور بھی وہاں پہنچ گئے۔ عبدالرحمٰن کی لاش کو دیکھ کر ایک لمحہ کو بدحواس ہوئے' پھر ان سب کے چہروں پر طمانیت سی آگئی۔ برے آدمی کی موت پر ہر شریف آدمی اطمینان کا سانس لیتا ہے۔

نایاب اس وقت تک اگرچہ اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال چکی تھی مگر پیاس کی شدت سے اس کے حلق میں کانٹے سے پڑ رہے تھے۔

"پانی مل جائے گا۔ مجھے بہت پیاس لگ رہی ہے۔" اس نے رمضان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پانی۔" رمضان نے ادھر ادھر دیکھا' پھر ایک آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"اوئے شوکے.....اس ٹاہلی کے نیچے گھڑا رکھا ہوا ہے۔ جلدی سے پانی لے کر آ۔ چھوٹی بی بی کو پیاس لگ رہی ہے۔"

شوکا نام کا وہ شخص ایک طرف دوڑتا چلا گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ ایک ملگی اور پلاسٹک کا ایک میلا سا گلاس اٹھا لایا۔ نایاب نے دو گلاس پانی پی لیا مگر اس کی پیاس نہیں بجھی تھی۔ اب وہ تیسرا گلاس پی رہی تھی۔

اس دوران کھیتوں میں کام کرنے والے دس بارہ مزارعے وہاں جمع ہو گئے تھے۔ وہ سب دور کھڑے عبدالرحمٰن کی لاش کو دیکھ رہے تھے جو اب بالکل کوئلے کی طرح سیاہ پڑ چکی تھی مگر ان میں سے کسی نے بھی لاش کو چھونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کا چہرہ بہت بھیانک ہو گیا تھا۔

کسی نے چودھری سعادت کو بھی اطلاع دیدی۔ ڈیرا وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ چند منٹ میں وہاں پہنچ گیا۔ وہ بہت بپھرا ہوا تھا۔ اطلاع دینے والے نے اسے بتایا تھا کہ کھیتوں میں عبدالرحمٰن کی لاش پڑی ہے اور نایاب بھی وہاں موجود ہے۔ دراصل اس نے بہت پہلے نایاب کو کھیتوں کی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اس نے عبدالرحمٰن کو بھیج دیا تھا کہ اسے ڈرا دھمکا کر اپنی زمینوں سے نکال دے۔ لاش کی اطلاع ملنے پر وہ سمجھا تھا کہ شاید نادانستگی میں عبدالرحمٰن ہی نایاب کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اس لیے اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے عبدالرحمٰن کی لاش دیکھ کر وہ نایاب کو قتل کر دے گا۔

لیکن عبدالرحمٰن کی لاش دیکھ کر تو ایک لمحہ کو وہ بھی سناٹے میں آ گیا تھا۔ وہ چند منٹ لاش کو دیکھتا رہا' پھر سیدھا ہو کر خونخوار نظروں سے نایاب کی طرف دیکھنے لگا۔

"تت.....تم یہاں کیوں آئی تھیں؟" اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "کیا تم نے اسے.....؟"

"چھوٹی بی بی نے کچھ نہیں کیا چودھری جی!" قریب کھڑے ہوئے رمضان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس کو تو سپ لڑیا ہے۔ دیکھتے نہیں اس کی لاش زہر کے اثر سے کوئلے کی طرح کالی ہو رہی ہے۔"

"تم چپ رہو۔" چودھری سعادت نے اسے ڈانٹ دیا۔ "میں اس سے پوچھ رہا ہوں'

یہ یہاں کیوں آئی تھی۔"

"میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ ان زمینوں پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا ہے۔ مجھے یہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" نایاب نے بے خوفی سے کہا۔ "تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ میں یہاں کیوں آئی تھی۔ ان سب لوگوں کے سامنے تم میں جواب دینے کا حوصلہ ہو تو بتاؤ رات کو اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی کے گھر کو آگ کس نے لگائی تھی؟ کس نے ان دونوں کو جلا کر راکھ کیا تھا۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر زمین پر پڑی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے جن لوگوں نے عبدالغنی اور راشدہ کو جلا کر راکھ کیا تھا' ان میں ایک یہ بھی تھا۔ اس کا انجام تم نے دیکھ لیا۔ یہ بھی کوئلے کی طرح سیاہ ہو چکا ہے۔"

چودھری سعادت کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ وہ نایاب کو کوئی جواب نہ دے سکا۔ اپنے مزارعین پر برس پڑا۔

"تم جاؤ اپنا کام کرو۔ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو اور شوکے۔ تم جا کر ڈیرے سے ایک چارپائی اٹھا لاؤ اور یہ لاش اٹھا کر گاؤں لے چلو۔"

شوکا ڈیرے کی طرف دوڑ گیا۔ سعادت نے تین اور آدمیوں کو وہاں روک لیا اور باقی کھیتوں میں چلے گئے۔ نایاب ایک طرف خاموش کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ چند منٹ بعد ہی شوکا بان کی ایک چارپائی اٹھا لایا۔ وہ ایک میلا سا کھیس بھی لے آیا تھا۔

"لاش کو اٹھا کر چارپائی پر ڈالو اور اسے گاؤں میں لے چلو۔" چودھری سعادت علی نے کہا۔

شوکے نے چارپائی ایک طرف بچھا دی اور دو آدمی جھک کر عبدالرحمٰن کی لاش اٹھانے لگے لیکن وہ لاش جلے ہوئے بھربھرے کوئلے کی طرح ان کے ہاتھوں میں ٹوٹ گئی۔ وہ سب چونک گئے۔ انہوں نے خوفزدہ ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ چودھری سعادت کے چہرے پر بھی ہوائیاں سی اڑنے لگیں لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔ نایاب بھی ایک لمحہ کو خوفزدہ سی ہو گئی تھی۔

اور پھر عبدالرحمٰن کی لاش کو جس جگہ سے بھی اٹھانے کی کوشش کی گئی' وہ راکھ کی طرح بکھر گئی۔

نایاب چند لمحے اور وہاں رکی۔ اس نے چودھری سعادت کے بدحواس چہرے کی طرف دیکھا اور پھر کچھ کہے بغیر مڑ کر گاؤں کی طرف چل پڑی۔

آج کے اس واقعہ نے نایاب کے ذہن کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ جب وہ حویلی میں داخل ہوئی تو بے پناہ تھکن محسوس کر رہی تھی۔ نرگس صحن میں ہینڈ پمپ سے بالٹی میں پانی بھر رہی تھی۔ وہ نایاب کے چہرے کو دیکھ کر سمجھ گئی کہ کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔ نایاب کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بھی اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔

"کیا ہوا نایاب؟" تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" نرگس نے بے تکلفی سے پوچھا۔ نایاب کی ہم عمر ہونے کی وجہ سے وہ اسے تم کہہ کر ہی مخاطب کرتی تھی۔

"کچھ نہیں' کوئی خاص بات نہیں ہے۔" نایاب پنکھا کھول کر پلنگ پر گر سی گئی۔

"کوئی بات تو ہے۔" نرگس اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "چودھری سعادت سے آمنا سامنا تو نہیں ہو گیا؟ پریشان لگ رہی ہو۔"

"ہاں اس سے آمنا سامنا ہوا تو تھا لیکن میں اس کی وجہ سے پریشان نہیں ہوں۔" نایاب نے جواب دیا۔

"تو پھر پریشانی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ مجھے نہیں بتاؤ گی؟" نرگس نے کہا۔

"دو تین دن پہلے عذرہ نے تمہیں بتایا تھا کہ اس روز جب میں اس کے ساتھ کھیتوں کی طرف گئی تھی تو ہم نے ایک سانپ اور نیولے کو لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔" نایاب بولی۔

"ہاں اور نرگس نے یہ بھی بتایا تھا کہ تم نے نیولے کو پتھر مار کر بھگا دیا تھا اور زخمی سانپ کی دلجوئی کرنے کے لیے اسے پکڑنے چلی تھیں۔" نرگس نے کہا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ عذرہ کی جگہ اگر میں تمہارے ساتھ ہوتی تو تمہیں خوب ڈانٹتی۔ یہ دیہاتی علاقہ ہے۔ کھیتوں' جھاڑیوں میں سانپ بچھو وغیرہ ہوتے ہیں۔ آئندہ ذرا ایسی چیزوں سے محتاط رہنا اور ہاں عذرہ نے بتایا تھا کہ وہ سانپ بہت خوبصورت تھا۔ اس قسم کے سانپ تو اور بھی خطرناک ہوتے ہیں۔"

"وہ سانپ واقعی بہت خوبصورت تھا۔" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کی رنگت سنہری تھی۔ بالکل سونے جیسی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے سونے کی موٹی سی زنجیر زمین پر رینگ رہی ہو۔ وہ واقعی بہت خطرناک سانپ تھا۔"

"اور تم اسے پکڑنے جا رہی تھیں؟" نرگس مسکرائی۔

"اس وقت مجھے اس پر بہت ترس آیا تھا۔ اگر میں نیولے کو پتھر مار کر نہ بھگا دیتی تو وہ شاید اس کی گردن ہی چبا جاتا۔" نایاب چند لمحے کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ تو مجھے آج پتہ چلا کہ وہ کتنا خطرناک ہے۔"

"کیا مطلب!" نرگس نے اسے پھر گھورا۔ "کیا آج وہ پھر کسی نیولے سے لڑ رہا تھا اور اس نے نیولے کو مار ڈالا؟"

"نیولے کو نہیں' ایک انسان کو۔" نایاب نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کون تھا وہ؟" نرگس اچھل پڑی۔

"چودھری سعادت کا ایک دوست عبدالرحمٰن۔" نایاب نے کہا۔

"اوہ....." نرگس بولی۔ "وہ تو بہت خبیث آدمی تھا۔ ایسے لوگوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے لیکن یہ کب کی بات ہے۔ کیا تمہارے سامنے....."

"ہاں۔" نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں سعادت سے ملنے کھیتوں کی طرف گئی تھی۔ ابھی اس کے ڈیرے سے دور ہی تھی کہ کھیتوں میں عبدالرحمٰن نے میرا راستہ روک لیا۔"

"تمہیں ابا نے منع بھی کیا تھا کہ اکیلی سعادت کے سامنے مت جانا۔ کیوں گئی تھیں تم؟" نرگس نے اسے گھورا۔

"صبح تم نے سنا تھا کہ کل رات کسی نے اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی کے کوارٹر کو آگ لگا دی تھی اور دونوں میاں بیوی کو زندہ جلا دیا تھا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ کل دن میں بھی میری چودھری سعادت سے ملاقات ہوئی تھی اور میرے منہ سے یہ سچ نکل گیا تھا کہ ٹرین سے اترنے کے بعد وہ رات میں نے اسٹیشن ماسٹر کے کوارٹر میں گزاری تھی اور اس کی بیوی راشدہ نے مجھے اس کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا اور آج صبح یہ خبر سننے کو ملی کہ گزشتہ رات کسی نے کوارٹر کو آگ لگا کر دونوں کو زندہ جلا دیا تھا۔ مجھے شبہ ہی نہیں یقین تھا کہ یہ آگ چودھری سعادت نے ہی لگوائی تھی۔ میں اس سے اس سلسلے میں بات کرنے جا رہی تھی کہ ان معصوم اور بے گناہوں نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ میں ابھی ڈیرے سے دور ہی تھی کہ عبدالرحمٰن نے میرا راستہ روک لیا اور دھمکی دی کہ میں چودھری کی زمینوں سے

واپس چلی جاؤں ورنہ مجھے سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میرے انکار پر اس نے جیب سے چاقو نکال لیا اور مجھ پر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ وہ سنہرا سانپ کھیتوں سے نکل کر آگیا۔ کچھ دیر وہ میرے پیر کے قریب کنڈلی مارے بیٹھا رہا' پھر رینگتا ہوا عبدالرحمٰن کی طرف لپکا۔ عبدالرحمٰن ڈر کر بھاگا لیکن ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ اس سنہرے سانپ نے اس کی پنڈلی پر ڈنر لیا۔ چند سیکنڈ کے اندر ہی اندر عبدالرحمٰن ختم ہوگیا۔"

"شکر کرو تم بچ گئیں ورنہ وہ سانپ تمہیں بھی ڈس سکتا تھا۔" نرگس نے کہا۔ "اپنی جان کا صدقہ دے دینا۔"

"بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی نرگس۔" نایاب نے کہا۔ "میں اپنی جگہ پر گم سم کھڑی تھی اور مزید حیرت کی بات یہ ہوئی کہ وہ سانپ رینگتا ہوا میری طرف آیا۔ میری پنڈلی سے لپٹ گیا اور بل کھاتا ہوا نیچے اتر کر کھیت میں غائب ہوگیا۔"

"ہائے اللہ۔" نرگس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اس نے تمہیں ڈسا تو نہیں؟"

"اگر ڈس لیتا تو میں بھی عبدالرحمٰن کی طرح جلی ہوئی راکھ کا ڈھیر بن چکی ہوتی۔" نایاب نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" نرگس نے اسے گھورا۔

"سانپ کے ڈسنے کے بعد عبدالرحمٰن کی لاش دو منٹ کے اندر اندر جلی ہوئی راکھ ڈھیر بن گئی تھی۔" نایاب نے کہا۔ "میں مبہوت سی کھڑی دیکھ رہی تھی۔ پہلے اس کا جسم نیلا ہوا اور پھر یہ نیلاہٹ سیاہی میں بدلتی چلی گی۔ کچھ دیر بعد آس پاس کے کھیتوں میں کام کرنے والے مزارعے بھی وہاں پہنچ گئے۔ ڈیرے پر چودھری سعادت کو بھی اطلاع ہوگئی وہ بھی آگیا۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید میں نے عبدالرحمٰن کو قتل کر دیا ہے۔ وہ لاش دیکھے بغیر مجھ سے الجھ پڑا لیکن جب اس نے لاش دیکھی تو ایک لمحہ کو تو وہ بھی سناٹے میں آگیا اور جب اس نے اپنے آدمیوں سے لاش اٹھانے کے لیے کہا تو ہاتھ لگاتے ہی وہ لاش اس طرح بکھر گئی جیسے بھربھری راکھ ہو۔ صرف اس کی کھوپڑی ایسی تھی جو نہیں بکھری تھی۔ اس کا چہرہ سیاہ ہو کر بہت بھیانک ہوگیا تھا۔ مزارعین بھی عبدالرحمٰن کا یہ حشر دیکھ کر کانپ اٹھے تھے۔ میں وہاں سے چلی آئی۔ پتہ نہیں وہ لاش انہوں نے کیسے اٹھائی ہوگی۔"

"کیسا سانپ تھا وہ؟" نرگس یہ قصہ سن کر ہی کانپ اٹھی تھی۔ "یہ تو سنا ہے کہ بعض

سانپ اس قدر زہریلے ہوتے ہیں کہ ان کا ڈسا پانی بھی نہیں مانگتا۔ زہر خون میں پھیل جانے سے جسم نیلا یا سیاہ پڑ جاتا ہے لیکن یہ تو آج تک نہیں سنا کہ کسی سانپ کے کاٹے سے انسان راکھ کا ڈھیر بن جائے۔"

"ایک چیز ہوتی ہے مکافات عمل مائی ڈیئر نرگس!" نایاب نے کہا۔ "اب یہ بات میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ اسٹیشن ماسٹر کے گھر کو آگ لگا کر راشدہ اور عبدالغنی کو زندہ جلانے والوں میں عبدالرحمٰن بھی شامل تھا۔ وہ آگ میں جل کر تو نہیں مرا لیکن اس کی موت آگ میں جلنے والوں سے بھی زیادہ اذیت ناک ہوئی ہوگی۔"

"تو کیا واقعی اسٹیشن ماسٹر کے گھر کو آگ سعادت نے لگوائی تھی؟" نرگس نے پوچھا۔

"میرے پاس فی الحال اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "لیکن میں ثابت کرکے رہوں گی اور اس ظالم کو ان مظلوم میاں بیوی کے اگلے پچھلے حساب چکانے ہوں گے۔"

"گویا تم نے باقاعدہ محاذ آرائی کا فیصلہ کر لیا ہے۔" نرگس بولی۔

"ہاں..... محاذ آرائی کے بغیر کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔" نایاب نے جواب دیا۔ "کسی نہ کسی کو تو آگے آنا ہی ہے۔ اگر خاموش رہے تو ظلم بڑھتا جائے گا۔ معصوم لڑکیوں کی عزتیں لٹتی رہیں گی اور گھر برباد ہوتے رہیں گے۔ میں نے وہ رات راشدہ کے پاس گزاری تھی۔ میں اس کی باتیں کبھی نہیں بھول سکتی۔"

"میرا خیال ہے گاؤں کے لوگ تمہارا ساتھ نہیں دیں گے۔" نرگس نے کہا۔ "یوں تو ہر شخص ہمدردی جتانے کے لیے تمہارے پاس آ رہا ہے اور تمہارا ساتھ دینے کی یقین دہانی کروا رہا ہے لیکن چودھریوں کے سامنے کسی کی زبان نہیں کھلے گی۔ سب لوگ ان باپ بیٹوں سے ڈرتے ہیں۔ جن لوگوں نے ان کے خلاف آواز اٹھائی تھی' بعد میں ان کا حشر بھی گاؤں والے دیکھ چکے ہیں۔ سعادت اور اس کے آدمیوں نے حاکم علی کی بیٹی کو اٹھا لیا۔ ڈیرے پر لے جا کر رات بھر اس کے ساتھ زیادتی کرتے رہے۔ صبح اس کی لاش کھیتوں میں پڑی ہوئی ملی تھی اور یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ سوروں اور بھیڑیوں نے اسے مار ڈالا۔ حاکم علی کیا گاؤں کے سب لوگ جانتے تھے کہ نادرہ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ حاکم علی نے نورپور تھانے میں رپورٹ درج کرا دی۔ اس وقت بھی پولیس گاؤں میں آئی تھی۔ انہوں نے

چودھری سعادت اور اس کے بندوں سے پوچھ گچھ کی اور گاؤں کے کچھ اور لوگوں بیانات بھی لیے اور جانتی ہو گاؤں والوں نے کیا کہا تھا۔ ہر شخص نے یہ کہا تھا کہ ا چودھری سعادت یا اس کے بندوں پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ نادرہ کو واقعی سوروں نے ما ہوگا اور پھر اس کے چند روز بعد حاکم علی اور اس کی بیوی ایسے غائب ہوئے کہ آج ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ میں تمہیں یہ بات سمجھا رہی ہوں کہ گاؤں والوں پر بھروسہ کرنا۔ وہ کھل کر چودھری کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے۔"

"بھروسہ تو مجھے صرف اللہ پر ہے۔" ثایاب نے جواب دیا۔ "میں گاؤں والوں پر نہیں کروں گی لیکن یہ بات بھی دعوے سے کہوں گی کہ بہت جلد یہ گاؤں والے اور پاس کی بستیوں کا ہر شخص کھل کر ان چودھریوں سے نفرت کا اظہار کرنے لگے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" نرگس نے کہا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ سانپ والی بات تو بیچ میں ہی رہ گئی۔ کیا واقعی جو کچھ تم نے بتایا ہے' وہ سچ ہے۔ مطلب ہے عبدالرحمٰن کی لاش راکھ بن گئی تھی۔"

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ ابھی کچھ دیر میں تمہیں کسی نہ کسی سے چل جائے گا لیکن ایک بات نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا رکھا ہے۔" ثایاب نے کہا "وہ کیا؟" نرگس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جس روز میں نے سانپ اور نیولے کی لڑائی میں سانپ کو بچایا تھا' اس وقت عجیب بات ہوئی تھی۔" ثایاب نے کہا۔ "نیولے کے بھاگ جانے کے بعد میں نے سنہرے سانپ کو زخمی دیکھ کر اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تھا اور اس نے پھنکارتے ہوئے طرح پھن پھیلا لیا تھا جیسے مجھے ڈسنا چاہتا ہو لیکن پھر یکدم وہ ڈھیلا پڑ گیا اور پھر رینگتا کھیت میں گھس گیا۔ اس وقت میں نے اپنے کان میں ایک سرگوشی سنی تھی جیسے کسی کہا ہو۔ "تم نے میری زندگی بچائی ہے' میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔" نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا' وہاں عذرہ کے سوا کوئی نہیں تھا اور وہ بھی مجھ سے کئی گز کھڑی تھی۔ میں نے اس سرگوشی کو اپنا واہمہ سمجھ کر نظرانداز کر دیا اور عذرہ کو بھی نہیں بتایا کہ وہ میرا مذاق اڑائے گی۔ تم سے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن آج۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "آج پھر ایک

بات ہوئی۔ عبدالرحمٰن کو ڈسنے کے بعد وہ سانپ میری ٹانگ سے لپٹ گیا اور پھر جب وہ رینگتا ہوا کھیت کی طرف جا رہا تھا تو میرے کان کے قریب کسی نے سرگوشی کی تھی۔ "میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔" اس وقت سے میرا ذہن بہت بری طرح الجھا ہوا ہے۔ کیا وہ سرگوشی اس سانپ نے کی تھی؟"

"سانپ سرگوشیاں نہیں کرتے' پھنکارتے ہیں۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے تم یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ سنہرا سانپ کوہ قاف کا کوئی شہزادہ ہے جسے کسی جادوگرنی نے جادو کے زور سے سانپ بنا دیا ہے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم میرا مذاق اڑاؤ گی۔" ثایاب نے اسے گھورا۔

"نہیں مائی ڈیئر! میں مذاق نہیں اڑا رہی۔" نرگس نے کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ احسان فراموش تو انسان ہی ہے جسے خدا نے اشرف المخلوقات کا درجہ بھی دیا ہے اور ضروری نہیں کہ اس زمین پر بسنے والی دوسری مخلوقات بھی انسان کی طرح احسان فراموش ہوں۔ اگر تم نے ایک انسان کی جان بچائی ہوتی' جب عبدالرحمٰن تم پر چاقو سے حملہ کرنے والا تھا' اس وقت اگر وہ شخص جس کی تم نے جان بچائی تھی' شاید تمہیں بچانے کے لیے آگے نہ بڑھتا اور خوفزدہ ہو کر بھاگ جاتا لیکن جس کی تم نے جان بچائی تھی' وہ ایک غیر انسانی مخلوق تھی اور ایسی خطرناک مخلوق سے خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی لیکن وہ سانپ تمہارا احسان مند تھا۔ تم نے اس کی زندگی بچائی تھی۔ اسی احسان کا بدلہ چکانے کے لیے اس نے تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیا۔ حساب برابر ہو گیا۔"

"لیکن وہ سرگوشیاں؟" ثایاب نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"خدا نے ہر جاندار کی کھوپڑی میں ایک چیز رکھی ہے جسے دماغ کہتے ہیں۔" نرگس نے جواب دیا۔ "دماغ سے کام لینے اور سوچنے کی صلاحیت ہر جاندار میں ہے۔ سوچنے کا انداز مختلف ہو سکتا ہے۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسے اللہ نے بولنے کی قوت دی ہے جس سے وہ اپنی سوچوں اور اپنے احساسات و جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ تم نے پالتو جانوروں کو مختلف انداز میں اپنے جذبات و احساس کا اظہار کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ مثلاً کتے یا بلی کو پیار کیا جائے تو وہ پیروں میں لوٹنے لگتے ہیں۔ اس وقت ان کے منہ سے کچھ ایسی آوازیں بھی نکلتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں۔ جو جاندار منہ سے آواز

نہیں نکال سکتے' وہ کسی اور طریقے سے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتے ہیں او
ایسے موقعوں پر ان کے دماغ میں یہ سوچ ضرور ہوتی ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

اب ایک اور چیز ہوتی ہے ٹیلی پیتھی۔" نرگس بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"یہ ایک پراسرار علم ہے جو آج کے دور میں خاصی ترقی کر چکا ہے اور اس پر باقاعد
سائنٹفک انداز میں ریسرچ ہو رہی ہے۔ میں نے بھی اس موضوع پر چند کتابیں پڑھی ہیں۔
تم مجھے جاہل' گنوار اور دیہاتی عورت مت سمجھنا۔ میں نے بھی گریجوایشن کر رکھا ہے۔
بہرحال' ٹیلی پیتھی ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے زبان کو حرکت دیئے بغیر ایک انسا
دوسرے انسان کو پیغام دے سکتا ہے۔ اس میں فاصلے کی کوئی قید نہیں۔ دو گز سامنے بیٹھے
ہوئے شخص کو بھی زبان ہلائے بغیر پیغام دیا جا سکتا ہے اور ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے کس
شخص کے دماغ کی لہروں میں بھی ہلچل پیدا کی جا سکتی ہے۔

ہر دماغ کی ایک فوریکونسی ہوتی ہے۔ تم جانتی ہو ہمارے جسم میں دماغ ہی ایک
ایسی چیز ہے جو پورے جسم کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ دماغی فوریکونسی ہوتی ہے جس سے
ہمارے جسم کے مختلف اعضاء اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ دماغ کی فوریکونسی سے ہی ہم اپنا
زبان کو حرکت دیتے ہیں اور اپنی بات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہو
ہے کہ زبان کو حرکت دیئے بغیر ہمارا پیغام کسی دوسرے تک پہنچ جاتا ہے۔ تم نے اکثر
نوٹ کیا ہوگا کہ جب تم نے کسی سے کوئی بات کہی تو اس نے جواب دیا' میں بھی یہی سو
رہا تھا' گویا زبان کو حرکت دینے سے پہلے ہی دماغی لہروں کے ذریعے وہ بات اس تک پہنچ گ
تھی۔"

جب یہ انکشاف ہوا کہ زبان کو حرکت دیئے بغیر دماغی لہروں کے ذریعے پیغام ایک سے
دوسرے شخص تک پہنچ سکتا ہے تو اس پر تحقیقات شروع ہو گئیں اور اسے ٹیلی پیتھی کا نا
دے کر باقاعدہ ایک علم کا درجہ دیا گیا اور اب یہ علم بہت ترقی کر چکا ہے اور اس
سائنٹفک انداز میں ریسرچ ہو رہی ہے۔

اب میں آتی ہوں تمہیں سنائی دینے والی ان سرگوشیوں کی طرف۔" نرگس
مسکراتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "تم نے جب اس سنہرے سانپ کو نیولے سے بچایا تھا
وہ یقیناً تمہارا احسان مند اور شکور ہوا تھا۔ اس کے دماغ میں یہ بات آئی ہوگی کہ وہ تمہا

شکریہ ادا کرے لیکن وہ چونکہ قوت گویائی سے محروم ہے' اس لیے زبان سے کچھ نہیں کہہ
سکا۔ البتہ اس کے دماغ کی فوریکونسی تمہارے دماغ سے ٹکرا گئی اور تم نے اسے سرگوشی
کی طرح محسوس کیا۔"

"لیکن انسان اور جانور کے دماغوں کی فوریکونسی تو مختلف ہوگی۔" نایاب نے اس
کے خاموش ہونے پر کہا۔

"یقیناً ایسا ہوگا۔" نرگس نے جواب دیا۔ "لیکن ہو سکتا ہے بعض جانداروں کے دماغ
کی فوریکونسی انسانی دماغ کی فوریکونسی سے ملتی جلتی ہو اور یہ سانپ بھی ان میں سے
ایک ہو سکتا ہے۔"

"لیکن دوسری مرتبہ وہ سرگوشی؟" نایاب بولی۔

"یہ محض اتفاق ہوگا کہ جب کھیتوں میں عبدالرحمٰن تم پر حملہ کرنے والا تھا تو وہ
سانپ بھی آس پاس ہی کہیں موجود تھا اور اس نے تمہیں بچانے کے لیے تمہارے دشمن کو
ڈس کر ہلاک کر دیا۔ پھر اپنائیت کے اظہار کے لیے وہ تمہاری ٹانگ سے لپٹا تھا اور جاتے
ہوئے اس کے دماغ نے وہی کچھ سوچا تھا جو تم نے سرگوشی کی صورت میں محسوس کیا۔
اسے ٹیلی پیتھی کا کمال سمجھو۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

نایاب کا ذہن الجھ گیا۔ عجیب منطق تھی نرگس کی۔ ٹیلی پیتھی کے بارے میں اس نے
بھی تھوڑا بہت پڑھا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس پراسرار علم پر باقاعدہ ریسرچ ہو رہی ہے
اور اس علم نے بہت ترقی بھی کی ہے۔ بہت سے ایسے ماہرین موجود ہیں جو ٹیلی پیتھی کے
ذریعے اپنا پیغام ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں لیکن انسان اور کسی
اور مخلوق کے مابین ٹیلی پیتھک رابطہ' یہ بات نایاب کے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔ یقیناً
معاملہ کچھ اور تھا جو اپنے اندر پراسراریت لیے ہوئے تھا۔

نایاب ابھی نرگس کی باتوں کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ باہر سے کچھ آوازیں
سنائی دیں۔ وہ دو عورتیں تھیں جن میں سے ایک حویلی کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی چیخ
چیخ کر کچھ کہہ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے گاؤں میں عبدالرحمٰن کی موت کی اطلاع پہنچ گئی ہے۔" نرگس نے
اٹھتے ہوئے کہا۔

"سنو-" نایاب بھی اٹھ گئی- "یہ باتیں کسی سے مت کہنا- میرا مطلب ہے سرگوشیوں والی باتیں-"

نرگس نے جواب دینے کے بجائے اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے پر ہی اکتفا کیا ا وہ دونوں کمرے سے باہر آگئیں- حویلی میں داخل ہونے والی ان دونوں عورتوں میں آ سردار بی بی تھی جو آگے والی گلی میں رہتی تھی- وہ کہہ رہی تھی-

"سکینہ بی بی! سنا تم نے- قہر رب کا- جو جیسا کرتا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی ہ ہے-"

"کیا ہوا ماسی؟" سکینہ نے باورچی خانے سے باہر آتے ہوئے پوچھا-

"عبدالرحمٰن کو سپ لڑ گیا ہے-" سردار بی بی نے کہا- "رب کی لاٹھی بے آ ہوتی ہے سکینہ بی بی! اس نے بڑا ظلم کیا تھا لوگوں پر- مظلوموں کی ہائے لگی ہے اسے- نہیں کیسا سپ تھا- اس کے زہر نے عبدالرحمٰن کے سارے بدن کو کوئلے کی طرح ڈالا- پر کوئلہ بھی کہاں- وہ تو راکھ بن گیا ہے- لوگ اس کی جلی ہوئی راکھ اٹھا کر لا ہیں- وہاں چوپال والی بیٹھک میں رکھی ہے- کیا بتاؤں سکینہ بی بی- سارا بدن راکھ ہو ہے' پر اس کا سر بچ گیا ہے- ایسا کالا سیاہ چہرہ' اتنی ڈراؤنی شکل تو شیطان کی بھی نہ ہوگی- سارے پنڈ کے لوگ آ آ کر اسے دیکھ رہے ہیں اور توبہ توبہ کر رہے ہیں-"

"برے کا انجام تو برا ہی ہوتا ہے نا ماسی-" سکینہ دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہو بولی- "اللہ سے معافی مانگنی چاہئے- رب موت بھی دے تو سکون کی دے-"

نرگس برآمدے میں کھڑی نایاب کی طرف دیکھ رہی تھی- سردار بی بی نے نایاب دیکھا تو ایک دم بول پڑی-

"چھوٹی بی بی- تمہارے سامنے ہی تو عبدالرحمٰن کو سپ لڑا تھا- بھائی رمضان بتا تھا کہ عبدالرحمٰن تمہیں چاقو سے مارنے لگا تھا کہ وہ سپ فرشتہ بن کر کہیں سے آگیا عبدالرحمٰن کو ڈس کر چلا گیا- تم نے خود دیکھی تھی نا اس کی لاش-"

"ہاں ماسی- یہ سب کچھ میرے سامنے ہی ہوا تھا-" نایاب نے جواب دیا- سکینہ مڑ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی- نایاب نے بات جاری رکھی- "میں ابھی نرگس کو بتا رہی تھی-"

"چودھری نے ایک بندہ نورپور بھیجا ہے پولیس کو بلانے- پر بتاؤ بی بی پولیس کیا کرے گی؟" سردار بی بی نے کہا-

نایاب کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عذرہ ایک اور لڑکی سلمٰی کے ساتھ حویلی میں داخل ہوئی- سلمٰی اسی گلی میں رہتی تھی اور عذرہ بہت دیر سے اس کے گھر گئی ہوئی تھی- اس وقت عذرہ کا چہرہ فرط جذبات سے سرخ ہو رہا تھا- اس نے آتے ہی عبدالرحمٰن کے بارے میں بتانا شروع کر دیا-

"نایاب باجی! ایسا خوفناک چہرہ میں نے کبھی نہیں دیکھا-" وہ کہہ رہی تھی- "بس چہرہ ہی چہرہ رہ گیا ہے- باقی جسم تو راکھ کے ڈھیر کی صورت میں چادر میں رکھا ہوا ہے-"

کچھ اور عورتیں بھی آگئیں اور پھر ہر عورت عبدالرحمٰن کے کرتوت بیان کرنے لگی- گاؤں کے لوگوں کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ عبدالرحمٰن نے چاقو سے نایاب پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وار کرنے سے پہلے ہی سانپ نے اسے ڈس لیا تھا- اس طرح وہ خود تو جہنم واصل ہو گیا تھا اور نایاب بچ گئی تھی- جو لوگ اس وقت حویلی میں موجود تھے' انہوں نے لاش کے ہاتھ میں چاقو بھی دیکھا تھا- حویلی میں آنے والی عورتیں نایاب کی بلائیں لے رہی تھیں جبکہ دوسری طرف عبدالرحمٰن کی لاش پر آنسو بہانے والا بھی کوئی نہیں تھا- اس کی لاش کی راکھ اور رو سیاہ کھوپڑی تماشہ بنی ہوئی تھی اور دیکھنے والے عبرت حاصل کر رہے تھے-

دو گھنٹے بعد نورپور سے دو پولیس والے بھی پہنچ گئے- عبدالرحمٰن کی لاش کی راکھ اور کوئلے کی طرح سیاہ چہرہ دیکھ کر پولیس والوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ مارگزیدگی کا کیس ہے- انہیں شبہ تھا کہ اسے جلایا گیا ہے لیکن رمضان سمیت کم از کم درجن بھر آدمیوں نے بیان دیا تھا کہ اسے کسی بہت ہی زہریلے سانپ نے ڈسا تھا-

کسی نے پولیس والوں کے کان میں یہ بات بھی ڈال دی کہ سانپ کے ڈسنے سے پہلے عبدالرحمٰن نایاب بی بی پر چاقو سے حملہ کرنا چاہتا تھا- چاقو آخر تک لاش کے ہاتھ میں تھا لیکن پولیس کو وہ چاقو نہیں مل سکا تھا-

پولیس کو اپنی جیب گرم کرنے کے لیے ایک نیا راستہ مل گیا تھا- ان کا خیال تھا کہ اگر نایاب اس قسم کا کوئی بیان دے دے تو چودھریوں سے کچھ مل سکتا ہے کیونکہ وہ

چودھری کا آدمی تھا۔ یہی سوچ کر پولیس والے ملک صاحب کی حویلی پہنچ گئے لیکن نایاب نے پولیس کو کوئی بیان دینے سے انکار کر دیا اور پولیس والے واپس لوٹ گئے۔

اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ملک صاحب کا بیٹا سکندر بھی آگیا۔ وہ پسینے میں تر ہو رہا تھا جیسے تیز دھوپ میں دوڑتا ہوا آیا ہو۔ اس کے چہرے پر کچھ غصہ کے تاثرات بھی تھے۔

"نایاب بہن۔" وہ قریب پہنچ کر بولا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ عبدالرحمٰن نے تم پر چاقو سے حملہ کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں بھیا!" نایاب کے بجائے نرگس بول پڑی۔ "اگر اسے وہ سانپ نہ ڈس لیتا تو وہ کمبخت نایاب کو مار ہی ڈالتا۔"

"مجھے نایاب سے بات کرنے دو۔" سکندر نے نرگس کو گھورا۔ "اس سے پہلے کوئی بات ہوئی تھی؟" وہ پھر نایاب کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں.....اس نے کہا تھا کہ چودھری سعادت کا حکم ہے کہ اگر میں ان زمینوں پر قدم رکھنے کی کوشش کروں تو مجھے ختم کر دیا جائے۔" نایاب نے بتایا۔

"تھوڑی دیر پہلے مجھے ڈیرے پر سعادت کا پیغام ملا تھا۔ پیغام لانے والے شخص ہی نے بتایا تھا کہ عبدالرحمٰن نے تم پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کو سانپ نے ڈس لیا اور لاش راکھ ہوگئی۔ مجھے اس کی بات کا یقین نہیں آرہا تھا لیکن لاش کی راکھ اور اس کا چہرہ دیکھ کر تو میں حیران رہ گیا۔ اس علاقے کے سانپ عام طور پر اتنے زہریلے نہیں ہوتے۔ البتہ کبھی کبھار کوئی ایسا زہریلا سانپ ادھر نکل آتا ہے جس کے کاٹے کا علاج بھی نہیں ہوتا لیکن سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ کیسا سانپ تھا جس کے زہر نے اسے جلا کر راکھ کر دیا۔"

"وہ گولڈن سانپ تھا بھیا!" اس مرتبہ بھی نرگس بولی۔ "بالکل سونے کی طرح۔"

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے اسے دیکھا ہو۔" سکندر نے پھر اسے گھورا۔

"نایاب نے دیکھا تھا' اسی نے مجھے بتایا تھا۔" نرگس نے جواب دیا۔

نایاب نے نرگس کا پیر دبا دیا اور وہ سی کر کے رہ گئی۔

"سعادت نے آپ کو کیوں بلایا تھا؟" نایاب نے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"وہ پولیس والوں کے ساتھ کہیں گیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں جا کر ملتا ہوں اس سے اور تم....." اس نے نایاب کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن چونکہ تم لوگوں میں مقدمے بازی چل رہی ہے' اس لیے میرا مشورہ ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے چودھریوں کو تمہارے خلاف کچھ کرنے کا موقع مل جائے۔"

"آپ مطمئن رہئے بھائی صاحب۔" نایاب نے کہا۔ "میں اپنی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہونے دوں گی۔"

"اگر سعادت کوئی غلط حرکت کرتا ہے تو ہم نمٹ لیں گے اس سے' وہ ہمیں بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ عبدالرحمٰن تم پر حملہ نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔ اس نے سعادت کے کہنے پر تمہیں ڈرانے کے لیے چاقو نکال لیا ہوگا اور میں سمجھتا ہوں کہ سعادت بھی اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ یہاں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے کیونکہ اس طرح وہ خود پھنس جائے گا۔ بہرحال میں ابھی جا کر معلوم کرتا ہوں کہ اس نے مجھے پیغام کیوں بھیجا تھا۔ نرگس! پانی پلاؤ اور سکینہ تم ابا جان کی روٹی بھیج دینا میں گھر پر ہی کھا لوں گا۔"

نرگس پانی کا گلاس لے آئی۔ سکندر نے پانی پیا اور باہر چلا گیا۔

نایاب کمرے میں آکر کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ ایک بار پھر اس سنہرے سانپ اور اپنے کانوں میں سنائی دینے والی ان سرگوشیوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ نرگس نے ان سرگوشیوں کے بارے میں نیلی پیتھی کے حوالے سے جو منطق پیش کی تھی' وہ اس کے حلق سے نہیں اتر رہی تھی لیکن اگر واقعی سانپ کے دماغ کی فوٹوگرافی اس کے دماغ کی فوٹوگرافی سے مل گئی تھی تو اسے دنیا کا انوکھا ترین واقعہ قرار دیا جاسکتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ اور باتیں بھی اس کے ذہن کو الجھائے ہوئے تھیں۔

جس روز اس نے سانپ کو نیولے سے بچایا تھا' سانپ زخمی ہو چکا تھا۔ اس نے سانپ کی پشت پر ہاتھ رکھا تھا۔ سانپ زخمی ہو تو پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ اس نے نایاب کو ڈسنے کے لیے پھن اٹھایا تھا' پھر رینگتا ہوا کھیت میں غائب ہو گیا تھا اور آج تو اس سے زیادہ حیرت ناک بات ہوئی تھی۔ اس نے اچانک ہی سانپ کو اپنے پیر کے

قریب کنڈلی مارے بیٹھے دیکھا تھا۔ پھر وہ اس کی ٹانگ سے لپٹ کر نیچے اترا تھا اور عبدالرحمٰن کے پیچھے لگ گیا تھا۔ عبدالرحمٰن کو ڈسنے کے بعد وہ دوبارہ اس کی ٹانگ سے لپٹا تھا اور اتر کر کھیت میں گھس گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی نایاب کو اپنے کان میں وہ سرگوشی سنائی دی تھی۔ الفاظ بہت واضح تھے۔ کسی نے کہا تھا۔ "میں احسان فراموش نہیں ہوں' میں تمہاری حفاظت کروں گا۔"

وہ سرگوشی اب بھی نایاب کے کانوں میں گونج رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ کیا وہ واقعی سانپ تھا جس نے اسے عبدالرحمٰن سے بچا کر احسان کا بدلہ چکایا تھا یا وہ سانپ نہیں تھا کوئی اور چیز تھا۔

نایاب نے سر جھٹک دیا۔ ایسی کہانیاں اس نے بچپن میں سنی تھیں۔ کسی جادوگرنی نے شہزادے کو جادو کے زور سے مینڈک' مکھی یا کوئی اور جانور بنا دیا اور اس شہزادے کو اصلی حالت میں آنے کے لیے کسی شہزادی کا انتظار ہو لیکن آج کے جدید ترین سائنسی دور میں ان دیومالائی کہانیوں کا تصور ختم ہو چکا تھا۔ آج کی نانیاں اور دادیاں بچوں کو جنوں' پریوں اور شہزادوں کی پراسرار کہانیاں سنانے کے بجائے سائنس کے شعبدے بازیوں کی کہانیاں سناتی ہیں۔ وہ بچوں کو بتاتی ہیں کہ انسان چاند پر کس طرح پہنچا۔ کوہ قاف کو پہلے بہت پراسرار سمجھا جاتا تھا جہاں جنوں اور پریوں کی سلطنت تھی مگر آج کے بچے جانتے ہیں کہ کوہ قاف روس کے ایک پہاڑی سلسلے کا نام ہے' اس کی بلندی کیا ہے اور یہاں کون کون سی معدنیات پائی جاتی ہیں۔

لیکن دیو مالائی کہانیوں پر یقین نہ ہونے کے باوجود نایاب کا ذہن بری طرح الجھتا جا رہا تھا اور پھر دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سانپ کی عمر سو سال ہو جائے تو اسے اتنی قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ ضرورت کے وقت انسان کا روپ دھار سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے بہت سی کہانیاں سنی تھیں اور فلمیں بھی دیکھی تھیں اور پھر اس نے ہندوؤں کے عقیدے اوآگون کے بارے میں بھی بہت کچھ پڑھا تھا۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد اس کی روح دوسرا جنم لیتی ہے۔ یہ دوسرا جنم انسان کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور کسی اور جاندار کی صورت میں بھی۔ تو کیا وہ سنہرا سانپ پچھلے جنم میں کوئی انسان تھا؟

نایاب نے سر جھٹک کر اس خیال کو ذہن سے نکال دیا۔ وہ ہندو نہیں تھی جو اسے اوآگون کے اس عقیدے پر یقین ہوتا۔ نہ ہی وہ سانپ کوئی شہزادہ تھا جسے جادو کے زور سے سانپ بنا دیا گیا ہو۔ وہ محض سانپ ہی تھا جس کے زہر میں ایسی تاثیر تھی کہ انسان کے جسم کو جلا کر راکھ کر ڈالا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ نرگس کا یہ خیال درست ہو کہ وہ اس سانپ کے دماغ کی لہریں تھیں جو اس کے دماغ سے ٹکرا گئی ہوں۔ اس نے زندگی بچانے پر نایاب کا شکریہ ادا کیا ہو اور سوچ کی وہ لہریں سرگوشی بن کر نایاب کو سنائی دی ہوں۔ ایسی بہت سی مثالیں نایاب کے سامنے تھیں کہ کسی انسان نے کسی جانور پر ترس کھا کر اس کی زندگی بچائی ہو اور بعد میں کسی موقع پر اس جانور نے کسی آڑے وقت میں اپنے محسن کی کسی طرح مدد کی ہو۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے نایاب کی آنکھ لگ گئی اور وہ بستر پر آڑھی ترچھی پڑی سو گئی۔

تیسری قسط

ملک سکندر گلیوں میں سے ہوتا ہوا گاؤں کے مرکزی چوک پر پہنچ گیا۔ یہ بہت بڑا چوک تھا۔ درمیان میں ایک بڑا سا چبوترا بنا ہوا تھا جس کے وسط میں برگد کا بہت بڑا درخت تھا۔ چبوترے پر خوانچے والے اپنی دکانیں سجائے بیٹھے تھے۔ کوئی پکوڑے بیچ رہا تھا' کوئی گلے سڑے پھل لیے بیٹھا تھا۔ ایک طرف موچی بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی نجام نے اپنی دکان سجا رکھی تھی۔ پرانی سی کرسی اور اس کے سامنے ایک سالخوردہ سی میز جس پر اس کی چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ درخت کے تنے پر ایک آئینہ ٹنگا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک کیل سے چمڑے کا ایک لمبا سا ٹکڑا ٹنگا ہوا تھا جس پر حجام اپنا استرہ تیز کیا کرتا تھا۔

چوک کے چاروں طرف بھی دکانیں تھیں۔ گاؤں والوں کو اپنی ضرورت کی تقریباً ہر چیز یہاں مل جاتی تھی۔ ایک گلی میں دکانوں کے ساتھ ہی چوپال تھی۔ یہ بہت بڑا کمرہ تھا جس میں دریاں بچھی ہوئی تھیں۔ گاؤں کے لوگ فارغ اوقات میں یہاں بیٹھ کر گپ شپ کیا کرتے تھے۔ عام طور پر شام کے بعد یہاں رونق ہوتی تھی۔ دن میں اکا دکا لوگ ہی ادھر

آتے تھے لیکن اس وقت یہاں میلہ لگا ہوا تھا۔ کمرے کے اندر بھی لوگ جمع تھے اور باہر بھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔

ملک سکندر لوگوں کو ادھر ادھر ہٹاتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے کے وسط ایک چارپائی پر سفید کھیس بچھا ہوا تھا جس پر ایک چادر میں کچھ راکھ جمع تھی۔ کچھ چھوٹے بڑے ٹکڑے بھی جمع تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی لکڑی جلا کر اس کی راکھ اور بچے کھچے کوئلے یہاں رکھ دیئے ہوں۔ چارپائی پر ایک طرف عبدالرحمٰن کی کھوپڑی پڑی تھی۔ بالکل سیاہ تھا اور حیرت کی بات تھی کہ دانتوں' آنکھوں اور سر کے بالوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ سیاہ ہونٹوں میں چمکتے ہوئے سفید دانت اور آنکھوں کی سفیدی نے اس چہرے کو بہت بھیانک بنا دیا تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر توبہ توبہ کر رہے تھے۔

"اوئے رمضان..... تیرا چودھری کہاں ہے؟" ملک سکندر نے رمضان سے پوچھا۔

"وہ تو پولیس والوں کے ساتھ عبدالرحمٰن کے گھر گئے ہیں ملک جی۔" رمضان جواب دیا۔ سکندر چوپال سے باہر آ گیا اور مختلف گلیوں میں ہوتا ہوا ایک مکان کے سا رک گیا۔ مکان کا صحن والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سامنے گلی میں چند لوگ جمع تھے۔ وہ دروازے کے اندر جھانک رہے تھے۔

ملک سکندر دروازے میں داخل ہو گیا۔ خاصا بڑا آنگن تھا جس کے آگے دو کمر تھے۔ برآمدے میں دو پولیس والے چودھری سعادت اور دو اور آدمی کھڑے تھے۔ آدمی ہتھوڑے کی ضربوں سے دروازے کا تالا توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

عبدالرحمٰن اس مکان میں اکیلا ہی رہتا تھا۔ وہ تقریباً دس سال پہلے اس گاؤں میں تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی۔ بڑی حسین عورت تھی۔ اس وقت اس کی تیس چوبیس سال تھی جبکہ عبدالرحمٰن اس سے تقریباً پانچ سال بڑا تھا۔ عبدالرحمٰن سا پر بستیوں میں گھوم پھر کر خواتین کی ضرورت کی چیزیں بیچا کرتا تھا۔ اس نے دو چھو چھوٹے شوکیس بنا رکھے تھے جن میں تمام چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ ایک شوکیس سائیکل ہینڈل کے ساتھ لٹکا رہتا اور دوسرا پچھلے کیریئر پر فکس رہتا تھا۔

عبدالرحمٰن نے گاؤں کی پہلی گلی میں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے لیا تھا۔ سات مہینے بعد اس کی چودھری سعادت سے دوستی ہو گئی۔ سعادت نے اسے اپنے پاس

لیا اور رہنے کو یہ مکان دے دیا۔ عبدالرحمٰن نے سائیکل پر پھیری لگانا چھوڑ دیا اور چودھری سعادت کے لیے کام کرنے لگا۔

چودھری سعادت اور عبدالرحمٰن ایک ہی کردار کے مالک تھے۔ انسانیت انہیں چھو کر نہیں گزری تھی۔ چودھری سعادت گاؤں والوں کے لیے عذاب بنا ہوا تھا۔ اسے عبدالرحمٰن جیسا آدمی مل گیا تو وہ مزید پھیل گیا۔

عبدالرحمٰن بہت ہی بے غیرت آدمی تھا۔ چودھری سعادت اس کی حسین بیوی ناصرہ پر دانت گاڑے بیٹھا تھا۔ اس نے ایک دو مرتبہ اشاروں کنایوں میں عبدالرحمٰن سے اپنے دل کی بات کہہ بھی دی تھی اور پھر ایک رات عبدالرحمٰن اپنی بیوی ناصرہ کو کھیتوں میں ڈیرے پر لے گیا۔ وہ اسے ڈیرے پر چھوڑ کر کسی اور طرف نکل گیا۔ کچھ دیر بعد اسے اپنی بیوی کی چیخوں کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ عبدالرحمٰن کو مدد کے لیے پکار رہی تھی لیکن اسے پتہ نہیں تھا کہ اس کے محافظ کا ضمیر مر چکا ہے۔

دوسرے دن عبدالرحمٰن کی بیوی اسے چھوڑ کر چلی گئی اور لوٹ کر نہیں آئی۔ گاؤں کے لوگ باتیں بناتے رہے لیکن عبدالرحمٰن جیسے بے غیرت شخص پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ چودھری سعادت کے ساتھ گاؤں والوں کی عزت سے کھیلتا رہا اور بالآخر اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

"کیا بات ہے چودھری! لوگوں کے گھروں کے تالے کیوں توڑتے پھر رہے ہو؟" سکندر نے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ سفتری رپورٹ لکھنے کے لیے عبدالرحمٰن کے گھر کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں۔" چودھری سعادت نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"عبدالرحمٰن نے مرنے سے پہلے کہیں ڈاکہ ڈالا تھا جو اس کے گھر سے کوئی لوٹ کا مال برآمد ہونے کی توقع ہے؟" سکندر نے کہا۔ "اسے سانپ نے کاٹا تھا' وہ مر گیا۔ بات ختم..... اگر ان کو رپورٹ ہی لکھنی ہے تو گاؤں والوں کا بیان لے لیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ رپورٹ تو تمہاری بھاوج کو لکھوانی چاہئے۔ سانپ کے ڈسنے سے پہلے عبدالرحمٰن نے اس پر چاقو سے حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ چاقو آخر تک لاش کے ہاتھ میں تھا لیکن بعد میں وہ چاقو غائب ہو گیا۔ شاید تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔"

"دیکھو سکندر۔" سعادت بولا۔ "تم ہمارے معاملات میں مداخلت کر رہے ہو۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ لڑکی اب میری بھاوج نہیں رہی اور پھر اس پر حملہ کے حوالے سے تم مجھ پر الزام لگانے کی کوشش کر رہے ہو۔ میرا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ غلط ہے کہ عبدالرحمٰن نے اس پر چاقو سے حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے نایاب کو زمینوں پر آنے سے منع کیا ہوگا۔"

"لیکن کم از کم ایک درجن آدمیوں نے وہ چاقو عبدالرحمٰن کی لاش کے ہاتھ میں دیکھا تھا۔" سکندر نے کہا۔ "تم اس کے گھر کے دروازے تڑوا کر شاید یہاں سے بھی ایسی چیزیں غائب کرنا چاہتے ہو جن سے تمہارے کسی جرم کی قلعی کھلتی ہو۔"

"دیکھو سکندر۔" چودھری سعادت نے اسے گھورا۔ "ہمارے گھرانوں کے تعلقات بہت پرانے ہیں۔ یہ دونوں خاندان کئی پیڑیوں سے یہاں آباد ہیں۔ میرا اور تمہارا بچپن ایک ساتھ گزرا ہے۔ ہمارے گھرانوں میں کبھی کوئی معمولی سی رنجش بھی نہیں ہوئی۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک رہے ہیں لیکن اب تم اس لڑکی کی وجہ سے تعلقات کیوں بگاڑ رہے ہو؟ پتہ نہیں' وہ کون ہے؟ کس خاندان کی ہے؟ اس نے دولت کے لالچ میں میرے بھائی کو پھانس لیا تھا لیکن سرفراز کی موت کے بعد ہمارا وہ رشتہ بھی ختم ہو چکا ہے جو اس نے جوڑنے کی کوشش کی تھی۔ وہ سرفراز کے ذریعے ہماری اس جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتی تھی جسے بنانے کے لیے ہمارے بزرگوں نے بڑی محنت کی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے' ہم یہ جائیداد آسانی سے اس کے حوالے کر دیں گے۔ ہمارا اس سے اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ تم لوگ اس کی حمایت کیوں کر رہے ہو؟"

"تمہارا اور اس کا رشتہ ختم نہیں ہوا۔" سکندر نے جواب دیا۔ "وہ تمہارے چھوٹے بھائی کی بیوہ ہے۔ تمہارے گھرانے کی عزت ہے مگر تم لوگوں نے اسے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر باہر پھینک دیا۔ اگر اسے عزت و احترام کے ساتھ گھر میں رکھتے' اسے اس کا مقام دیتے تو یہ صورتحال پیدا نہ ہوتی۔ اسے اس کا جائز مقام مل جاتا تو وہ کبھی بھی جائیداد میں سے حصے کا نہ سوچتی مگر تم لوگوں نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے مجبور ہو کر اپنا حق حاصل کرنے کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ تم میں حوصلہ ہوتا تو عدالت کے فیصلے کا انتظار کرتے مگر تم اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔ تم نے عبدالرحمٰن کے

ذریعے اسے قتل کروانے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے تم خود بھی اسے دھمکا چکے ہو....."

"یہ جھوٹ ہے۔" چودھری سعادت نے اس کی بات کاٹ دی۔ اس نے کن انکھیوں سے پولیس والوں کی طرف دیکھا اور پھر سکندر کو گھورتے ہوئے بولا۔ "تم اب جاؤ' میں بعد میں تم سے بات کروں گا لیکن اس لڑکی کو یہ سمجھا دینا کہ آئندہ وہ میرے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرے۔"

"ایک بات میں بھی تمہیں سمجھا دینا چاہتا ہوں۔" ملک سکندر نے کہا۔ "نایاب ہمارا مہمان ہے اور تم جانتے ہو کہ ہم مہمانوں کی کتنی عزت کرتے ہیں۔ اگر اس لڑکی کو کسی بھی قسم کا گزند پہنچا تو اس کا نتیجہ بہت برا ہوگا۔"

"تم ان دو پولیس والوں کی موجودگی میں مجھے دھمکی دے رہے ہو۔" چودھری سعادت نے کہا۔ "یہ پولیس والے تمہارے خلاف قانونی کارروائی بھی کر سکتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں یہ پولیس والے تمہارے زرخرید ہیں۔" ملک سکندر نے جواب دیا۔ "لیکن میں تمہارا مزارع نہیں ہوں جس کے ساتھ تم جو چاہو سلوک کر سکو۔"

"چودھری جی..... ملک جی....." ایک پولیس والا ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ دونوں آپس میں کیوں لڑتے ہو جی۔ ہم تو آپ دونوں گھروں کے خادم ہیں جی! ہم کو بیچ میں مت لاؤ جی!"

چودھری کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس شخص کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا جو تالے پر ہتھوڑی سے ضربیں لگا رہا تھا۔ تالا ٹوٹ کر کنڈے میں لٹک گیا تھا۔ اس شخص نے تالا نکال کر کنڈا کھول دیا۔

"آئیں جی..... آپ دونوں بھی ہمارے ساتھ اندر آئیں۔" اس پولیس والے نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور دروازہ کھول دیا۔

وہ لوگ اندر آ گئے۔ وہ دونوں آدمی بھی ان کے ساتھ ہی اندر داخل ہوئے تھے جو برآمدے میں کھڑے تھے۔ ایک پولیس والے نے بتی جلا دی۔ کمرے میں ٹیوب لائٹ کی نقرئی روشنی پھیل گئی۔

کمرہ خاصا بڑا تھا۔ سرخ فرش پر سفید سیمنٹ سے پھول بنے ہوئے تھے۔ گاؤں دیہاتوں میں قالین استعمال نہیں ہوتے۔ فرش کو ہی رنگ برنگا بنا کر قالین کا شوق پورا کر لیا جاتا

ہے۔

ایک طرف بڑی شاندار مسہری تھی جس پر آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا۔ یہ مسہر
عبدالرحمٰن نے گاؤں کے بڑھئی سے بنوائی تھی۔ مسہری کے ساتھ ہی ایک چھوٹی میز تھ
جس پر مختلف چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ دائیں طرف لکڑی کی ایک الماری ایستادہ تھی
سامنے والی دیوار پر بابرہ شریف کی تصویر والا ایک کیلنڈر لٹکا ہوا تھا۔ کیلنڈر اگرچہ دو سا
پرانا تھا مگر بابرہ شریف کی رنگین تصویر کی وجہ سے لٹکا ہوا تھا۔

دونوں پولیس والے کمرے میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ ایک پولیس والے
الماری کھول دی اور اس میں بھرے ہوئے کپڑے اٹھا اٹھا کر تلاشی لینے لگا جبکہ دو
پولیس والا مسہری کا بستر اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ ملک سکندر کو حیرت تھی کہ ان پولیس والوں
یہاں کس چیز کی تلاش تھی۔ عبدالرحمٰن سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہوا تھا۔ اس کی لا
پراسرار طور پر راکھ بن گئی تھی۔ پولیس کو اطلاع دی گئی تھی۔ پولیس والوں نے لوگوں
بیانات لے کر یہ تصدیق کرلی تھی کہ عبدالرحمٰن واقعی سانپ کے کاٹے سے ہلاک ہوا تھ
اس کے گھر کی تلاشی والی بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

پولیس والے نے الماری کی ایک دراز کھول لی اور پھر اس کی آنکھوں میں چمک
ابھر آئی۔ اس دراز میں سونے کے کئی زیورات رکھے ہوئے تھے۔ پولیس والے نے
پوری دراز باہر کھینچ کر مسہری پر رکھ دی اور ایک ایک زیور اٹھا کر دیکھنے لگا۔ ملک سکند
دوسرے دو آدمی اور چودھری سعادت بھی ان زیوروں کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ پولیس
والے نے سونے کا ایک کنٹھا اٹھایا تو ملک سکندر کے ساتھ کھڑا ہوا علی بخش اچھل پڑا۔ ا
نے پولیس والے کے ہاتھ سے وہ کنٹھا جھپٹ لیا۔

"یہ.....یہ کنٹھا تو ماسٹر احمد علی کی بہو کا ہے۔" وہ چودھری سعادت کی طرف دیک
ہوئے بولا۔ "مجھے یاد ہے اس کے بیٹے کی شادی کے چند ہی روز بعد اس کنٹھے کا ایک
ٹوٹ گیا تھا۔ ماسٹر احمد علی یہ کنٹھا مرمت کرانے کے لیے نورپور گیا تھا تو میں بھی اس
ساتھ تھا۔ یہ یہاں سے ٹوٹا تھا اور یہ ٹانکا لگایا گیا تھا۔" اس نے ایک ٹانکے کی طرف اش
کیا جو نمایاں طور پر نظر آرہا تھا۔

ملک سکندر نے علی بخش کے ہاتھ سے وہ کنٹھا لے لیا۔ اسے ڈیڑھ سال پہلے کا

واقعہ یاد آگیا جب ماسٹر احمد علی کی بہو کھیتوں میں گئی تھی اور عبدالرحمٰن کے ہتھے چڑھ گئی تھی اور پھر اس نے دوپٹے سے گلے میں پھندہ ڈال کر خودکشی کرلی تھی۔ پورے گاؤں کو پتہ چل گیا تھا کہ ماسٹر احمد علی کی بہو عبدالرحمٰن اور چودھری سعادت کی ہوس کا شکار ہوئی تھی۔ پولیس کو اطلاع دی گئی تھی اور پولیس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ ماسٹر احمد علی کی بہو نے گھریلو جھگڑوں سے تنگ آکر خودکشی کرلی تھی اور اس طرح یہ کیس ختم کر دیا گیا تھا۔

"یہ.....یہ دیکھ رہے ہو چودھری۔"؟ ملک سکندر وہ کنٹھا چودھری سعادت کو دکھاتے ہوئے بولا۔ "یہ کنٹھا کیا ثابت کر رہا ہے؟ میں نہیں جانتا یہ پولیس والے تلاشی کس لیے لینا چاہتے تھے لیکن اچھا ہی ہوا کہ میں بھی پہنچ گیا اور یہ دو شریف آدمی بھی یہاں موجود ہیں اور دیکھو سنتری بادشاہ.....یہاں کیا کچھ ہے۔"

پولیس والا اب بھی ایک ایک زیور اٹھا کر دیکھ رہا تھا اور پھر ملک سکندر نے ہاتھ بڑھا کر سونے کی ایک زنجیر اٹھا لی۔ اس میں لاکٹ کی جگہ انگریزی کا حرف ایس لٹکا ہوا تھا۔ یہ لاکٹ خالص سونے کا تھا اور زنجیر سمیت اس کا وزن دو تولے سے زیادہ ہی تھا۔

"یہ دیکھ رہے ہو چودھری؟" سکندر وہ لاکٹ چودھری سعادت کو دکھاتے ہوئے بولا۔ "کیا تم اپنے لاکٹ کو بھی نہیں پہچانتے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ چار سال پہلے ہم دونوں نے نورپور سے یہ لاکٹ بنوائے تھے۔ یہ دیکھو میرا لاکٹ میرے گلے میں موجود ہے۔" اس نے اپنے گلے میں پڑا ہوا لاکٹ دکھایا۔ طلائی زنجیر میں بالکل ویسا ہی انگریزی کا حرف ایس لٹکا ہوا تھا۔ یہ دونوں لاکٹ ہم نے اکٹھے ہی بنوائے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے مجھے پتہ چلا تھا کہ تمہارا لاکٹ چوری ہو گیا ہے اور تم نے اپنے ایک نوکر کو مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا۔ تم نے تو کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ تمہارا یہ یار غار ہی چور ثابت ہوگا۔"

چودھری سعادت کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"سنتری بادشاہ۔" ملک سکندر بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ ساری چیزیں ان بے گناہ اور معصوم لڑکیوں کی ہیں جو عبدالرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کی ہوس کا شکار ہوئیں اور ان میں سے بعض نے خودکشی کرلی۔ علی بخش....." وہ بات کرتے ہوئے علی بخش کی طرف گھوم گیا۔ "ان گھروں میں جا کر بتا دو کہ وہ یہاں آکر اپنی اپنی چیزیں شناخت کرلیں۔"

"لیکن ملک جی۔" پولیس والا بولا۔ "ہم یہ چیزیں لوگوں کو واپس نہیں کرسکتے۔ اس کا

فیصلہ تو تھانیدار ہی کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ملک سکندر بولا۔ تم میں سے ایک آدمی جا کر تھانیدار کو یہاں بلا لائے۔ یہ بات اب آسانی سے ختم نہیں ہو سکتی۔ اگر تھانیدار یہاں نہ آیا تو میں کل صبح نورپور جا کر ڈپٹی کمشنر سے ملوں گا۔ تم ان تمام چیزوں کی لسٹ بنا کر میرے حوالے کرو اور یہ چیزیں اپنے قبضے میں رکھو۔" اس نے سعادت والا لاکٹ بھی پولیس کے حوالے کر دیا اور جب اس نے مڑ کر دیکھا تو چودھری سعادت غائب تھا۔ صورتحال نے اسے بدحواس کر دیا تھا اور وہ خاموشی سے وہاں سے کھسک گیا تھا۔

دونوں پولیس والے آپس میں کھسرپھسر کرنے لگے۔ وہ ملک فیملی کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کے تعلقات بھی بہت اوپر تک تھے۔ سب ہی جانتے تھے کہ ڈپٹی کمشنر اور کمشنر سے ملنا ان کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ ڈپٹی کمشنر تک پہنچنے کی دھمکی ہی کافی ثابت ہوئی تھی اور ایک پولیس والا تھانیدار کو اطلاع دینے کے لیے فوراً ہی نورپور روانہ ہو گیا تھا۔ دوسرا پولیس والا ان چیزوں کی فہرست بناتا رہا۔ ملک سکندر نے فہرست پر دستخط کروا کر اپنی جیب میں رکھ لی اور علی بخش کو وہیں رہنے کی ہدایت دیتا ہوا مکان سے باہر آ گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ملک سکندر کو پتہ چلا کہ چودھری سعادت اپنی کار پر نورپور چلا گیا ہے۔ سکندر دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ تھانیدار کو رام کرنے گیا تھا۔

ملک سکندر حویلی واپس آ گیا۔ اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے اور نایاب اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ باتوں کی آواز سن کر وہ اٹھ گئی اور پھر ملک سکندر نے جو کچھ بتایا وہ اس کے لیے زیادہ حیرت انگیز نہیں تھا۔ عبدالرحمٰن جس کردار کا آدمی تھا' اس کے پیش نظر اس کے گھر سے ایسی چیزوں کی برآمدگی خلاف توقع نہیں تھی۔

"سکندر بھائی۔" آپ کو یاد ہو گا کہ تقریباً پانچ سال پہلے سعادت نے راشدہ کو مزاحمت کرنے پر کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں پھینک دیا تھا۔" نایاب نے سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اسٹیشن ماسٹر کی بیوی راشدہ۔" سکندر بولا۔ "یہ تمہاری شادی سے چند ہفتے پہلے کی بات ہے۔ راشدہ بری طرح جل گئی تھی۔ اس کا پورا جسم ہی نہیں چہرہ بھی بری

طرح بگڑ گیا تھا اور عبدالغنی نے اس کے لیے اپنی زندگی تج دی تھی۔ نجانے کس ظالم نے اس کے گھر کو آگ لگا کر ان دونوں کو زندہ جلا ڈالا۔"

"مجھے شک ہی نہیں یقین ہے کہ اسٹیشن ماسٹر کے گھر کو آگ چودھری سعادت کے کہنے پر لگائی گئی تھی اور آگ لگانے والوں میں عبدالرحمٰن بھی شامل تھا۔ اس نے ان دونوں معصوموں کو جلایا تھا۔ خود اس کی موت بھی اس طرح واقع ہوئی کہ اس کی لاش بھی جل کر راکھ ہو گئی۔" نایاب نے کہا۔

"یہ ثابت کرنا بڑا مشکل ہو گا کہ اس آتش زنی میں چودھری سعادت کا ہاتھ ہے۔" ملک سکندر نے کہا۔

"اگر ایمانداری سے تحقیقات کی جائیں تو یہ ثابت ہو سکتا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "کل چودھری سعادت کو پتہ چل گیا تھا کہ ٹرین سے اترنے کے بعد وہ رات میں نے اسٹیشن ماسٹر کے گھر میں گزاری تھی اور راشدہ نے مجھے اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔"

"بات یہ ہے نایاب بہن!" سکندر نے کہا۔ "دیانتداری سے تحقیقات کون کرے۔ پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے اور یہ چودھری لوگ جس طرح پیسہ خرچ کر رہے ہیں' وہ تم دیکھ ہی رہی ہو۔"

"وہ لوگ کب تک پیسہ خرچ کریں گے۔" نایاب بولی۔ "میرا خیال ہے کہ پولیس کے محکمہ میں ابھی دیانتدار لوگوں کا کال نہیں پڑا۔ میں کراؤں گی یہ تحقیقات۔"

"نایاب بہن۔ تم اپنے آپ کو ان معاملات میں زیادہ مت الجھاؤ۔" ملک سکندر نے کہا۔ "تم عورت ذات ہو۔ کہاں تک ان کا مقابلہ کرو گی۔"

"یہی تو بات ہے کہ عورت کو کمزور سمجھ لیا گیا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "عورت کمزور نہیں ہے۔ اگر وہ کچھ کرنے پر تل جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ تاریخ خواتین کی بہادری اور جرات و ہمت کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ چاند بی بی' رضیہ سلطانہ اور جھانسی کی رانی کے نام فراموش نہیں کیے جا سکتے جنہوں نے اپنی دلیری اور جرات سے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔"

"نایاب بہن۔ وہ عام عورتیں نہیں تھیں۔" سکندر نے کہا۔ "وہ حکمران تھیں اور ان

کے ساتھ اپنے عوام اور فوج کی طاقت تھی۔ گھروں کی چار دیواری کے اندر محدود رہنے والی ہماری عورتیں کیا کر سکتی ہیں۔ ان میں تو اتنی ہمت بھی نہیں کہ اکیلی یہاں سے نورپور تک چلی جائیں۔"

"میں نہ تو بزدل ہوں اور نہ اکیلی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "میرا خدا میرے ساتھ ہے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے' وہ میرا ساتھ دیں گے۔"

"ویسے تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ کبھی تمہیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے لیکن بات یہ ہے نایاب بہن کہ تم دوسروں کے جھگڑوں میں اپنے آپ کو نہ پھنساؤ۔ چودھری سے تمہارا مقدمہ عدالت میں ہے اور ہمیں امید ہے کہ فیصلہ تمہارے ہی حق میں ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان جھگڑوں میں پڑ کر انہیں تمہارے خلاف کوئی اور کارروائی کرنے کا موقع مل جائے اور اس کا اثر تمہارے مقدمے پر پڑے۔"

"میں انہیں ایسا کوئی موقع فراہم نہیں کروں گی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "بلکہ مجھے توقع یہ ہے کہ چودھری سعادت بوکھلا کر کوئی ایسی اوچھی حرکت ضرور کرے گا جس سے وہ خود پھنس جائے گا۔"

ملک سکندر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ سکینہ اندر داخل ہوئی۔

"ارے بھئی باتیں ہی کرتے رہو گے یا کھانے کا بھی خیال ہے۔ میں نے کھانا لگا دیا ہے۔" اس نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابا کو کھانا بھجوا دیا؟" سکندر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بہت دیر ہوئی۔" سکینہ نے کہا۔ "چلئے۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

وہ لوگ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آگئے۔ عذرہ اور نرگس پہلے ہی سے وہاں موجود تھیں۔

کھانے کے دوران بھی عبدالرحمٰن ہی کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ کھانے کے بعد سکندر اپنے کمرے میں آکر لیٹ گیا۔ چار بجے کے قریب علی بخش نے آکر بتایا کہ تھانیدار آگیا ہے اور اسے بلایا جا رہا ہے۔

تھانیدار کے ساتھ تین پولیس والے اور بھی تھے اور وہ عبدالرحمٰن کے گھر ہی میں

بیٹھے ہوئے تھے۔ چودھری سعادت موجود نہیں تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک ملک سکندر اور تھانیدار میں باتیں ہوتی رہیں۔ تھانیدار کی باتوں سے ملک سکندر کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ چودھری سعادت نورپور جا کر اس کی خدمت میں نذرانہ پیش کر آیا تھا۔

ملک سکندر بھی آسانی سے تھانیدار کی باتوں میں آنے والا نہیں تھا۔ اس نے بہرحال اسے دو باتوں پر آمادہ کر لیا۔ ایک تو یہ کہ عبدالرحمٰن کے گھر سے برآمد ہونے والے زیورات ان لوگوں کو واپس کر دیئے جائیں جن کی ملکیت تھے اور دوسرے یہ کہ عبدالرحمٰن کے خلاف ان سنگین جرائم کی باقاعدہ رپورٹس درج کی جائیں گی اور تحقیقات شروع کی جائے گی۔ ملک سکندر نے چودھری سعادت کو براہ راست عبدالرحمٰن کے جرائم میں ملوث کیے جانے پر ضد نہیں کی تھی۔ وہ براہ راست چودھری فیملی سے دشمنی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تحقیقات کے دوران ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ چودھری سعادت خود ہی پھنس جائے گا۔

نایاب کو یہ سب کچھ معلوم ہوا تو وہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔

جھوٹی قسم

نایاب خوش نہیں تھی لیکن وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئی تھی کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جن کی وجہ سے چودھری سعادت قانون کے شکنجے میں آسکتا تھا لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ تحقیقات صحیح رخ پر اور دیانتداری سے کی جائیں۔ نایاب اگرچہ سمجھ گئی تھی کہ سعادت نے پولیس آفیسر کی خدمت میں بھاری نذرانہ پیش کر کے اپنے لیے راہ ہموار کر لی تھی لیکن اس نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آسانی سے وہ سب کچھ نہیں ہونے دے گی جو چودھری سعادت چاہتا تھا۔

پرانے واقعات کے بارے میں تحقیقات کرنا اور ان میں چودھری سعادت کا ملوث ہونا ثابت کرنا اگرچہ نایاب کے لیے بہت مشکل تھا لیکن اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی اور اس کی بیوی راشدہ کو زندہ جلانے کا واقعہ تو بالکل تازہ تھا۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ اسٹیشن ماسٹر کے گھر کو آگ چودھری سعادت نے لگوائی تھی اور آگ لگانے والوں میں عبدالرحمٰن بھی شامل تھا

اور نایاب نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس واقعہ کو وہ دبنے نہیں دے گی اور ان دونوں بے گناہوں کا خون رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا۔

ملک صلاح الدین کے گھر میں شہر آنے جانے کے لیے ایک کار بھی تھی اور عام استعمال کے لیے یکہ بھی تھا۔ ان کے پاس تین چار اچھے گھوڑے بھی تھے۔ نایاب گھڑ سواری جانتی نہیں تھی اور کار وہ استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دوسرے دن اس نے ملک صاحب کی اجازت سے یکہ تیار کروایا اور ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی۔ کوچوان ملک صاحب کا ملازم خاص رسول بخش تھا۔

زمینداروں کے یکے اور تانگے کاروں سے بھی زیادہ قیمتی سمجھے جاتے تھے۔ ملک صاحب کا یکہ بھی بہت شاندار تھا۔ سیٹیں بہت آرام دہ تھیں جن پر شیل کے خوبصورت کور چڑھے ہوئے تھے۔ ویسے بھی یکہ خوب سجا ہوا تھا اور گھوڑا بھی خوب تندرست اور پلا ہوا تھا۔

وہ آدھے گھنٹے میں ریلوے اسٹیشن پہنچ گئی۔ رسول بخش نے یکے کو ایک درخت کے سائے میں کھڑا کر دیا۔ نایاب یکے سے اتر کر عبدالغنی کے کوارٹر کی طرف دیکھنے لگی جو جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ تینوں کمروں کی چھتیں گر چکی تھیں۔ صرف دیواریں کھڑی رہ گئی تھیں۔

نایاب ایک طرف کھڑی ملبے کے اس ڈھیر کو دیکھ رہی تھی کہ ایک ادھیڑ عمر آدمی اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ نایاب نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس شخص نے نیلی قمیض اور اسی رنگ کا اونچا سا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ دو تین دن کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ سر کے بال بھی بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ وہ اسٹیشن کا ہوائنشس مین تھا۔

"بی بی۔ آپ وہی ہیں نا جو اس رات اسٹیشن ماسٹر صاحب کے گھر میں رہی تھیں؟" ہوائنشس مین نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں نے رات یہاں گزاری تھی۔ کیا تم نے مجھے دیکھا تھا؟" نایاب نے اسے گھورا۔

"اس رات کو تو نہیں دیکھا تھا لیکن دوسرے دن صبح دس بجے کے قریب آپ کو اسٹیشن ماسٹر کے دوست کے ساتھ گاڑی کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔" اس شخص نے

جواب دیا۔ "بعد میں اسٹیشن ماسٹر نے بتایا تھا کہ آپ کون ہیں۔ بہت بھلے آدمی تھے بیچارے۔ کسی کے لینے دینے میں نہیں تھے۔ خدا جانے کس نے دونوں میاں بیوی کو جلا ڈالا۔"

"اس روز تم نے کسی کو یہاں دیکھا تھا۔ کوئی مشتبہ آدمی؟" نایاب نے پوچھا۔

"جس رات آپ یہاں رکی تھیں' گاؤں سے چودھریوں کے دو آدمی آئے تھے۔ میں اس وقت اسٹیشن پر بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ٹرین سے کوئی عورت تو نہیں اتری؟ میں نے نہ تو آپ کو ٹرین سے اترتے دیکھا تھا اور نہ ہی مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ اسٹیشن ماسٹر کے گھر میں ہیں۔ اس لیے میں نے لاعلمی کا اظہار کر دیا تھا۔ بعد میں انہوں نے اسٹیشن ماسٹر کو بھی گھر سے بلا کر آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔ پھر واپس چلے گئے تھے۔"

"کیا تم ان دونوں میں سے کسی کو جانتے ہو؟" نایاب نے پوچھا۔

"ان میں ایک تو عبدالرحمٰن تھا جو اکثر اسٹیشن پر آتا رہتا تھا۔ سنا ہے اسے سانپ نے ڈس لیا تھا اور اس کی لاش راکھ بن گئی تھی۔" اس شخص نے پوچھا۔

"ہاں ایسے لوگوں کا انجام یہی ہوتا ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اسٹیشن ماسٹر کے گھر کو آگ کس وقت لگی تھی؟ کیا تم نے اس سے پہلے کسی کو دیکھا تھا؟"

"رات دو بجے مال گاڑی آئی تھی تو عبدالغنی اسٹیشن پر ہی موجود تھا۔" ہوائنشس مین نے جواب دیا۔ "گاڑی چلے جانے کے بعد وہ بھی اپنے کوارٹر میں چلا گیا تھا۔ اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں نے شور کی آواز سنی۔ میں اس وقت بنچ پر لیٹے لیٹے سو گیا تھا۔ میں نے اٹھ کر باہر نکلنا چاہا تو پتہ چلا کہ دفتر کے دروازے کو باہر سے کسی نے کنڈا لگا دیا تھا۔ میں اندر سے چیختا رہا لیکن کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔ میں نے دفتر کی بکنگ ونڈو سے جھانک کر دیکھا تو مجھے تین چار آدمی نظر آئے۔ ایک آدمی گھوڑے پر سوار تھا اور تین اسٹیشن ماسٹر کے مکان پر کوئی چیز' غالباً مٹی کا تیل چھڑک رہے تھے۔ پھر انہوں نے آگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ بھڑک اٹھی اور پورے کوارٹر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اندر سے اسٹیشن ماسٹر اور اس کی بیوی کی چیخوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ وہ چاروں آدمی باہر کھڑے قہقہے لگاتے اور بندوقوں سے فائرنگ کرتے رہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر ایک طرف

اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "وہ میرا کوارٹر ہے اور اس کے ساتھ پانی والے کا۔ پانی والا آج کل چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ میری بیوی گھر پر اکیلی تھی۔ مجھے اس کی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھی لیکن وہ بہرحال محفوظ تھی۔"

"کیا تم نے ان آدمیوں میں سے کسی کی شکل دیکھی تھی؟" نایاب نے پوچھا۔

"نہیں۔ انہوں نے چہروں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔" ہوانشس مین نے جواب دیا۔ "مجھے اس بھنگ ونڈو سے سب کچھ نظر آرہا تھا لیکن میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں خود بھی ڈر رہا تھا۔"

"کوئی اور ایسی نشانی جس سے ان میں سے کسی کی شناخت ہو سکتی ہو؟" نایاب نے پوچھا۔

"ہاں' اب مجھے یاد آرہا ہے کہ جس شخص کو میں نے پہلے گھوڑے پر سوار دیکھا تھا' اس کا گھوڑا سفید تھا مگر اس کی آگے والی دائیں ٹانگ پر گھٹنے سے ران تک سیاہ بال تھے۔ اس کی ایال کے بال بھی سیاہ تھے۔"

"کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو؟" نایاب نے پوچھا۔ "اور کیا پولیس کو تم نے یہ بات بتائی تھی؟"

"پولیس نے مجھ سے یہ بات نہیں پوچھی تھی اور مجھے بتانا یاد بھی نہیں رہا تھا۔" ہوانشس مین نے جواب دیا۔ "اور میں گھوڑے کی اس نشانی کے بارے میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ اسٹیشن ماسٹر کا کوارٹر آگ کی لپیٹ میں تھا اور شعلوں کی روشنی میں دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ اگر ان آدمیوں کے چہروں پر ڈھاٹے نہ ہوتے تو میں ان کی شکلیں بھی دیکھ لیتا۔"

"ریلوے کے آفیسر انکوائری کے لیے نہیں آئے؟" نایاب نے پوچھا۔

"کل آئے تھے جی۔" ہوانشس مین نے جواب دیا۔ "پولیس بھی نورپور سے کل آئی ہوئی تھی۔ وہ لوگ کل شام پانچ بجے تک یہاں رہے تھے۔ اسٹیشن ماسٹر بھی نیا آیا ہے اور اس وقت دفتر میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"تم نے بتایا تھا کہ اسٹیشن ماسٹر کے کوارٹر کو آگ لگانے سے پہلے کسی نے دفتر کے دروازے کو باہر سے کنڈا لگا دیا تھا' پھر تم باہر کیسے نکلے تھے؟" نایاب نے پوچھا۔

"وہ لوگ تقریباً ایک گھنٹے تک یہاں رہے تھے۔" ہوانشس مین نے بتایا۔ "کوارٹر مکمل طور پر آگ کی لپیٹ میں تھا۔ اسٹیشن ماسٹر اور اس کی بیوی کی چیخیں بھی بند ہو گئی تھیں۔ صبح چھ بجے کے قریب میری بیوی اپنے کوارٹر سے باہر نکلی اور چیختی ہوئی یہاں آگئی۔ دفتر کے دروازے کا کنڈا اسی نے کھولا تھا۔"

نایاب کچھ دیر تک اور ہوانشس مین سے باتیں کرتی اور ملبے کے ڈھیر کی طرف دیکھتی رہی۔ یکے کی طرف واپس آئی تو نیا اسٹیشن ماسٹر مسافر خانے والے برآمدے میں کھڑا تھا۔ نایاب کچھ دیر تک اس سے باتیں کرتی رہیں اور پھر یکے پر سوار ہو گئی۔

اس وقت ساڑھے دس بج رہے تھے۔ ہوانشس مین نے گھوڑے کی نشانی کے بارے میں جو انکشاف کیا تھا' وہ دلچسپ تھا۔ اس نشانی سے مجرموں تک پہنچا جا سکتا تھا۔ نایاب کو اگرچہ یقین تھا کہ عبدالغنی کے کوارٹر کو آگ چودھری سعادت ہی نے لگوائی تھی اور آگ لگانے والوں میں عبدالرحمٰن بھی شامل تھا۔ ہوانشس مین کی باتیں سننے کے بعد وہ پولیس سے رابطہ کرنا چاہتی تھی لیکن پہلے وہ تصدیق کر لینا چاہتی تھی کہ چودھری سعادت یا اس کے آدمیوں میں سے کسی کے پاس ایسا گھوڑا ہے یا نہیں۔ یہ تصدیق کرنے کے لیے وہ گاؤں واپس آگئی۔

اور پھر یہ انکشاف نایاب کے لیے بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا کہ وہ گھوڑا عبدالرحمٰن کی ملکیت تھا۔ اس روز سہ پہر کے وقت اس نے وہ گھوڑا رمضان کے پاس دیکھا تھا۔

"بہت جاندار اور خوبصورت گھوڑا ہے رمضان بھائی۔ یہ کس کا ہے!" نایاب نے گہری نظروں سے گھوڑے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی ایال اور گھٹنے سے اوپر کے بال سیاہ تھے۔

"عبدالرحمٰن کا ہے۔" رمضان نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔ "اسی کی طرح بدتمیز اور بدمزاج۔ کسی کو قریب ہی نہیں آنے دیتا۔ میرے ساتھ اس لیے شرافت کا مظاہرہ کرتا ہے کہ میں کبھی کبھار اس کی ٹہل سیوا کرتا رہتا ہوں۔"

"پرسوں رات یہ گھوڑا کہاں تھا؟" نایاب نے پوچھا۔

"پتہ نہیں چھوٹی بی بی' طویلے میں ہوگا۔" رمضان نے جواب دیا۔

"نہیں۔ پرسوں رات یہ طویلے میں نہیں تھا۔ اسے پرسوں رات تین بجے کہیں اور

دیکھا گیا تھا۔" نایاب نے کہا۔

رمضان حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

اس وقت سہ پہر کے پانچ بجے رہے تھے۔ نایاب کچھ چیزیں خریدنے کے بہانے نورپو جانا چاہتی تھی مگر ملک صاحب نے اسے روک دیا۔ نورپور چھ سات میل کے فاصلے پر تھ اور ملک صاحب کا خیال تھا کہ واپسی میں شام ہو جائے گی۔ اس لیے وہ اس وقت نہ جائے بلکہ صبح چلی جائے۔ نایاب نے ضد نہیں کی۔ اگر وہ ملک صاحب کو بتا دیتی کہ وہ نورپو کیوں جانا چاہتی ہے تو شاید وہ اسے صبح جانے سے بھی منع کر دیتے۔

وہ رات نایاب نے بڑی بے چینی میں گزاری۔ راشدہ اور عبدالغنی کے چہرے بار بار اس کی نظروں کے سامنے آرہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھی۔ اس کے خیال میں وہ دونوں اس کی وجہ سے مارے گئے تھے۔ نہ وہ چودھری سعادت کو عبدالغنی کے گھر میں رات گزارنے کا بتاتی اور نہ انہیں اس بے دردی سے جلا کر موت کے گھاٹ اتار جاتا۔ وہ بے گناہ مارے گئے تھے اور نایاب نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ان کے قاتلوں کو سکھ کا سانس نہیں لینے دے گی۔ اسے سو فیصد یقین تھا کہ ان کی موت میں چودھری سعادت ہی کا ہاتھ ہے۔ اس نے اپنے آدمیوں سے انہیں مروایا تھا۔ ان میں سے ایک اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا' باقی ابھی اس دھرتی پر دندناتے پھر رہے تھے اور ریلوے اسٹیشن کے ہوائنشس مین سے یہ تصدیق بھی ہو گئی تھی کہ وہ کون لوگ نہیں۔

اس کی آنکھ صبح سات بجے کھل گئی۔ اٹھنے کے فوراً ہی بعد نایاب کو پتہ چل گیا کہ نرگس اور عذرہ اس کے ساتھ نورپور جانے کو تیار ہو رہی تھیں۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں آج نورپور جانے والی ہوں۔" نایاب نے عذرہ کو گھورا۔

"ابا جان نے بتایا ہے کہ آپ نورپور جا رہی ہیں۔ سوچا کیوں نہ ہم بھی اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔" عذرہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ناشتہ کرنے کے بعد آٹھ بجے کے قریب وہ تینوں جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔

"رسول بخش نے یکہ تیار نہیں کیا۔ کیسے جائیں گے؟" نایاب نے پوچھا۔ "کار پر۔" نرگس نے جواب دیا۔ "واپسی پر دھوپ تیز ہو جائے گی اور یکہ پر تو ہمارے دماغ پلپلے ہو جائیں گے۔ آؤ.... کار گیراج میں ہے۔"

وہ حویلی سے نکل کر تیسرے مکان کے سامنے رک گئیں۔ اس مکان کا پھاٹک بھی بہت بڑا تھا جو کھلا ہوا تھا۔ یہ بہت بڑا گیراج تھا جہاں پچھلی طرف ایک پرانی سی کار کھڑی تھی اور آگے سفید رنگ کی مرسیڈیز تھی۔ رسول بخش کار صاف کر رہا تھا۔

نایاب نے اس رات دو کاریں چودھری امانت علی کی حویلی میں بھی دیکھی تھیں اور اب ملک صاحب کی یہ مرسیڈیز دیکھ کر اسے واقعی حیرت ہوئی تھی۔ زمیندار بھی اب بہت بدل چکے تھے۔ کھیتی باڑی کے لیے جدید مشینیں تو آئی ہی تھیں' انہوں نے زندگی کی دوسری سہولتوں سے بھی فائدہ اٹھایا تھا۔ بجلی نے ان کے لیے بہت سی آسانشیں مہیا کر دی تھیں۔ گاؤں کے گھروں میں بھی فرج اور ٹی وی موجود تھے اور سواری کے لیے شاندار اور قیمتی کاریں۔

نایاب کا خیال تھا کہ رسول بخش ہی ڈرائیونگ بھی کرے گا لیکن نرگس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو گاؤں کی کشادہ گلیوں میں سے نکالتے ہوئے ہائی وے کی طرف جانے والی سڑک پر لے آئی۔

نورپور بہت بڑا قصبہ تھا۔ وہاں اناج کی بہت بڑی منڈی تھی۔ اس کی آبادی بیس ہزار سے اوپر ہی رہی ہوگی۔ باہر سے بھی کاروباری لوگ آتے رہتے تھے۔ بازاروں میں خاصی گہما گہمی تھی۔ آس پاس کے دیہاتوں کے لوگ صبح سویرے ہی یہاں آجاتے تھے۔ دن بھر خرید و فروخت میں مصروف رہتے اور پھر شام پانچ بجے کے بعد ان لوگوں کی واپسی شروع ہو جاتی۔

دو تین سڑکوں پر گھومنے کے بعد نرگس نے کار اناج کی آڑھت کی ایک بہت بڑی دکان کے سامنے روک لی۔ وہ تینوں نیچے اتر آئیں۔ نرگس نے دروازہ لاک کر دیا تھا۔ کار کو دیکھ کر سفید مونچھوں والا ایک آدمی دکان سے نکل آیا۔ اس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی مگر صحت قابل رشک تھی۔

"السلام علیکم فضل چاچا!" نرگس اور عذرہ نے بیک وقت سلام کیا۔ نایاب نے بھی سلام کیا تھا۔

"جیتی رہو۔" فضل چاچا نے دعا دی۔ "ٹھیک تو ہو تم لوگ۔ ملک صاحب کیسے ہیں؟ بہت دنوں سے ادھر نہیں آئے؟"

"گاؤں میں ہی کچھ مصروفیت ہے۔ ایک دو دن بعد آئیں گے۔" نرمس نے جواب دیا۔ "یہ ہماری کزن ہیں نایاب بلکہ صحیح تعارف تو یہ ہے کہ چودھری انکل کی چھوٹی بہو ہیں۔ آج کل گاؤں آئی ہوئی ہیں اور ہمارے ہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔"

"اوہ۔" فضل چاچا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہم شاپنگ کرنے آئی ہیں۔ گاڑی یہیں چھوڑ کر جا رہی ہیں۔" نرمس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں پتر۔" فضل چاچا نے جواب دیا۔

نایاب نے محسوس کیا تھا کہ فضل چاچا بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

وہ تینوں مختلف دکانوں میں گھومتی رہیں اور پھر نایاب اس طرح ٹھٹک کر رک گئی جیسے کوئی خاص بات یاد آگئی ہو۔

"تم لوگ چلو۔ میں نے ایک دکان پر اپنے ایک جاننے والے کو دیکھا تھا۔ میں اس سے مل کر آتی ہوں۔ میری فکر مت کرنا۔ میں فضل چاچا کی دکان پر پہنچ جاؤں گی۔" نایاب نے کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر ایک طرف مڑ گئی۔

وہ لوگوں سے پوچھتی ہوئی تقریباً پندرہ منٹ بعد تھانے پہنچ گئے۔ اتفاق سے اس وقت ایس ایچ او موجود تھا لیکن کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

"میں آپ سے ایک اہم معاملے پر بات کرنا چاہتی ہوں۔ صرف چند منٹ۔" نایاب نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"میں اس وقت جلدی میں ہوں لیکن بہرحال' بیٹھئے۔ آپ کے لیے چند منٹ تو نکال ہی سکتا ہوں۔" ایس ایچ او دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تین چار دن پہلے پیر آباد کے اسٹیشن ماسٹر اور اس کی مفلوج بیوی کو ان کے گھر میں زندہ جلا دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں آپ کی تحقیقات کہاں تک پہنچی ہیں؟" نایاب نے اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

ایس ایچ او نے گھور کر اس کی طرف دیکھا' پھر گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔

"اب تک کی ہماری تفتیش یہ ہے کہ وہ آتش زنی کسی پرانی دشمنی کا نتیجہ تھی۔ ایسے کیسز چٹکی بجاتے میں تو حل نہیں ہوتے لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟ اس معاملے سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"میرا تعلق ہے۔" نایاب نے کہا۔ "میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ میں پیر آباد کے چودھری امانت علی کی چھوٹی بہو ہوں۔ سرفراز چودھری میرا شوہر تھا جسے دو سال پہلے گاؤں میں قتل کر دیا گیا تھا۔ میرا چودھری فیملی سے جائیداد کے سلسلے میں کیس چل رہا ہے۔"

"اوہ۔۔۔" انسپکٹر چونک گیا۔

"سرفراز چودھری کے قاتلوں کا بھی آج تک کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ شاید اس لیے کہ صحیح رخ پر اور غیر جانبداری سے تحقیق نہیں کی گئی۔ اس کے علاوہ بھی گاؤں میں آئے دن ایسی سنگین وارداتیں ہوتی رہی ہیں جن کے بارے میں اگر غیر جانبداری سے تفتیش کی جاتی تو مجرموں کو گرفت میں لیا جا سکتا تھا۔"

"بی بی۔ آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ تحقیقات میں جانبداری سے کام لیا گیا ہے؟" انسپکٹر نے اسے گھورا۔

"اس کا ثبوت ہے میرے پاس۔" نایاب نے کہا۔ "لیکن المیہ یہ ہے کہ ہمارے قانون کے محافظوں نے حقائق کو نظرانداز کر دیا ہے۔ اس گاؤں کی کتنی لڑکیاں ہیں جو ایک مخصوص گروہ کی ہوس کا شکار ہوئیں۔ کئی لڑکیوں نے مزید رسوائی سے بچنے کے لیے خودکشی کر لی۔ ملزموں کی نشاندہی بھی کی گئی لیکن پیسے کی چمک نے قانون کے محافظوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور وہ ملزموں کو نظرانداز کر کے انہی کو مورد الزام ٹھہراتے رہے جو مظلوم تھے۔"

"آپ تقریر اچھی کر لیتی ہیں۔" انسپکٹر بولا۔ "لیکن جوش خطابت میں آپ یہ بھول گئی ہیں کہ قانون کے محافظوں پر بے بنیاد الزام لگا رہی ہیں۔"

"میں اپنے الزامات ثابت کر سکتی ہوں۔" نایاب نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولتی چلی گئی۔ اس نے گاؤں میں ہونے والے کئی سنگین واقعات کی تفصیل بیان کر دی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "میں نے چودھری ٹیلی پر جائیداد کا کیس کر رکھا ہے اور وہ لوگ مجھے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ اس رات ٹرین لیٹ آئی تھی اور میں اسٹیشن ماسٹر کے گھر رک گئی تھی۔ چودھری سعادت کے دو آدمی مجھے تلاش کرتے ہوئے رات ساڑھے گیارہ بجے اسٹیشن پہنچے تھے۔ اسٹیشن ماسٹر نے شاید ان کی نیت بھانپ لی تھی' اسی لیے اس نے میرے بارے میں لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ اگر میں انہیں مل جاتی تو وہ مجھے قتل کر دیتے۔

دوسرے دن جب چودھری سعادت کو پتہ چلا کہ اس رات میں اسٹیشن ماسٹر کے گھر ہی
تھی تو اسی رات اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے اسٹیشن ماسٹر کے کوارٹر کو آگ لگا کر
دونوں میاں بیوی کو زندہ جلا دیا۔ اگر آپ پانچ سال پہلے اس تھانے میں تھے تو آپ کو
بھی معلوم ہوگا کہ چودھری سعادت نے اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی کی بیوی راشدہ کے سا
دست درازی کی کوشش کی تھی۔ اس کی مزاحمت پر چودھری نے اسے اٹھا کر کھولتے ہو
کڑھاؤ میں پھینک دیا تھا۔ وہ بچ تو گئی تھی لیکن اس کی حالت مردوں سے بدتر تھی
چودھری کو اس بات کا غصہ تھا کہ اسٹیشن ماسٹر نے اس رات مجھے اپنے گھر میں پناہ کیوں
تھی۔

دوسرے روز چودھری کے ایک گرگے عبدالرحمٰن نے کھیتوں میں مجھ پر چاقو سے
کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اسے سانپ نے ڈس لیا اور یہی وہ شخص تھا جس نے آ
رات پہلے اسٹیشن ماسٹر کے گھر کو آگ لگا کر ان دونوں میاں بیوی کو زندہ جلا دیا تھا۔ میر
پاس اس کا ثبوت موجود ہے۔"

انسپکٹر خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدل
تھے۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا تھا کہ یہ لڑکی جوش رقابت میں الزامات عاید کر رہی ہے
نایاب کی باتوں سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی معلومات خاصی وسیع ہیں۔

"کیسا ثبوت؟" اس نے پوچھا۔

"میرے پاس ایک ایسا آدمی موجود ہے جس نے ڈھانہ بندھا ہوا ہونے کے باوجود
رات عبدالرحمٰن کو پہچان لیا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا جس کی دائیں ٹانگ پر
سے اوپر اور ایال کے بال کالے ہیں۔ وہ گھوڑا اب بھی چودھری کے طویلہ میں مو
ہے۔" نایاب نے کہا۔

"اور وہ آدمی کون ہے؟" انسپکٹر بولا۔ "اگر ایسا کوئی گواہ موجود ہے تو ہم اس کی گو
کی روشنی میں ازسرنو تفتیش کرنے کو تیار ہیں۔"

"اسٹیشن کا ہوانشس مین۔" نایاب نے جواب دیا۔ "وہ اس رات دفتر میں سو رہا
آگ لگانے سے پہلے ان لوگوں نے دفتر کے دروازے کو باہر سے کنڈا لگا دیا تھا۔ اس
کھڑکی سے یہ سب کچھ دیکھا تھا۔"

"لیکن اس نے ہمیں تو گھوڑے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔" انسپکٹر بولا۔

"اس سے اس قسم کی کوئی بات نہیں پوچھی گئی تھی۔" نایاب نے کہا۔ "آپ دوبارہ
اس کا بیان لیں تو وہ آپ کو سب کچھ بتا دے گا۔"

"مجھے افسوس ہے بی بی۔" انسپکٹر نے کہا۔ "اب ہم اسٹیشن کے اس ہوانشس مین کا
بیان نہیں لے سکتے۔"

"کیوں.....؟" نایاب نے اسے گھورا۔

"آج صبح سویرے کسی نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔
"ہمیں ایک گھنٹہ پہلے اطلاع ملی تھی۔ سیرے دو آدمی وہاں جا چکے ہیں اور اب میں بھی
وہاں جانے والا تھا۔"

نایاب سناٹے میں آگئی تھی۔

پانچویں قسط

"یہ.....یہ کب کی بات ہے؟" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"آج صبح چھ بجے کی۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔ "اس کی بیوی کے بیان کے مطابق وہ
اسٹیشن پر جانے کے لیے عام طور پر صبح ساڑھے چھ بجے گھر سے نکلتا تھا لیکن آج صبح چھ
بجے کسی نے اسے آواز دی۔ وہ سمجھا کہ شاید اسٹیشن ماسٹر نے آواز دی ہے' وہ اس وقت
ناشتہ کر رہا تھا' اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس کے دو منٹ بعد گولیاں چلنے اور چیخنے کی آواز سنائی
دی۔ اس کی بیوی دوڑ کر باہر آئی تو اس کا شوہر خون میں لت پت دروازے کے سامنے
زمین پر پڑا تھا۔ اس کے سر اور سینے میں گولیاں لگی تھیں۔ اس کی بیوی مدد کے لیے چیخنے
لگی لیکن وہاں کوئی نہیں تھا جو اس کی مدد کرتا۔ سوائے اس اسٹیشن ماسٹر کے جو اپنے دفتر
میں سو رہا تھا۔ گولیوں کی آواز سن کر وہ جاگا تھا اور پھر ہوانشس مین کی بیوی کے چیخنے کی
آوازیں سن کر باہر آیا تو اس وقت تک ہوانشس مین ختم ہو چکا تھا۔

اسٹیشن اس وقت سنسان پڑا تھا۔ پہلی ٹرین صبح آٹھ بجے آتی ہے اور جن لوگوں نے
اس ٹرین پر جانا ہوتا ہے' وہ ساڑھے سات بجے کے لگ بھگ وہاں پہنچنا شروع ہوتے ہیں
لیکن سوا سات بجے کے قریب علی پور کا ایک آدمی سائیکل پر وہاں پہنچ گیا۔ اس کا کوئی رشتہ

وار آٹھ بجے کی ٹرین سے آنے والا تھا۔ اسٹیشن ماسٹر نے اسے اطلاع دینے کیلئے یہاں بھیج دیا۔ اسٹیشن ماسٹر نے یہ رقعہ بھیجا تھا جس میں اس نے لکھا ہے کہ کسی نامعلوم شخص نے اسٹیشن کے ہوائنسس مین عبدالرشید کو گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ یہ دیکھئے اس کا رقعہ میرے پاس موجود ہے۔" اس نے میز پر پیپر ویٹ کے نیچے رکھا ہوا ایک کاغذ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"انسپکٹر صاحب!" نایاب نے اس کاغذ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد کہا۔ "ہوائنسس مین عبدالرشید کے قتل میں بھی چودھری سعادت کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"دیکھیں بی بی!" انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "یہ معاملہ ایک قتل کا ہے۔ کسی کو شبہے میں پکڑنے سے پہلے بھی ہم دس دفعہ سوچتے ہیں اور پھر آپ جس شخص پر الزام لگا رہی ہیں' وہ اس علاقے کا معزز زمیندار ہے۔ اگر یہ الزام جھوٹ ثابت ہوا تو اس کی طرف سے ردعمل آپ کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اور غلط اطلاع دینے پر آپ کے خلاف قانونی کارروائی بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے آپ جو بھی کہنا چاہتی ہیں' سوچ سمجھ کر کہئے۔"

"میں بہت سوچ سمجھ کر بات کر رہی ہوں۔" نایاب نے کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ کل میں اسٹیشن پر گئی تھی اور یہ ساری تفصیل مجھے ہوائنسس مین عبدالرشید نے ہی بتائی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ گھڑ سوار کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا لیکن شعلوں کی روشنی میں اس نے گھوڑے کو دیکھا تھا۔ اس نے گھوڑے کی جو نشانی بتائی' میں نے اسے چیک کیا۔ کل شام پانچ بجے کے قریب وہ گھوڑا میں نے چودھری کے ایک ملازم رمضان کے پاس دیکھا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ گھوڑا عبدالرحمٰن کا تھا۔ میں نے اس سے چند سوال بھی کیے تھے۔ اس نے وہ باتیں چودھری سعادت کو بتائی ہوں گی اور چودھری سعادت صورتحال کو سمجھ گیا۔ اس نے ہوائنسس مین عبدالرشید کو مروا دیا کہ نہ وہ زندہ رہے گا اور نہ پولیس کو کوئی بیان دے گا۔ وہ گھوڑا اب بھی چودھری سعادت کے طویلہ میں موجود ہے۔ اگر آپ اپنی تفتیش میں اس بات کو مدنظر رکھیں تو عبدالرشید کے قاتل تک پہنچنا آپ کے لیے زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔"

"اگر یہ بات آپ کو کل ہی معلوم ہو گئی تھی تو آپ نے کل اطلاع کیوں نہیں دی؟"

انسپکٹر نے اسے گھورا۔

"میں کل یہاں آنا چاہتی تھی مگر ملک صاحب نے مجھے نہیں آنے دیا۔ اگر میں انہیں یہاں آنے کی وجہ بتا دیتی تو وہ مجھے نہ روکتے۔" نایاب نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے بی بی۔" انسپکٹر کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گیا۔ "میں آپ کی بتائی ہوئی باتوں کو ذہن میں رکھوں گا لیکن آپ بھی ایک بات کا خیال رکھئے۔ مجھے کسی حد تک آپ کے اور چودھری فیملی کے تنازعات کا علم ہے۔ آپ لوگوں کے مابین مقدمے بازی بھی ہو رہی ہے۔ اس قسم کی باتیں آپ کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہیں۔ وہ لوگ آپ کے خلاف کسی قسم کی کارروائی بھی کر سکتے ہیں۔"

"مشورے کا شکریہ۔" نایاب نے بھی کرسی چھوڑ دی۔ "ویسے میرے خلاف بہت کچھ ہو رہا ہے۔ جس رات میں یہاں آئی تھی' اسی رات مجھے تلاش کیا جا رہا تھا۔ وہ تو اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی کی عقلمندی تھی جس سے میں بچ گئی لیکن اس کی پاداش میں ان دونوں میاں بیوی کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔ پھر عبدالرحمٰن نے مجھ پر چاقو سے حملہ کرنے کی کوشش کی مگر اسے سانپ نے ڈس لیا۔ اس کے بعد بھی مجھے دھمکیاں مل رہی ہیں کہ میں یہ گاؤں چھوڑ کر چلی جاؤں لیکن میں بزدل نہیں ہوں۔"

"کیا آپ ان دھمکیوں کے حوالے سے کوئی رپورٹ درج کرانا چاہتی ہیں؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"نہیں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ "لیکن میں ایک دو روز میں اعلیٰ حکام کو یہ درخواست دینے والی ہوں کہ میرے شوہر کے قتل کی تفتیش از سر نو کی جائے۔ بہرحال شکریہ۔ میں نے آپ کا وقت لیا' اس کے لیے بھی معذرت۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم تو خدمت گار ہیں۔ ہمارا وقت آپ ہی لوگوں کے لیے ہے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

نایاب تھانے سے باہر آگئی..... اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ فضل چاچا کی دکان پر پہنچ گئی۔ نرگس اور عذرہ ابھی تک نہیں پہنچی تھیں۔ وہ پھر بازار میں آگئی اور اتفاق سے وہ دونوں جلد ہی اسے مل گئیں اور وہ تینوں مختلف دکانوں پر گھوم پھر کر شاپنگ کرنے لگیں۔

جب وہ واپسی کے لیے روانہ ہوئیں تو دو بج رہے تھے اور جب گاؤں کی حدود میں

داخل ہوئیں تو ڈھائی بج چکے تھے۔ گاؤں کے باہر میدان میں بہت سے لوگوں کو جمع دیکھ کر وہ تینوں چونک گئیں۔ نرگس نے گاڑی روک لی اور ایک آدمی کو قریب بلا کر پوچھا۔

"دلے چاچا۔ کیا بات ہے؟ سب لوگ یہاں کیوں جمع ہیں؟"

"بی بی جی۔ کھیتوں میں وہ زہریلا سانپ ہے نا جس نے کل عبدالرحمٰن کو ڈس لیا تھا۔ اس لیے کوئی بھی کھیتوں میں جانے کو تیار نہیں ہے۔ سب لوگ صبح سے یہاں جمع ہیں۔ جب تک اس خطرناک سانپ کو پکڑنے کا بندوبست نہیں ہوتا' کوئی بھی کام پر نہیں جائے گا۔" دلے چاچا نے بتایا۔

"اوہ۔ میں سمجھی تھی کچھ اور ہو گیا ہے۔" نرگس نے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

ملک صاحب گھر پر ہی تھے۔ ان کی اور چودھریوں کی زمینیں ملی ہوئی تھیں' اس لیے ان کے کارندے بھی کھیتوں پر نہیں گئے تھے۔ کچھ دیر بعد سکندر بھی آ گیا۔

"چودھری سعادت دو آدمیوں کو لے کر سپیروں کی بستی گیا ہے۔" اس نے بتایا۔ "وہ سپیرے مان گئے تو ان کے ذریعے سانپ کو پکڑنے کی کوشش کی جائے گی۔"

نایاب اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اس کے پیچھے ہی نرگس بھی چلی آئی۔

"اس سانپ نے تمہیں بچایا تھا۔ اگر وہ پکڑا گیا تو کیا ہو گا؟" نرگس نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ میرا کوئی رشتہ دار تو ہے نہیں جو مجھے اس کی فکر ہو۔" نایاب بولی۔

"اس نے تمہارے کان میں سرگوشی کی تھی کہ وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ پکڑا گیا تو....."

"ختم کرو یہ باتیں۔" نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ کھانے کا بندوبست کرو۔"

"اوہ.....میں تو بھول ہی گئی تھی کہ ہم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔ بھابھی نے کھانا تو پکا رکھا ہو گا۔ میں ابھی دیکھتی ہوں۔" نرگس کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

اور پھر آدھے گھنٹے بعد وہ تینوں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔

کھانے کے تھوڑی دیر بعد ہی نایاب سو گئی۔ تقریباً چھ بجے کے قریب عذرہ نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"کیا بات ہے؟" نایاب ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ "سپیرے آ گئے کیا؟"

"سپیرے نہیں نایاب باجی۔ شہر سے ایک آدمی آیا ہے۔ الطاف نام ہے اس کا۔ کہتا ہے انکل ارشاد نے بھیجا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔" عذرہ نے کہا۔

"الطاف۔" نایاب اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ الطاف کون ہو سکتا ہے۔ اس کے دماغ میں تیز سنسناہٹ ہو رہی تھی اور اس وقت کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے سر کو دو تین جھٹکے دیئے اور عذرہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "کون ہے الطاف' کہاں سے آیا ہے؟"

"شہر سے آیا ہے۔ آپ کے ڈیڈی نے اسے بھیجا ہے۔" عذرہ نے جواب دیا۔

"اوہ۔" نایاب کے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ اب اس کا ذہن کچھ کام کرنے لگا تھا۔ الطاف اس کے والد کا گھریلو ملازم تھا۔ "اسے بٹھاؤ۔ میں منہ ہاتھ دھو کر آ رہی ہوں۔" وہ بیڈ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔

"میں نے اسے بیٹھک میں بٹھا دیا ہے۔" عذرہ نے کہا' پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "اور آپ یہ کیوں پوچھ رہی تھیں کہ سپیرے آ گئے کیا؟"

"کچھ نہیں۔ شاید میں کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔" نایاب نے جواب دیا۔ وہ کمرے سے نکل کر غسل خانے میں آ گئی۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں سے اس کے حواس کچھ بحال ہوئے اور وہ سوچنے لگی کہ ڈیڈی نے الطاف کو کیوں بھیجا ہے۔ پھر یہ سوچ کر سر جھٹک دیا کہ خیریت معلوم کرنے کو بھیجا ہو گا۔ وہ صرف دو دن کا کہہ کر آئی تھی اور اب کئی دن ہو گئے تھے اور اس نے کوئی اطلاع بھی نہیں بھجوائی تھی۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔ آسمان پر سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے کمرے میں آ کر بال درست کیے اور بیٹھک میں چلی آئی۔ الطاف اکیلا ہی بیٹھا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر اٹھ گیا۔ الطاف تقریباً پینتالیس سال کی عمر کا قدرے بھاری بھر کم آدمی تھا۔ کلین شیو تھا اور سر کے بالوں میں سفیدی جھلک رہی تھی۔ وہ گزشتہ پندرہ سولہ سال سے ان کے ہاں ملازم تھا۔ گھر کے زیادہ کام کاج اسی نے سنبھال رکھے تھے۔

"خیریت الطاف' کیسے آئے؟" نایاب نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

"بس پر آیا ہوں جی..... بڑا لمبا سفر ہے جی۔" الطاف نے جواب دیا۔

نایاب اس کی سادگی پر دل ہی دل میں مسکرا دی۔

"بیٹھو..... ڈیڈی کیسے ہیں؟" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"صاحب تو ٹھیک ہیں جی پر....."

"کیا ہوا..... خیریت تو ہے نا؟" نایاب اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"وہ جی..... کل صبح آپ کے بنگلے کو آگ لگ گئی تھی۔ پورا بنگلہ جل کر راکھ ہو گیا جی۔" الطاف نے کہا۔

"اوہ....." نایاب اچھل پڑی۔ "کیسے لگی آگ؟"

"پتہ نہیں جی۔" الطاف نے جواب دیا۔ "کل صبح چار بجے اچانک ہی آگ بھڑ اٹھی تھی۔ پولیس والے کہتے ہیں کہ آگ بجلی کے شارٹ سرکٹ سے لگی تھی مگر پڑوسیوں کا کہنا ہے کہ آگ اتفاق سے نہیں لگی بلکہ لگائی گئی تھی۔ پڑوسیوں نے پٹرول کی بو محسوس کی تھی۔ صاحب نے پولیس میں رپورٹ لکھوا دی ہے اور آپ کو فوراً بلوایا ہے۔ صاحب آپ کی طرف سے بھی پریشان ہیں۔ آپ نے بھی اپنے بارے میں کوئی اطلاع بھجوائی۔"

"مجھے اطلاع بھجوانے کا موقع نہیں ملا۔" نایاب نے کہا۔ "شکور کہاں تھا۔ اس بنگلے کی دیکھ بھال کے لیے کہہ کر آئی تھی۔"

"شکور اس روز رات کا کھانا کھا کر بنگلے پر چلا گیا تھا لیکن پھر پتہ نہیں کہاں چلا گیا۔ پڑوس والے بنگلے کے ملازم نے بتایا تھا کہ شکور رات گیارہ بجے تک بنگلے کے گیٹ پر اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر وہ اندر چلا گیا تھا اور گیٹ وغیرہ بھی بند کر لیا تھا لیکن اس کے بعد پتہ نہیں کہاں غائب ہو گیا۔"

"وہ آگ میں گھر کر جل تو نہیں گیا؟" نایاب نے پوچھا۔

"نہیں جی۔" الطاف نے جواب دیا۔ "پولیس اور فائر بریگیڈ والوں نے ملبے میں طرح دیکھا تھا۔ اس کی لاش بھی نہیں ملی۔"

"بنگلے کا ملازم لاپتہ ہے اور پولیس کہتی ہے کہ آگ اتفاقیہ لگی ہے۔" نایاب بڑ

"حالانکہ ایسی صورت میں پولیس کو سب سے پہلے اسی پر شبہ ظاہر کرنا چاہئے تھا۔"

"شکورا ایسا نہیں کر سکتا جی! آپ جانتی ہیں کہ وہ بچپن ہی سے آپ کے گھر کی خدمت کرتا رہا ہے۔ اسے تو آپ کے ہاں رہتے ہوئے بیس بائیس سال ہو چکے ہیں جی! آپ کی تو ساری زندگی اس کے ساتھ گزری ہے۔ آپ اسے اچھی طرح جانتی ہیں جی! اس نے تو گھر میں کبھی ایک پیسے کا نقصان نہیں کیا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا جی!"

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آگ اس نے لگائی ہوگی۔" نایاب نے کہا۔ "لیکن اسکے غائب ہو جانے سے پولیس کو سب سے پہلا شبہ اسی پر ہونا چاہئے تھا یا پھر یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ....." وہ بات کرتے کرتے رک گئی' پھر بولی۔ "ٹھیک ہے۔ میں کل تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

نایاب کافی دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی' پھر اٹھ کر باہر آگئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر سکینہ سمجھ گئی کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

"کیا بات ہے نایاب؟ گھر میں خیریت تو ہے نا؟" سکینہ نے پوچھا۔

"کل بنگلے کو کسی نے آگ لگا دی۔ سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔" نایاب نے جواب دیا۔

"ہائے اللہ۔" سکینہ ہاتھ ملنے لگی۔ "کس نے لگائی آگ؟ کچھ پتہ چلا؟"

"نہیں بھابھی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "پولیس کا کہنا ہے کہ آگ اتفاقیہ طور پر لگی تھی جبکہ پڑوسیوں کا کہنا ہے کہ جب آگ لگی تو انہوں نے پٹرول کی بو محسوس کی تھی۔ ہمارا وہ ملازم بھی لاپتہ ہے جسے بنگلے کی دیکھ بھال کے لیے وہاں رکھا تھا۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ وہی آگ لگا کر بھاگ گیا ہو؟" سکینہ بولی۔

"نہیں بھابھی..... شکور بچپن سے ہمارے گھر پر پلا بڑھا ہے۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ بہرحال' یہ تو وہیں جا کر پتہ چلے گا کہ اصل صورتحال کیا ہے۔" نایاب نے کہا۔ نرگس اور عذرہ بھی اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئیں۔ بنگلے میں آتشزدگی کا سن کر وہ بھی تاسف کا اظہار کرنے لگیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ملک صاحب اور سکندر بھی آگئے۔ انہیں اس سانحے کا پتہ چلا تو وہ بھی افسوس کا اظہار کرنے لگے۔

الطاف کے لیے ساتھ والے مکان میں شب بسری کا بندوبست کر دیا گیا۔ رات کا کھانا کھا کر وہ تو سونے کے لیے اس مکان میں چلا گیا۔ نایاب وغیرہ ملک صاحب والے کمرے میں بیٹھے رات دیر تک باتیں کرتے رہے۔

نایاب کو یقین تھا کہ اس کے بنگلے کو آگ باقاعدہ منصوبے کے تحت لگائی گئی تھی اور اس میں یقیناً چودھریوں کا ہاتھ تھا۔ چودھری سعادت اس سے خار کھائے بیٹھا تھا۔ ایک تو ان میں جائیداد کے لیے مقدمہ چل رہا تھا اور دوسرے وہ کئی روز سے یہاں آئی ہوئی تھی اور بقول شخصے سعادت کے سینے پر مونگ دل رہی تھی۔ اس نے یہاں بھی نایاب کے خلاف ایک دو انتقامی کارروائیاں کی تھیں مگر اسے ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ یہاں اس کا بس نہیں چلا تھا تو اس نے شہر والے بنگلے کو آگ لگا دی۔ شہر میں بھی اس کے آدمی موجود تھے۔ اس مقصد کے لیے کسی کو یہاں سے بھی بھیجا جا سکتا تھا۔ بہرحال اصل صورتحال کا علم تو شہر پہنچ کر ہی ہوتا۔

ملک صاحب اور سکندر کا بھی یہی خیال تھا کہ بنگلے کو آگ جان بوجھ کر لگائی گئی تھی اور اس میں چودھری سعادت کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

رات بارہ بجے کے قریب نایاب، عذرہ اور نرگس کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی وہ دونوں بہنیں تو تھوڑی دیر بعد سو گئیں مگر نایاب جاگتی رہی۔ کوشش کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ بار بار سعادت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ نایاب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کی شادی سے لے کر اب تک سعادت کا کردار منفی رہا تھا۔ اس نے شادی کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی اور شادی کے بعد بھی وہی سب سے زیادہ مخالفت کرتا رہا تھا۔ گو کہ چودھری امانت علی بھی شروع ہی سے شادی کی مخالفت کرتا رہا تھا۔ البتہ ایک دو مواقع ایسے آئے تھے جب اندازہ ہوا تھا کہ وہ بیٹے کی خوشی کی خاطر اس شادی کو قبول کر لے گا مگر یہ چودھری سعادت ہی تھا جس نے ہر موقع پر ماں باپ کو چھوٹے بھائی کے خلاف بھڑکایا تھا اور ان کے دلوں میں نایاب کے لیے بھی نفرت پیدا کی تھی۔ اس جیسے شخص سے کبھی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

نایاب وہ بنگلہ قانونی طور پر اپنے نام منتقل کروا چکی تھی جس کا ان لوگوں کو بہت دکھ ہوا تھا۔ عدالت میں چلنے والے مقدمے کی صورتحال کا بھی انہیں کچھ کچھ اندازہ ہو چکا تھا

کہ فیصلہ ان کے حق میں نہیں ہوگا۔ اسی لیے چودھری سعادت اوچھی حرکتوں پر اتر آیا تھا۔ وہ اسے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے نایاب کو رات بھر نیند نہیں آ سکی۔ ملک صاحب اور سکندر صبح چھ بجے جب کھیتوں پر گئے تو نایاب اس وقت بھی جاگ رہی تھی۔

صبح سات بجے کے قریب نرگس اور عذرہ بھی اٹھ کر کمرے سے چلی گئی تھیں۔ نایاب بھی اس وقت اٹھنا چاہتی تھی لیکن اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس نے رات ہی کو بتا دیا تھا کہ آج وہ شہر واپس چلی جائے گی اور وہ اٹھ کر تیار ہونے کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ آنکھ لگ گئی۔

اور پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے فضا میں بین کی آواز گونج رہی ہو۔ وہ شاید کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔ بین کی آوازیں چاروں طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ کبھی یہ آوازیں تیز ہو جاتیں اور کبھی بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوتیں۔

اور پھر نایاب ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ چند منٹ کے لیے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ رات بھر جاگتے رہنے سے اس کے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ اس نے سر کو ایک دو جھٹکے دیئے۔ بین کی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے بیک وقت بہت سی بیبیاں بین کر رہی ہوں اور پھر وہ فضا" وہ اچھل پڑی۔

رات کو سکندر نے بتایا تھا کہ چودھری سعادت سپیروں کی بستی میں بات کر کے آیا تھا اور سپیرے اس خطرناک سانپ کو پکڑنے کے لیے صبح ہی پہنچ جائیں گے۔

نایاب ایک جھٹکے سے بیڈ سے اتر آئی۔ اس نے چپل پہنی اور کمرے سے باہر آ گئی۔ برآمدے میں رک کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بین کی آوازیں اب واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔

نرگس اس وقت باورچی خانے میں تھی۔ وہ باہر نکلی تو نایاب اس کی طرف توجہ دیئے بغیر حویلی کے پھاٹک کی طرف چلنے لگی۔ نرگس نے اسے آواز بھی دی مگر نایاب نے مڑ کر نہیں دیکھا اور پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

وہ گلیوں میں تیز تیز چلتی ہوئی گاؤں سے باہر آ گئی۔ میدان میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ بچے بھی تھے اور ایک طرف عورتیں بھی کھڑی تھیں۔ بعض مکانوں کی چھتوں پر بھی

عورتیں نظر آرہی تھیں۔

نایاب ادھر ادھر دیکھے بغیر چلتی رہی۔ میدان میں سے گزر کر وہ جیسے ہی آگے بڑھی ایک دو آدمیوں نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"چھوٹی بی بی! آگے مت جایئے۔ سپیرے اس خطرناک سانپ کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے کاٹے سے انسان کی لاش بھی جل کر راکھ بن جاتی ہے۔"

مگر نایاب نے کسی کی بات پر توجہ نہیں دی۔ وہ اس طرح چل رہی تھی جیسے کوئی پراسرار قوت اسے کشاں کشاں لیے جا رہی ہو۔ ایک درخت کے نیچے چارپائی پر چودھری سعادت بھی اپنے تین چار آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک کے پاس دو نالی بندوق بھی تھی۔ انہوں نے نایاب کی طرف دیکھا مگر کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی بلکہ معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

پندرہ بیس سپیرے تھے جو کھیتوں میں پگڈنڈیوں پر گھومتے ہوئے بین بجا رہے تھے۔ طرف بین کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ نایاب کھیت کے کنارے پر پہنچی ہی تھی کہ ملک سکندر ایک طرف سے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے نایاب کا بازو پکڑ لیا۔

"پاگل ہو گئی ہو۔" وہ اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "دیکھ نہیں رہیں سپیرے بین جا رہے ہیں۔ یہاں ایک نہیں کئی سانپ نکل آئیں گے اور وہ سانپ بھی انہیں کھیتوں میں موجود ہے جس نے عبدالرحمن کو کاٹا تھا۔ تم اس طرف کیوں آئی ہو واپس چلو۔"

نایاب نے گردن گھما کر سکندر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور آگے چلنے لگی۔ سکندر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نایاب! تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ واپس چلو یہاں سے۔" نایاب نے اس مرتبہ پھر جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور کھیت میں گھس کر پگڈنڈی پر دوڑنے لگی۔ سکندر چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑا حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر وہ بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔

نایاب کھیتوں میں دوڑتی رہی۔ سکندر اس سے کئی گز پیچھے رہ گیا۔ وہ دوڑتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا جو وہ اس طرح کھیتوں میں دوڑی جا رہی

ہے۔ کھیتوں کے باہر میدان میں کھڑے ہوئے لوگ بھی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے بھی بہت سے یہی سوچ رہے تھے کہ شاید چھوٹی بی بی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

نایاب دوڑتی ہوئی اس چھوٹی سی ندی کے کنارے پر پہنچ گئی جس کے دوسری طرف ملک صلاح الدین کی اراضی شروع ہو جاتی تھی اور ایک کھیت کے برابر کلر زدہ بنجر اور ویران جگہ تھی جہاں اس روز اس نے سنہری سانپ کو نیولے سے بچایا تھا۔

اس بنجر کھیت میں تین سپیرے مختلف جگہوں پر کھڑے بین بجا رہے تھے۔ ان تینوں کی نظریں ایک ہی جگہ مرکوز تھیں۔ ایک سپیرے نے نایاب کو اس طرف آتے ہوئے دیکھ لیا۔ نایاب ندی کے دوسری طرف تھی۔ وہ ندی میں اتر کر اس طرف آنے لگی تو وہ سپیرا بین منہ سے ہٹا کر چیخا۔

"بی بی آگے مت آنا۔ وہاں رہو۔ یہی وہ خطرناک سانپ ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔"

نایاب اس کے چیخنے کی پروا کیے بغیر ندی میں سے نکل کر آگے بڑھتی رہی۔ اس دوران سکندر بھی دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ اس نے چھلانگ لگا کر ندی پار کی اور پھر اس طرح رک گیا جیسے زمین نے اس کے پیر پکڑ لیے ہوں۔

اس چھوٹے سے بنجر میدان کے وسط میں سنہری سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اس کا پھن پھیلا ہوا تھا اور وہ اس طرح جھوم رہا تھا جیسے نشے میں ہو۔ دوسرے دونوں سپیرے مسلسل بین بجا رہے تھے۔ تیسرا سپیرا اب بھی چیخ چیخ کر نایاب کو دور رہنے کو کہہ رہا تھا۔

سکندر نے دوڑ کر نایاب کو پکڑنا چاہا مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھ گئی اور پھر جو کچھ بھی ہوا' وہ سکندر اور ان تینوں سپیروں کے لیے حیرت انگیز تھا۔

نایاب نے آگے بڑھ کر خونخوار نظروں سے سپیروں کی طرف دیکھا اور پھر جھک کر دونوں ہاتھوں سے اس سنہرے سانپ کو اٹھا لیا۔ سانپ کے منہ سے پھنکار سی نکلی اور وہ نایاب کے بازو سے لپٹتا چلا گیا۔

سپیرے بین بجانا بھول گئے۔ وہ پھٹی پھٹی سی نظروں سے نایاب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سکندر پر بھی سکتہ کی سی کیفیت طاری تھی اور پھر ایک دم جیسے وہ ہوش میں آگیا۔

دوسرے ہی لمحہ وہ چیخا۔

"نایاب بہن۔ یہ بہت زہریلا سانپ ہے' پھینک دو اسے۔"

نایاب نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر وہ کھیتوں میں ایک طرف دوڑتی چلی گئی۔

چھٹی ○ قسط

پورا گاؤں کھیتوں کے قریب اسی میدان میں جمع ہو گیا تھا۔

سپیرے اب بھی کھیتوں میں بین بجاتے پھر رہے تھے۔ چند سپیروں نے کچھ سانپ پکڑے بھی تھے لیکن اصل شکار تو نکل گیا تھا۔

وہ تین سپیرے کھیتوں سے باہر درخت کے نیچے چودھری سعادت کے سامنے کھڑے تھے اور اسے بتا رہے تھے کہ کس طرح سنہری رنگ کا ایک خوبصورت سانپ ان کے سامنے آیا تھا۔ وہ اسے گھیرے میں لے چکے تھے۔ سانپ بین کی آواز پر مست بھی ہو چکا تھا وہ اسے پکڑنے ہی والے تھے کہ گاؤں کی ایک بی بی وہاں آگئی اور سانپ کو ان کے سامنے سے اٹھا کر بھاگ گئی۔

"ایسا سانپ ہم نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا چودھری جی۔" ایک سپیرا کہہ رہا تھا۔ "ہماری تو زندگی ہی سانپوں میں گزری ہے۔ بڑے رنگ برنگ سانپ دیکھے ہیں نے۔ پر وہ سونے کی طرح چمکتا ہوا سنہری سانپ پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور مجھے یقین ہے کہ وہی سانپ تھا جس نے آپ کے بندے کو کاٹا تھا۔ بعض سانپوں کا زہر بہت خطرناک ہ ہے۔ ان کے کاٹے کو تو پانی مانگنے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔ کاٹتے ہی زہر چند سیکنڈ کے ا اندر پورے خون میں پھیل جاتا ہے جس سے خون جل جاتا ہے اور مرنے والے کا رنگ نیلا یا سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اس کو سب سے زہریلا سانپ کہا جاتا ہے مگر وہ سانپ جس نے آ کے بندے کو کاٹا تھا اور پورا جسم راکھ بن گیا تھا' ایسے کسی سانپ کے بارے میں مَ مرتبہ سنا تھا اور آج وہ سنہرا سانپ..... مجھے یقین ہے چودھری جی' یہ وہی سانپ تھا جسے لڑکی اٹھا کر لے گئی۔"

"لیکن سانپ نے اس لڑکی کو کاٹا کیوں نہیں؟" چودھری سعادت دھاڑا۔

"رب جانے جی۔" سپیرے نے جواب دیا۔ "سانپ اس وقت بین کی آواز سے مست ہو گیا تھا۔ ایسے میں اعضا ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ سانپ نے اس وقت تو نہیں کاٹا تھا لیکن ہو سکتا ہے بعد میں کاٹ لیا ہو اور اس بی بی کی جلی ہوئی لاش کھیتوں میں کہیں پڑی ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" چودھری سعادت بولا۔ "وہ لڑکی کس طرف گئی تھی؟"

"ادھر کو جی..... پرلی طرف۔" سپیرے نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"اوئے سراج' گامے..... پانچ چھ آدمی گھوڑوں پر جاؤ اور پورے علاقے میں اسے تلاش کرو۔ اگر اس کی لاش کہیں نظر آجائے تو اسے ہاتھ مت لگانا۔ مجھے فوراً اطلاع دینا۔ جاؤ' جلدی کرو۔"

وہ آدمی گھوڑے لینے کے لیے گاؤں کی طرف دوڑ گئے۔ اس وقت کچھ اور لوگ بھی وہاں جمع ہو گئے تھے۔ سپیروں کو وہاں دیکھ کر وہ یہی سمجھے تھے کہ وہ خطرناک سانپ پکڑا گیا ہے لیکن یہاں انہیں ایک نئی سنسنی خیز کہانی سننے کو ملی تھی۔ لوگوں نے نایاب کو کھیتوں کی طرف جاتے دیکھا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ ملک سکندر اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر نایاب دوڑتی ہوئی کھیتوں کی طرف چلی گئی تھی۔ لوگوں کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سپیرا جس لڑکی کی بات کر رہا تھا' وہ نایاب ہی تھی۔

یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ چھوٹی بی بی وہ خطرناک سانپ پکڑ کر بھاگ گئی تھی جس کے کاٹے سے انسان کا جسم جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ گاؤں کے لوگ اپنا کام چھوڑ چھوڑ کر اس میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ بہت ساری خواتین بھی جمع ہو گئی تھیں اور طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ لوگوں کی باتوں میں چودھری کی چھوٹی بہو کا حوالہ بھی دیا جا رہا تھا۔

پانچ چھ آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر کھیتوں میں نکل گئے تھے۔ چودھری سعادت چارپائی پر بیٹھا سپیروں سے باتیں کر رہا تھا۔ اس دوران دوسرے سپیرے بھی کھیتوں سے واپس آگئے تھے۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ گھڑسواروں میں سے کوئی بھی واپس نہیں آیا تھا۔ وہ لوگ کھیتوں میں بہت دور نکل گئے تھے۔ کچھ اور لوگ بھی ہمت کر کے کھیتوں میں گھس گئے تھے۔ انہیں بھی توقع تھی کہ نایاب کی لاش ہی کسی جگہ جلی ہوئی ملے گی۔

لوگ آہستہ آہستہ کھیتوں میں پھیلتے جا رہے تھے۔ بعض لوگ تو بہت دور نکل گئے تھے لیکن نایاب نہ تو کہیں زندہ نظر آئی تھی اور نہ ہی کہیں اس کی لاش ملی تھی۔ وہ سنہرا سانپ بھی کسی کو دکھائی نہیں دیا تھا۔

ملک سکندر کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس نے نایاب کو وہ خطرناک زہریلا سانپ اس طرح دونوں ہاتھوں سے اٹھاتے دیکھا تھا جیسے کوئی ماں اپنے بچے کو اٹھا کر گود میں سمیٹتی ہے اور پھر وہ سانپ بل کھاتا ہوا اس کے بازو پر لپٹ گیا تھا۔ سکندر نے چیخ کر اسے سانپ پھینک دینے کو کہا تھا مگر نایاب کھیتوں میں ایک طرف دوڑتی چلی گئی تھی۔ سکندر نے اس کے پیچھے بھاگنا چاہا تھا مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہل سکا تھا۔ لگتا تھا جیسے زمین نے اس کے پیر پکڑ لیے ہوں۔ وہ اپنی جگہ پر بے حس و حرکت اور مبہوت سا کھڑا نایاب کو کھیتوں میں دوڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور جب وہ کینو والے باغ کے قریب پہنچ کر نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو سکندر کو بھی جیسے ہوش آگیا۔ وہ تینوں سپیرے اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑے اسی طرف دیکھ رہے تھے۔

سکندر نے سپیروں کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے اسی طرف دوڑنے لگا جس طرف نایاب گئی تھی۔ وہ جلد ہی کینو والے باغ کے قریب پہنچ گیا۔ وہ کچھ دیر تک کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا' پھر نایاب کو آوازیں دیتا ہوا باغ میں داخل ہو گیا۔ بہت بڑا باغ تھا۔ سکندر نے پورا باغ دیکھ ڈالا لیکن نایاب کہیں نظر نہیں آئی' نہ ہی اس کی طرف سے کوئی جواب ملا تھا۔ سکندر باغ کی دوسری طرف نکل آیا۔ اس طرف بھی انہی کی زمینیں تھیں۔ وہ اوپر سے گھوم کر اپنے ڈیرے پر آگیا۔ ملک صلاح الدین چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اور رسول بخش زمین پر بیٹھا کوئی کام کر رہا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ملک صلاح الدین سکندر کو یہاں دیکھ کر اٹھ گیا۔

"ابا جی ادھر نایاب تو نہیں آئی؟" سکندر نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"نہیں۔ یہاں تو نہیں آئی۔ اسے تو آج شہر واپس جانا تھا مگر تم اتنے بدحواس کیوں ہو رہے ہو؟" ملک صاحب نے پوچھا۔

"بات ہی ایسی ہو گئی ہے ابا جی۔" سکندر نے کہا اور پھر اسے وہ سب کچھ بتانے لگا جو اگرچہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر یقین نہیں آرہا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو سکندر!" ملک صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں ابا جی۔" سکندر نے جواب دیا۔ "میں نایاب کا پیچھا کرتا ہوا اس طرف آیا ہوں۔ پتہ نہیں وہ کہاں غائب ہو گئی۔"

"جاؤ بیٹا اسے تلاش کرو۔ کوئی حادثہ نہ پیش آجائے اسے۔ اوئے رسول بخش۔ تم بھی جاؤ' ڈھونڈو اسے۔" ملک صاحب نے کہا۔

رسول بخش اپنا کام چھوڑ کر اٹھ گیا۔ سکندر نے اسے بائیں طرف بھیج دیا اور خود باغ کے اوپر سے گھومتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ وہ نایاب کو آوازیں بھی دے رہا تھا مگر کسی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

دو گھنٹے گزر گئے۔ دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ سکندر پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ وہ ٹاہلی کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اس کے دماغ پر ہتھوڑے سے برس رہے تھے۔ نایاب کہاں غائب ہو گئی۔ وہ موت کو ساتھ لے کر بھاگی تھی۔ اگر اس سانپ نے راستے میں کہیں اسے ڈس لیا تھا تو اس کی لاش کھیتوں میں کہیں پڑی ہوگی اور لاش کا پتہ اس وقت تک نہیں لگے گا جب تک فصلیں نہیں کٹیں گی اور فصلیں تیار ہونے میں ابھی دو مہینے باقی تھے۔

سکندر تقریباً دس منٹ تک وہاں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر اس نے دوبارہ تلاش شروع کر دی۔ اس مرتبہ تھوڑی ہی دیر بعد اسے دو تین اور آدمی نظر آگئے۔ وہ بھی نایاب کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

"کچھ پتہ چلا ملک جی چھوٹی بی بی کا؟" ایک آدمی نے پوچھا۔

"نہیں یار۔" ملک سکندر کے لہجے میں مایوسی تھی۔ "پتہ نہیں' کہاں چلی گئی ہے۔"

"رب نہ کرے اسے سانپ نے کاٹ نہ لیا ہو۔" اس شخص نے کہا۔

"وہ جی چودھری کہہ رہا تھا کہ چھوٹی بی بی بھی ناگن تھی جو انسان کے روپ میں آئی ہوئی تھی اور وہ اپنے عاشق کو لے کر کھیتوں میں غائب ہو گئی ہے۔" ایک اور آدمی نے کہا۔

"چودھری کی تو غیرت مر گئی ہے۔" ملک سکندر نے جواب دیا۔ "اپنے ہی گھر کی عزت کو یوں رول رہا ہے۔"

"شاباش ہے ملک جی آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو۔" پہلے آدمی نے کہا۔ "دوسرے کی گھر کی عزت کو آپ نے اپنی عزت بنا رکھا ہے۔"

"سب کی بہو بیٹیاں اپنی ہی بہو بیٹیاں ہوتی ہیں۔" ملک سکندر نے کہا۔ "پر اب کیا کریں..... نایاب پتہ نہیں کہاں غائب ہو گئی ہے۔"

"چھوٹی بی بی کے لیے ہم پورا علاقہ کھنگال ڈالیں گے جی۔" وہی آدمی بولا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ ہم اسے ڈھونڈ کر ہی دم لیں گے۔"

اور تلاش ایک بار پھر شروع ہو گئی۔

شام چھ بجے تک میلوں دور تک کا علاقہ دیکھ لیا گیا مگر نایاب کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ سکندر اپنے ڈیرے سے ہوتا ہوا گاؤں کی طرف آ گیا۔ ملک صلاح الدین پہلے ہی گھر جا چکا تھا۔ لوگ ٹولیوں کی صورت میں گلیوں میں کھڑے اس موضوع پر باتیں کر رہے تھے۔ ایک گلی کے موڑ پر چودھری سعادت سے آمنا سامنا ہو گیا۔

"دیکھ لیا نا ملک جی۔ وہ عورت نہیں ڈائن تھی..... سچی..... ناگن۔" چودھری سعادت نے ملک سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے ایک ناگن کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی تھی۔ وہ شاید اپنے اسی عاشق کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔ اسی لیے کھیتوں میں گھومتی رہتی تھی۔ آخر مل ہی گیا اور وہ اسے لے کر بھاگ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئی کھیتوں میں۔"

"نہیں چودھری۔" ملک سکندر نے جواب دیا۔ "وہ نہ تو ڈائن تھی اور نہ سچی۔ وہ بھی ہماری تمہاری طرح انسان ہے۔ میں تو کہتا ہوں بدقسمت ہو تم لوگ..... اس بات پر خوش مت ہونا کہ وہ غائب ہو گئی ہے اور تمہارے سارے جھگڑے ختم ہو گئے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے ایک نئی کہانی شروع ہونے والی ہے۔"

"اگر وہ انسان تھی تو اب تک راکھ کا ڈھیر بن چکی ہوتی۔" چودھری سعادت نے کہا۔ "وہ اپنی موت کو ساتھ لے کر بھاگی تھی۔ اس سانپ نے اسے ڈس لیا ہوگا اور اس کی جلی ہوئی لاش کھیتوں میں کہیں پڑی ہوگی۔ جب دو ڈھائی مہینے بعد فصل کٹے گی تو لاش بھی مل جائے گی۔"

"یہ تمہارا وہم ہے چودھری!" ملک سکندر نے کہا۔ "میرا دل کہتا ہے کہ نایاب بہن

زندہ ہے اور ٹھیک ٹھاک ہے۔ وہ کہیں چھپ کر بیٹھ گئی ہوگی۔ آجائے گی گھر....."

"تم بھی بڑے بھولے ہو ملک!" چودھری نے کہا۔ "اس سانپ نے عبدالرحمٰن کو ڈسا تھا تو وہ راکھ بن گیا تھا اور نایاب اسی سانپ کو گلے کا ہار بنا کر لے گئی ہے۔ او بھائی میرے۔ سانپ تو ایسی نسل ہے کہ تم اسے دودھ پلا پلا کر پالو تو موقع ملتے ہی وہ ڈسنے سے باز نہیں آئے گا۔ دیکھو میرے بھائی! ہمارے خاندانوں کی دوستی بہت پرانی ہے۔ ہمیشہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک رہے ہیں۔ اس لڑکی کی وجہ سے رخنہ آ گیا تھا' اب بھول جاؤ اسے..... کل رات کو میری طرف سے تمہاری دعوت ہے۔ آجانا حویلی۔ بہت عرصہ بعد اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے' بھائیوں کی طرح۔"

"تو تو اپنے سگے بھائی کا نہیں بنا' کسی اور کا کیا بنے گا۔" ملک سکندر نے جواب دیا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔

چودھری سعادت اپنی جگہ پر کھڑا اسے گھور کر رہ گیا تھا۔

ملک سکندر گھر پہنچا تو عجیب کیفیت تھی۔ سب سوگوار بیٹھے تھے۔ اسے دیکھ کر سب کی نظریں سوالیہ انداز میں اس کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ نرگس اور عذرہ کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ نایاب پہلی مرتبہ ان کے گھر آئی تھی۔ چند روز میں ہی ان میں اتنا انس پیدا ہو گیا تھا کہ اس کی گمشدگی پر وہ اپنا صبر و سکون کھو بیٹھی تھیں۔

شہر سے آنے والا نایاب کا ملازم الطاف بھی برآمدے میں آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ وہ ملک سکندر کو دیکھ کر اٹھ گیا۔

"میلوں دور تک کا علاقہ دیکھ لیا گیا ہے۔" ملک سکندر نے کہا۔ "کوئی پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گئی۔ مجھے ڈر ہے کہ سانپ نے ڈس لیا ہوگا تو وہ بیچاری کہیں کھیتوں میں پڑی ہوگی۔"

"وہ سانپ نایاب کو نہیں ڈس سکتا۔" نرگس نے کہا۔

"کیوں.....؟" سکندر نے اسے تعجب سے گھورا۔

"اس لیے کہ وہ نایاب کا احسان مند تھا۔" نرگس بولی۔

"کیا احسان کیا تھا نایاب نے اس سانپ پر؟" سکندر نے پوچھا۔

"چند روز پہلے نایاب نے ایک نیولے سے اس کی جان بچائی تھی۔ اگر وہ نیولے کو نہ

مار بھگاتی تو وہ اس سانپ کو مار ڈالتا۔" نرگس نے کہا اور پھر اسے اس واقعے کی تفصیل بتانے لگی جو اس نے پہلے عذرہ سے اور پھر خود نایاب سے سنا تھا۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "نایاب نے مجھے بتایا تھا کہ جب اس نے نیولے سے اس سانپ کی جان بچائی تھی تو نایاب کو اپنے کان میں ایک سرگوشی سنائی دی تھی۔ "تم نے میری زندگی بچائی ہے۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔" اور پھر جب اس روز کھیتوں میں عبدالرحمٰن نے نایاب پر چاقو سے حملہ کرنا چاہا تھا تو اسی سانپ نے عبدالرحمٰن کو ہلاک کر دیا تھا اور نایاب کے پیر پر لوٹتا ہوا کھیت میں غائب ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی نایاب کو ایک سرگوشی سنائی دی تھی۔ "میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔" اس رات میں اور نایاب دیر تک اس موضوع پر بات کرتی رہی تھیں۔ میں نایاب کا مذاق اڑا رہی تھی کہ وہ کوئی شہزادہ ہوگا جسے جادو کے زور سے سانپ بنا دیا گیا ہوگا۔ وہ سانپ کوئی شہزادہ ہو یا نہ ہو، کوئی پراسرار بات ضرور ہے۔ اسی لیے میں کہہ رہی ہوں کہ وہ سانپ نایاب کو نہیں ڈسے گا۔" وہ چند لمحے کو خاموش ہوئی، پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "آج اسے شہر واپس جانا تھا لیکن صبح اٹھتے ہی اس نے کھیتوں کی طرف سے بین کی آواز سنی تو اس پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھوئے بغیر باہر کی طرف چل پڑی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے لیکن وہ جواب دیئے بغیر تیزی سے باہر نکل آئی۔ میرا خیال ہے، اسے کوئی سرگوشی سنائی دے رہی تھی۔"

"حیرت کی بات ہے۔" ملک سکندر اس کے خاموش ہونے کے بعد بولا۔ "میں نے جب اسے کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا تو اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا لیکن اس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے اس طرح آگے بڑھ گئی تھی جیسے مجھے جانتی ہی نہ ہو۔ اس کا مطلب ہے اس وقت وہ اپنے حواس میں نہیں تھی لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ سانپ مصیبت میں ہے اور وہ اسے بچانے کے لیے پہنچ گئی تھی۔"

"ٹیلی پیتھی بھائی صاحب!" نرگس نے کہا۔ "اس روز ہم رات بھر یہی باتیں کرتے رہے تھے۔ نایاب کے کانوں میں سنائی دینے والی سرگوشیوں کے بارے میں ہم ٹیلی پیتھی کے حوالے سے گفتگو کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے اس معاملہ میں کوئی پراسراریت نہیں

ہے۔ نایاب نے اس خوبصورت سانپ کی جان بچائی تھی اور اس سانپ نے اپنی دماغی لہروں کے توسط سے نایاب کا شکریہ ادا کیا تھا۔ یہ بات واقعی حیرت انگیز ہو سکتی ہے کہ ان کی دماغی لہروں کی فریکوینسی کیسے مل گئی۔ آج صبح سانپ نے اپنی دماغی لہروں کے ذریعے نایاب کو پیغام دیا ہوگا کہ وہ خطرے میں ہے اور نایاب اسے بچانے کے لیے دوڑ گئی۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ غائب کہاں ہو گئی۔" ملک سکندر نے کہا۔ "میں نے تو میلوں دور تک کا علاقہ دیکھ ڈالا ہے لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ گاؤں میں عجیب سی افواہیں پھیل رہی ہیں۔ چودھری سعادت نے یہ بات پھیلا دی ہے کہ وہ انسان نہیں ناگن تھی جس نے عورت کا روپ دھار رکھا تھا۔ اسے اپنے عاشق یعنی اس سانپ کی تلاش تھی۔ اسی لیے وہ کھیتوں میں پھرتی رہتی تھی اور بالآخر وہ سانپ کو لے کر غائب ہو گئی۔"

"اس کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔" سکینہ نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "وہ کمبخت تو دعائیں مانگ رہا ہوگا کہ اب وہ کبھی واپس نہ آئے۔"

"ہاں.....وہ اس کے غائب ہو جانے پر بہت خوش ہے۔" سکندر بولا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے گلی میں اس سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے دونوں گھرانوں کے تعلقات میں نایاب کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہوا تھا۔ اب وہ ہمیشہ کے لیے چلی گئی ہے تو ہمیں اپنے تعلقات بحال کر لینے چاہئیں۔ اس خوشی میں اس نے کل رات دعوت کی ہے اور مجھے بھی بلایا ہے۔"

"لعنت ہو اس پر۔" سکینہ بولی۔ "اس کا حشر تو عبدالرحمٰن سے بھی برا ہوگا۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے۔ نایاب کو کہاں تلاش کیا جائے؟" نرگس بولی۔

"سارا دن تو اسے تلاش کرتے ہوئے گزر گیا۔ صبح دوبارہ کوشش کی جائے گی۔ زیادہ وسیع رقبے پر تلاش کیا جائے گا۔" سکندر نے کہا۔ "میں ابھی رسول بخش کو بھیجتا ہوں کھوجی کی طرف۔ شاید وہ اسے تلاش کر لے۔"

"اچھا اب آپ منہ ہاتھ دھوئیں۔ میں روٹی پکا رہی ہوں۔ صبح سے آپ نے کچھ بھی نہیں کھایا۔" سکینہ نے کہا۔

ملک سکندر صحن میں ہینڈ پمپ کی طرف چلا گیا اور منہ ہاتھ دھونے لگا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد دیر تک نایاب ہی کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ پھر باقی لوگ تو سو گئے مگر ملک سکندر جاگتا رہا۔ وہ نرگس کی بتائی ہوئی باتوں پر غور کرتا رہا۔ اسے یہ سب کچھ بہت حیرت انگیز اور پراسرار لگ رہا تھا۔ اگر واقعی یہ سب کچھ درست تھا تو انسان اور سانپ کی دماغی لہروں کی فریکوینسی ملنے کو دنیا کا انوکھا ترین واقعہ کہا جا سکتا تھا۔

سکندر رات بھر یہی سب کچھ سوچتا رہا لیکن کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور پھر فجر کی اذان کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ رات بیت گئی تھی اور وہ ایک لمحہ کو بھی نہیں سو سکا تھا۔

اذان ختم ہونے کے بعد وہ بستر سے اٹھنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ باہر پھاٹک کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ شاید گلی میں کسی اور گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا جا رہا ہے لیکن آواز دوبارہ سنائی دی تو احساس ہوا کہ انہی کے گھر کے پھاٹک کا چھوٹا دروازہ کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟"

سکندر سوچتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔ ابھی وہ صحن کے وسط ہی میں تھا کہ دروازہ تیسری مرتبہ کھٹکھٹایا گیا۔

"آ رہا ہوں بھئی۔"

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ اس نے آہنی کنڈا ہٹا کر دروازہ کھول دیا اور پھر ایک دم اچھل پڑا۔

اس کے سامنے نایاب کھڑی تھی۔

○

ساتویں قسط

نایاب کو خود پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ بین کی آواز سننے کے بعد وہ گھر سے نکلی تھی۔ بین کی آوازیں چاروں طرف سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی نادیدہ قوت اسے کھینچ کر لے جا رہی ہو۔ گاؤں کے باہر چند آدمیوں نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے آگے بڑھتی رہی اور پھر ملک سکندر نے بھی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکنا چاہا تھا۔ نایاب کو اس کا چہرہ بالکل اجنبی لگا تھا۔ اس نے گھور کر سکندر کی طرف دیکھا اور ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ گئی۔ ملک سکندر نے اسے دوبارہ پکڑ لیا۔ نایاب نے اس مرتبہ بھی جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور کھیتوں کی طرف دوڑنے لگی۔ اسے احساس تھا کہ کوئی اجنبی اسے پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے آ رہا ہے۔

نایاب دوڑتی رہی۔ فضا میں چاروں طرف بین کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ کچھ سپیرے تھے جو کھیتوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ نایاب کو وہ محض ہیولوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ کسی کا چہرہ واضح نہیں تھا۔

سپیرے حالانکہ چاروں طرف تھے۔ بین کی آوازیں مختلف سمتوں سے آ رہی تھیں لیکن نایاب ایک لگے بندھے راستے پر دوڑ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی نادیدہ ہاتھ اس کا ہاتھ پکڑے اسے مخصوص راستے پر دوڑائے لیے جا رہا ہو۔

بالآخر وہ کلر زدہ کھیت کے قریب پہنچ گئی جہاں اس روز اس نے سنہری سانپ کو نیولے سے بچایا تھا۔ راستے میں تین چار فٹ چوڑی ندی تھی۔ نایاب ندی میں اتر کر دوسری طرف آ گئی۔

تین سپیرے اس کلر زدہ زمین پر مختلف جگہوں پر کھڑے بین بجا رہے تھے اور اس چھوٹے سے کلر زدہ میدان کے وسط میں وہ سنہری سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اس کا پھن پھیلا ہوا تھا اور وہ اس طرح جھوم رہا تھا جیسے نشے میں ہو۔ نایاب تیزی سے آگے بڑھی۔

ایک سپیرا بین منہ سے ہٹا کر نایاب کی طرف لپکا اور چیخ کر اسے سانپ سے دور ر
کو کہا لیکن نایاب نے جیسے سنا ہی نہیں۔ وہ آگے بڑھتی رہی اور پھر اس نے جھک کر دونو
ہاتھوں سے سانپ کو اس طرح اٹھا لیا جیسے کسی شیرخوار بچے کو اٹھایا جاتا ہے۔ اس
سانپ کو سینے سے لگا لیا اور اسے سہلانے لگی۔ سانپ ایک دفعہ پھنکارا اور پھر اس کے با
سے لپٹتا چلا گیا۔ اس وقت نایاب نے ایک اور آواز سنی۔ کوئی اس کا نام لے کر چیخ
ہوئے کہہ رہا تھا کہ سانپ کو پھینک دو ورنہ وہ کاٹ لے گا۔

نایاب نے مڑ کر دیکھا۔ وہ سکندر تھا جو چند قدم دور کھڑا تھا لیکن اس کا چہرہ نایاب
لیے بالکل اجنبی تھا۔ سکندر نے اس وقت چیخ کر کچھ اور بھی کہا تھا مگر نایاب ایک طرف
بھاگ کھڑی ہوئی۔ سکندر بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا لیکن نایاب نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

نایاب کھیتوں میں حیرت انگیز تیز رفتاری سے دوڑتی رہی۔ کوئی اس کا نام لے کر پکا
رہا تھا۔ آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں لیکن اس نے نہ تو پیچھے مڑ کر دیکھا ا
نہ رکی۔ وہ مسلسل دوڑتی رہی۔ سانپ کبھی اس کے بازو سے لپٹ جاتا اور کبھی گردن سے
لٹک جاتا۔ کوئی پراسرار قوت راستے کی نشاندہی کر رہی تھی اور وہ تیز رفتاری سے دوڑ ر
تھی۔

وہ کیکروں والے باغ میں پہنچ گئی۔ وہاں بھی نہیں رکی۔ باغ کے دوسری طرف پہنچ
بھی وہ دوڑتی رہی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک مسلسل دوڑتے رہنے کے بعد وہ رک گئی۔ وہاں کھیت ختم
رہے تھے اور سامنے وہ ٹیلا تھا جہاں قدیم کھنڈرات تھے۔ وہ کچھ دیر وہاں کھڑی ادھر ادھ
دیکھتی رہی' پھر کھیتوں سے باہر آگئی۔ ٹیلے کے قریب پہنچ کر وہ ایک بار پھر رک گئی۔ سنہر
سانپ اس کی گردن میں جھول رہا تھا اور پھر سانپ اس کے جسم پر رینگتا ہوا نیچے اتر
اور ٹیلے پر کھنڈروں کی طرف رینگنے لگا۔

نایاب بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ وہ ننگے پیر تھی۔ اس کے چپل کہیں گر گ
تھے۔ ٹیلے پر چلتے ہوئے اس کے پیروں میں کنکر چبھ رہے تھے لیکن اسے جیسے کوئی احسا
نہیں تھا۔ وہ سانپ کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اسے ہپناٹائز کر
گیا۔ اس پر تنویمی کیفیت طاری تھی۔

وہ کھنڈروں میں پہنچ گئی۔ ہر طرف ٹوٹی ہوئی دیواریں اور ملبے کے ڈھیر تھے۔ بعض
جگہوں پر تو آگے بڑھنے کا راستہ بھی نہیں تھا لیکن سنہرا سانپ اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ
اس کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔

کئی آڑے ترچھے تنگ راستوں سے گزر کر وہ ایک جگہ رک گئی۔ آگے بڑھنے کا راستہ
نہیں تھا۔ اس جگہ شاید کسی زمانے میں کوئی کمرہ رہا ہوگا۔ تین طرف شکستہ دیواریں تھیں۔
وہ دیوار مکمل طور پر ٹوٹی ہوئی تھی جس طرف سے نایاب اس کھولی میں پہنچی تھی۔ فرش ٹوٹا
پھوٹا تھا۔

نایاب ایک جگہ پر کھڑی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ وہ سنہری سانپ کمرے کے ایک
کونے میں رک گیا اور بار بار ایک جگہ زمین پر پھن مارنے لگا۔ وہ بار بار نایاب کی طرف
بھی دیکھ رہا تھا اور پھر وہ سانپ فرش کی ایک دراڑ میں گھس گیا۔ نایاب اپنی جگہ پر کھڑی
اسے دیکھتی رہی۔ سانپ دراڑ سے باہر آگیا اور پھر دوبارہ اندر گھس گیا۔ وہ بار بار یہ عمل
دہرا رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ زمین پر پھن بھی مارنے لگتا۔ آخر میں وہ سانپ نایاب کے پیر سے
لپٹ گیا اور دوبارہ اس جگہ جا کر زمین پر پھن مارنے لگا۔

اور پھر نایاب اچھل پڑی۔ اس کے کان میں ایک سرگوشی سنائی دی جیسے کوئی کہہ رہا
ہو۔

"اس پتھر کو یہاں سے ہٹاؤ۔"

نایاب نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ سانپ ایک ہی جگہ
زمین پر پھن مار رہا تھا۔ نایاب نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی اس جگہ پہنچ گئی۔ سانپ ایک بار
پھر دراڑ میں گھس کر باہر نکلا۔ وہ دراڑ تقریباً ایک انچ چوڑی تھی۔ نایاب نے دونوں ہاتھوں
کی انگلیاں اس دراڑ میں پھنسا لیں اور اس پتھر کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔ سل نما وہ
پتھر خاصا بڑا تھا اور بڑی مضبوطی سے اپنی جگہ پر جما ہوا تھا لیکن نایاب کی ذرا سی کوشش
سے وہ پتھر اپنی جگہ سے ہل گیا۔ اس نے اب دونوں ہاتھ دراڑ کے اندر ڈال دیئے اور زور
لگانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں چار مربع فٹ کی وہ بھاری سل اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔
نایاب نے اسے ایک طرف اوندھا دیا اور خود بھی پیچھے ہٹ گئی۔

پتھر کے نیچے سے برآمد ہونے والے خلا سے دھول کا بادل سا اٹھا تھا اور اس کے

ساتھ ہی گرم ہوا نایاب کے چہرے سے ٹکرائی تھی اور اسی لیے وہ پیچھے ہٹ گئی تھی۔ وہ سانپ بھی اس کے پیروں کے آس پاس رینگ رہا تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد دھول بیٹھ گئی۔ اب اس خلا سے گرم ہوا بھی خارج نہیں ہو رہی تھی۔ وہ سنہرا سانپ رینگتا ہوا اس خلا میں اتر گیا۔ نایاب بھی تجویزی انداز میں چلتی ہوئی اس خلا کے کنارے پر پہنچ گئی۔ اس خلا میں پتھر کی سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں اور وہ سانپ رینگتا ہوا سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ نایاب بھی خلا میں اتر گئی اور سیڑھیوں پر محتاط انداز میں قدم رکھتی ہوئی آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی۔

وہ چودہ سیڑھیاں اتری تھی۔ آگے بہت وسیع و عریض ہال تھا جس میں لاتعداد ستون نظر آ رہے تھے۔ کھڑکیوں کے جالوں نے ان ستونوں کے درمیان دیواریں سی بنا رکھی تھیں۔ وہ سانپ زمین پر رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ نایاب بھی ہاتھوں سے جالے ہٹاتے ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ اس کے سر کے بالوں میں اور لباس پر جالے چپک گئے تھے۔ وہ جالے ہٹاتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ چلنے میں اس کے اپنے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ کوئی ناریدہ قوت اسے آگے لیے جا رہی تھی۔

نایاب کی یہ کیفیت دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ نہ تو صورتحال سے واقف تھی اور نہ ہی اس کا دماغ اپنے کنٹرول میں تھا۔ کوئی پراسرار قوت تھی جس نے اس کے دماغ پر بھی قبضہ کر رکھا تھا۔ وہ سانپ کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔

وہ اس خلا میں اترنے کے بعد تہہ خانے میں بہت اندر آ گئی تھی لیکن گھٹن کا احساس بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ تاریکی بھی نہیں تھی۔ لگتا تھا جیسے ہلکی سی چاندنی پھیلی ہوئی ہو۔ اس مدھم روشنی میں نہ تو واضح طور پر کچھ نظر آ رہا تھا اور نہ ہی تاریکی کا احساس تھا۔ لگتا تھا جیسے دھند پھیلی ہوئی ہو لیکن سونے کی طرح چمکتا ہوا وہ سانپ اس دھندلی فضا میں بھی صاف نظر آ رہا تھا۔

وہ سانپ دائیں طرف مڑ گیا۔ نایاب بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ یہ ایک تنگ سا راستہ تھا جو آگے جا کر دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ وہ راستہ بھی چار فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ بیس گز چلنے کے بعد راستہ پھر دائیں طرف مڑ گیا۔ یہ نیا راستہ اتنا تنگ تھا کہ ایک بھاری بھرکم آدمی بمشکل چل سکتا تھا۔ نایاب متناسب جسم کی مالک تھی۔ چلتے

ہوئے اس کے کندھے اور بازو بھی دیواروں سے رگڑ کھا رہے تھے۔ نایاب چلتی رہی اور بالآخر وہ ایک کھلی جگہ پر نکل آئی۔

یہ ایک بہت بڑا سا ہال تھا جہاں نقرئی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لگتا تھا جیسے یہ پراسرار روشنی دیواروں سے پھوٹ رہی ہو۔ ہر طرف کھڑکیوں کے جالے لٹکے ہوئے تھے۔ اس جگہ زمین پر ایک سانپ اور دو بچھو بھی رینگتے ہوئے نظر آئے۔ اگر نایاب اپنے حواس میں ہوتی تو چیختی ہوئی یہاں سے بھاگ جاتی لیکن وہ اپنے حواس میں نہیں تھی۔ اس کا ذہن مکمل طور پر کسی پراسرار قوت کے کنٹرول میں تھا۔ کوئی ناریدہ قوت تھی جو اس سے یہ سب کچھ کروا رہی تھی اور اسے یہاں تک لے آئی تھی۔

اس ہال کے اختتام پر وہ ایک بار پھر دائیں طرف مڑ گئی۔ یہ راستہ زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ اس کے اختتام پر ایک اور کمرہ تھا جس میں ایک طرف چارپائی کے برابر ایک چبوترہ بنا ہوا تھا۔ وہ سنہری سانپ اس چبوترے پر چڑھ گیا اور زمین پر پھن مارنے لگا۔

نایاب اس چبوترے پر بیٹھ گئی۔ اس پر غنودگی سی طاری ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ روشنی صرف اس جگہ تھی جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ کمرے کا باقی حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ نایاب کی آنکھیں پھر بند ہو گئیں۔ اس کے لیے بیٹھے رہنا مشکل ہو گیا۔ وہ چبوترے پر لیٹ گئی اور پھر نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

نایاب تقریباً چار گھنٹے تک سوئی رہی۔ اسے سوتے میں یوں لگا جیسے اس کے جسم پر کوئی چیز رینگ رہی ہو۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ جس جگہ لیٹی تھی' صرف اسی جگہ روشنی تھی جیسے اسپاٹ لائٹ کی زد میں ہو۔ اس کے علاوہ اطراف میں گہری تاریکی تھی۔ اس کے دماغ میں تیز سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ وہ رات کو گھر میں سوئی تھی اور صبح آنکھ بھی گھر میں کھلی تھی لیکن اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ شاید وہ پھر سو گئی تھی لیکن یہ تاریکی کیسی تھی۔ یہ کونسی جگہ ہے اور وہ یہاں کیسے پہنچی تھی۔

نایاب اس وقت مکمل طور پر حواس میں تھی۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے ایک بار پھر محسوس ہوا جیسے کوئی چیز اس کے جسم پر رینگ رہی ہو اور پھر

اس کے منہ سے بے اختیار تیز چیخ نکل گئی۔ سنہرا سانپ اس کے سینے پر رینگ رہا تھا۔ اس نے سانپ کو پکڑ کر ایک طرف پھینک دیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ یہ وہی سانپ تھا جسے اس نے نیولے سے بچایا تھا اور پھر اس سانپ نے اسے بچانے کے لیے عبدالرحمٰن کو ڈس لیا تھا اور اس کی لاش راکھ کا ڈھیر بن گئی تھی۔

نایاب کا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ ایک انجانا سا خوف اس پر غالب آنے لگا تھا۔ وہ متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی مگر گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا اور اسے حیرت تھی کہ اس پر پڑنے والی روشنی کہاں سے آرہی ہے۔ روشن کا کوئی منبع بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ نقرئی روشنی کا ایک ہالہ تھا جو اسے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ وہ سانپ بھی اگرچہ تاریکی میں تھا مگر صاف نظر آرہا تھا۔

نایاب کو اب سب کچھ یاد آرہا تھا۔ صبح جب وہ اٹھی تھی تو اسے کھیتوں کی طرف سے بین کی آواز سنائی دی تھی بلکہ نیند میں بھی اسے بین کی آوازیں سنائی دیتی رہی تھیں اور آنکھ کھلنے کے بعد بھی اس نے یہ آوازیں سنیں تو چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی اور پھر اسے یاد آگیا تھا کہ گزشتہ رات ملک سکندر نے بتایا تھا کہ چودھری سعادت سپیروں کی بستی گیا تھا اور اس خطرناک زہریلے سانپ کو پکڑنے کے لیے صبح سپیرے آنے والے تھے کیونکہ مزارعوں اور کارندوں نے کھیتوں پر جانے سے انکار کر دیا تھا۔

نایاب اس وقت آنکھیں کھولے بستر پر لیٹی یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ اس کے کان میں ایک پراسرار سرگوشی سنائی دی۔

"یہ لوگ مجھے گھیر رہے ہیں۔ مجھے بچاؤ..... بین کی آواز میرے اعصاب کو کمزور کر رہی ہے۔ اس آواز کے سامنے میں اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ میری مدد کرو۔ مجھے بچاؤ۔"

یہ سرگوشی بار بار نایاب کے کانوں میں گونج رہی تھی اور پھر اس کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ بستر سے اٹھ گئی۔ اس وقت اسے یوں لگا جیسے وہ اپنے آپ میں نہ رہی ہو۔ اس کا دماغ اپنے کنٹرول میں نہ رہا ہو۔ وہ اسی کیفیت میں اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی۔ برآمدے میں نرگس نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے لیکن وہ اس کی طرف توجہ دیئے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ اسے یہ بھی یاد تھا کہ وہ لوگوں کے روکنے کے باوجود کھیتوں میں دوڑتی چلی گئی تھی اور اس نے سپیروں کے سامنے اس سانپ کو بھی اٹھا لیا تھا

اور پھر اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا اور اب وہ خوفزدہ سی بیٹھی سوچ رہی تھی کہ یہ کون سی جگہ ہے اور وہ یہاں کیسے پہنچی۔ وہ تو صبح کے وقت گھر سے نکلی تھی۔ اس کے چاروں طرف یہ تاریکی کیوں ہے اور یہ پراسرار روشنی کیسی ہے جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ وہ سوچتی رہی مگر کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

دفعتاً وہ ہلکی سی پھنکار سن کر چونک گئی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ سنہری سانپ اس کے قریب کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا پھن پھیلا ہوا تھا اور دو شاخہ زبان مسلسل حرکت کر رہی تھی۔

"دیکھو۔" نایاب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ "میں نہیں جانتی کہ تم واقعی سانپ ہو یا کوئی اور پراسرار چیز لیکن اس روز تم نے مجھے میرے ایک دشمن سے بچا کر اسے ختم کر دیا تھا۔ میں تمہاری احسان مند ہوں۔ میرے کانوں میں وہ پراسرار سرگوشیاں شاید تمہاری خاموش آواز تھی۔ تم نے کہا تھا کہ میری حفاظت کرو گے۔ میرے محافظ بنو گے..... مجھے نہیں معلوم یہ کونسی جگہ ہے اور میں یہاں کیسے پہنچی ہوں۔ یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو۔"

"ڈرو نہیں۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔" نایاب کو سرگوشی سنائی دی۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

نایاب گہری نظروں سے سانپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی دو شاخہ زبان مسلسل حرکت کر رہی تھی اور پھر سانپ کا پھن سمٹ گیا اور وہ بل کھاتا ہوا ایک طرف رینگنے لگا۔

نایاب چبوترے سے اتر آئی اور سانپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ گہری تاریکی کے باوجود اسے اپنے سامنے کا راستہ صاف نظر آرہا تھا اور پھر ایک تنگ سے راستے سے گزر کر وہ ایک اور کمرے میں پہنچ گئی۔ اس کمرے میں پراسرار نقرئی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف مکڑیوں کے جالے نظر آرہے تھے اور سامنے ایک چبوترہ تھا۔ چبوترے پر نظر پڑتے ہی نایاب اچھل پڑی۔ وہ اس طرح رک گئی جیسے زمین نے اس کے پیر پکڑ لیے ہوں۔ وہ متوحش نظروں سے چبوترے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

چبوترے پر ایک ناگن کی بہت بڑی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ وہ ناگن بھی سنہری رنگ

کی تھی اور اس کے پھیلے ہوئے پھن پر دونوں طرف ویسے ہی خوبصورت نقش تھے جو سنہرے سانپ کے پھن پر دیکھ چکی تھی۔ وہ اگرچہ مورتی تھی لیکن لگتا تھا جیسے زندہ ناگن کنڈلی مارے اور پھن پھیلائے بیٹھی ہو۔

ناگن کی مورتی کے سامنے چبوترے پر ہیرے جواہرات اور طلائی ظروف اور طلائی نقرئی زیورات بکھرے ہوئے تھے۔ بعض ہیرے تو کبوتر کے انڈے سے بھی بڑے تھے اور ان سے رنگ برنگ کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ نایاب کے خیال میں یہ خزانہ اربوں روپے مالیت کا ہو سکتا تھا۔ چبوترے پر دائیں بائیں کناروں پر دو سیاہ ناگ پھن پھیلائے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس خزانے کے محافظ تھے لیکن وہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ ان میں سے کسی نے بھی حرکت نہیں کی تھی۔

نایاب اس سنہرے سانپ کی طرف دیکھ رہی تھی جو چبوترے پر چڑھ کر ہیرے جواہرات کے ڈھیر پر رینگتا ہوا ناگن کی مورتی پر چڑھ گیا تھا اور اس سے لپٹ کر بل کھا رہا تھا۔ کبھی اوپر جا رہا تھا اور کبھی نیچے آ رہا تھا۔ بالآخر وہ ناگن کے کنڈلی والے حصے پر بیٹھ گیا اور پھن پھیلا کر نایاب کی طرف دیکھنے لگا۔

نایاب پر خوف سا طاری ہو رہا تھا۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ وہ عجیب و غریب حالات کا شکار ہو کر یہاں پہنچ گئی تھی اور اب خوفزدہ سی ہو رہی تھی۔ اس کے دل میں خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی اور پھر وہ واپس جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ ایک سرگوشی اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس مرتبہ آواز نسوانی اور بہت شیریں تھی۔ نایاب کو یہ آواز کانوں میں رس گھولتی ہوئی سی محسوس ہوئی۔ اس کے واپس جانے کے لیے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ وہ شیریں آواز کہہ رہی تھی۔

"رک جاؤ نایاب....." ایک لمحہ کے وقفے سے وہ سرگوشی دوبارہ سنائی دی۔ "تم نے دو مرتبہ میرے بیٹے کی جان بچائی ہے۔ میں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں۔ تمہارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ میں تمہارے اس احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتی لیکن اظہار تشکر کے طور پر حقیر سا نذرانہ پیش کرنا چاہتی ہوں۔ یہ رانی شپلا کے خزانے کا ایک حصہ ہے جو میں تمہاری نذر کر رہی ہوں۔"

"رانی شپلا۔" نایاب چونک گئی۔ "تم کون ہوں؟"

"میں شیلتا ہوں۔ رانی شپلا کے خزانوں کی محافظ۔" شیریں سی سرگوشی نایاب کی سماعت سے ٹکرائی۔ "رانی شپلا سے ایک غلطی ہو گئی تھی جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑا۔ وہ خود بھی جل مری اور اس کی ریاست بھی تباہ ہو گئی۔ لوگ جانتے تھے کہ رانی شپلا نے بہت بڑا خزانہ جمع کر رکھا تھا۔ وہ اس خزانے کو تلاش کرتے رہے لیکن میں نے کسی کو خزانے کے قریب نہیں آنے دیا۔ میں اب بھی اس خزانے کی حفاظت کر رہی ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ رانی شپلا واپس ضرور آئے گی۔ ہمارے درمیان ہونے والے ایک عہد کے مطابق میں آدھے خزانے کی مالک بن چکی ہوں اور اس میں سے ایک حصہ نذرانے کے طور پر تمہاری خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں نے رانی شپلا کے بارے میں کچھ سنا تھا۔" نایاب بولی۔ "کیا یہ سچ ہے کہ اسے ایک بندر سے عشق ہو گیا تھا اور وہ اس کے ساتھ....."

"یہ ایک طویل داستان ہے۔" آواز سنائی دی۔ "رانی شپلا اس بندر کو ہنومان کا اوتار سمجھتی تھی لیکن میں اس کی حقیقت سے واقف تھی۔ میں نے رانی شپلا کو خبردار کر دیا تھا لیکن وہ میری بات نہیں مانی اور اس کے ساتھ اس کی سلطنت بھی تباہ ہو گئی۔ وہ بندر فرار ہو گیا۔ وہ اس سرزمین پر موجود ہے اور میری اولاد آج بھی اسی کی تلاش میں ہے۔"

"اوہ۔" نایاب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "یہ تمہارا بیٹا ہے؟" اس نے ناگن کی گود میں بیٹھے ہوئے سنہرے سانپ کی طرف اشارہ کیا۔

"سینکڑوں سال سے ہماری ہر نسل سے صرف ایک نر سانپ پیدا ہوتا ہے۔ یہ میرے بعد گیارہویں نسل ہے۔" سرگوشی نے کہا۔

"گویا تم سانپوں کی ملکہ ہو اور یہ شہزادہ۔" نایاب نے کہا۔

"ہاں....." سرگوشی سنائی دی۔ "تم نے اس روز نیولے سے اس کی جان بچائی تھی۔ ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔ تمہارے دشمن نے تم پر حملہ کرنا چاہا تو بچو نے اسے ختم کر دیا اور آج پھر یہ مصیبت میں تھا۔ تم نے اسے آج بھی بچا لیا۔ تمہارا یہ احسان نسل در نسل ہمارے سر پر رہے گا۔ یہ خزانہ اب تمہارا ہے' جب چاہو اسے لے جا سکتی ہو۔"

"نہیں نہیں۔ مجھے یہ خزانہ نہیں چاہیے۔" نایاب بولی۔ "میں واپس جانا چاہتی ہوں۔

میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔" نایاب آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔

اس وقت اس کے دماغ کو جھٹکا سا لگا اور وہ اپنی جگہ پر لڑکھڑا کر رہ گئی۔ وہ ایک بار پھر اپنے آپ سے بیگانی ہو چکی تھی۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ اس کی نظریں ناگن پر جمی ہوئی تھیں اور پھر اسے یوں لگا جیسے وہ کسی گھومنے والے جھولے پر بیٹھی ہوئی ہو۔ جھولا آہستہ آہستہ گردش کر رہا تھا۔ نایاب آہستہ آہستہ جھوم رہی تھی۔ وہ چیونٹرہ' ناگن اور جواہرات کا وہ ڈھیر اس کی نظروں کے سامنے معدوم ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بتدریج تاریکی پھیلتی چلی گئی اور وہ آہستہ آہستہ نیچے بیٹھ کر گرد آلود فرش پر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔

نایاب کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو ایک کھلی جگہ پر پایا۔ اس کے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس کا دماغ سن ہو رہا تھا۔ وہ کچھ سوچ نہیں سکتی تھی لیکن ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے اس کے حواس بتدریج بحال ہونے لگے۔ وہ ایک بار پھر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

وہ کھنڈروں والے ٹیلے کے دامن میں پڑی تھی۔ اس کے چاروں طرف اندھیرا تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ بعض ستاروں کی پوزیشن سے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ رات کا آخری پہر تھا اور پھر اپنے قریب ہی پھنکار کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ سنہرا سانپ بیجو اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے منہ سے ایک بار پھر پھنکار کی آواز نکالی اور تیزی سے رینگتا ہوا کھنڈروں کی طرف غائب ہو گیا۔

نایاب تقریباً پانچ منٹ تک وہاں بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ اس سناٹے میں کبھی کبھی کسی بھیڑیے کی آواز بھی سنائی دے جاتی۔

نایاب اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔ اس نے ایک بار پھر آسمان کی طرف دیکھا اور ایک طرف چل پڑی۔

اس کا اندازہ درست تھا۔ وہ گاؤں کی طرف جا رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ بری طرح تھک گئی مگر رکے بغیر چلتی رہی اور بالآخر نہر پار کر کے گاؤں میں داخل ہو گئی۔ گاؤں پر بھی سناٹا طاری تھا۔ پھر ایک کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ نایاب دیوار کے ساتھ لگ کر چل

رہی تھی۔

فضا میں اب بھی بہت دھندلا سا اجالا پھیل رہا تھا۔ پھر گاؤں کی مسجد سے اذان کی آواز سنائی دینے لگی۔ یہ آواز سن کر نایاب کو عجیب سا سکون ملا تھا۔

اذان ختم ہو گئی۔ وہ گلیوں میں چلتی رہی اور بالآخر ملک صلاح الدین کی حویلی کے سامنے رک گئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر دروازے پر دستک دینے لگی۔ چند منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا۔

وہ ملک سکندر تھا جو اس طرح حیرت سے نایاب کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

○

نایاب دروازے کے سامنے کھڑی تھی اور ملک سکندر پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ نایاب ہی تھی یا کوئی اور۔

نایاب کا لباس گرد آلود تھا جیسے مٹی میں لوٹ کر آئی ہو۔ بال بکھرے ہوئے جن میں تنکے اور کٹری کے جالے چپکے ہوئے تھے۔ کپڑے کے جالے لباس پر بھی نظر آ رہے تھے۔ چہرے پر بدحواسی اور خوف کے ملے جلے تاثرات تھے۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور وہ برہنہ پا تھی اور سردی سے اس کے ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔

"نایاب تم!" سکندر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "آؤ بہن۔ اندر آؤ۔" اس نے دروازے سے ہٹ کر نایاب کو اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

نایاب اندر آ گئی۔ وہ سردی سے ٹھٹھر رہی تھی۔ اس کے اندر آتے ہی سکندر نے دروازہ بند کر دیا اور نایاب کو بازو سے پکڑ کر برآمدے کی طرف لے جاتے ہوئے سکینہ کو آوازیں دینے لگا۔

"سکینہ ..... سکینہ۔ باہر آؤ۔ دیکھو نایاب آ گئی ہے۔ نرگس ..... عذرہ دروازہ کھولو بھئی۔"

سب سے پہلے سکینہ باہر آ گئی تھی۔ نایاب کی حالت دیکھ کر وہ بھی بھونچکا سی رہ گئی۔ اسے یہ بھی اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ نایاب سردی سے ٹھٹھر رہی تھی۔ وہ اسے بازو سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئی اور بیڈ پر بٹھا کر کمبل اوڑھا دیا۔ اس دوران نرگس اور عذرہ بھی آ گئیں۔ نرگس تو آتے ہی نایاب سے لپٹ گئی۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم نایاب ..... یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟"

"آپ ..... پتہ نہیں میں کہاں تھی۔" نایاب نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

"گرم گرم چائے بنا کر پلاؤ اسے۔ سردی سے ٹھٹھر رہی ہے۔" سکندر نے سکینہ کو

طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں اور اسے پریشان مت کرنا ذہنی طور پر اب سیٹ نظر آ رہی ہے۔"

سکندر کمرے سے نکلنا چاہتا تھا کہ ملک صلاح الدین کھنکارتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر نایاب کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نایاب بیٹا۔ ہم تو پریشان ہو گئے تھے۔ کہاں چلی گئی تھیں تم۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "سب ..... بتاؤں گی ..... بتاؤں گی۔" نایاب کے منہ سے بے ربط سے الفاظ نکلے۔

"میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔ واپس آ کر بات کرتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے تم زندہ ہو اور خیریت سے گھر واپس آ گئی ہو۔" ملک صاحب نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

سکندر ہینڈ پمپ سے بالٹی میں پانی بھر رہا تھا۔ ملک صاحب باتھ روم سے فارغ ہو کر آئے تو انہوں نے بھی وضو کیا اور دونوں باپ بیٹا نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔ سکندر نے باہر جانے سے پہلے سکینہ اور نرگس وغیرہ کو سمجھا دیا تھا کہ کسی کو نایاب کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔

مسجد میں بیس بائیس آدمی تھے۔ باجماعت نماز پڑھنے کے بعد کچھ لوگ تو قرآن حکیم کی تلاوت کرنے بیٹھ گئے اور کچھ چلے گئے۔ ملک صاحب بھی عام طور پر نماز کے بعد کچھ دیر مسجد میں بیٹھا کرتے تھے لیکن آج وہ نماز پڑھتے ہی مسجد سے باہر آ گئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی آدمی ان سے نایاب کے بارے میں ضرور پوچھے گا اور وہ مسجد میں بیٹھ کر جھوٹ نہیں بول سکتے تھے۔ کچھ یہی صورت حال سکندر کی تھی۔ وہ بھی نماز پڑھتے ہی مسجد سے باہر آ گیا اور کسی سے بات کئے بغیر ملک صاحب کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑا۔ کچھ لوگوں کو ان کے طرز عمل پر حیرت بھی ہوئی تھی۔ آج وہ دونوں کسی سے بات کئے بغیر چلے گئے۔

"آج تو سکندر اور ملک جی چپ چاپ ہی چلے گئے۔ حالانکہ ملک جی تو تھوڑی دیر بیٹھ کر ہم سے گپ شپ کرتے تھے۔" نذیر نامی ایک شخص نے مسجد میں بیٹھے ہوئے اپنے دو ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیچارے چھوٹی بی بی کی وجہ سے پریشان ہیں۔" شہاب الدین نے کہا۔ "یہ تو بڑی

حیرانگی کی بات ہوئی ہے۔ چھوٹی بی بی کا اس طرح غائب ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ میلوں دور تک کا علاقہ دیکھ لیا گیا مگر اس کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔"

"پریشانی کی بات تو ہے۔" تیسرے آدمی نے کہا۔ "چھوٹی بی بی ان کے ہاں ٹھہری ہوئی تھی۔ ذمہ داری تو ان پر عائد ہوتی ہے نا۔"

"ہاں جی۔ پرائی بیٹی ہے۔ ملک جی کو پریشانی تو ہونی چاہئے۔" شہاب الدین نے کہا۔

"ملک جی تو پریشان ہیں پر جن کی بہو ہے انہیں ذرا بھی فکر نہیں۔" نذیر بولا۔

"انہیں کیا فکر ہو گی۔" شہاب الدین بولا۔ "چوہدری سعادت تو چھوٹی بی بی کے گم ہو جانے پر خوشیاں منا رہا ہے۔ رات کو تو میں نے سنا تھا کہ وہ جشن منانے کی تیاری کر رہا ہے۔ آج اس نے اپنے دوستوں کو حویلی میں دعوت پر بلایا ہے۔"

"عجیب زمانہ آگیا ہے۔" تیسرا آدمی بولا۔ "کسی کے مرنے پر اس طرح خوشیاں مناتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔ بے حسی کی انتہا ہوگئی۔ خون سفید ہوگیا ہے ان کا۔"

"کون کہہ سکتا ہے کہ چھوٹی بی بی واقعی مر گئی ہے یا زندہ ہے۔" نذیر نے کہا۔

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" شہاب الدین نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "خدا کرے وہ زندہ ہو اور خیریت سے ہو۔"

"آمین۔ ثم آمین۔" باقی دونوں آدمیوں نے کہا اور یہ محفل برخاست ہوگئی۔

سکندر اور ملک صاحب گھر پہنچے تو پتہ چلا کہ نایاب چائے پینے کے بعد سو گئی تھی سردی سے کانپ رہی تھی۔ نرگس نے اسے لحاف اڑھا دیا تھا۔

"پتہ نہیں بیچاری رات بھر کہیتوں میں پڑی رہی ہے۔ اسے سونے دو۔ اس کی نیند پوری ہو جائے تو بہتر ہے۔" ملک صاحب نے کہا پھر سکینہ کی طرف دیکھ کر بولے۔ "لاؤ مجھے ناشتہ دے دو۔"

"جی۔ آپ بیٹھئے۔ میں آپ کے کمرے میں ہی ناشتہ لے کر آرہی ہوں۔" سکینہ باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کمرے کا دروازہ بند ہی رکھنا سکینہ۔" سکندر نے کہا۔ "آج سارا دن کسی کو نہیں بتانا کہ نایاب واپس آگئی ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ چوہدری سعادت آج کیا کرتا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ کسی کو نہیں بتائیں گے۔ آپ بھی بیٹھ کر ناشتہ کرلیں۔" سکینہ نے کہا۔

سکندر اس کے پیچھے ہی باورچی خانے میں آگیا اور سکینہ کے قریب ہی پیڑھی پر بیٹھ گیا۔ سکینہ نے ناشتہ تیار کرکے پہلے ملک صاحب کو لے جا کر دیا اور پھر شوہر کے لئے ناشتہ تیار کرنے لگی۔ نرگس اور عذرہ ہینڈ پمپ پر کھڑی منہ ہاتھ دھو رہی تھیں۔ اس وقت دو کارندے حویلی میں داخل ہوئے۔ ان میں ایک مرد تھا اور ایک ادھیڑ عمر عورت۔ مرد تو بھینسوں کے لئے چارہ تیار کرنے لگا اور عورت نرگس کے پاس آگئی۔

"چھوٹی بی بی کا کچھ پتہ چلا نرگس بی بی؟" عورت نے پوچھا۔

"نہیں ماسی۔" نرگس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "وہ بیچاری تو پتہ نہیں کہاں غائب ہوگئی ہے۔"

وہ عورت کچھ دیر تک کھڑی باتیں کرتی رہی پھر آنگن کی صفائی وغیرہ میں مصروف ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد سکندر ناشتہ کرکے کچن سے باہر آگیا۔

"میں ڈیرے پر جا رہا ہوں۔" بارہ بجے آجاؤں گا اور میری باتوں کا خیال رکھنا۔" سکندر نے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ان حویلی سے باہر چلا گیا۔

آج کھیتوں میں لوگ نظر آرہے تھے۔ کل ان سب کو پتہ چل گیا تھا کہ نایاب اس خطرناک سانپ کو لے کر بھاگ گئی تھی اور پھر نہ تو نایاب کا پتہ چلا تھا اور نہ سانپ کا۔ اس لئے لوگ بے فکر ہوگئے تھے اور دو دن کے ناغے کے بعد آج کھیتوں پر آگئے تھے۔

سکندر بھی ڈیرے پر آکر روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہوگیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ملک صاحب بھی آگئے۔ ملک صاحب اگرچہ بوڑھے ہوچکے تھے مگر کھیتوں پر باقاعدگی سے آتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ زمیندار کے پیروں کی مٹی زمین کے لئے سونا ہوتی ہے اور پھر ان کی قابل رشک صحت کا راز بھی یہی تھا کہ وہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھتے تھے۔

سورج سر پر آچکا تھا۔ سکندر گاؤں واپس آگیا۔ نایاب ابھی تک سو رہی تھی۔

"اس کو جا کر دیکھو تو سہی۔ طبیعت تو خراب نہیں اس کی۔ بخار تو نہیں ہو رہا اسے؟" سکندر نے سکینہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے دیکھا تھا۔" قریب کھڑی ہوئی نرگس نے کہا۔ "بخار نہیں ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے۔ رات بھر جاگتی رہی ہے اس لئے سو رہی ہے۔"

"پتہ نہیں اس نے کہاں اور کن حالات میں رات گزاری ہے۔ میں تو صبح اس کی حالت دیکھ کر ڈر گیا تھا۔" سکندر نے کہا۔ "جاگ جائے تو پتہ چلے کہ اس کے ساتھ کیا بیتی تھی۔"

نایاب چونکہ سکندر اور سکینہ والے کمرے میں سو رہی تھی اس لئے سکندر ملک صاحب والے کمرے میں آکر بیڈ پر لیٹ گیا۔ ڈیڑھ بجے کے قریب سکینہ نے آکر بتایا کہ کھانا تیار ہے۔

"نرگس۔" سکندر نے کہا۔ میرا خیال ہے اب نایاب کو بھی جگا دو۔ صبح چھ بجے سے سوئی ہوئی ہے۔"

"اچھا۔ میں دیکھتی ہوں۔" نرگس کہتے ہوئے دوسرے کمرے میں گھس گئی۔

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی نایاب نے کسمسا کر کروٹ بدلی اور لحاف اتار کر پھینک دیا۔ نرگس بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

"نایاب۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "اٹھنا نہیں ہے کیا۔ دوپہر ہو رہی ہے۔ تمہیں بھوک بھی لگ رہی ہوگی۔ اٹھ جاؤ۔ کھانا تیار ہے۔"

نایاب نے آنکھیں کھول دیں اور نرگس کی طرف دیکھنے لگی۔ پہلے تو اسے یہ چہرہ دھندلا سا لگا پھر دھند چھٹ گئی اور اس نے نرگس کو پہچان لیا۔ نایاب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر نرگس کی گردن میں حمائل کر دیئے اور اسے کھینچ کر اپنے اوپر گرالیا اور اس کے منہ پر بوسے دینے لگی۔ نرگس بھی اس سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

"اب اٹھ جاؤ نا۔ کھانے پر سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" نرگس نے اپنے آپ کو اس سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

نایاب چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اپنے آپ کو دیکھ کر اسے حیرت ہو رہی تھی۔

"میں نے تمہارے لئے کپڑے استری کر رکھے ہیں۔ چلو .... نہا کر کپڑے بدل لو ..... پھر کھانا کھائیں گے۔ تم صبح چھ بجے سے سو رہی ہو۔ بھائی جان پریشان ہو رہے ہیں۔" نرگس نے کہا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا۔

"میں نے واقعی تم لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔" نایاب نے کہا۔

کمرے سے باہر آکر وہ غسل خانے میں گھس گئی۔ استری کئے ہوئے کپڑے کھونٹی پر ٹنگے ہوئے تھے۔ اس وقت بھی اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ مگر ٹھنڈے پانی کے غسل سے اس کے حواس بحال ہوگئے۔ نہانے کے بعد اس نے صاف کپڑے پہنے اور سر پر تولیہ لپیٹ کر باہر آگئی۔ عذرہ نے اسے دیکھتے ہی کھانا لگا دیا اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ سب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

"نایاب بہن۔" سکندر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "عذرہ اور نرگس نے مجھے اس سنہرے سانپ کے بارے میں بتایا تھا جسے تم نے کھیتوں میں نیولے سے بچایا تھا اور پھر اس سانپ نے تمہاری مدد کی تھی اور عبدالرحمٰن کو اس طرح ڈسا تھا کہ اس کا جسم راکھ بن گیا۔ تم نے ہی بتایا تھا کہ یہ سب کچھ دو منٹ کے اندر اندر ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس سانپ کے زہر میں ایسی تاثیر تھی کہ اس نے دو منٹ کے اندر اندر ایک انسانی جسم کو جلا کر راکھ کر ڈالا۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "کل ہم لوگوں نے جو کچھ دیکھا وہ بہت ہی حیرت انگیز اور سنسنی خیز تھا۔ تمہیں ڈر نہیں لگا تھا؟"

"کیسا ڈر؟" نایاب نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "آپ لوگوں نے کیا دیکھا تھا؟ کیا میں نے کوئی غیر معمولی حرکت کی تھی؟"

"غیر معمولی؟" سکندر نے اسے گھورا۔ "وہ انتہائی حیرت انگیز واقعہ تھا۔ تم نے اس خطرناک سانپ کو اٹھا لیا تھا۔ لیکن تم کھیتوں میں کیسے پہنچ گئی تھیں اور تم نے بلا خوف اس سانپ کو اٹھا کیسے لیا تھا؟"

نایاب کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ صبح جب بین کی آواز سے میری آنکھ کھلی تھی تو مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی مجھے مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ پھر جب میں اپنے کمرے سے نکلی تھی تو مجھے نرگس نے روکنے کی کوشش کی

تھی۔ اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں۔ البتہ بعد کے کچھ ایسے واقعات ہیں جو اس وقت بھی مجھے یاد ہیں اور میرے لئے حیران کن ہیں۔ لیکن پہلے آپ یہ بتایئے کہ میں نے کیا کیا تھا؟"

"ہوں۔" سکندر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم نے جو کچھ بھی کیا وہ سب کے لئے حیرت انگیز اور سنسنی خیز تھا اور ناقابل یقین تھی۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر اسے کل کے واقعات کی تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "تمہاری تلاش میں کل شام تک میلوں دور تک کا علاقہ چھان مارا گیا۔ لیکن تمہارا کوئی سراغ نہیں ملا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ دوڑتے ہوئے راستے میں اس سانپ نے تمہیں ڈس لیا ہوگا اور تمہاری خاکسترلاش کھیتوں میں کہیں پڑی ہوگی اور وہ اس وقت ہی ملے گی جب ڈھائی مہینے بعد فصلیں کٹیں گی۔ چوہدری سعادت کو تو تمہاری موت کا یقین ہوچکا ہے۔ وہ تو جشن منانے کی تیاری کر رہا ہے۔ آج رات اس نے اپنے دوستوں کی دعوت کی ہے۔ مجھے بھی بلایا ہے۔ مجھے بلاوہ اس نے کل شام ہی کو دیدیا تھا۔ گویا اسے کل ہی یقین ہوگیا تھا کہ تم اب اس دنیا میں نہیں رہیں اور جائیداد کے سارے جھگڑے ختم ہوگئے ہیں۔"

"تلاش کے دوران اگر میں اس کے ہاتھ لگ جاتی تو شاید وہ مجھے مار ہی ڈالتا۔" نایاب نے کہا۔ "کیا آپ لوگ میری تلاش میں ان کھنڈروں کی طرف بھی گئے تھے؟"

"کھنڈروں کی طرف؟" سکندر چونک گیا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ وہ ٹیلے والے کھنڈروں کی طرف؟ لیکن وہ تو گاؤں کے دوسرے طرف ہیں جبکہ ہم تمہیں اس طرف تلاش کرتے رہے تھے جس طرف تم بھاگی تھیں۔"

"میں انہی کھنڈروں کی بات کر رہی ہوں۔" نایاب نے کہا۔ "آپ نے جو کچھ کہا ہے اگر وہ سچ ہے اور ظاہر ہے آپ نے غلط بیانی یا مبالغہ سے کام نہیں لیا ہوگا اور سب کچھ سچ ہی ہوگا۔ لیکن مجھے کچھ بھی یاد نہیں ہے۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے جیسے میں بے تحاشہ دوڑی جا رہی ہوں۔ کوئی نادیدہ قوت مجھے دوڑتے رہنے پر مجبور کر رہی تھی اور بالآخر میں کہیں گر گئی تھی۔ چند لمحوں کے لئے میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے اپنے آپ کو اس ٹیلے کے دامن میں پڑے ہوئے پایا تھا۔ میرے قریب ہی وہ سانپ بھی کنڈلی مارے بیٹھا تو اور پھر جب وہ ان کھنڈروں کی طرف رینگنے لگا تو میں بھی اس کے پیچھے چل پڑی

تھی۔ اس وقت میرا ذہن پھر ماؤف ہوگیا تھا۔ مجھے کچھ احساس نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں اور اس کے بعد جب میں اپنے حواسوں میں آئی اور جو کچھ بھی دیکھا نہایت حیرت انگیز اور ناقابل یقین تھا۔ مجھے اب بھی لگتا ہے۔ جیسے میں نے کوئی خواب دیکھا ہو۔"

"کیا دیکھا تھا؟" سکندر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ سکینہ وغیرہ خاموش بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ کھانا تو جیسے وہ سب لوگ بھول گئے تھے۔

"اس سے پہلے میں ان کھنڈرات کے بارے میں کچھ باتیں پوچھنا چاہتی ہوں۔" نایاب بولی۔ "میں جب اسٹیشن سے گاؤں کی طرف آرہی تھی تو اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی نے ایک آدمی بھی میرے ساتھ کردیا۔ میں اس کا نام بھول گئی ہوں لیکن شاید وہ پہلے ریلوے پولیس میں ملازم تھا اور آج کل گاؤں دیہاتوں میں دکانوں پر مال سپلائی کرتا ہے۔ بہرحال' اس شخص نے راستے میں ان کھنڈروں کے بارے میں مجھے ایک کہانی سنائی تھی۔ رانی شپلا کی کہانی جو ایک وسیع و عریض ریاست کی مالک تھی اور اس کی محل نما حویلی اسی ٹیلے پر تھی۔"

"ہاں ..... یہ کہانی ہم نے بھی کئی بار سنی ہے۔" سکندر نے کہا۔ "لیکن ان کھنڈروں کے بارے میں بہت سی من گھڑت کہانیاں مشہور ہیں۔ قصے کہانیوں میں دلچسپی لینے والا کوئی بھی شخص آسانی سے کوئی پراسرار کہانی گھڑ سکتا ہے لیکن ان کھنڈروں کے بارے میں جو بھی کہانیاں مشہور ہیں ان میں قابل یقین کوئی بھی نہیں ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے رانی شپلا کی کہانی من گھڑت نہیں ہے۔ مبالغہ آرائی تو ہوسکتی ہے لیکن اس میں تھوڑی بہت حقیقت ضرور ہے۔" نایاب نے کہا۔

"کیا مطلب؟" سکندر نے اسے گھورا۔

"گزشتہ رات اس کی کچھ تصدیق ہوئی ہے۔" نایاب نے کہا۔ "یہ سچ ہے کہ وہ علاقہ کسی زمانے میں رانی شپلا نامی کسی عورت کی ملکیت ہوا کرتا تھا۔ اسے بندر سے عشق ہوگیا تھا جسے وہ ہنومان کا اوتار سمجھتی تھی اور اس سے یہی غلط ہوئی تھی جس سے اس کی ریاست تباہ ہوگئی اور اسے بھی زندہ جلا دیا گیا۔"

"نایاب!" سکندر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔"

"اب تو مجھے بھی وہ سب کچھ خواب ہی لگتا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "ایک اور بات بتایئے۔ کیا ان کھنڈروں کے حوالے سے کسی دفینے کا بھی ذکر کہیں ملتا ہے؟"

"کسی بھی کھنڈر کے حوالے سے ایسی باتیں گھڑی جاسکتی ہیں۔" سکندر نے کہا۔ "ان کھنڈروں کے بارے میں بھی ایسی باتیں سننے میں آتی رہی ہیں۔ ابا جان بتاتے ہیں کہ ان کی جوانی میں ایک پارٹی کسی دفینے کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔ ایسے ویران کھنڈروں میں زہریلے بچھو اور سانپ بھی ہوتے ہیں۔ وہ لوگ چار دن تک ان کھنڈروں میں گھومتے اور کھدائی کرتے رہے۔ ان کے پاس کوئی نقشہ بھی تھا۔ پانچویں دن دو آدمیوں کو سانپ نے ڈس لیا۔ ایک تو وہیں مرگیا دوسرے کو کار میں ڈال کر فور پور ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ لیکن وہ بھی نہیں بچ سکا۔ پارٹی کے باقی آدمی اسی روز بوریا بستر سمیٹ کر چلے گئے۔ وہ آخری پارٹی تھی جو کسی دفینے کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔ اس کے بعد کسی کو خزانے کی تلاش میں اس طرف آتے نہیں دیکھا۔ اس سے پہلے سنا ہے کہ کئی لوگ خزانے کی تلاش میں یہاں آچکے ہیں لیکن یہاں کوئی خزانہ نہیں ہے۔ سب من گھڑت کہانیاں ہیں۔"

"لیکن اگر میں یہ کہوں کہ ان کھنڈروں میں کسی جگہ بہت ہی قیمتی خزانہ موجود ہے تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟" نایاب نے کہا۔

"کیا .....؟" وہ سب اچھل پڑے اور عجیب سی نظروں سے نایاب کی طرف دیکھنے لگے جیسے اس کا دماغ خراب ہوگیا ہو۔

"یہ سچ ہے۔" نایاب نے کہا۔ "ان کھنڈروں کے نیچے کسی جگہ اتنا خزانہ موجود ہے جس کا آپ لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھا ہے۔ ہیرے' جواہرات' سونے چاندی کے ظروف اور بہت کچھ۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ٹیلے پر میں اسی سنہرے سانپ کے پیچھے چل پڑی تھی۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ میں ان کھنڈروں میں داخل ہوئی تھی اور جب میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے اپنے آپ کو ایک تاریک تہہ خانے میں ایک چبوترے پر پڑے ہوئے پایا۔ میں شاید وہاں سوگئی تھی۔ جب آنکھ کھلی تو میرے چاروں طرف تاریکی تھی لیکن میں خود روشنی میں تھی۔ نقرئی روشنی کا ایک حلقہ مجھے اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کونسی جگہ ہے اور میں وہاں کیسے پہنچی تھی۔ وہ سنہری

سانپ اس وقت بھی میرے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اگرچہ تاریکی میں تھا لیکن مجھے صاف نظر آرہا تھا۔ سونے کی طرح چمکتا ہوا۔

جب اس سانپ نے رینگنا شروع کیا تو میں ایک بار پھر اس کے پیچھے چل پڑی۔ تنگ سے راستوں سے ہوتے ہوئے وہ سانپ مجھے ایک اور کمرے میں لے گیا۔ یہ بہت بڑا ہال نما کمرہ تھا۔ چھت کو سہارہ دینے کے لئے لاتعداد ستون تھے۔ ہر طرف مکڑیوں کے جالے لٹکے ہوئے تھے۔ اس کمرے میں نقرئی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور سامنے ایک چبوترے پر ہیرے جواہرات کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس ڈھیر کے پاس ایک ناگن کی بہت بڑی مورتی تھی۔ اس ناگن کا رنگ بھی سنہری تھا اور وہ پھن پھیلائے بیٹھی تھی۔" نایاب ایک بار پھر خاموش ہوگئی۔ سب لوگ پلک جھپکے بغیر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ہر ایک کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ جیسے اس کی باتوں پر یقین نہ آرہا ہو۔ نایاب کچھ دیر خاموش رہی پھر انہیں بتانے لگی کہ اس تہہ خانے میں اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ میں اس تہہ خانے سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔ لیکن ابھی دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا اور پھر مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم سے جان نکلی جا رہی ہو۔ میرے اندر کھڑے رہنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ جب دوبارہ آنکھ کھلی تو میں اس ٹیلے کی ڈھلان پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ سنہرا سانپ بھی میرے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور پھر وہ سانپ رینگتا ہوا کھنڈروں کی طرف چلا گیا۔

میں اس ویرانے میں کھڑی رہی۔ سردی اور خوف سے میرا دل بھی کانپ رہا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کس جگہ پر ہوں۔ ہر طرف سے بھیڑیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں بزدل نہیں ہوں لیکن اس وقت میں خوف سے کانپ رہی تھی اور پھر میں محض اندازے کی بناء پر ایک طرف چلنے لگی۔ رات کی تاریکی آہستہ آہستہ چھٹنے لگی۔ پھر مجھے دور سے گاؤں کے مکان دکھائی دیئے۔ میں ٹھیک راستے پر آرہی تھی۔ گاؤں میں داخل ہوکر گلیوں میں گھومتی ہوئی یہاں پہنچ گئی۔"

وہ سب خاموشی سے نایاب کی طرف دیکھنے لگے۔ نرس اور عذرہ کے چہروں پر سنسنی کے عجیب سے تاثرات تھے۔ سکینہ اور سکندر بھی عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھے۔

"نایاب بہن۔" بالآخر سکندر کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ "بعض باتیں دراصل بڑی عجیب و غریب ہوتی ہیں۔ اس بات کی گواہی تو پورے گاؤں والے دے سکتے ہیں کہ تم اس خطرناک سانپ کو سپیروں کے سامنے سے اٹھا کر بھاگی تھیں اور پھر اس طرح غائب ہوگئی تھیں کہ ڈھونڈے سے بھی تمہارا پتہ نہیں چلا تھا۔ سب لوگ تمہاری طرف سے مایوس ہوچکے تھے۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ تمہیں سانپ نے ڈس لیا ہوگا اور تمہاری لاش کھیتوں میں کہیں پڑی ہوگی۔ لیکن مجھے اور میرے گھر والوں کو یقین تھا کہ تم زندہ ہو اور جہاں بھی ہوگی خیریت سے ہوگی۔ ہماری دعائیں پوری ہوئیں اور تم خیریت سے واپس آگئیں۔ لیکن تم جو کچھ بتا رہی ہو وہ بہت ہی حیرت انگیز اور ناقابل یقین سا لگتا ہے۔"

"ابھی آپ نے یہ بات تسلیم کی تھی کہ یہ علاقہ کسی زمانے میں رانی شپا کی ریاست میں شامل تھا اور اس کا حویلی نما محل اس ٹیلے پر تھا۔" نایاب نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر بولی۔ "ان کھنڈروں میں خزانے کی باتیں بھی محض قصے نہیں ہیں۔ لوگ کسی خزانے کی تلاش میں یہاں آتے رہے ہیں۔"

"وہ تو درست ہے لیکن....." سکندر چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم اس سنہرے سانپ کو لے کر بھاگی ہو تو دوڑتے دوڑتے اس ٹیلے پر پہنچ کر تھک کر گر گئی ہو۔ مان لیا کہ تم نے اس زہریلے سانپ کی جان بچائی تھی اور اسے احسان سمجھ کر اس نے تمہیں ڈسا نہیں۔ تم تھکن سے نڈھال تھیں۔ وہیں پڑے پڑے سو گئیں اور یہ سب کچھ تم نے خواب میں دیکھا ہو۔"

"خواب۔" نایاب نے اسے گھورا۔ "نہیں سکندر بھائی وہ خواب نہیں تھا۔ ان کھنڈروں میں تہہ خانے میں' میں نے جو کچھ دیکھا وہ حقیقت تھا۔ ناگن کی وہ مورتی' وہ خزانہ .... سب کچھ میں نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ آپ کو یقین کرنا ہوگا کہ وہ خواب نہیں تھا۔"

"اگر وہ خواب نہیں تھا تو سب کچھ حیرت انگیز اور سنسنی خیز ہے۔" سکندر بولا۔ وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسی حویلی کے پھاٹک پر دستک کی آواز سنائی دی۔ "تم اپنے کمرے میں چلی جاؤ ..... کسی کو معلوم نہ ہو کہ تم واپس آگئی ہو۔ ہم بعد میں بات کریں گے۔"

نایاب کھانا کھا چکی تھی۔ وہ اٹھ کر نرگس والے کمرے میں آگئی اور دروازہ اندر

سے بند کرلیا۔ وہ بستر پر لیٹ کر سوچنے لگی کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے کیا واقعی وہ سب کچھ حقیقت ہے یا وہ کوئی خوفناک اور طویل خواب دیکھ رہی ہے۔ اسے یہ تو یاد تھا کہ وہ بین کی آواز سن کر صبح کمرے سے نکلی تھی اور سکندر نے جو کچھ بتایا تھا وہ اسے بالکل یاد نہیں تھا اور پھر اسے یہ بھی یاد تھا کہ اس نے اپنے آپ کو ٹیلے کے دامن میں پڑے ہوئے پایا تھا۔ اس کے بعد اس کا ذہن پھر غوطہ کھا گیا تھا۔ اسے ٹیلے پر کھنڈروں کے تہہ خانے میں ناگن والا کمرہ اور زر و جواہر کا ڈھیر تو یاد تھا۔ لیکن یہ یاد نہیں تھا کہ وہ اس تہہ خانے میں داخل کیسے ہوئی تھی اور باہر کیسے آئی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ ناگن والے کمرے میں فرش پر ڈھیر ہوگئی تھی۔ لیکن باہر آنا اسے یاد نہیں تھا۔ اسے باہر کون لایا تھا۔ کسی نے اسے اٹھا کر ٹیلے پر اس جگہ ڈال دیا تھا یا تنویمی کیفیت میں اس سنہرے ناگ کے پیچھے چلتے ہوئے باہر آئی تھی۔

وہ جیسے جیسے سوچتی اس کا ذہن الجھتا جاتا۔ کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کبھی تو وہ سوچتی کہ وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ اس کی آنکھ کھلے گی تو یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

وہ ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ یوں لگا جیسے کسی نے انگلی سے بہت آہستگی سے دروازہ بجایا ہو۔ اس نے اٹھ کر بولٹ ہٹا دیا۔ دروازہ آہستگی سے کھلا اور نرگس اندر داخل ہوئی۔ اس نے اندر آتے ہی دروازہ بند کرکے بولٹ چڑھا دیا۔

"بڑی سنسنی خیز خبر ہے۔" نرگس نے اس کے ساتھ پلنگ کی پٹی پر بیٹھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"وہ کیا ....؟" نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا اس سنہرے ناگ نے پھر کسی کو ڈس لیا ہے؟"

"نہیں۔" نرگس بولی۔ "چوہدری سعادت نے نور پور تھانے میں تمہاری گمشدگی کی رپورٹ لکھوائی ہے۔ اس نے اپنی رپورٹ میں اس سنہرے ناگ اور عبدالرحمٰن کی موت کا حوالہ دے کر یہ بھی لکھوایا ہے کہ تم اس خطرناک سانپ کو اٹھا کر کھیتوں میں بھاگ گئی تھیں۔ ہوسکتا ہے تم کسی حادثے کا شکار ہوچکی ہو۔ اس نے کہا ہے کہ پولیس تمہاری گمشدگی کی تحقیقات کرے اور تمہیں مردہ قرار دیدیا جائے۔"

"پولیس مجھے مردہ کیسے قرار دے سکتی ہے۔" نایاب نے کہا۔ "کوئی چیز بھی گم یا چوری ہو جائے تو اس کی تفتیش و تحقیقات میں بھی وقت لگتا ہے۔ میں تو ایک انسان ہوں۔ میری لاش دیکھے بغیر مجھے مردہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔"

"یہاں سب کچھ ممکن ہے۔" نرگس نے کہا۔ "لاکھ دو لاکھ روپے پولیس کی نذر کر دینا چوہدری سعادت جیسے شخص کے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اتنی بڑی رقم مل جانے پر تو پولیس سائے کھڑے ہوئے کسی شخص کے بارے میں بھی یہ ثابت کرسکتی ہے کہ وہ مرچکا ہے۔" نرگس نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تمہارا معاملہ تو بڑا سیریس ہے۔ تم ان کی جائیداد میں آدھا حصہ طلب کر رہی ہو اور اس سلسلے میں عدالت میں کیس بھی چل رہا ہے۔ اگر یہ لوگ تمہیں مردہ ثابت کردیں تو وہ کیس ختم ہو جائے گا اور ان کی جائیداد تقسیم ہونے سے بچ جائے گی۔"

"ایک زندہ انسان کو کیسے مردہ ثابت کیا جاسکتا ہے؟" نایاب نے اسے گھورا۔

"اس کے بہت سے طریقے ہیں۔" نرگس نے کہا۔ "چوہدری سعادت کے آدمی اب بھی تمہاری تلاش میں ہیں۔ کئی آدمی مختلف بستیوں کی طرف جاکر تمہارا سراغ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم ان کھنڈروں سے نکل کر خیریت سے یہاں پہنچ گئیں اور کسی نے تمہیں دیکھا نہیں۔ اگر تم کسی کی نظروں میں آجاتیں تو تمہیں ختم کردیا جاتا اور تمہاری موت کو حادثہ ثابت کرنا مشکل نہ ہوتا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" نایاب کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اس کا ذہن اس قدر الجھا ہوا تھا کہ وہ سیدھی سادھی بات کو نہیں سمجھ سکی تھی۔ "تمہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا ہے؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے نرگس کی طرف دیکھنے لگی۔

"انور بھائی نے۔" نرگس نے کہا۔ "وہ ہمارے تایا کے بیٹے وکیل ہیں اور نور پور ہی میں رہتے ہیں۔ وہ کسی آدمی کی ضمانت کے سلسلے میں تھانے گئے تھے۔ اسی وقت چوہدری سعادت بھی تھانے پہنچا تھا اور کافی دیر تک وہاں بیٹا تھانیدار سے باتیں کرتا رہا تھا۔ اور بھائی کا کہنا ہے کہ وہ دوسری میز پر سب انسپکٹر کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور انہوں نے چوہدری سعادت کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ ان باتوں میں چونکہ ابا جان اور سکندر بھائی کا نام بھی آیا تھا اس لئے انور بھائی اپنا کام ہو جانے کے باوجود وہاں بیٹھے رہے تھے۔

ان کی پیٹھ چوہدری سعادت کی طرف تھی۔ اگر سعادت انہیں دیکھ لیتا تو ایسی باتیں کبھی نہ کرتا۔ پھر تھانیدار اسے لے کر کہیں چلا گیا تو انور بھائی بھی تھانے سے باہر نکلے اور اپنے کام نمٹانے کے بعد ہمیں یہ سب کچھ بتانے کے لئے یہاں آئے ہیں۔"

"کیا انہیں بتا دیا ہے کہ میں یہاں ہوں۔" نایاب نے پوچھا۔

"سکندر بھائی نے انہیں تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ تم یہاں ہو۔" نرگس نے جواب دیا۔

"تمہارے بارے میں عام طور پر اب بھی یہی سمجھا جا رہا ہے کہ تمہیں سانپ نے ڈس لیا ہوگا اور تمہاری لاش کھیتوں میں پڑی ہوگی۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کو یقین ہے کہ تم زندہ ہو۔ لیکن تمہاری گمشدگی ان کے لئے معمہ بنی ہوئی ہے۔ ایسے لوگ بہرحال تمہاری سلامتی کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔"

"گویا صرف چوہدری فیملی اور اس کے حواریوں کو یقین ہے کہ میں مرچکی ہوں یا وہ لوگ میرے مرنے کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔" نایاب نے کہا۔

"ہاں۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔" نرگس نے کہا۔ "تم یہیں بیٹھی رہو۔ میں دیکھ کر آتی ہوں اور کیا باتیں ہو رہی ہیں۔"

نرگس چلی گئی۔ اس نے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔ نایاب بیڈ پر لیٹ گئی اور اس تازہ ترین صورت حال کے بارے میں سوچنے لگی۔ چوہدری سعادت بہت جلد کھل گیا تھا۔ ان باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ہر صورت میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ نایاب مرچکی ہے۔ اس کے لئے وہ پولیس کا سہارا لے رہا تھا۔ اس روز نایاب پولیس آفیسر سے ملی تھی تو وہ اسے بہت معقول آدمی لگا تھا۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ عبدالغنی' راشدہ اور ہوانشس مین عبدالرشید کے کیس کی تحقیقات کرے گا۔ لیکن نایاب کو یہ بھی اندازہ تھا کہ پیسے میں بڑی طاقت ہے۔ اگر پولیس آفیسر' چوہدری سعادت کے سنہری جال میں آگیا تو پھر اس سے صحیح رخ پر تحقیقات کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ لیکن نایاب نے بہرحال یہ طے کرلیا تھا کہ وہ ان تینوں بے گناہوں کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لے گی۔ خواہ اس کے لئے اسے کیسے ہی حالات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ وہ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے سوگئی۔

اسے شام چھ بجے عذرہ نے جگایا تھا۔ نایاب کے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ وہ

کافی دیر اسی طرح بستر پڑی رہی۔ پھر اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ عذرہ نے اس کے لئے چائے بنا دی اور وہ برآمدے میں کرسی پر بیٹھ کر چائے پینے لگی۔ ملک صلاح الدین بھی کھیتوں سے آچکے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ بھی کمرے سے نکل کر نایاب کے پاس بیٹھ گئے۔

"کیسی طبیعت ہے اب بیٹی!" انہوں نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں انکل۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"سکندر نے مجھے تمہارے بارے میں کچھ عجیب و غریب سی باتیں بتائی ہیں۔" ملک صاحب نے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اس قسم کی باتیں پہلے کبھی سننے میں نہیں آئی تھیں۔"

"باتیں چاہے عجیب و غریب ہوں یا انوکھی۔" نایاب نے کہا۔ "حقائق کو تو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا نا انکل۔"

"یہ تو درست ہے بیٹا۔ میں بھی حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر رہا۔" ملک صاحب بولے "گاؤں کے بہت سے لوگوں نے دیکھا تھا کہ تم سپیروں کے سامنے سے وہ خطرناک سانپ اٹھا کر بھاگ گئی ہو اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تم زندہ سلامت میرے سامنے بیٹھی ہوئی ہو اور اس سانپ نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ یہ تو ایسی حقیقت ہے جس سے کسی صورت بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مگر ان کھنڈروں کے بارے میں تم نے جو کچھ بتایا ہے وہ کچھ عجیب سا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ سب کچھ حقیقت ہو۔ مگر بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں جن پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"لیکن میں نے جو کچھ بتایا ہے وہ سو فیصد درست ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "کل صبح گھر سے نکلنے کے بعد سے آج صبح واپس آنے تک اگرچہ میرے ساتھ بعض عجیب واقعات پیش آئے ہیں جن کے بارے میں، میں خود بھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن کھنڈروں کے نیچے تہہ خانے میں، میں نے جو کچھ بھی دیکھا ہے اسے نہیں جھٹلایا جاسکتا۔ مثلاً" رانی شلپا کی کہانی مجھے اسٹیشن سے یہاں آتے ہوئے راستے میں اس آدمی نے سنائی تھی جو مجھے چھوڑنے آیا تھا۔ تہہ خانے میں اس پراسرار آواز نے اس کہانی کی تصدیق کر دی۔ مجھے یہ کہانی اس ناگن نے سنائی تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ بندر اب بھی اس

علاقے میں موجود ہے جس کی وجہ سے رانی شلپا اور اس کی ریاست تباہی کا شکار ہوئی تھی۔ یہاں ایک دو باتوں کے سلسلے میں، میں بھی الجھن کا شکار ہوں۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "مثلاً میرے کانوں میں سنہرے ناگ کی سرگوشیوں کے بارے میں نرگس نے ٹیلی پیتھی کا سہارا لیا اور یہ توجیہہ پیش کی کہ سانپ اور میرے دماغ کی لہروں کی فریکوینسی مل گئی ہوگی۔ مان لیا کہ ایسا ہوا ہوگا۔ مگر تہہ خانے میں وہ نسوانی سرگوشیاں۔ یقیناً وہ ناگن مجھ سے مخاطب تھی۔ لیکن سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو پتھر کی مورتی تھی۔ وہ سوچ نہیں سکتی۔ اس لئے اس کے دماغ کی لہروں کی فریکوینسی ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب ہے کوئی پراسرار قوت بھی ان معاملات میں ملوث ہے۔ ایک اور بات بھی میرے لئے الجھن کا باعث بنی ہوئی ہے۔ مجھے یہ تو یاد ہے کہ میں اس ناگ کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی کھنڈروں تک گئی تھی۔ لیکن مجھے یہ بالکل یاد نہیں کہ میں ان کھنڈروں کے نیچے کیسے گئی اور پھر باہر کیسے آئی؟"

"مجھے تو یہ سب کچھ ہی پراسرار لگ رہا ہے۔" ملک صاحب نے کہا۔ "بہرحال، چوہدری سعادت کے حوالے سے اب تک جو صورت حال سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے تمہیں مردہ تسلیم کرلیا ہے اور یہ مشہور بھی کر دیا ہے۔ کہ تم مرچکی ہو۔ وہ پولیس سے بھی تمہاری موت کی تصدیق کرانا چاہتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب تمہیں زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ تمہیں زندہ دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو جائے گا اور ہوسکتا ہے وہ تم پر کوئی وار کرنے کی کوشش بھی کرے۔"

"آپ مطمئن رہئے انکل۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "چوہدری سعادت کچھ بھی کرلے۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ اب میرے خلاف اس کے عزائم کیا ہیں۔ لہٰذا میں نے بھی یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اب اسے چین سے بیٹھنے نہیں دوں گی۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی، اس کی بیوی راشدہ اور ہوائنشس مین عبدالرشید کے قتل میں اس کا ہاتھ ہے۔ یہ پولیس کو چاہے کتنا بھی کھلا دے۔ میں اس کیس کی تحقیقات کرانے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کروں گی۔"

"ویسے میں سمجھتا ہوں کہ تم جب تک ہمارے ہاں ہو وہ کوئی حماقت کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ لیکن اس جیسے آدمی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ ناگ تو دراصل ایسے

ہی لوگ ہوتے ہیں جو موقع ملتے ہی ڈس لیتے ہیں۔ بہرحال' تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ملک صاحب کہتے ہوئے اٹھ گئے۔ اس وقت مغرب کی اذان کی آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔ "سکینہ بیٹے میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔ سکندر آجائے تو اسے کہنا وہ گھر پر ہی رہے۔"

ملک صاحب حویلی سے باہر چلی گئے۔ ان کے جاتے ہی عذرہ نے حویلی کا باہر والا دروازہ بند کر دیا تھا۔

"کیا مجھے اسی طرح چھپ کر رہنا پڑے گا۔" نایاب نے نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سکندر بھائی نے کہا تھا کہ آج کے دن تم پر کسی کی نظر نہیں پڑنی چاہئے۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے۔ "پتہ نہیں ان کے ذہن میں کیا ہے۔"

"باجی یہاں بہت مچھر ہو رہے ہیں۔ چلئے اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔" مچھر واقعی بہت ہو رہے تھے۔ وہ اٹھ کر کمرہ میں آگئیں۔ عذرہ کرید کرید کر ان کھنڈروں کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

"اس ناگن کو دیکھ کر آپ کو ڈر نہیں لگا تھا نایاب باجی؟"

"ڈر لگا تھا۔ لیکن یہ جان جا کر اطمینان ہوا کہ وہ ناگن اصل نہیں پتھر کی مورتی تھی۔" نایاب نے جواب دیا۔

"کیا واقعی آپ نے وہاں اتنا بڑا خزانہ دیکھا تھا؟" عذرہ نے دوسرا سوال داغ دیا۔

"ہاں بھئی۔ بہت بڑا خزانہ تھا۔ ڈھیر لگا ہوا تھا۔ سونے کے زیورات بھی تھے۔ اتنے بڑے بڑے جگمگاتے ہوئے ہیرے اور ایک تاج بھی تھا بہت ہی خوبصورت۔ لعل و جواہر جڑے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے وہ رانی شلپا کا تاج ہوگا۔" نایاب نے کہا۔

"یہ رانی شلپا کون تھی باجی۔" عذرہ نے پوچھا۔ "ہم نے تو اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔ ہاں البتہ یہ سنا تھا کہ ان کھنڈروں میں کوئی خزانہ چھپا ہوا ہے۔"

"رانی شلپا۔" نایاب کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اور پھر اسے وہ کہانی سنانے لگی جو گاؤں کی طرف آتے ہوئے اس نے اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی کے دوست سے سنی تھی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "سنا ہے۔ یہ بہت بڑی ریاست ہوا کرتی تھی۔ بڑی خوشحالی تھی

یہاں۔ لیکن رانی شلپا ایک راکشش کے جال میں پھنس گئی۔ لوگ رانی کو بہت نیک اور پاکباز سمجھتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ رانی پورن ماشی کی رات کس طرح گزارتی ہے تو انہوں نے رانی کے محل کو آگ لگا کر اسے زندہ جلا دیا اور پھر یہ ریاست بھی تباہ ہوگئی۔ تمہیں معلوم ہے پرانے زمانے میں نوابوں کی حویلیاں اور راجہ مہاراجاؤں اور شہنشاہوں کے محلات بہت مشہور ہوا کرتے تھے۔ یہ محلات اور حویلیاں دراصل سازشوں کے گڑھ ہوتے تھے۔ ان میں ایسے ایسے پراسرار اور خفیہ راستے اور سرنگیں ہوتی تھیں کہ عام آدمی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ راجے' مہاراجے اپنے خزانے ان خفیہ تہہ خانوں میں چھپا کر رکھتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی راجہ کو قتل کرکے اس کی ریاست پر تو قبضہ کرلیا جاتا مگر اس کا خزانہ پوشیدہ رہتا اور ٹیلے والے کھنڈروں کے نیچے تہہ خانے میں وہ خزانہ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ خزانہ رانی شلپا ہی کا ہوگا۔ اور اس نے تہہ خانے میں چھپا رکھا تھا۔ رانی اور اس کی ریاست تو ختم ہوگئی مگر وہ خزانہ اب بھی تہہ خانے میں موجود ہے اور شیلتا ناگن اس کی حفاظت کر رہی ہے۔ ناگن شیلتا اور رانی شلپا میں شاید کوئی معاہدہ ہوا ہوگا۔ اسی لئے تو وہ ناگن کہہ رہی تھی کہ اب وہ آدھے خزانے کی مالک بن چکی ہے جس میں سے کچھ حصہ اس نے مجھے پیش کر دیا تھا۔ اگر وہ اصل خزانے کا ایک معمولی سا حصہ تھا تو مجھے حیرت ہے کہ اصل خزانہ کتنا بڑا ہوگا۔"

"اس نے وہ خزانہ آپ کو دے دیا تھا۔" عذرہ نے حیرت سے پوچھا۔ "تو آپ وہ خزانہ لے کر کیوں نہیں آئیں۔"

"مجھے تو خود معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں۔ وہ خزانہ کیسے لاتی۔ ویسے ....."

نایاب ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "ویسے اس ناگن نے مجھے کہا تھا کہ میں جب چاہوں خزانہ لے جاسکتی ہوں۔"

"کاش! آپ کو وہاں کا راستہ معلوم ہوتا ہے۔" عذرہ نے گہرا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ نایاب کچھ کہنا چاہتی تھی کہ حویلی کے دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔ نرگس اٹھ کر دروازہ کھولنے چلی گئی۔

وہ سکندر تھا۔ اس کے فوراً ہی بعد ملک صاحب بھی آگئے۔ نرگس تو اٹھ کر اپنی بھابھی کے ساتھ کھانے وغیرہ کی تیاری کرنے لگی اور عذرہ' نایاب کا دماغ چاٹنے لگی۔

آٹھ بجے تک کھانا کھا لیا گیا۔ کھانے کے تھوڑی ہی دیر بعد سکندر کہیں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

"چلو۔ نایاب بی بی!" تمہیں چوہدری سعادت کی دعوت میں لے چلوں۔ سنا ہے اس نے نور پور سے باورچی کو لاکر دیگیں پکوائی ہیں۔" سکندر نے کہا۔

"لیکن آپ نے تو کھانا کھالیا ہے۔ دعوت میں جاکر کیا کریں گے اور پھر میں کیسے چلوں۔ مجھے تو آپ نے صبح سے گاؤں والوں سے چھپا رکھا ہے۔" نایاب نے کہا۔

"اسی لئے تو چھپایا گیا تھا۔" سکندر نے جواب دیا۔ "چوہدری سعادت آج گاؤں والوں کے سامنے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کہ تم مرچکی ہو۔ اس نے نور پور کے تھانیدار کو بھی دعوت میں بلایا ہے۔ لوگوں کی باتوں سے وہ تھانیدار پر بھی یہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کہ تم اب اس دنیا میں نہیں رہی ہو۔ تھانیدار کی رپورٹ سے وہ مقدمے پر بھی اثر انداز ہونا چاہتا ہے۔"

"اگر وہ تھانیدار میرے بارے میں ایسی کوئی رپورٹ دے گا تو دنیا کا سب سے بڑا احمق ہوگا۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرحال۔ میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ مجھے تیار ہونے میں چند منٹ لگیں گے۔ اپنے سسرال جا رہی ہوں۔ کپڑے تو ڈھنگ کے ہونے چاہئیں نا۔" آخری الفاظ اس نے مسکراتے ہوئے کہے تھے۔

"تمہیں میرے ساتھ نہیں چلنا۔" سکندر نے کہا۔ "میں ابھی جا رہا ہوں۔ تم آدھے گھنٹے بعد آ جانا۔ دعوت کا انتظام حویلی میں کیا گیا ہے۔ تم وہیں آ جانا۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ چلئے میں بھی آتی ہوں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

سکندر چلا گیا۔ اس کے تقریباً" پندرہ منٹ بعد نایاب نے نرگس سے کپڑوں کا ایک جوڑا لے لیا اور ان دونوں کو کمرے سے نکال کر کپڑے تبدیل کرنے لگی اور پھر ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ روانگی کے لئے تیار تھی۔ اس نے ایک چادر اس طرح اوڑھ لی تھی کہ اس کے کپڑے بھی چھپ گئے تھے اور چہرہ بھی۔ صرف آنکھیں برہنہ تھیں۔

"خیال رکھنا نایاب۔" نرگس نے کہا۔ "اگر کوئی گڑبڑ محسوس کرو تو فوراً" وہاں سے نکل آنا۔"

"تم فکر مت کرو مائی ڈیئر!" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک چوہدری

سعادت تو کیا اس جیسے دس آدمی بھی آجائیں تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

وہ حویلی سے باہر آ گئی۔ نرگس اور عذرہ گیٹ میں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ گلی کے موڑ پر پہنچ کر نایاب نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور ہاتھ ہلاتے ہوئے دوسری گلی میں مڑ گئی۔

ملک صاحب والی گلی میں دو جگہوں پر بلب لگے ہوئے تھے۔ جن کی وجہ سے وہ گلی روشن تھی۔ لیکن دوسری گلی میں اندھیرا تھا۔ اس سے آگے والی گلی میں بھی تاریکی تھی۔ وہ کئی مرتبہ ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچی تھی۔ راستے میں دو چار آدمیوں کا سامنا بھی ہوا تھا۔

کئی گلیاں گھومنے کے بعد نایاب چوہدری امانت علی کی حویلی والی گلی میں آ گئی۔ حویلی کے پھاٹک کے سامنے دو سو واٹ کا بلب جل رہا تھا جس کی روشنی گلی میں دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ گلی میں پولیس کی جیپ بھی کھڑی تھی جس کا مطلب تھا کہ نور پور کا تھانیدار بھی آیا ہوا تھا۔

حویلی کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ اتفاق سے اس وقت پھاٹک پر کوئی نہیں تھا لیکن اندر بہت سے لوگ نظر آ رہے تھے۔ نایاب پھاٹک میں داخل ہو گئی۔

لان میں دریاں بچھی ہوئی تھیں۔ ان پر چالیس پچاس آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے چند کرسیاں تھیں جن پر گاؤں کے وہ معززین بیٹھے ہوئے تھے جو چوہدری فیملی کے حلقہ احباب میں شامل تھے۔ تھانیدار بھی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ دوسری کرسی پر چوہدری سعادت نظر آ رہا تھا۔ لان میں تین چار جگہوں پر لگے ہوئے پولز پر بلب روشن تھے۔

یہ لوگ بہت پہلے کھانا کھا چکے تھے اور اب باتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے اور چوہدری سعادت ساتھ والی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھانیدار سے کچھ کہہ رہا تھا۔ تھانیدار سادہ لباس میں تھا۔ چند منٹ بعد چوہدری سعادت اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"بھائیو! تھانیدار صاحب یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کل اس گاؤں میں کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ آپ میں سے کوئی ایک آدمی اٹھ کر کھڑا ہو جائے اور تفصیل سے بتائے۔"

تین چار آدمی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ چوہدری نے ان میں سے ایک آدمی کو کھڑے رہنے دیا اور باقی سب بیٹھ گئے۔ اس آدمی کا نام عبدالغفور تھا۔ اس نے عبدالرحمٰن کو سانپ کے ڈسنے سے لے کر نایاب کے سانپ اٹھا کر بھاگنے والے تک کے واقعات کے بارے میں تفصیل سے سب کچھ بتایا۔

نایاب ایک طرف کھڑی سن رہی تھی۔ اس نے ایک کرسی پر سکندر کو بھی دیکھ لیا تھا جو خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ عبدالغفور کے خاموش ہونے کے بعد کچھ اور لوگ بھی اٹھ اٹھ کر اس واقعہ کے بارے میں بتاتے رہے۔ ہر شخص کا زور اسی بات پر تھا کہ نایاب اب اس دنیا میں نہیں رہی۔

"میں بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" ملک سکندر کھڑا ہوگیا۔ سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے وہ کہہ رہا تھا۔ "لاش دیکھے بغیر کسی کی موت کی تصدیق کر دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ نایاب زندہ ہے اور چوہدری!" وہ چوہدری سعادت کی طرف مڑگیا۔ "تم نایاب کی دشمنی میں اس حد تک آگے نہ چلے جاؤ کہ واپسی تمہارے لئے مشکل ہو جائے۔"

"ملک جی!" چوہدری سعادت نے کہا۔ "تم تو بلاوجہ نایاب کی طرف داری کر رہے ہو۔ مان لیا کہ تم اسے بہن کہتے تھے اور بہن ہی کی طرح اسے چاہتے بھی تھے۔ مگر حقیقت سے آنکھیں تو نہ چراؤ ملک جی! کل جو کچھ ہوا تمہارے سامنے ہوا۔ بلکہ تم خود ہی تو اسے پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے بھاگے تھے اور کل سارا دن اسے تلاش بھی کرتے رہے۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو مل نہ جاتی۔ یہ سب لوگ غلط تو نہیں کہہ رہے نا۔ نایاب کی کہانی تو سمجھو اب ختم ہی ہوچکی ہے۔ اب اسے بھول جاؤ۔"

"کہانی ختم نہیں ہوئی بلکہ اب شروع ہوئی ہے۔" نایاب نے کہا۔ وہ لکڑی کے ایک پول کے ساتھ کھڑی تھی جس پر بلب جل رہا تھا۔

"کون ہو تم بی بی ..... ذرا آگے تو آؤ۔" چوہدری سعادت نے کہا۔

تھانیدار بھی اس طرف دیکھنے لگا تھا۔ نایاب پول کے قریب سے ہٹ کر چند قدم آگے بڑھ گئی۔

"ملک جی ٹھیک کہتے ہیں کہ نایاب مری نہیں زندہ ہے۔" اس نے ایک جگہ رک کر

کہا۔

"تم کون ہو بی بی۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ نایاب زندہ ہے؟" یہ سوال اس سے تھانیدار نے کیا تھا۔

"تم تو قانون کے محافظ ہو تھانیدار جی۔" نایاب نے کہا۔ اس کا بات کرنے کا انداز دبنگاتیوں جیسا ہی تھا۔ "بے گناہوں اور مظلوموں کو تحفظ فراہم کرنا تمہاری ذمہ داری ہے لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ دولت کی چمک نے تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے اور تم اپنے فرائض بھول گئے ہو۔"

"بی بی تم ہو کون؟" تھانیدار بولا۔ "تم مجھ پر الزام لگا رہی ہو۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی کسی کے ساتھ زیادتی کی ہو۔"

"تمہاری یہاں موجودگی ثابت کرتی ہے کہ تم اپنے فرائض بھول گئے ہو۔" نایاب نے کہا۔

"کیا یہ غلط ہے کہ یہ چوہدری سعادت آج تمہارے پاس آیا تھا اور نایاب کی موت کے بارے میں رپورٹ تیار کرنے کے لئے اس نے تمہیں کوئی بڑی رشوت دی تھی اور تم اپنا فرض بھول کر یہاں چلے آئے۔ اس سے ایک روز پہلے نایاب بھی تم سے ملی تھی اور اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی' اس کی بیوی راشدہ اور ہوائنشس مین عبدالرشید کے بارے میں تمہیں کچھ حقائق بتائے تھے۔ لیکن اس معاملے میں تو تم نے کچھ نہیں کیا اور نایاب کے خلاف اس کی موت کے ثبوت اکٹھا کرنے کے لئے یہاں چلے آئے۔ اس کے بعد بھی تم کہتے ہو کہ تم نے کبھی کسی کے خلاف زیادتی نہیں کی۔"

"مجھے نہیں یاد پڑتا کہ نایاب نام کی کوئی عورت میرے پاس آئی ہو۔" تھانیدار نے کہا۔ "تمہارے ساتھ اگر کسی نے کوئی زیادتی کی ہو' تمہیں اگر کوئی شکایت ہے تو تھانے آکر مجھے بتاؤ۔ میں قانون کے مطابق کارروائی کروں گا۔"

"مجھے شکایت یہ ہے کہ میرے زندہ ہوتے ہوئے مجھے مردہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔" نایاب نے کہتے ہوئے چہرے سے چادر ہٹا دی۔

ایک لمحہ کو اس طرح خاموشی چھا گئی جیسے ان سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ اس کا چہرہ دیکھ کر سب ہی بھونچکا رہ گئے تھے اور چوہدری سعادت کی حالت تو ایسی تھی جیسے سکتہ ہوگیا

ہو۔ وہ پلک جھپکے بغیر نایاب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تھانیدار کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں تھی۔

"اب آپ کو یاد آیا کہ نایاب نام کی کوئی عورت آپ کے پاس آئی تھی یا نہیں؟" نایاب نے تھانیدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تھانیدار ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ "بی بی! اگر آپ کو مجھ سے یا کسی اور سے کوئی شکایت ہے تو کل صبح نور پور تھانے آجایئے۔" وہ مزید کچھ کہے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا حویلی کے پھاٹک کی طرف چل پڑا۔ چوہدری سعادت بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ وہ تیز تیز لہجے میں تھانیدار سے کچھ کہہ رہا تھا مگر تھانیدار کو شاید اب اس کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا حویلی سے باہر نکل گیا۔

چوہدری سعادت جب واپس آیا تو بپھرا ہوا تھا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ خونخوار نظروں سے نایاب کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"دیکھ لیا سعادت۔" ملک سکندر اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "میں نے کل بھی تم سے کہا تھا کہ کوئی ایسی بات نہ کہو جس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت نہ ہو۔ مگر تم تو اپنے آپ کو بہت عقلمند سمجھتے ہو نا۔ تم نے یہ یقین کرلیا تھا کہ نایاب مرچکی ہے۔ اور اس کے مرنے کی خوشی میں تم نے جشن بھی منا ڈالا۔ دیکھ لو..... اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ نایاب تمہارے سامنے زندہ سلامت کھڑی ہے۔"

"یہ ..... یہ سب تمہاری سازش ہے۔" چوہدری سعادت اس کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔ "تم نے مجھ سے دشمنی کی ہے۔ تمہیں معلوم تھا کہ نایاب زندہ ہے۔"

"اسی لئے تو کل شام سے تمہیں سمجھ رہا تھا کہ کوئی ایسی بات مت کرنا جس پر بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑے۔ مگر تمہارے دماغ میں تو کچھ اور ہی سمائی ہوئی تھی۔ تم تو کل تھانے میں اس کی گمشدگی اور موت کی رپورٹ لکھوانے چلے گئے تھے۔ تمہاری تو سمجھ میں کوئی بات ہی نہیں آئی۔ اب شرمندہ ہو رہے ہو نا ان لوگوں کے سامنے۔ تم نے تو ان لوگوں کو بھی ذلیل کروا کے رکھ دیا ہے۔"

"میں..... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" سعادت چیخا۔

"تم پھر جذباتی ہو رہے ہو۔" ملک سکندر نے کہا۔ "اگر نایاب کو کچھ ہوگیا تو تمہاری

گردن میں پھانسی کا پھندا لگ جائے گا۔ ان سب لوگوں کے سامنے تم اسے قتل کرنے کی دھمکی دے رہے ہو۔ اوئے عقل کے ناخن لو بھلے آدمی! اب بھی وقت ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ اسے اپنا سمجھ کر عزت و احترام سے گھر میں لے آؤ۔ اوئے یہ تو تمہارے چھوٹے بھائی کی امانت ہے۔ اس کی عزت کرو..... اس کے محافظ بنو..... پر..... تم تو اس کے دشمن بن گئے ہو اور میری ایک بات سن لو..... تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ جذبات میں آکر اپنا ہی نقصان کر بیٹھو گے۔ یہ تمہارے گھر کی عزت ہے۔ اس کی حفاظت کرو۔"

"ملک جی ٹھیک کہتے ہیں۔" سامنے دری پر بیٹھے ہوئے سراج نے اٹھ کر کہا۔

"آہو جی۔" غلام محمد بھی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ "چھوٹی بی بی سارے پنڈ کی عزت ہے۔ اس نے آج تک کوئی ایسی بات نہیں کی۔ جس سے اس پنڈ یا آپ کے گھر کی عزت پر کوئی حرف آیا ہو۔ ملک جی ٹھیک کہتے ہیں۔ ساری نارا نگیاں بھلا دو چوہدری اب چھوڑ دو ساری باتیں۔"

"باتیں میں نے شروع کی تھیں یا اس نے۔" سعادت نے نایاب کی طرف اشارہ کیا۔ "جائیداد کے لئے مقدمہ میں نے کیا تھا یا اس نے۔"

"اگر مجھے میرا حق مل جاتا تو میں کبھی عدالت کا رخ نہ کرتی۔" نایاب نے کہا۔ "لیکن تم تو اب بھی نہ تو مجھے اس گھر کی بہو ماننے کو تیار ہو اور نہ ہی مجھے میرا حق دینے پر آمادہ ہو۔ اس کے برعکس تم میرے خلاف سازشوں میں مصروف ہو۔ مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو۔ اس کے لئے تم نے کئی بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ تم نے اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی اور اس کی بیوی کو زندہ جلوا دیا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ اس رات انہوں نے مجھے اپنے گھر میں پناہ دی تھی اور تمہارے آدمیوں کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور پھر ہوائنسس مین عبدالرشید کا جرم یہ تھا کہ میں نے اس سے ملاقات کرکے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا تھا جنہوں نے اسٹیشن ماسٹر کے گھر کو آگ لگائی تھی۔ اس نے عبدالرحمٰن کو اس کے گھوڑے کی وجہ سے پہچان لیا تھا۔ میں عبدالرشید کو پولیس کے سامنے پیش کرنا چاہتی تھی۔ لیکن تمہیں میری اور عبدالرشید کی ملاقات کا پتہ چل گیا اور تم نے اسے بھی ختم کروا دیا۔ کب تک بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلتے رہو گے۔ اب بھی وقت ہے۔ یہیں رک جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ اس دلدل میں تم اس طرح پھنس جاؤ کہ

نکلنا مشکل ہو جائے۔"

"جھوٹے الزامات لگا کر مجھے ان لوگوں کے سامنے ذلیل کرنا چاہتی ہو؟" چوہدری سعادت دھاڑا۔ "اب میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ گاؤں والوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے تم جو ڈرامے کر رہی ہو میں وہ بھی جان گیا ہوں۔ تم نقلی سانپ اٹھا کر بھاگ گئی اور کسی جگہ چھپی رہیں۔ اس ڈرامے سے تمہارا مقصد یہی تھا نا کہ تم لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکو؟ لیکن اب میں یہ قصہ ہی ختم کر دوں گا۔ مجھے پھانسی بھی لگ جائے تو پروا نہیں۔ مگر تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ غصے میں دھاڑتا ہوا نایاب کی طرف بڑھا۔ بھری محفل میں اتنی باتیں سننے کے بعد کوئی بھی شخص اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا اور پھر یہاں تو معاملہ پرانی دشمنی کا تھا۔ سعادت کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اسے یہ بھی احساس نہیں رہا تھا کہ اگر اس کے ہاتھوں نایاب کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو یہ سارے لوگ اس کے خلاف گواہی دیں گے اور وہ قانون کے شکنجے میں پھنس جائے گا۔

دو تین آدمیوں نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ انہیں دھکے دے کر گراتا ہوا حملہ آور انداز میں نایاب کی طرف بڑھتا گیا۔ نایاب اس سے تقریباً" دس گز کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ چوہدری سعادت اس سے دو تین گز دور ہی تھا کہ ایک چیخکار کی سی آواز سنائی دی اور پھر ایک آدمی کی چیخ سنائی دی۔

"سانپ..... سانپ...

سب لوگ اس طرف دیکھنے لگے۔ سنہری سانپ حویلی کی دیوار سے اتر کر بڑی تیزی سے رینگتا ہوا اس طرف آرہا تھا۔ چوہدری سعادت اپنی جگہ پر رک گیا۔ اس نے بھی سانپ کو دیکھ لیا تھا۔

"یہ وہی سانپ ہے۔" ایک آدمی چیخا۔ "بھاگو۔"

لوگ خوف کے مارے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ بہت سے لوگ دوڑتے ہوئے حویلی سے باہر چلے گئے۔

سنہری سانپ تیزی سے رینگتا ہوا آگے آرہا تھا۔ چوہدری سعادت بھی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کی نظریں سانپ پر جمی ہوئی تھیں سانپ رینگتا ہوا نایاب کے سامنے آ

گیا اور اس کے پیروں کے قریب کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ اس کا پھن پھیل گیا اور وہ چوہدری سعادت کی طرف دیکھتے ہوئے پھن کو آہستہ آہستہ حرکت دینے لگا۔

چوہدری سعادت پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس سانپ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔ لوگ دور کھڑے غیر یقینی نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ خطرناک سانپ نایاب کے سامنے اس طرح پھن پھیلائے بیٹھا تھا جیسے کوئی محافظ اپنے آقا کی حفاظت کے لئے تیار اور مستعد کھڑا ہو۔

○ نویں قسط

حویلی میں موجود لوگ حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ گھر کی خواتین بھی کمروں سے نکل کر برآمدے میں آگئی تھیں اور سنہری سانپ کو نایاب کے قدموں میں بیٹھے دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے تو پہلے ہی اس لڑکی پر شبہ تھا۔" چودھرانی کی آواز سنائی دی۔

"یہ تو ناگن ہے ناگن ..... خدا جانے میرا بیٹا کس طرح اس کے جال میں پھنس گیا تھا۔ یہ تو ہے ہی ناگن ..... مار دو اسے .... گولی مار دو۔"

چوہدری سعادت نے بھی ماں کی یہ آواز سن لی۔ وہ نایاب سے دو تین گز کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ اس نے دو تین قدم پیچھے ہٹتے ہوئے جیب سے پستول نکال لیا اور ہاتھ آگے بڑھا کر سانپ کا نشانہ لینے لگا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

"رک جاؤ چوہدری کیا کر رہے ہو یہ۔" ملک سکندر چیخا اور تیزی سے سعادت کی طرف بڑھا۔

"میرے قریب مت آنا۔ میں گولی مار دوں گا اس ناگن کو بھی۔" چوہدری سعادت نے بھی چیخ کر جواب دیا۔

لیکن اس سے پہلے کہ سعادت ٹرائیگر دباتا سنہری سانپ پھنکارتا ہوا تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ سعادت نے ٹرائیگر دبا دیا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ گولی سانپ سے تین چار فٹ دور زمین پر لگی۔ سانپ پھنکارتا ہوا سعادت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سعادت الٹے

قدموں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ وہ پیچھے پڑی ہوئی کرسی سے ٹکرا کر گر گیا۔ پستول بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ سنہری سانپ اس سے صرف دو فٹ کے فاصلے پر تھا۔ دور دور کھڑے ہوئے سب لوگ خوفزدہ نظروں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ بعض لوگ مارے خوف کے چیخ رہے تھے۔

ناگ چوہدری سعادت سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر رک گیا۔ اس نے پھن اٹھا لیا۔ چوہدری سعادت کی آنکھیں خوف سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"بیجو نہیں۔" نایاب چیخی۔ "بیجو نہیں۔ رک جاؤ۔"

سانپ کے منہ سے پھنکار سی نکلی۔ اس نے مڑ کر نایاب کی طرف دیکھا۔ پھر چوہدری کی طرف دیکھا۔ ایک مرتبہ پھنکارا اور رینگتا ہوا۔ نایاب کی طرف آگیا اس کے قدموں میں کنڈل مار کر بیٹھ گیا۔

"یہ زہریلا ناگ ہے۔" نایاب' چوہدری سعادت کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اس کا کام صرف ڈسنا ہے۔ اس نے عبدالرحمٰن کو ڈسا تھا تو اس کا انجام تم نے دیکھ لیا تھا۔ میری اس سے کوئی رشتے داری نہیں ہے۔ لیکن ایک چیز ہوتی ہے احساس اور احسان مندی۔ یہ مادہ انسانوں میں ختم ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن یہ احساس ابھی جانوروں میں حتیٰ کہ زہریلے ناگوں میں بھی موجود ہے۔ میں نے اس زہریلے ناگ کو ایک نیولے سے بچایا تھا۔ اس نے احساس کیا۔ میرا احسان مانا اور میرا محافظ بن گیا۔ عبدالرحمٰن نے مجھ پر چاقو سے حملہ کرنا چاہا تو اس نے اسے ختم کردیا اور اب تم .... تم نے دیکھ لیا یہ کس طرح میری مدد کو آگیا۔ اس زہریلے سانپ سے کچھ سیکھو چوہدری۔ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔ میرے پاس اتنی دولت ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ لیکن میں اس جائیداد میں سے اپنا حصہ ضرور لوں گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "آئندہ میرے خلاف اس قسم کی کوئی کارروائی کرنے سے پہلے سوچ لینا کہ قدرت نے مجھے بیجو جیسے محافظ دیئے ہیں۔ آؤ بیجو۔" آخری الفاظ اس نے سانپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

ناگ نایاب کی ٹانگ سے لپٹ گیا اور اوپر چڑھنے لگا۔ نایاب نے اپنا ہاتھ نیچے لٹکا دیا۔ سانپ اس کے بازو سے لپٹ گیا۔

"آیئے سکندر بھائی۔" نایاب نے ملک سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ملک سکندر بھی خاموش کھڑا حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے نایاب کے ساتھ چل پڑا۔

حویلی کے گیٹ کے قریب کھڑے ہوئے لوگ پھٹی پھٹی نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ نایاب کو گیٹ کی طرف آتے دیکھ کر ایک طرف ہٹتے گئے۔

نایاب ملک سکندر کے ساتھ گلی میں تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چل رہی تھی۔ ایک گلی کے موڑ پر وہ رک گئی۔ ایک طرف یہ گلی گاؤں کے باہر کی طرف چلی گئی تھی۔ نایاب اس موڑ پر رک گئی اور اپنا بازو نیچے کرتی ہوئی بولی۔

"شکریہ بیجو۔ اب تم جاؤ۔"

سنہری سانپ اس کے بازو سے اتر کر زمین پر دیوار کے ساتھ ساتھ رینگنے لگا۔ نایاب کھڑی اسے دیکھتی رہی اور پھر اچانک ہی سانپ غائب ہوگیا۔

"چلئے سکندر بھائی۔" نایاب نے گلی میں دوسری طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کمال ہی ہوگیا ہے بہن۔" سکندر اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔ "تمہیں ڈر نہیں لگا اس زہریلے سانپ سے؟"

"ڈر تو مجھے اب انسانوں سے لگنے لگا ہے۔ سانپوں سے نہیں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے گھر پہنچ گئے۔ نایاب کو صحیح سلامت دیکھ کر سکینہ اور نرگس کے چہروں پر طمانیت سی آگئی۔

وہ سب لوگ بیٹھک میں آکر بیٹھ گئے۔ ملک صاحب بھی وہیں آگئے تھے۔ اور پھر ملک سکندر مزے لے لے کر روداد سنانے لگا۔ نرگس وغیرہ کے چہروں پر عجیب سی سنسنی کے تاثرات تھے لیکن ملک صاحب خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں تشویش اور چہرے پر پریشانی کی پرچھائیاں واضح طور پر نظر آرہی تھیں۔

وہ لوگ آدھی رات تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ملک صاحب نے اٹھ کر اپنے کمرے میں جاتے ہوئے نایاب کو ایک بار پھر نصیحت کی کہ وہ سعادت سے محتاط رہے۔ وہ سانپ سے زیادہ خطرناک ہے اور موقع پاتے ہی ڈسنے سے باز نہیں آئے گا۔

ملک سکندر اور سکینہ بھی اپنے کمرے میں چلے گئے اور نایاب وغیرہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئیں۔ وہ تینوں اب بھی ایک ہی بیڈ پر سو رہی تھیں۔ نرگس اور عذرہ تو کچھ دیر بعد سو گئیں مگر نایاب دیر تک جاگتی رہی اور آج رات کی صورتحال کے بارے میں سوچتی رہی۔ ویسے تو وہ چوہدری سعادت کو اچھی طرح سمجھ چکی تھی لیکن اب اسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ اسے ہر قیمت پر ختم کرنا چاہتا تھا۔ آج تو وہ کھل کر سامنے آگیا تھا۔ درجنوں لوگوں کی موجودگی میں اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ویسے تو نایاب جانتی تھی کہ ملک سکندر اور وہاں پر موجود دوسرے لوگ اسے کوئی نقصان نہ پہنچنے دیتے لیکن بجو نے عین وقت پر وہاں پہنچ کر صورتحال کو یکسر تبدیل کر دیا تھا۔ اسے خود بھی حیرت ہوئی تھی کہ بجو اچانک کہاں سے آگیا تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر خوف کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ چوہدری سعادت نے بجو کو گولی سے اڑا دینے کی کوشش کی تھی مگر اس کا نشانہ خطا گیا تھا اور پھر بجو اس پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھا تھا۔ اگر نایاب اسے نہ روک لیتی تو چوہدری سعادت بھی راکھ کا ڈھیر بن چکا ہوتا۔

گاؤں کے درجنوں لوگوں نے وہ منظر دیکھا تھا جب سنہری سانپ نایاب کی ٹانگ سے لپٹ کر اوپر چڑھتا ہوا اس کے بازو سے لپٹ گیا تھا۔ ہر شخص کے دل میں خوف تھا کہ وہ زہریلا سانپ کسی بھی لمحے نایاب کو ڈس لے گا۔ لیکن سب ہی نے دیکھ لیا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور نایاب اس سانپ کو بازو سے لپٹائے بڑے اطمینان سے وہاں سے چلی گئی تھی۔

چودھرانی نے تو چیخ کر کہہ دیا تھا کہ نایاب انسان نہیں ناگن ہے جس نے ایک خوبصورت عورت کا روپ دھار کر اس کے بیٹے کو پھانس لیا تھا اور اب بھی شاید کسی اور موقع کی تاک میں ہے۔ چودھرانی کی اس بات پر کچھ اور لوگ بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے تھے کہ کیا نایاب واقعی کوئی ناگن تو نہیں' جس نے انسان کا روپ دھار رکھا ہے۔ وہ جس طرح اس سنہری سانپ سے باتیں کر رہی تھی اس سے بھی لوگوں کے شبہات کو تقویت ملی تھی۔ نایاب تو سکندر کے ساتھ گھر آگئی تھی لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ گاؤں کے لوگ رات گئے تک مختلف جگہوں پر بیٹھے اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے۔

نایاب اگرچہ رات کو دیر سے سوئی تھی لیکن صبح اس کی آنکھ جلد کھل گئی۔ نرگس

اور عذرہ ابھی سو رہی تھی۔ نایاب ان کے درمیان سے اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی اور برآمدے میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ صبح کی ہوا بڑی خوشگوار لگ رہی تھی۔ چند ہی منٹ بعد اذان کی آواز سنائی دینے لگی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد سکینہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی۔

"ارے؟" سکینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا رات بھر یہیں بیٹھی رہی ہو۔ نیند نہیں آئی؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں آکر بیٹھی ہوں بھابھی!" نایاب نے کہا۔ "صبح کی ٹھنڈی ہوا اچھی لگ رہی ہے۔ اچھا۔ ایسا کریں آپ یہاں بیٹھیں۔ میں آپ کو چائے بنا کر پلاتی ہوں۔"

نایاب اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے سکینہ کو دونوں بانہوں سے پکڑ کر اپنی کرسی پر بٹھا دیا اور خود باورچی خانے میں گھس گئی۔ اس نے چولہا جلا کر پتیلی میں پانی چڑھا دیا اور پتی چینی کے لئے ڈبے کھول کھول کر دیکھنے لگی۔ وہ پہلی مرتبہ کچن میں گھسی تھی اور چیزیں تلاش کرنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔

جب وہ چائے بنا کر باہر نکلی تو سکینہ کرسی پر نہیں تھی۔ نایاب نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ صحن میں ہینڈ پمپ پر منہ ہاتھ دھو رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں چائے پی رہی تھیں۔ اس دوران ملک صاحب اور سکندر نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔ وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھی چائے کی چسکیاں لیتی رہیں۔

"نایاب۔" سکینہ نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ "کیا واقعی تم نے ٹیلے والے کھنڈروں کے نیچے کوئی خزانہ دیکھا تھا۔ میرا مطلب ہے وہ کوئی خواب تو نہیں تھا۔"

"نہیں بھابھی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "وہ خزانہ میں نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ البتہ اس سے پہلے یا بعد کے واقعات کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"اگر واقعی وہاں کوئی خزانہ موجود ہے اور اس ناگن نے اسے تمہاری نذر کر دیا تھا تو اس سے بہت کام ہوسکتے ہیں۔ تمہیں چوہدری کی جائیداد میں حصے کے لئے مقدمے بازی اور لڑائی جھگڑے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس کے بغیر ہی تم شاہانہ زندگی بسر کرسکتی ہو۔ میرا مطلب ہے کہ اگر تم وہ خزانہ حاصل کرسکتی ہو۔ تو اسے لے کر شہر چلی جاؤ اور جائیداد میں

حصے کو بھول جاؤ۔" سکینہ نے کہا۔

"گویا آپ مجھے یہاں سے بھگانا چاہتی ہیں ؟" نایاب بولی۔

"نہیں بھئی یہ بات نہیں ہے۔" سکینہ بولی۔ "تم تو مجھے نرگس اور عذرہ کی طرح عزیز ہو۔ بلکہ تم سے تو کچھ زیادہ ہی انس ہوگیا ہے۔ چوہدری فیملی کو ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ خاص طور پر سعادت تو بہت ہی بگڑا ہوا ہے۔ اس کا اندازہ تو تم نے بھی لگا ہی لیا ہوگا سنا ہے تم نے رات کو بھری محفل میں اسے بہت ذلیل کیا تھا۔ وہ ایسی باتوں کو بھلانے والا نہیں ہے۔ موقع ملتے ہی تم پر وار کرے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم اس پر لعنت بھیج کر شہر واپس چلی جاؤ۔ اگر تم چاہو تو کھنڈروں سے خزانہ نکالنے میں تمہارے بھائی تمہاری مدد کرسکتے ہیں۔ میری باتوں کا غلط مطلب نہ لینا نایاب۔ ہمیں تمہاری سلامتی عزیز ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ تمہیں کوئی ایسا نقصان پہنچ جائے جس کی تلافی ممکن نہ ہوسکے۔"

"آپ لوگوں کی محبت نے تو مجھے سب کچھ بھلا دیا ہے۔ کبھی غیریت کا احساس نہیں ہونے دیا۔ انکل ہیں' آپ ہیں' سکندر بھائی ہیں اور سب سے بڑھ کر نرگس اور عذرہ ہیں۔ آپ ان دونوں کو دیکھ رہی ہیں۔ مجھے الگ بستر پر بھی نہیں سونے دیتیں۔ کتنی محبت ہے آپ لوگوں میں' کتنا خلوص ہے۔ کیا میں یہ محبت اور چاہت کبھی بھلا سکوں گی۔ نہیں کبھی نہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو مجھے شرمندگی کا احساس بھی ہونے لگتا ہے کہ میری وجہ سے آپ دونوں گھرانوں میں ناچاقی پیدا ہوگئی ہے۔ میرے آنے سے پہلے دونوں گھرانوں میں کتنے خوشگوار تعلقات تھے جو اب رفتہ رفتہ دشمنی میں تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔ کبھی میں سوچتی ہوں کہ میں نے یہاں آکر غلطی کی۔"

"تم نے کوئی غلطی نہیں کی۔" سکینہ نے کہا۔ "یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ رہا دشمنی کا سوال تو چوہدری بھی جانتے ہیں کہ ہم لوگ بھی گئے گزرے نہیں ہیں۔ وہ سوچ سمجھ کر ہم سے دشمنی مول لیں گے۔ ویسے تعلقات میں اونچ نیچ تو ہوتی رہتی ہے۔ ہمیں اپنی نہیں تمہاری فکر ہے۔ اسی لئے میں کہہ رہی ہوں کہ ان سے دشمنی مول نہ لو تو بہتر ہے۔ اللہ نے تمہیں اب بہت کچھ دیدیا ہے آرام اور سکون کی زندگی بسر کرسکتی ہو۔ پھر ان جھمیلوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں بھابھی۔" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن

کیا ظالم کے ہاتھ کھلے چھوڑ دیئے جائیں۔ ان کے ظلم کے سامنے بند نہ باندھا جائے۔ یہ درست ہے کہ دنیا میں ہر جگہ ظلم ہوتا ہے۔ ہمارے سامنے بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ہم نظر انداز کر دیتے ہیں۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ دولت کی بھوکی نہیں ہوں لیکن اپنا حصہ لے کر زمین یہاں کے غریب کسانوں میں بانٹ دوں گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "بات اگر صرف جائیداد کے بٹوارے کی ہوتی تو شاید یہ معاملہ کسی اور طریقے سے حل ہو جاتا لیکن یہاں آکر میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے اسے زندگی کے آخری لمحوں تک فراموش نہیں کرسکتی۔ مجھے تو حیرت ہے کہ اب تک کوئی ان کے راستے کی دیوار کیوں نہیں بنا۔ سعادت کو اتنی زیادہ چھوٹ دیدی گئی ہے کہ وہ گاؤں کی لڑکیوں کی عزت لوٹتا ہے اور کوئی اسے یہ نہیں بتاتا کہ عزت کیا ہوتی ہے۔ میں نے راشدہ کو دیکھا تھا۔ اسے کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں پھینک دیا گیا تھا۔ اس کا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے اپنی عزت بچانے کے لئے اس کے منہ پر تھوک دیا تھا اور جب پولیس آئی تھی تو کسی میں اتنی جرات نہ تھی کہ اس کے خلاف بیان دیتا۔ کوئی اتنی ہمت کر بھی کیسے سکتا ہے۔ ان کے اعتماد اور حوصلے کو کچل دیا گیا ہے۔ ان کی عزت نفس کو مجروح کر دیا گیا ہے۔ گاؤں کی اور کتنی ہی لڑکیاں ہیں جنہیں اسی طرح روندھا گیا۔ ان کی حمایت میں کوئی سامنے آیا ؟ اگر گاؤں کے لوگوں کا اعتماد بحال ہوتا تو ان کے حوصلے بھی بلند ہوتے۔ وہ سعادت اور اس کے غنڈوں کے سامنے ایک مرتبہ بھی تن کر کھڑے ہو جاتے تو پھر اسے کسی اور لڑکی کی طرف دیکھنے کی جرات نہ ہوتی۔ اور پھر یہ آپ بھی جانتی ہیں کہ راشدہ اور اس کے شوہر کو زندہ جلا دیا گیا۔ ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ انہوں نے مجھے پناہ دی تھی اور اس کے بعد ریلوے کے ہوائنٹس مین کو بھی محض اس لئے گولی مار دی گئی کہ وہ ان کے جرم کے خلاف بیان دینے والا تھا۔ اس کے بعد بھی آپ کہتی ہیں کہ میں سب کچھ بھول جاؤں اور شہر جاکر آرام و سکون کی زندگی بسر کروں۔ آپ خود ہی بتایئے بھابھی یہ سب کچھ جاننے اور دیکھنے کے بعد میں آرام اور سکون کی زندگی بسر کر سکتی ہوں۔ کیا ان لوگوں کو معاف کیا جاسکتا ہے ؟"

معافی کے قابل تو یہ بالکل نہیں ہیں۔" سکینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "اللہ ظالموں کی رسی دراز کرتا ہے۔ لیکن ایک نہ ایک دن وہ اپنے انجام کو پہنچ ہی جاتے

ہیں۔ خدا نے ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ پیدا کیا ہے۔ شاید اس فرعون کے لئے تم موسیٰ بن کر آئی ہو۔ میں تمہارے حوصلے کی داد دیتی ہوں۔ اب مجھے یہ تسلیم کرلینے میں کوئی عار نہیں کہ تم دوسری لڑکیوں سے بالکل مختلف ہو اور تم میں اتنی جرات بھی ہے کہ ان جیسے لوگوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑی رہ سکو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "میں تو اس زہریلے ناگ کے واقعہ کو بھی تمہارے لئے نائیداد ایزدی سمجھوں گی۔ نہ تم اس روز اس سانپ کو نیولے سے بچاتیں اور نہ وہ تمہارا محافظ بنتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آئندہ بھی تمہاری مدد کرتا رہے گا۔"

"مجھے آپ لوگوں کی دعائیں بھی چاہئیں بھابی۔" نایاب نے کہا۔

"ہماری دعائیں تو تمہارے ساتھ ہیں ہی۔" سکینہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

ملک صاحب دروازے میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں موٹے موتیوں والی ایک چھوٹی تسبیح تھی اور وہ زیر لب کچھ پڑھتے ہوئے آرہے تھے۔

"اچھا بھئی تم بیٹھو۔ میں اباجی کے لئے ناشتہ تیار کرلوں۔" سکینہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"آج میں ناشتہ بناؤں گی۔ آپ سب لوگوں کے لئے۔" نایاب بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ گئی۔

تمام گھر والے ناشتے میں پراٹھے کھایا کرتے تھے۔ نایاب کنستر سے آٹا نکال کر گوندھنے لگی۔ سکینہ اس دوران دوسرے کاموں میں مصروف رہی۔ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد نایاب پراٹھے بنا رہی تھی۔ اس دوران نرگس اور عذرہ بھی اٹھ کر باہر آگئیں۔

آج ان سب نے اکٹھے ہی بیٹھ کر ناشتہ کیا ناشتے کے بعد ملک صاحب تو رسول بخش کے ساتھ کھیتوں پر چلے گئے۔ سکندر گھر پر ہی رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ برآمدے میں نایاب کے سامنے بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

"نایاب بہن! ایک دو باتیں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ لیکن کوئی غلط مطلب نہ لے لینا۔"

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں آپ لوگوں کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات سوچ سکتی

ہوں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"تم جانتی ہو اللہ کا دیا ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اتنی بڑی زمینداری ہے کہ پورا وقت اسی کی دیکھ بھال میں گزر جاتا ہے اور کسی دوسری طرف توجہ دینے کا موقع ہی نہیں ملتا۔" سکندر نے کہا۔

"ہاں .... یہ تو ہے۔" نایاب مسکرائی۔ "یوں تو ہر شخص اپنے اپنے شعبے میں محنت کرتا ہے لیکن میرا خیال ہے زمیندار اور کسانوں کی زندگی سب سے زیادہ کٹھن ہوتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن میں تم سے کوئی اور بات کرنا چاہتا ہوں۔" سکندر نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "کھنڈروں میں کسی خزانے کے بارے میں' میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ سنا تھا اور تمہیں بتایا بھی تھا کہ خزانہ کی تلاش میں آخری پارٹی اس وقت آئی تھی جب میں چھوٹا تھا۔ ان کے دو آدمیوں کو سانپ نے ڈس لیا تھا اور باقی واپس چلے گئے تھے۔ اس کے بعد خزانہ تلاش کرنے کے لئے کوئی اس طرف نہیں آیا۔ میں اس خزانے کو ڈھکوسلے اور من گھڑت کہانیاں سمجھتا تھا۔ لیکن جب سے تم نے اس خزانے کے بارے میں بتایا ہے میں بھی کچھ سنجیدہ ہوگیا ہوں۔ کل رات وہ سانپ کیا نام لیا تھا تم نے اس کا .... ہاں بیجو ..... اگر وہ بیجو کل رات تمہاری مدد کے لئے چوہدری کی حویلی میں نہ آجاتا تو میں یہی سمجھتا کہ خزانے کے بارے میں شاید تم نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔ لیکن بیجو کو تمہارے ساتھ دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا ہے کہ وہ خزانہ تمہارا خواب نہیں تھا۔" وہ خاموش ہوکر نایاب کی طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔ "میں کوئی لالچی آدمی نہیں ہوں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے لیکن اگر وہ خزانہ وہاں سے نکال لیا جائے تو پھر تمہیں چوہدریوں کی جائیداد میں حصے کے لئے لڑنے جھگڑنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تم عیش و آرام کی زندگی گزار سکتی ہو۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کیا تم اس خزانے تک پہنچ سکتی ہو۔ اگر وہ خزانہ وہاں سے نکال لیا جائے تو تمہارے ہاتھوں نیکی کے بہت سے کام بھی ہوسکتے ہیں۔ مثلاً کوئی یتیم خانہ کھول دو۔ کوئی ہسپتال بنا دو۔ کوئی ایسا رفاہی ادارہ قائم کرو جہاں سے مستحق لوگوں کی مدد ہو سکے۔"

"سکندر بھائی!" نایاب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "حقیقت یہ ہے کہ اس

خزانے کے بارے میں' میں نے ابھی تک کچھ نہیں سوچا اور جہاں تک جائیداد میں حصے کا سوال ہے تو وہ میرا حق ہے اور میں اسے لے کر ہی رہوں گی۔ انہوں نے میرے اس بنگلے کو بھی جلا کر خاکستر کر دیا ہے جو عدالت سے مجھے وراثت میں ملا تھا۔ بہرحال' یہ الگ باتیں ہیں۔ اب رہی خزانے کی بات تو سچ تو یہ ہے کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی کہ وہ کھنڈروں کے نیچے کس جگہ پر ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں اس تہہ خانے میں کیسے پہنچی تھی اور یہ بھی یاد نہیں کہ باہر کیسے آئی تھی۔ اس لئے وہاں تک پہنچنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک بیجو میری رہنمائی نہ کرے۔"

"اس کے بغیر کوشش تو کی جاسکتی ہے۔" سکندر نے کہا۔ "تمہیں یہ تو یاد ہوگا کہ ٹیلے پر کس طرف سے کھنڈروں میں داخل ہوئی تھیں۔ ہم وہیں سے تلاش شروع کریں گے اور عین ممکن ہے اس دوران تمہارا دوست بیجو بھی رہنمائی کے لئے آجائے۔"

"میں خزانے کی تلاش کے لئے بیجو سے کوئی مدد نہیں لوں گی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم ایک ایڈونچر سمجھ کر ان کھنڈروں میں خزانہ تلاش کریں گے۔ ہوسکتا ہے کسی موقع پر میری یادداشت کام آجائے۔"

"ٹھیک ہے۔" سکندر بولا۔ "تو پھر یہ ایڈونچر کب شروع کیا جائے۔"

"آج ہی سے۔ بلکہ ابھی سے۔" نایاب نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔ میں تیار ہو جاتا ہوں۔ ہم آدھے گھنٹے بعد یہاں سے نکلیں گے۔ مگر گھر میں بھی کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔" سکندر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں بھی تیار ہو جاتی ہوں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

نایاب اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ عذرہ بیڈ پر لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ نایاب نے اسے کمرے سے نکال کر دروازہ اندر سے بند کرلیا اور بریف کیس میں سے جینز اور شرٹ نکال کر پہن لی۔ اس لباس پر بھی اس نے دوپٹہ اوڑھ لیا تھا۔ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد نایاب کمرے سے نکلی تو سکندر اس کا منتظر کھڑا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو نایاب؟" سکینہ نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ نایاب نے یہ لباس کئی روز بعد پہنا تھا۔

"سکندر بھائی کے ساتھ ایک مہم پر جا رہی ہوں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب

دیا۔

سکینہ چونک گئی۔ وہ شاید اس کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ اس نے سکندر کی طرف دیکھا۔ سکندر نے ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ دونوں حویلی سے نکل کر مختلف گلیوں میں گھومتے ہوئے گاؤں سے باہر آگئے۔ گلیوں میں گاؤں کی عورتیں مڑ مڑ کر نایاب کو دیکھ رہی تھیں۔ ویسے نایاب اب گاؤں والوں کے لئے اجنبی نہیں رہی تھی اور پھر گزشتہ رات والے واقعہ نے تو اسے کچھ اور شہرت دیدی تھی۔

گاؤں کے باہر نہر کی پلیا پار کر کے نایاب رک گئی۔

"اس رات میں اس طرف سے آئی تھی۔ اس لئے ہمیں اس طرف جانا ہوگا۔" اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تو چلو۔ اس طرف چلتے ہیں۔ لیکن اس طرف سے ٹیلے تک پہنچنے کے لئے ایک بہت لمبا چکر کاٹنا پڑے گا۔" سکندر نے کہا۔

"چکر تو لگے گا لیکن راستے کی نشاندہی اسی طرف سے ہوسکتی ہے۔" نایاب نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس وقت ساڑھے سات بجے تھے۔ ابھی تو دھوپ خوشگوار لگ رہی تھی۔ لیکن وہ دونوں جانتے تھے کہ جیسے جیسے دھوپ تیز ہوگی۔ گرمی بڑھتی جائے گی۔ کھیتوں میں لوگ کام کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ایک جگہ قادر نامی ایک مزارع پھاوڑے سے ندی کا بند کاٹ کر پانی کا رخ اپنے کھیتوں کی طرف موڑ رہا تھا۔ اس نے سکندر کو سلام کیا اور نایاب کی طرف دیکھنے لگا۔ پینٹ شرٹ پر دوپٹہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ مزارع خاموش کھڑا انہیں کھیتوں میں پگڈنڈی پر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

تقریباً" ایک گھنٹے بعد وہ کھیتوں سے نکل کر ٹیلے کے ساتھ ساتھ بنجر زمین پر چلتے رہے اور پھر نایاب ایک جگہ رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر وہ دوبارہ آگے چلنے لگی اور پندرہ منٹ بعد ایک جگہ پر رک گئی۔

"یہ جگہ ہے۔" وہ ایک جگہ بیری کے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "کھیتوں میں دوڑتے ہوئے میں یہاں آکر گر گئی تھی اور جب میرے حواس بحال ہوئے تھے

تو میں اس پتھر کے قریب پڑی تھی اور پھر میں بچو کے پیچھے پیچھے اس طرف چلنے لگی تھی۔" اس نے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔

یہ ٹیلا کھیتوں سے تقریباً" دو سو فٹ بلند تھا اور ڈھلوان تھا۔ اس پر کسی دشواری کے بغیر چڑھا جاسکتا تھا۔ نایاب آگے آگے چلنے لگی اور ملک سکندر اس کے پیچھے پیچھے۔

دھوپ کچھ تیز ہو رہی تھی۔ ٹیلے پر چڑھتے ہوئے نایاب کو پسینہ آنے لگا۔ اس نے دوپٹہ گلے سے اتار کر پنکھے کی طرح کمر پر باندھ لیا اور ٹیلے پر چڑھتی رہی۔ تقریباً" سو فٹ اوپر کھنڈروں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ ان کھنڈروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ یہاں کسی زمانے میں مکان رہے ہوں گے۔ اب تو دیواریں بھی بنیادوں تک ختم ہوچکی تھیں۔ بس نشانات باقی رہ گئے تھے۔

وہ مزید اوپر چڑھتے رہے۔ اب باقاعدہ کھنڈر شروع ہوگئے تھے۔ شکستہ دیواریں' اینٹوں کے ڈھیر اور ٹوٹے ہوئے ستون۔ نایاب ایک جگہ رک گئی۔ وہ غالباً" کسی بڑے مکان کا کھنڈر تھا۔ اس مکان کے کمرے بھی خاصے وسیع رہے ہوں گے چھت کو سہارہ دینے کے لئے اینٹوں کے ستون بھی تعمیر کئے گئے تھے۔ جو سب کے سب ٹوٹ چکے تھے۔ ایک دیوار اب بھی تقریباً" دس فٹ کی بلندی تک کھڑی تھی۔ اس دیوار میں کھڑکی کی جگہ نظر آرہی تھی۔

اس روز سنہری سانپ کے پیچھے چلتی ہوئی نایاب ان کھنڈروں میں آئی تھی تو شاید ٹرانس میں تھی۔ اسے کچھ پتہ نہیں چلا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیسے آئی ہے۔ لیکن اب وہ بڑی توجہ سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ان کھنڈروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ یہاں کوئی ترقی یافتہ اور مہذب قوم آباد تھی۔ مکانوں کی تعمیر کے سلسلے میں بڑے سلیقے سے کام لیا گیا تھا۔ گلیاں اور راستے کشادہ تھے اور غالباً" ان گلیوں میں بیل گاڑیاں اور تانگہ قسم کی سواریاں بھی آتی رہی ہوں گی۔

نایاب دلچسپ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھتی رہی۔ ملک سکندر بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ نایاب کئی بار رکی تھی۔ ہر مرتبہ وہ اس طرح ادھر ادھر دیکھتی جیسے کوئی راستہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

کھنڈروں میں گرمی زیادہ تھی۔ دھوپ براہ راست ان پر پڑ رہی تھی۔ اور کھنڈروں

کی اینٹیں بھی رستنے لگی تھیں جن سے حدت خارج ہو رہی تھی۔ نایاب کی انٹرلاک ٹی شرٹ پسینے میں تر ہوکر جسم سے چپک رہی تھی۔

کھنڈرات خاصے وسیع و عریض رقبے پر پھیلے ہوئے تھے۔ جنہیں دیکھنے کے لئے پورا دن درکار تھا۔ نایاب رک رک کر چلتی رہی۔ کسی کسی جگہ تو وہ کتنی دیر تک کھڑی متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی رہتی۔

انہیں گھومتے ہوئے دو گھنٹے ہوگئے۔ کھنڈروں میں اونچے نیچے راستوں پر چلتے ہوئے نایاب تھک گئی تھی۔ وہ ایک ٹوٹی ہوئی دیوار پر بیٹھ گئی اور کمر پر بندھے ہوئے دوپٹے کے پلو سے چہرے کا پسینہ پونچھنے لگی۔ ملک سکندر بھی اس کے سامنے ایک شکستہ دیوار پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ بھی پسینے میں تر ہو رہا تھا۔

"تمہیں یاد ہے کہ اس راستے سے آئی تھیں اور کتنا فاصلہ طے کیا تھا؟" ملک سکندر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اتنا یاد ہوتا تو بات ہی کیا تھی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ بیری کے اس درخت سے اس طرف آئی تھی جس طرف سے ہم آئے ہیں۔ لیکن اس کے بعد کس طرف گئی تھی اس کا مجھے بالکل اندازہ نہیں۔"

"تمہیں تو یہ بھی یاد نہیں ہوگا کہ وہ راستہ کیسا تھا جہاں سے تہہ خانے میں اتری تھیں؟" سکندر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بالکل یاد نہیں سکندر بھائی۔" نایاب نے نفی میں سرہلا دیا۔

وہ چند منٹ وہاں بیٹھے رہے اور پھر اٹھ کر کھنڈروں میں گھومنے لگے۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" سکندر اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔" ہم لڑکپن میں کبھی کبھار اس طرف آیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں ہم نے سنا تھا کہ ان کھنڈروں میں کوئی خزانہ بھی ہے۔ ہم پانچ چھ لڑکے یہاں گھومتے رہتے تھے۔ چوہدری سعادت بھی ہمارے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ مٹی کے ٹوٹے ہوئے برتن جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم ٹوٹے ہوئے مٹکوں اور مٹی کے پیالوں کے ٹکڑے جمع کرکے لے جاتے اور گاؤں پہنچ کر شور مچا دیتے کہ ہم نے خزانے کا سراغ لگا لیا ہے۔ ہمیں خوب ڈانٹ پڑا کرتی تھی اور منع کیا جاتا تھا کہ آئندہ ہم کھنڈروں کی طرف نہ جائیں۔ "ہمیں

ڈرایا دھمکایا جاتا تھا کہ یہاں بھوت رہتے ہیں۔"

"وہ بھی عجیب عمر ہوتی ہے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک طرف ایڈونچر کا شوق، تجسس اور دوسری طرف بزرگوں کی ڈانٹ کا خوف۔ میرا خیال ہے اس عمر میں سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ طرح طرح کی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں اور بغاوت میں جو مزہ آتا ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے ٹیلوں میں گھومتے رہے۔ دوپہر ہو چکی تھی۔ دونوں پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔ وہ ایک کھنڈر میں گھوم رہے تھے کہ ایک جگہ نایاب کو یوں لگا جیسے زمین اس کے پیروں کے نیچے سے نکلی جا رہی ہو۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی اور پھر اسے یوں لگا جیسے نیچے گرتی چلی جا رہی ہو۔

اور پھر وہ دھڑام سے نیچے گری۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ وہ جس جگہ کھڑی تھی وہاں سے فرش بیٹھ گیا تھا اور وہ نیچے آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بہت سی مٹی بھی گری تھی۔ نایاب تقریباً" آٹھ فٹ کی بلندی سے گری تھی۔ اسے کوئی چوٹ وغیرہ تو نہیں لگی تھی لیکن اوپر سے گرنے والی مٹی سے اس کا برا حال ہو گیا تھا۔

ملک سکندر اس سے چند فٹ دور تھا۔ اس نے نایاب کو زمین میں دھنستے ہوئے دیکھا تو چیخ کر اس طرف دوڑا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی نایاب اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ گرد و غبار کا ایک بادل سا اٹھا اور سکندر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"نایاب۔ کہاں ہو تم؟"

"میں ٹھیک ہوں سکندر بھائی۔" گہرائی میں سے نایاب کی آواز سنائی دی۔ سکندر آگے بڑھ آیا۔ گرد کا غبار چھٹ گیا۔ اس جگہ سے فرش کا ایک حصہ بیٹھ گیا تھا اور تین چار فٹ کا ایک خلا سا بن گیا تھا۔ سکندر کنارے پر کھڑے ہو کر نیچے جھانکنے لگا اور پھر اچانک ہی اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ ہو سکتا ہے اس جگہ کے نیچے تہہ خانہ ہو اور خزانے کا راستہ بھی اسی تہہ خانے سے ہو۔

"نایاب۔ کہاں ہو تم؟" اس نے کنارے پر جھک کر نایاب کو آواز دی۔

"میں یہاں ہوں سکندر بھائی۔ میرا خیال ہے یہ کوئی تہہ خانہ ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔

سکندر نیچے جھک کر دیکھنے لگا۔ نیچے ابھی تک دھول اڑ رہی تھی جس کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن چند منٹ بعد دھول بیٹھ گئی تو نایاب کھڑی ہوئی نظر آئی۔ اسے دیکھ کر سکندر کے منہ سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔

"کیا ہوا سکندر بھائی۔ ہنس کیوں رہے ہیں آپ؟" نایاب نے پوچھا۔

"تمہاری شکل دیکھ کر۔" سکندر بولا۔ "اس وقت تم بالکل بھتنی لگ رہی ہو۔ آئینہ دیکھو تو اپنے آپ کو دیکھ کر ڈر جاؤ۔ لیکن میں تم سے ڈرا نہیں ہوں۔ ایک طرف ہٹو.... میں نیچے آ رہا ہوں۔"

نایاب ایک طرف ہٹ گئی اور سکندر نے چھلانگ لگا دی۔

"تمہیں کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔" وہ نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "نہیں زیادہ نہیں۔" نایاب نے جواب دیا۔

سورج بالکل سر پر تھا اور دھوپ اس تہہ خانے میں بھی پہنچ رہی تھی۔ وہ دونوں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ یہ کمرہ خاصا بڑا تھا چھت کو سہارا دینے کے لئے درمیان میں ایک ستون بھی تھا۔ ایک طرف اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ ہر طرف مکڑیوں کے جالے تنے ہوئے تھے۔

وہ دونوں ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ لیکن اس کمرے سے کسی اور طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔ انہوں نے دیواروں کو بھی ٹھونک بجا کر دیکھ لیا۔ تمام دیواریں ٹھوس تھیں۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے پیچھے کوئی خلا نہیں ہے۔ سکندر سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ لیکن اوپر جانے کا راستہ بھی نہیں تھا۔ غالباً" اوپر کوئی دیوار وغیرہ گرنے سے راستہ بند ہو گیا تھا۔

"یہاں سے کسی اور طرف راستہ نہیں جاتا۔" سکندر نے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے یہ کسی ایک ہی مکان کا تہہ خانہ ہے۔ جو صرف اس کمرے تک محدود ہے۔"

"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔" نایاب بولی۔ "لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب یہاں سے باہر کیسے نکلا جائے۔"

سکندر نے چند اینٹیں اٹھا کر نیچے اوپر رکھ دیں۔

"ان اینٹوں پر کھڑی ہو جاؤ۔ میں تمہیں سہارا دیتا ہوں۔" سکندر نے کہا۔ نایاب اینٹوں پر کھڑی ہوگئی اور اچک کر اوپر والے خلا کا کنارہ پکڑ لیا۔ سکندر نے دونوں ہاتھ اس کے پیروں کے نیچے رکھ دیئے اور اسے اوپر اٹھانے لگا۔

نایاب اس تہہ خانے سے باہر آگئی۔ سکندر کو بھی باہر آنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ چند منٹ ایک شکستہ دیوار کے سائے میں بیٹھے رہے۔

"میرا خیال ہے اب واپس چلنا چاہئے سکندر بھائی۔ اس تیز دھوپ میں اب زیادہ نہیں پھرا جاسکتا۔" نایاب نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ کل صبح پھر آئیں گے۔" سکندر کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ کھنڈروں سے نکل کر ٹیلے کی ڈھلان سے اترتے ہوئے کھیتوں کی طرف آگئے۔ نایاب بری طرح تھک گئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کہیں سائے میں بیٹھ جائے۔ تین چار کھیتوں کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ٹاہلی کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ یہاں ایک چھوٹا سا کھال (ندی) بھی تھا۔ نایاب ندی کے کنارے پر بیٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگی۔ سکندر بھی درخت کے نیچے کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"آپ جائیے سکندر بھائی۔" میں آجاؤں گی۔" نایاب نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ڈیرے پر جا رہا ہوں۔ تم تھوڑی دیر یہاں آرام کرلو۔ پھر گھر چلی جانا۔" سکندر کہتے ہوئے ایک پگڈنڈی پر چلنے لگا۔

سکندر چلا گیا۔ نایاب نے جوگرز اتار دیئے اور ندی میں پیر لٹکا کر بیٹھ گئی اپنا لباس دیکھ کر اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی کیا حالت ہو رہی ہوگی۔ وہ تقریباً دس منٹ تک پانی میں پیر ڈالے بیٹھی رہی پھر ندی سے پیچھے ہٹ کر ٹاہلی کے درخت سے ٹیک لگا لی اور تھکن کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے اونگھ گئی۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر سوئی ہوگی۔ کسی کے چیخنے کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ چونک گئی۔ سنہری سانپ بجو اس سے دو تین فٹ کے فاصلے پر کنڈلی مارے اور پھن پھیلائے بیٹھا تھا اور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ارے بجو۔" نایاب مسکرائی۔ "تو تم یہاں بیٹھے میری حفاظت کر رہے ہو۔ اس کا مطلب ہے تم کھنڈروں میں بھی میرے آس پاس ہی موجود تھے۔ تم نے یہ عقلمندی کی کہ

وہاں ہمارے سامنے نہیں آئے۔ میں خود سے وہ راستہ تلاش کرنا چاہتی ہوں۔ جب تھک جاؤں گی تو پھر تمہیں بلا لوں گی۔"

بجو اس کے سامنے بیٹھا جھومتا رہا۔ وہ چیخ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی جس سے نایاب کی آنکھ کھل گئی تھی۔ نایاب نے اٹھ کر دیکھا۔ دو کھیت دور ایک دوسرے سے دور کام کرتے ہوئے دو مزارع چیخ چیخ کر باتیں کر رہے تھے۔ نایاب نے جوگرز پہن لئے اور بجو کی طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے پگڈنڈی پر چلنے لگی۔

نایاب کے اندازے کے مطابق اس وقت چار بجنے والے تھے۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ ڈیڑھ دو گھنٹے تک درخت کے نیچے بیٹھی اونگھتی رہی تھی۔ لیکن اونگھ لینے کا یہ فائدہ ضرور ہوا تھا کہ اس کی تھکن اتر گئی تھی۔

جب وہ گاؤں میں داخل ہوئی تو گلیوں سے گزرتے ہوئے لوگ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک عورت نے تو اسے روک بھی لیا۔

"چھوٹی بی بی۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ کہاں سے آرہی ہو؟"

"پیر پھسل گیا تھا۔ ایک گڑھے میں گر گئی تھی۔ کپڑوں کا ستیاناس ہوگیا۔" نایاب نے جواب دیا۔

"کپڑوں کا ستیاناس" وہ عورت بولی۔ "چھوٹی بی بی گھر جاکر اپنی حالت تو دیکھو اوپر سے نیچے تک مٹی میں بھری ہوئی ہو۔"

نایاب کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ اس عورت کو مزید باتوں کا موقع دیئے بغیر آگے چل پڑی۔ گھر میں داخل ہوئی تو نرگس وغیرہ بھی اس کی حالت دیکھ کر چونک گئیں۔

"ارے، یہ کیا ہوا۔" نرگس نے کہا۔ "صبح جب تم گھر سے نکلی تھیں تو ٹھیک ٹھاک تھیں۔ اب یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔"

"میں نے بھی صبح تمہیں بتایا تھا کہ ایک ایڈونچر پر جا رہی ہوں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اور ایڈونچرز میں تو ایسا ہوتا ہی ہے۔" وہ برآمدے میں کرسی پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگی۔ پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نہانے جا رہی ہوں۔ کپڑے لا دو۔"

وہ غسل خانے میں گھس گئی اور ٹھنڈے پانی سے نہانے لگی۔ نہا کر اسے کچھ سکون سا ملا تھا۔ اس کے کچھ دیر بعد وہ برآمدے میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔

"تمہارے لئے ایک دلچسپ خبر ہے۔" نرگس نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا۔؟" نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آج پولیس آئی تھی گاؤں میں۔" نرگس نے بتایا۔ "وہ ماجھے کمہار کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔"

"ماجھا کمہار۔ یہ کون ہے۔" نایاب نے پوچھا۔

"کہنے کو تو وہ گاؤں کا کمی کاری ہے مگر چوہدری سعادت نے اسے بہت سر چڑھا رکھا ہے۔ ایک نمبر کا بدمعاش ہے۔ گاؤں کے ان لوگوں سے بھی بات بات پر الجھنے لگتا ہے۔ جن کی سارے گاؤں والے عزت کرتے ہیں۔" نرگس نے بتایا۔

"لیکن پولیس نے اسے کیوں پکڑا ہے۔" نایاب نے پوچھا۔

"کل رات تم نے تھانیدار کو کھری کھری سنا دی تھیں نا۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "سنا ہے پولیس والے اس سے اسٹیشن ماسٹر کے گھر میں آنتشزدگی کے بارے میں پوچھ گچھ کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔" نایاب نے کہا۔ "پولیس والے اگر اس سے ٹھیک طرح سے پوچھ گچھ کریں تو بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک طرح سے تمہاری کیا مراد ہے؟" نرگس نے پوچھا۔ "مار پیٹ؟"

"ضروری نہیں کہ مار پیٹ ہی سے کسی کی زبان کھلوائی جائے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "کچھ نفسیاتی حربے بھی ہوتے ہیں جن سے کسی کو سچ بولنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال' یہ اچھی بات ہے کہ پولیس انسپکٹر کو اپنی ذمے داری کا احساس ہو گیا۔ اب مجھے امید ہے کہ اسٹیشن ماسٹر عبدالغنی اس کی بیوی راشدہ اور پراؤنٹس مین عبدالغنی کے قتل کے حوالے سے کچھ حقائق سامنے آجائیں گے۔"

وہ باتیں کر رہی تھیں کہ سکندر اور ملک صاحب بھی آگئے۔ ان کے ساتھ ہی رسول بخش بھی بھینسوں کو ہانکتا ہوا گیٹ میں داخل ہوا تھا۔ ملک صاحب بھی آج کچھ تھکے ہوئے سے لگ رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئے۔

نرگس اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی اور سکینہ کے ساتھ مل کر رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔ عذرہ بھی کاموں میں مصروف تھی۔ سکندر' نایاب کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تم نے ماجھے کمہار کے بارے میں سن لیا ہوگا۔" سکندر نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تحقیقات صحیح ہوں تو چوہدری سعادت بھی اس کیس میں پھنس جائے گا۔ قتل کا کیس کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔ اس کیس میں اس کی گرفتاری تمہارے والے کیس پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے۔"

"اصل بات تو یہ ہے کہ پولیس اسے مجرم ثابت کرتی ہے یا بیچ میں ہی لے دے کر کے معاملہ ختم کر دیا جاتا ہے۔" نایاب نے کہا۔

"ماجھا کمہار صرف اور صرف سعادت کی شہ پر بپھرا ہوا تھا۔ بنیادی طور پر وہ بہت بزدل آدمی ہے۔ مجھے تو یقین ہے کہ پولیس والوں کے دو چار ہاتھ پڑتے ہی وہ سب کچھ بک دے گا۔ کہ اسٹیشن ماسٹر کے کوارٹر کو آگ کیسے لگی تھی۔" سکندر نے کہا۔ "تمہیں دیہی زندگی کے بارے میں ابھی زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ یہاں رہنے والی نیچ قومیں' دھوبی' نائی' موچی' ماشکی اور کمہار وغیرہ' سب زمینداروں کی مطیع ہوتی ہیں۔ ان کا کام ہی خدمت اور اطاعت ہے۔ عام طور پر یہ لوگ کبھی سر نہیں اٹھاتے۔ لیکن ان میں کوئی نہ کوئی ایسا بدطینت نکل آتا ہے جو کسی زمیندار کی شہ پر اپنی حد سے نکل کر پھیلنے لگتا ہے۔ اگر اسے کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ بہت خطرناک بن جاتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "چند سال پہلے کالا ڈاکو بڑا مشہور ہوا تھا۔ وہ فتح پور کا چمار تھا۔ بڑا اونچا لمبا اور رنگ توے کی طرح سیاہ۔ وہ فتح پور کے چوہدری نور محمد کا کارندہ تھا۔ چوہدری کو مجرا سننے کا شوق تھا۔ کالے نے اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور اس کا خاص مصاحب بن گیا۔ اور پھر اس نے وہ حرکتیں شروع کر دیں جو سعادت کے دوست کر رہے ہیں۔ لیکن فتح پور کے لوگ زیادہ عرصہ تک اس کی حرکتیں برداشت نہیں کر سکے۔ ایک دن گاؤں کے چند آدمیوں نے پکڑ کر دھنائی کر دی اور پھر پولیس کے حوالے کر دیا۔ پولیس نے بھی اس کی خوب پٹائی کی اور اسے حوالات میں بند کر دیا۔ لیکن دوسرے دن وہ حوالات سے بھاگ گیا۔ سنا ہے کہ چوہدری نور محمد نے اسے کئی روز تک چھپائے رکھا اور پھر ایک

روز وہ کالا ڈاکو بن کر سامنے آیا۔ اس نے اپنا ایک گروہ بنا لیا تھا۔ آس پاس کے گاؤں دیہاتوں میں ڈاکے اور قتل و غارت اس کا معمول بن گیا۔ اپنے گاؤں میں اس نے زیادہ تباہی پھیلائی۔ ان لوگوں کو چن چن کر قتل کر دیا جن لوگوں نے اس کی دھنائی کی تھی اور پھر پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔

"کالا ڈاکو کئی سال تک علاقے میں دہشت کی علامت بنا رہا۔ سنا تو یہی ہے کہ اسے چوہدری نور محمد کی پشت پناہی حاصل تھی۔ چوہدری ہی نے اسے اور اس کے گروہ کو اپنی زمینوں پر چھپنے کی جگہ دے رکھی تھی۔ اس کی موجودگی کی اطلاع ملنے پر پولیس آتی مگر چوہدری نور محمد سے ملاقات کرکے واپس چلی جاتی۔

"گاؤں والوں کو بھی پتہ چل گیا کہ کالا ڈاکو کہاں چھپا ہوا ہے۔ پندرہ بیس نوجوانوں نے بڑے خفیہ طور پر پروگرام بنایا اور مسلح ہوکر رات کے وقت چوہدری کی اراضی پر اس پرانی حویلی کو گھیر لیا جہاں کالا ڈاکو اپنے آدمیوں کے ساتھ چھپا ہوا تھا۔ رات بھر دونوں طرف سے فائرنگ ہوتی رہی۔ گاؤں کے اور لوگ بھی اسلحہ لے کر وہاں پہنچ گئے تھے۔ کالاڈاکو تمام ساتھیوں سمیت مارا گیا۔ صبح پولیس آئی اور لاشیں اٹھا کر لے گئی۔" سکندر کچھ دیر کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "ماجھا کمہار کے حالات بھی کالاڈاکو سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ یہ بھی کئی مرتبہ گاؤں والوں سے پٹ چکا ہے اور اب پولیس اسے پکڑ کر لے گئی ہے۔ اگر پولیس نے صحیح طور پر اس معاملے کو ہینڈل نہ کیا تو یہ بھی کالا ڈاکو بن جائے گا۔"

"ماجھا کمہار' کالا ڈاکو نہیں بن سکے گا۔" نایاب نے کہا۔ "کل میں خود پولیس انسپکٹر سے ملوں گی اور گاؤں کے بعض معتبر لوگوں کو بھی مجبور کروں گی کہ وہ اس کیس کو پرسو کریں اور پولیس کو بھی کوئی ایسا موقع فراہم نہ کریں جس سے کال اڈاکو جیسے حالات پیدا ہوں۔"

وہ ابھی باتیں کر رہے تھے کہ حکم دین آگیا۔ وہ بھی ایک کاشتکار تھا اور اس کا شمار بھی گاؤں کے ایسے آدمیوں میں ہوتا ہے جنہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ نایاب اٹھ کر کچن میں سکینہ اور نرگس کے پاس آگئی۔

رات کو کھانا کھانے کے بعد نایاب جلدی سوگئی۔ اور صبح جلدی اٹھ بھی گئی۔ آج

بھی ناشتہ کرنے کے بعد نایاب اور ملک سکندر ٹیلے کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہ دوپہر تک کھنڈروں میں گھومتے رہے۔ نجانے آج نایاب کو بار بار یہ احساس کیوں ہو رہا تھا کہ کوئی ان کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہا ہے۔ کئی مرتبہ اسے پتھر لڑھکنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ لیکن دور دور تک کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔

ایک مرتبہ تو نایاب کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی دبے قدموں ان کے پیچھے پیچھے چل رہا ہو۔ اس نے قدموں کی آواز بہت واضح طور پر سنی تھی۔ اس نے تیزی سے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ اسے سفید کپڑے کی جھلک سی دکھائی دی۔ وہ جو کوئی بھی تھا بڑی تیزی سے ایک شکستہ دیوار کی آڑ میں ہوگیا تھا۔ نایاب تیزی سے اس طرف دوڑی۔ لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اس کا وہم نہیں ہوسکتا تھا۔ اس نے کسی کو دیوار کے پیچھے چھپتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی اور پھر ایک دم چونک گئی۔

وہاں سے تقریباً" تین گز آگے ایک آدمی ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سیندوری رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ لیکن اس کا رخ دوسری طرف تھا۔ اسی لئے چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سن کر نایاب نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سکندر بھی اس طرف آرہا تھا۔

"کیا بات ہے نایاب۔ تم بھاگ کر اس طرف کیوں آئی تھیں۔" سکندر بولا۔

"وہ آدمی۔" نایاب نے سیند وری لباس والے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا جو ان کی طرف پشت کئے بیٹھا تھا۔ "میں نے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنی تھی۔ مڑ کر دیکھا تو کوئی بھاگ کر اس دیوار کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ اس کے کپڑے سفید تھے۔ لیکن یہ آدمی۔ لیکن ..... اس کا لباس سیند وری ہے اور یہ اتنی جلدی وہاں پہنچ بھی نہیں سکتا اور اس کا انداز بھی ایسا ہے جیسے دیر سے یہاں بیٹھا ہوا ہو اور اس نے شاید ہمیں دیکھا بھی نہیں۔"

"آؤ ..... دیکھتے ہیں یہ کون ہے؟" سکندر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں چلتے ہوئے اس شخص کی پشت پر پہنچ گئے۔ لیکن اس شخص نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی لگتا تھا جیسے وہ ان کی موجودگی سے قطعی بے خبر ہو حالانکہ ان کے چلنے

سے قدموں کی اچھی خاصی آواز پیدا ہو رہی تھی اور پیروں کی ٹھوکروں سے چند چھوٹے چھوٹے پتھر بھی لڑھکے تھے۔

وہ دونوں پتھر کے اوپر سے گھوم کر اس کے سامنے آگئے اور تب اس شخص نے ان کی طرف دیکھا۔ اسے دیکھ کر نایاب کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ دماغ میں سنسناہٹ اور پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

بہت ہی حسین اور جوان رعنا تھا۔ گول چہرہ موٹی موٹی سیاہ آنکھیں جن کے کناروں پر سرمے کی باریک دھاریاں سی نظر آرہی تھیں۔ سرخ و سفید رنگت اور ہونٹ گلاب کی پتیوں جیسے نازک اور سرخی لئے ہوئے تھے۔ اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کے بال گولڈن تھے۔ وہ نایاب کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ مسکرانے سے اس کے دائیں رخسار پر ہلکا سا ڈمپل پڑ گیا۔ اس چاہ زنخداں نے اس کی رعنائی میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔ نایاب کے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگ اٹھا اور وہ سینے میں ہلکی سی گدگدی کی لہریں محسوس کرنے لگی۔

ملک سکندر بھی حیرت سے اس اجنبی نوجوان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ حسین نوجوان ان کے گاؤں کا یا آس پاس کی کسی بستی کا نہیں تھا۔

"کون ہو تم جوان ....؟ کہاں سے آئے ہو۔ میں نے پہلے تو تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔ کہاں رہتے ہو؟" ملک سکندر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

اجنبی نوجوان نے زبان کو حرکت دینے کی بجائے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کر دیا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو؟" ملک سکندر نے دوسرا سوال کیا پھر خود ہی بول پڑا۔

"اوہ .... سمجھ گیا۔ تمہارے کچھ اور ساتھی بھی ہوں گے اور تم لوگ شاید یہاں خزانہ تلاش کرنے آئے ہو۔"

"اجنبی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے ہونٹوں پر بدستور دلفریب مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ نایاب کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں بڑی مقناطیسی چمک تھی۔ نایاب بھی پلک جھپکے بغیر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ اس اجنبی نوجوان سے بہت زیادہ متاثر ہوئی تھی اور اپنے آپ کو بھی فراموش کر بیٹھی تھی۔

"کیوں بھائی! تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کون ہو کہاں سے آئے ہو؟ ملک سکندر نے ایک بار پھر اس اجنبی نوجوان کو مخاطب کیا۔ اس نوجوان نے ایک بار پھر ایک طرف اشارہ کر دیا۔

"تمہارے منہ میں زبان نہیں ہے؟ بولتے کیوں نہیں؟" ملک سکندر نے اسے گھورا۔

"نوجوان کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی میں بڑی کشش تھی۔ وہ ایک بار پھر نایاب کی طرف دیکھنے لگا۔

ملک سکندر مزید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی چلنے کی آواز کہیں قریب ہی سے آئی تھی۔ پتھر پر بیٹھا ہوا وہ نوجوان ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا اور تشویش آمیز نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

فائر کی آواز سن کر نایاب اور ملک سکندر بھی اچھل پڑے تھے۔ وہ دونوں بھی ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ اسی دوران ایک اور فائر ہوا۔ یہ آواز پہلے کی نسبت زیادہ قریب سے آئی تھی اور پھر ایک اور آواز سن کر دونوں چونک گئے۔

"وہ انہی کھنڈروں میں ہیں۔ کچھ دیر پہلے میں نے خود انہیں اس طرف آتے ہوئے دیکھا ہے۔ تلاش کرو انہیں اور بھون دو گولیوں سے۔ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

یہ آواز چوہدری سعادت کی تھی۔ نایاب اور سکندر نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ملک سکندر نے اپنے کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے پستول نکال لیا۔ آج وہ مکمل تیاری کر کے آیا تھا۔ کندھے پر لٹکے ہوئے کپڑے کے اس تھیلے میں ٹارچ بھی تھی اور دوپہر کا کھانا بھی۔ اس نے پستول کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چوہدری سعادت کی آواز سن کر اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ انہیں کسی طرح یہ پتہ چل گیا تھا کہ یہ دونوں کھنڈروں میں آئے ہوئے تھے اور وہ اپنے آدمیوں کو لے کر ان کی تلاش میں یہاں پہنچ گیا تھا۔ ان کے ارادوں کا بھی پتہ چل گیا تھا۔ اگر وہ لوگ انہیں مار کر ان کھنڈروں میں پھینک جائیں تو کئی روز تک تو ان کی لاشوں کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔

ایک اور فائر کی آواز گونجی اور اس کی بازگشت ختم ہونے سے پہلے ہی چوہدری سعادت کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ملک سکندر! ہمیں معلوم ہے تم نایاب کو لے کر یہاں آئے ہوئے ہو۔ گاؤں میں موقع نہیں ملا تو منہ کالا کرنے کے لئے اسے لے کر یہاں آگئے۔ ہم نے ان کھنڈروں کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ آج تم لوگ بچ کر نہیں جاسکتے۔ بہتر ہے کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردو۔"

منہ کالا کرنے والی بات سن کر ملک سکندر کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس نے نایاب کی طرف دیکھا اور اسے وہیں رکنے کا اشارہ کرکے ایک طرف بڑھنے لگا۔ لیکن ابھی اس نے قدم ہی اٹھایا تھا کہ اس حسین نوجوان نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

"انہوں نے واقعی کھنڈرات کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ وہ کئی آدمی ہیں تم ان کا مقابلہ نہیں کرسکو گے۔ تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" نوجوان نے کہا۔ اس نے پہلی مرتبہ زبان کھولی تھی اور اس کی آواز میں بڑی کھنک تھی۔

سکندر نے نایاب کی طرف دیکھا اور نایاب نے تائید میں سر ہلا دیا۔

سیندروری لباس والا وہ خوبرو نوجوان انہیں اشارہ کرتا ہوا تیزی سے ایک طرف مڑ گیا۔ وہ دونوں بھی اسی کے پیچھے چلنے لگے۔ وہ کھنڈروں کی شکستہ دیواروں اور ستونوں کی آڑ لیتے ہوئے تیزی سے چلتے رہے اور پھر ایک موقع پر سکندر اور نایاب کو کھنڈروں کے باہر دیکھنے کا موقع مل گیا۔ چوہدری سعادت نے غلط نہیں کہا تھا۔ چاروں طرف دور دور تک اس کے آدمی پھیلے ہوئے تھے۔ گویا وہ باقاعدہ پروگرام بنا کر آئے تھے۔

وہ خوبرو نوجوان ایک جگہ رک گیا۔ یہ غالباً کوئی کمرہ تھا جس کی تین دیواریں چند فٹ اوپر تک موجود تھیں البتہ چوتھی دیوار نہیں تھی۔ وہ نوجوان ایک کونے میں جاکر جھکا اور فرش سے ایک بہت بڑی سل اٹھا دی۔

"نیچے اتر جاؤ۔ جلدی کرو۔ وہ لوگ قریب پہنچ رہے ہیں۔" نوجوان نے کہا۔

وہ دونوں تیزی سے اس خلا میں واقع ڈھلان پر اتر گئے۔ پہلے ملک سکندر اترا اور بعد میں نایاب۔ نایاب نے مڑ کر دیکھا وہ نوجوان اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور پھر اس نے پتھر کی وہ سل رکھ کر خلا بند کردیا۔

گہری تاریکی تھی۔ ملک سکندر نے تھیلے سے ٹارچ نکال کر جلائی اور اس کی روشنی

میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تنگ سا راستہ تھا۔ ہر طرف مکڑی کے جالے تنے ہوئے تھے۔

"عجیب بیوقوف ہے وہ نوجوان۔" ملک سکندر بولا۔ "ہمیں تو اس سرنگ میں چھپا دیا اور خود باہر رہ گیا۔ چوہدری سعادت کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گیا تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"چوہدری سعادت اور اس کے آدمیوں کو اس نوجوان کی نہیں ہماری تلاش ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اگر وہ آمنے سامنے آبھی گئے تو اس سے یہی پوچھیں گے کہ اس نے ہمیں کہیں دیکھا تو نہیں۔"

"خدا اسے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔" سکندر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اس وقت تو وہ ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا ہے۔"

"خاموش! میرا خیال ہے وہ لوگ اوپر موجود ہیں۔" نایاب نے سرگوشی کی۔ انہیں اپنے سروں پر کئی آدمیوں کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر ایک فائر کی آواز بھی سنائی دی۔ وہ یقیناً سعادت کے آدمی تھے جو اس جگہ پہنچ گئے تھے۔

"اگر انہوں نے اس سرنگ کا راستہ تلاش کرلیا تو ہمارے لئے مشکل ہو جائے گی۔" سکندر نے سرگوشی کی۔ "تم ٹارچ سنبھالو۔ بلکہ اسے بجھا دو۔ میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ اگر وہ راستہ تلاش کر بھی لیں تو نیچے نہ آنے پائیں۔ ایک ایک کو گولی سے اڑا دوں گا۔" وہ پستول سنبھال کر تیار ہوگیا۔

اسے خطرہ تھا کہ وہ پتھر کی سل کسی بھی وقت ان میں سے کسی کی نظروں میں آسکتی تھی۔ لیکن اسے اطمینان بھی تھا کہ وہ بیک وقت نیچے نہیں آسکتے تھے۔ ایک ایک آدمی نیچے آئے گا اور وہ نیچے کھڑا آسانی سے انہیں اپنی گولیوں کا نشانہ بنا سکتا تھا۔

چھت پر قدموں کی آواز تھوڑی دیر تک سنائی دیتی رہی پھر خاموشی چھا گئی۔ وہ لوگ شاید کسی اور طرف نکل گئے تھے۔

وہ لوگ چند منٹ تک تاریکی میں کھڑے رہے پھر نایاب نے ٹارچ جلا لی اور اس کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ہر طرف مکڑیوں کے جالے تنے ہوئے تھے اور بظاہر کسی طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دفعتاً نایاب کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔

"سکندر بھائی۔" وہ سرسراتی ہوئی سی آواز میں بولی۔ "میرا خیال ہے۔ یہ وہی تہہ خانہ ہے جہاں میں نے خزانہ دیکھا تھا۔"

"اوہ!" سکندر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "لیکن مجھے تو یہاں سے آگے بڑھنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔"

"مجھے لگتا ہے کہ مجھے سب کچھ یاد آ رہا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "میرے ساتھ آیئے۔"

وہ ایک ہاتھ سے تنے ہوئے جالوں کو ہٹا کر ایک طرف چلنے لگی۔ ایک کونے میں اسے ایک تنگ سا راستہ نظر آ گیا۔ وہ اس راستے میں داخل ہو گئی۔ سکندر بھی پستول سنبھالے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ جلد ہی وہ ایک کھلی جگہ پر نکل آئے۔ یہ بہت بڑا حال تھا۔ لاتعداد ستون تھے۔ ہر طرف مکڑیوں کے جالے تھے۔ یہ جگہ اگرچہ نایاب کو کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔ مگر اس کے دل میں ایک عجیب سا خوف تھا۔ اسے بہرحال یہ اطمینان تھا کہ سکندر اس کے ساتھ تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول بھی تھا۔

سکندر کے دل پر بھی ایک عجیب سا خوف طاری تھا۔ اس نے پراسرار کہانیاں پڑھی تھیں۔ کئی ایسی فلمیں بھی دیکھی تھیں جن میں اس قسم کے خوفناک مناظر ہوتے تھے اور آج وہ خود کچھ ایسی ہی پراسرار صورتحال سے دوچار تھا۔ اس تہہ خانے میں داخل ہونے سے پہلے تک وہ یہی سمجھتا رہا تھا کہ نایاب نے کھنڈروں کے نیچے تہہ خانے اور خزانے کے بارے میں جو کچھ بھی بتایا تھا وہ کوئی خواب ہوگا لیکن اب وہ خود اس تہہ خانے میں موجود تھا اور یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ اور اس کے خیال میں وہ محض اتفاق سے ہی یہاں پہنچ گئے تھے۔ اگر وہ سیندوری لباس والا نوجوان انہیں نہ ملتا تو شاید وہ لوگ زندگی بھر اس خفیہ راستے کو تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک سوال ابھرا۔ وہ خوبرو نوجوان کون تھا؟

لیکن سکندر کو اس نوجوان کے بارے میں سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ نایاب چیختی ہوئی اس سے لپٹ گئی تھی۔ اس کی بدحواسی کی وجہ سے ٹارچ کی روشنی بھی چھت کی طرف جا رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" سکندر بھی بدحواس ہو گیا۔ نایاب نے یقیناً کوئی ایسی چیز دیکھ لی تھی

جس سے ڈر کر وہ اس سے لپٹ گئی تھی۔

سکندر نے نایاب کے ہاتھ سے ٹارچ لے لی اور اس کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر اس کا دل بھی اچھل کر حلق میں آ گیا۔ گرد آلود فرش پر ایک انسانی ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔

"اوہ۔" سکندر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "شاید یہ کوئی مہم جو تھا؟ خزانے کی تلاش میں یہاں تک پہنچنے میں کامیاب تو ہو گیا تھا لیکن واپس نہیں جا سکا۔"

"یہ رانی شلپا کے محل کا تہہ خانہ ہے۔" نایاب خوف زدہ سے لہجے میں بولی۔ "ہو سکتا ہے یہ ڈھانچہ خود رانی شلپا کا یا اس کے کسی معتمد خاص کا ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔ آگے چلو۔" سکندر بولا۔

وہ اس ڈھانچے سے بچ کر آگے نکل گئے۔ ہال کے اختتام پر ایک اور کشادہ راستہ تھا اور پھر ایسے کئی راستوں سے گزر کر وہ ایک اور کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے اور پھر سکندر ٹھٹک کر رک گیا۔ ٹارچ کی روشنی میں ایک سیاہ ناگ نظر آ رہا تھا جو پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ سکندر نے نایاب کو روک لیا اور پستول والا ہاتھ آگے کو بڑھا دیا۔ اسی وقت نایاب کے دماغ میں ایک اور دھماکہ سا ہوا۔ اس نے سکندر کے پستول والے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ سکندر نے ٹرائیگر دبا دیا۔ فائر ہوا مگر گولی چھت میں جا کر لگی۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" سکندر اچھل پڑا۔

"یہ ناگ ہمیں کچھ نہیں کہے گا۔" نایاب کے منہ سے سرسراتی ہوئی سی آواز میں نکلا۔ "میرے ساتھ چلتے رہیے۔"

سکندر اسے گھور کر رہ گیا۔ اور پھر نایاب نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ناگ اپنی جگہ پر بیٹھا جھومتا رہا اور وہ دونوں اس کے قریب سے گزر گئے۔

وہ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس کے پچھلی طرف بھی ایک تنگ سا راستہ تھا وہ اس کمرے سے نکل کر جیسے ہی ایک اور نسبتاً بڑے کمرے میں پہنچے سکندر ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کی نظریں سامنے چبوترے پر ہیرے جواہرات کے ایک ڈھیر پر جمی ہوئی تھیں۔

ٹارچ کی روشنی میں زر و جواہر کے اس ڈھیر سے رنگ برنگی کرنیں سی پھوٹ رہی

تھیں۔ سکندر پلک جھپکے بغیر اس ڈھیر کو دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ نایاب کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں تھی۔

"حیرت انگیز۔" سکندر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "یہی ہے وہ خزانہ؟" اس نے نایاب کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"نہیں سکندر بھائی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "یہ وہ خزانہ نہیں ہے نہ ہی یہ کمرہ ہے۔ وہاں تو ناگن کی بہت بڑی مورتی تھی۔"

سکندر خزانے کے اس ڈھیر کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر وہ جیسے ہی آگے بڑھا ایک کالا ناگ اچانک ہی کہیں سے نکل کر سامنے آگیا اور پھن پھیلا کر پھنکارنے لگا۔ سکندر ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ نایاب آگے بڑھی تو ناگ نے اس کا بھی راستہ روک لیا۔

"چلو سکندر بھائی۔ اس طرف چلو۔" نایاب نے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہوئے دائیں طرف چل پڑے۔ اس طرف ایک کشادہ راستہ تھا اور پھر وہ تین راستوں سے گزر کر اس بڑے کمرے میں پہنچ گئے۔ جہاں چبوترے پر سنہری ناگن کا مجسمہ تھا اور اس کے سامنے ہیرے جواہرات کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور دو ناگ ڈھیر کے دائیں بائیں پھن پھیلائے بیٹھے تھے۔

سکندر کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ کبھی زر و جواہرات کے ڈھیر کی طرف دیکھتا اور کبھی نایاب کی طرف دیکھنے لگتا۔

"یہ شیلتا ہے۔" نایاب نے ناگن کی طرف اشارہ کیا۔ "رانی شپلا کے خزانے کی محافظ۔ اور یہ خزانہ شیلتا نے مجھے دیدیا ہے۔"

نایاب نے ڈرتے ڈرتے آگے بڑھ کر اس ڈھیر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ دونوں ناگ اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ نایاب نے مٹھی بھر ہیرے اٹھا لئے اور ہتھیلی پھیلا کر ٹارچ کی روشنی میں دیکھنے لگی۔ ہیروں کی چمک سے ان دونوں کی آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ سکندر نے بھی ڈرتے ڈرتے چند ہیرے اٹھا لئے۔ دونوں ناگ اس وقت بھی آرام سے بیٹھے رہے۔

"ایک بات میری سمجھ میں آرہی ہے سکندر بھائی۔" نایاب نے کہا۔ "یہ خزانہ مجھے دیدیا گیا ہے۔ اس لئے ان محافظ ناگوں نے ہمیں ہیرے اٹھانے سے نہیں روکا۔ لیکن دوسرے کمرہ کا خزانہ میرا نہیں تھا۔ اس لئے اس ناگ نے ہمیں آگے بڑھنے سے روک

دیا۔ دیکھ لیا آپ نے۔ اسے کہتے ہیں دیانت اور امانت داری اور اسے کہتے ہیں فرض شناسی۔ کتنا فرق ہے انسان اور جانور میں۔"

"ہاں۔ ٹھیک کہتی ہو۔" سکندر گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "انسان تو ان ناگوں سے بھی زیادہ زہریلا ہے۔ بہرحال، اگر تم اجازت دو تو میں یہ چند ہیرے اپنے پاس رکھ لوں۔"

"اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے سکندر بھائی۔" نایاب نے کہا۔ "بلکہ یہ بھی اپنی جیب میں رکھ لیجئے۔" اس نے اپنے ہاتھ والے ہیرے بھی اسے دیدیئے۔

وہ لوگ ابھی باتیں کر رہے تھے کہ اچانک سنہری سانپ کہیں سے نکل کر سامنے آگیا۔ وہ نایاب کے پیروں پر چڑھتا ہوا ایک طرف رینگنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے کان میں ایک سرگوشی گونجی۔

"تم لوگ میرے ساتھ آؤ۔ جلدی کرو۔"

نایاب چونک گئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر سکندر کو اشارہ کرتی ہوئی سانپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

سنہری سانپ بڑی تیزی سے رینگ رہا تھا۔ وہ دونوں بھی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چل رہے تھے۔ کئی راہداریوں اور سرنگوں سے گزرنے کے بعد ایک ایسی سرنگ میں آگئے جو سیدھی چلی گئی تھی۔

سنہری سانپ اچانک ہی غائب ہوگیا۔ لیکن وہ دونوں چلتے رہے۔ سرنگ زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ کئی جگہوں پر تو چھت اتنی نیچی تھی کہ انہیں جھک کر چلنا پڑا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ایک کشادہ جگہ پر نکل آئے۔ آگے راستہ بند تھا۔ ملک سکندر ٹارچ کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

"میرا خیال ہے ہم غلط راستے پر آگئے ہیں۔ آگے تو کوئی راستہ نہیں ہے۔" سکندر نے کہا۔

نایاب بھی پریشان ہوگئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ انہیں پھر واپس جانا پڑے گا وہ ابھی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ ایک جگہ چھت پر سے مٹی گرنے لگی۔ اگرچہ بہت تھوڑی مٹی گری تھی لیکن وہ جگہ انہیں نظر آگئی تھی جہاں سے مٹی گری تھی۔

سکندر ٹارچ کی روشنی میں اس جگہ کو دیکھنے لگا۔ چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ وہاں

ایک چھوٹی سی دراڑ نظر آئی جس سے اب بھی کچھ مٹی گر رہی تھی۔ سکندر دوسرے ہاتھ سے اس جگہ کو ٹٹول کر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے تاریخ نایاب کے ہاتھ میں دیدی اور دونوں ہاتھوں سے چھت کے اس حصے کو ٹٹولنے لگا۔ اسے یقین ہوگیا کہ یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ موجود ہے۔

سکندر کا خیال درست نکلا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ پتھر کی ایک سل تھی جو بالکل الگ نظر آرہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سل کو اوپر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ سل آہستہ آہستہ اوپر اٹھتی گئی۔

وہ خلا اتنی چوڑی تھی کہ ایک آدمی آسانی سے نکل سکتا تھا۔ سکندر پہلے کچھ دیر تک باہر کی کوئی آواز سننے کی کوشش کرتا رہا پھر چھت کے کنارے کو پکڑ کر آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔

سکندر نے باہر نکل کر نایاب کو بھی اوپر کھینچ لیا اور دونوں نے پتھر کی وہ سل اٹھا کر دوبارہ خلا پر رکھ دی۔ اور پھر وہ دونوں جیسے ہی مڑے چونک گئے۔ سیندوری لباس والا وہ خوبرو نوجوان ایک طرف بیٹھا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نایاب کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ آگئی تھی۔

"اوہ تم۔" سکندر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"وہ کھنڈروں میں تم لوگوں کو تلاش کر رہے ہیں۔ تم لوگ اس طرف سے نکل جاؤ۔" نوجوان نے ایک طرف اشارہ کیا۔

سکندر ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر وہ چونک گیا۔ یہ ایک تنگ سا غار تھا۔ وہ اس غار سے باہر آئے تو یہ دلچسپ اور سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ وہ اس وقت باڑی میں تھے۔

گاؤں کے باہر والی نہر پر ذرا آگے چھوٹا سا ٹیلا تھا جس میں کسی زمانے میں باڑی بنائی گئی تھی۔ ٹیلے کو اندر سے کھود کر ایک کشادہ سرنگ بنائی گئی تھی جس کے دوسری طرف بھی راستہ تھا۔ نہر کا پانی اس باڑی کے اندر تک چلا گیا تھا۔ جس وجہ سے اس باڑی میں ٹھنڈک رہتی تھی۔ پرانے زمانے میں نہروں اور دریاؤں کے کنارے اسی قسم کی باڑیاں بکثرت ہوتی تھیں۔ جنہیں امراء اور رؤسا گرمیوں میں اپنی آرام گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

سکندر نے کنارے پر آکر باہر جھانکا۔ ٹیلا وہاں تقریباً" ڈیڑھ میل دور تھا اور دوسری طرف تقریباً" ایک فرلانگ کے فاصلے پر گاؤں تھا۔ اس باڑی کے قریب و جوار میں کوئی بھی نہیں تھا۔

"نایاب۔ تم یہاں سے نکل کر گھر چلی جاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" سکندر نے کہتے ہوئے کندھے پر لٹکا ہوا تھیلا اتار کر اس کے حوالے کر دیا۔ لیکن پستول نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

نایاب نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر باڑی سے نکل کر کچھ دور تک نہر کے کنارے پر چلتی رہی۔ پھر ایک کھیت میں گھس گئی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی پگڈنڈی پر چلنے لگی۔

وہ دوسری طرف سے گاؤں میں داخل ہوئی تھی۔ پہلی ہی گلی میں چوہدری امانت علی کی بہن اللہ رکھی سے آمنا سامنا ہوگیا۔ وہ نایاب کو دیکھ کر اس طرح چونکی جیسے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو۔

"نایاب بیٹی تم۔ کہاں سے آرہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ادھر کھیتوں کی طرف گئی تھی۔ خیریت؟" نایاب بولی۔

"ہائے ربا۔" ماسی اللہ رکھی دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"کیا ہو رہا ہے ماسی؟" نایاب نے پوچھا۔

"کیا بتاؤں بیٹی۔" ماسی بولی۔ "سعادت نے پورے گاؤں میں یہ مشہور کر دیا ہے کہ سکندر تمہیں لے کر ان کھنڈروں میں گیا ہوا ہے۔ اس نے تم دونوں کے بارے میں کچھ الٹی سیدھی باتیں بھی کی ہیں۔ وہ گاؤں کے تیس چالیس آدمیوں کو لے کر کھنڈروں کی طرف گیا ہوا ہے۔ ہے تو وہ میرا بھتیجا مگر بڑی گندی فطرت ہے اس کی۔"

اس دوران تین چار اور عورتیں بھی وہاں جمع ہوگئی تھیں۔ وہ سب نایاب کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں۔ نایاب کچھ دیر ان کے پاس کھڑی باتیں کرتی رہی پھر گھر آگئی۔

سکینہ وغیرہ کے چہروں پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ نایاب کو دیکھ کر انہیں کچھ اطمینان ہوا۔

"کہاں تھے تم لوگ ..... تمہارے بھائی کہاں ہیں؟" سکینہ نے جلدی سے آگے بڑھ

کر پوچھا۔

"آپ کو معلوم ہے بھابھی ہم کہاں گئے تھے۔" نایاب نے کہا۔ "سکندر بھائی ابھی آرہے ہیں۔ سعادت نے جو حرکت کی ہے مجھے اس کا پتہ چل گیا ہے۔ آپ دیکھئے تو میں اس کا کیا حشر کرتی ہوں۔ انکل کہاں ہیں؟"

"انہیں ڈیرے پر پیغام بھیجا ہے۔ وہ بھی آرہے ہوں گے۔" سکینہ نے جواب دیا۔ "سعادت اور اس کے آدمی بندوقیں لے کر کھنڈروں کی طرف گئے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ....."

"بھابھی۔" نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آپ کو مجھ پر اور اپنے شوہر پر اعتماد ہے نا؟ سعادت نے ہم پر جو الزام لگایا ہے۔ وہ خود ہی ذلیل ہوگا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر عذرہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "عذرہ مجھے چائے پلاؤ۔ سر میں بہت شدت کا درد ہو رہا ہے۔" وہ آگے بڑھ کر برآمدے میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

تین چار منٹ بعد سکندر بھی پہنچ گیا۔ سکینہ اس سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر سکندر اسے بازو سے پکڑ کر اندر لے گیا۔ جیب سے ہیرے نکال کر اس کے حوالے کر دیئے۔

"میں باہر جا رہا ہوں۔ واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ پریشان نہ ہونا اور انہیں سنبھال کر رکھنا۔" وہ کہتا ہوا کمرے سے باہر آگیا۔

سکینہ ہیرے دیکھ کر اچھل پڑی۔ اس کی آنکھوں میں ہیروں سے زیادہ چمک ابھر آئی تھی۔

سکندر صحن کے اس حصے میں آگیا جہاں گھوڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے گھوڑی کھولی اور اس پر زین ڈالے بغیر لگام پکڑ کر باہر لے گیا۔ گلی میں آکر وہ اچک کر گھوڑی پر سوار ہوا اور اسے ہلکی سی ایڑھ لگا دی۔

یہ افواہ پورے گاؤں میں پھیل چکی تھی کہ سکندر، نایاب کو لے کر ٹیلے والے کھنڈروں میں گیا ہوا تھا۔ یہ افواہ پھیلانے والا چوہدری سعادت تھا۔ اس کے آدمیوں نے تو یہ بھی مشہور کر دیا تھا کہ سکندر اور نایاب میں ناجائز تعلقات ہیں۔ گاؤں میں انہیں موقع نہیں مل رہا تو سکندر اسے لے کر کھنڈروں میں چلا گیا۔ سکندر کو دیکھ کر لوگ حیران بھی ہوئے تھے اور یہ سوچ کر پریشان بھی ہو رہے تھے کہ آج کچھ ہونے والا ہے۔

گاؤں سے نکل کر سکندر نے گھوڑی کو کھنڈروں کی طرف جانے والے راستے پر موڑ دیا۔ اسے ٹیلے کے قریب پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ٹیلے کو واقعی لوگوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ سکندر قریب پہنچا تو سامنے کھڑے ہوئے آدمی اسے دیکھ کر چونک گئے۔ ان کے چہروں پر شدید حیرت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ وہ لوگ ملک سکندر اور نایاب کو کھنڈروں میں تلاش کر رہے تھے اور وہ گاؤں کی طرف سے آرہا تھا۔

اور پھر یہ خبر ٹیلے پر کھنڈروں میں پھیلے ہوئے تمام لوگوں تک پہنچ گئی کہ ملک سکندر کھنڈروں میں نہیں ہے۔ وہ گاؤں سے آرہا ہے۔ لوگ کھنڈروں سے نکل نکل کر جمع ہونے لگے۔ ہر ایک کے چہرے پر حیرت کے تاثرات تھے۔ چوہدری سعادت کے چہرے پر تو جیسے ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔

"آج میری ایک بات غور سے سن لے چوہدری!" ملک سکندر نے جیب سے پستول نکال کر کہا۔ وہ گھوڑے پر ہی بیٹھا رہا۔ "تجھ جیسا بے غیرت آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ تو نے اپنی بھاوج پر الزام لگایا ہے۔ ڈوب مر شرم سے۔ غیرت کر۔ اپنے مرے ہوئے بھائی کی امانت کی حفاظت نہیں کر سکتا تو اسے اس طرح بدنام بھی نہ کر۔ تم لوگ بدقسمت ہو کہ اس جیسی شریف اور نیک لڑکی کو ٹھکرا دیا۔ یا شاید تم لوگ واقعی اس قابل نہیں ہو کہ شریف لڑکی تمہارے خاندان میں آسکتی۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "تم نے مجھ پر بھی الزام لگایا ہے۔ میں ابھی تمہیں گولی مار سکتا ہوں مگر میں بات کو بڑھانا نہیں چاہتا۔ نایاب کو میں نے بہن کہا ہے۔ وہ مجھے نرگس اور عذرہ کی طرح عزیز ہے۔ ہم خاندانی لوگ ہیں۔ گاؤں والے جانتے ہیں کہ ہم رشتہ نبھانا جانتے ہیں۔ تم بہت بڑے زمیندار اور جاگیردار سہی لیکن تمہارے کرتوتوں نے نہ صرف تمہارے اپنے خاندان بلکہ گاؤں والوں کے چہروں پر بھی کالک مل دی ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا شروع ہو جائے۔ میں تمہیں پہلا اور آخری موقع دے رہا ہوں۔ اگر آئندہ میں نے تمہاری طرف سے کوئی ایسی بات سنی تو پھر میں ان گاؤں والوں کے سامنے کہتا ہوں کہ ہماری کھلی دشمنی ہے۔"

"کیوں بھئی چوہدری۔" منظور نامی ایک شخص نے کہا۔ "اب کیا خیال ہے تم تو کہتے تھے کہ تم نے ان دونوں کو کھنڈروں میں دیکھا ہے۔"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں منظور چاچا میں نے اور میرے ان بندوں نے اپنی آنکھوں سے ان دونوں کو کھنڈروں میں چھپتے ہوئے دیکھا تھا۔" چوہدری سعادت نے کہا۔

"اس پورے ٹیلے کو چاروں طرف سے لوگوں نے گھیرا ہوا ہے۔ بلی بھی ہماری نظروں میں آئے بغیر نہیں جا سکتی۔ اگر یہ کھنڈروں سے نکل کر گئے تھے تو ہم میں سے کسی کو نظر کیوں نہیں آئے۔" منظور نے کہا۔

"میں قسم کھاتا ہوں منظور چاچا۔"

"کچھ حیا کر چوہدری۔" منظور نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اپنے ہی گھر کی عزت کو اس طرح مٹی میں ملا رہے ہو۔ شرم کرو۔ جائیداد کا جھگڑا ہے۔ تو عدالت میں جا کر مقدمے کا سامنا کرو۔ کیوں اپنے آپ کو اس طرح دوسروں کی نظروں سے گرا رہے ہو۔"

اور پھر دوسرے لوگ بھی بولنے لگے۔ وہ رتبے میں چھوٹے لوگ تھے جو اسے اس طرح ذلیل کر رہے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ چوہدری سعادت اس طرح خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

"نایاب بی بی کہاں ہے ملک جی۔" ایک آدمی نے پوچھا۔

"وہ گھر پر ہے۔ آپ لوگ جا کر دیکھ لیں۔" سکندر نے جواب دیا۔

"سن لے چوہدری۔" منظور چاچا نے سعادت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے گھر کی عزت کو ان لوگوں نے سینے سے لگا رکھا ہے اور تم انہی کو بدنام کر رہے ہو۔"

چوہدری سعادت کوئی جواب دیئے بغیر لوگوں کو دھکے دیتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ گاؤں کے لوگ کچھ دیر تک وہیں کھڑے رہے اور پھر وہ سب گاؤں کی طرف چل دیئے۔ سکندر کچھ دور تک ان کے ساتھ رہا پھر اس نے گھوڑی کا رخ اپنے ڈیرے کی طرف موڑ دیا۔

دسویں قسط

اس رات چوپال میں گاؤں کے معززین اور بزرگوں کی میٹنگ ہوئی تھی۔ گاؤں والوں کے خیال میں یہ ایک بہت سنگین مسئلہ تھا۔ اگر ملک سکندر ٹھنڈے دماغ کا نہ ہوتا تو بات بگڑ سکتی تھی۔ یہ اس کی عقلمندی تھی کہ اس نے جوش و جذبات میں آکر چوہدری سعادت کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ لیکن گاؤں والوں کا خیال تھا کہ بعد میں بات

کسی وقت بڑھ سکتی تھی۔ اس لئے انہوں نے سوچا تھا کہ اس معاملے کو آج ہی ختم کر دیا جائے۔ میٹنگ میں ملک سکندر کے علاوہ چوہدری امانت علی اور اس کے بیٹے سعادت کو بھی بلایا گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ سعادت سب کے سامنے ملک سکندر سے معافی مانگ لے اور دونوں کو گلے لگا دیا جائے تاکہ قصہ ختم ہو جائے۔

ملک سکندر تو میٹنگ میں آگیا تھا مگر وہ باپ بیٹا نہیں آئے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے تک انتظار کیا گیا۔ پیغام بھی بھیجا گیا مگر وہ نہیں آئے۔

رات دس بجے کے قریب سکندر حویلی واپس آگیا۔ گھر کے لوگ حسب معمول بیٹھک میں جمع تھے۔ سکندر بھی وہیں آکر بیٹھ گیا۔

"کچھ فیصلہ ہوا میٹنگ میں؟" ملک صاحب نے سکندر سے پوچھا۔

"وہ باپ بیٹا آئے ہی نہیں۔ فیصلہ کیا ہونا تھا۔" سکندر نے جواب دیا۔ "ویسے سب لوگ سمجھ گئے تھے کہ اس حرکت سے سعادت کا مقصد کیا تھا۔ وہ دراصل نایاب کے خلاف ایسی شہادتیں جمع کرنا چاہتا ہے جو اس کے کیس پر اثر انداز ہو سکیں۔ یہ افواہ بھی اسی نے پھیلائی تھی کہ وہ انسان نہیں ناگن ہے اور میرا خیال ہے وہ اس سلسلے میں کچھ اور بھی کرے گا۔ اس جیسے شخص سے بھلائی اور شرافت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔"

ایسے بدنیت لوگ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔" ملک صاحب اس کے خاموش ہونے پر بولے۔ "وہ اپنی چالوں میں ایک نہ ایک دن خود ہی پھنس جائے گا۔"

"لیکن اب اس کا کوئی تو بندوبست کرنا ہی پڑے گا نا۔" سکندر نے کہا۔

"پولیس کل ماجھے کمہار کو پکڑ کر لے گئی تھی۔ وہ اس کی زبان کھلوا لیں گے۔ قتل کا معاملہ ہے۔ اگر چوہدری کا نام آگیا تو پھر وہ اس چکر سے نہیں نکل سکے گا۔"

"اچھا بھئی۔" ملک صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔ "میں تو سونے جا رہا ہوں تم لوگ بیٹھو۔ باتیں کرو۔"

ملک صاحب کے جانے کے بعد سکندر، سکینہ کو اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا وہ برآمدے میں کھڑا تھا کہ سکینہ آگئی۔

"وہ ہیرے مجھے دو اور نایاب کو ابا جی کے کمرے میں بھیج دو۔ ان دونوں لڑکیوں کو تم باتوں میں لگائے رکھنا۔ یہ ادھر نہ آنے پائیں۔" سکینہ نے کہا۔

سکینہ باورچی خانے میں گھس گئی۔ اس نے وہ ہیرے شیلف پر رکھے ہوئے ایک پیالے میں رکھ دیئے تھے۔ اس نے ہیرے ہتھیلی پر انڈیلے تو وہ بلب کی روشنی میں جگمگا اٹھے۔ رنگ برنگی کرنیں پھوٹ رہی تھیں ان ہیروں کی تعداد چودہ تھی۔ ان میں دو ہیرے تو ایسے جو کبوتر کے انڈے سے بھی بڑے تھے۔

"یہ کہاں سے ملے آپ کو؟" سکینہ نے باہر آکر ہیرے سکندر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں یاد ہے نایاب نے اس روز کھنڈروں کے نیچے خزانے کی بات کی تھی۔" سکندر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور ہم دو دن سے وہ خزانہ تلاش کر رہے تھے اور آج محض ایک اتفاق کے تحت ہم اس خزانے تک پہنچ گئے۔"

"کیا واقعی؟" سکینہ نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں سکینہ۔" سکندر بولا۔ "اتنا بڑا خزانہ ہے کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتیں۔ اتنے بڑے بڑے ڈھیر لگے ہوئے ہیں وہاں تو۔ میں نے اور نایاب نے اس ایک ڈھیر میں سے یہ چند ہیرے اٹھا لئے تھے۔"

"کیا واقعی وہ خزانہ بہت بڑا ہے؟" سکینہ نے پوچھا۔ اس کے چہرے پر انتہائی حیرت کے تاثرات نظر آرہے تھے۔

"ہاں سکینہ۔ اتنا بڑا۔" سکندر نے دونوں بانہیں پھیلا کر بتایا۔ "وہ خزانہ دراصل رانی شپلا کا ہے جو کسی زمانے میں یہاں ریاست کی مالک تھی۔ اس خزانے کی محافظ ناگن نے خزانے کا ایک حصہ یعنی وہ ڈھیر نایاب کو دے دیا ہے۔ اس میں بہت کچھ ہے سکینہ۔ سونے چاندی کے زیور، سونے کے برتن، ہیرے، موتی اور ایک خوبصورت تاج بھی ہے۔"

"ہائے اللہ۔" سکینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اگر وہ خزانہ ہمیں مل جائے تو....."

"ایسا کبھی سوچنا بھی مت سکینہ۔" سکندر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ خزانہ نایاب کا ہے۔ ہمارا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔ ہمارے پاس تو اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ کمی کسی چیز کی ہے۔ ویسے اس خزانے کی وجہ سے نایاب کے حوالے سے اب ہماری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ اس بات کو اپنے تک ہی رکھنا۔ اگر کسی کو اس خزانے کے بارے میں

پتا چل گیا تو نایاب کی زندگی کو مزید خطرات لاحق ہوسکتے ہیں۔ اچھا میں اباجی کے کمرے میں جا رہا ہوں۔ تم نایاب کو وہیں بھیج دو۔" سکندر ملک صاحب والے کمرے میں چلا گیا۔

چند منٹ بعد نایاب بھی وہاں آگئی۔ سکندر نے دروازہ بند کرکے اندر سے کنڈا لگا دیا اور ملک صاحب کو ہیرے دکھانے لگا۔ نایاب بھی ایک دو ہیرے اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"یہ تو بہت قیمتی ہیرے ہیں۔ کہاں سے ملے؟" ملک صاحب نے پوچھا۔

نایاب اور سکندر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور پھر سکندر نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ سچ ہے کہ چوہدری سعادت جب اپنے آدمیوں کو کھنڈروں میں لے کر پہنچا تو ہم وہیں تھے اور خزانے کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔ انہوں نے شاید ہمیں دیکھ بھی لیا تھا اور ڈرانے کے لئے ہوائی فائرنگ شروع کردی تھی۔ ان کی باتوں سے ہم ان کے ارادے بھانپ گئے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمیں تلاش کرلیتے ایک عجیب واقعہ ہوا۔ سیندوری رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ایک نوجوان ہمیں مل گیا۔ وہ پتہ نہیں کون تھا۔ اور کہاں سے آیا تھا۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے گیا اور ایک خفیہ راستے کے ذریعے ہمیں کھنڈروں کے نیچے تہہ خانے میں پہنچا دیا۔ اس طرح ہم اس خزانے تک پہنچ گئے۔ یہ چند ہیرے ہم نے وہیں سے اٹھائے تھے۔"

"لیکن اس قسم کے خزانوں پر تو سنا ہے سانپ پہرہ دیتے ہیں۔" ملک صاحب نے کہا۔

"اس خزانے کی حفاظت بھی سیاہ ناگ ہی کر رہے ہیں۔" سکندر نے کہا۔ "لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس سنہرے سانپ کی وجہ سے نایاب کی ان سے دوستی ہوگئی ہے اور اباجی ..... جس ڈھیر سے ہم نے یہ چند ہیرے اٹھائے ہیں وہ پورا ڈھیر اب نایاب کی ملکیت ہے۔ اتنا بڑا خزانہ میں نے صرف فلموں میں دیکھا ہے یا آج زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ویسے آپ کے خیال میں ان کی کیا قیمت ہوگی۔"

ملک صاحب ایک بار پھر ایک ہیرہ اٹھا کر دیکھنے لگے۔

"مجھے صحیح صحیح اندازہ نہیں لیکن ان کی مالیت کا اندازہ لاکھوں میں لگایا جاسکتا ہے۔ صحیح قیمت تو کوئی جوہری ہی بتائے گا۔" ملک صاحب نے ہیرے سکندر کو واپس کرتے ہوئے کہا "سکینہ کو دیدو، انہیں سنبھال کر رکھ لے۔ یہ ہیرے نایاب بیٹی کی امانت ہیں۔ یہ جب شہر

جائے گی تو اس کے حوالے کر دینا۔"

وہ تقریباً" آدھ گھنٹہ مزید وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر ملک صاحب کے کمرے سے نکل آئے۔ سکندر اور سکینہ تو اپنے کمرے میں چلے گئے اور نایاب اپنے کمرے میں آگئی۔ نرگس اور عذرہ اس کی منتظر تھیں۔ ان دونوں نے اسے اپنے بیچ میں لے لیا اور باتیں کرنے لگیں۔

"کیا قصہ ہے نایاب باجی۔" عذرہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے۔ "کوئی بہت ہی خاص بات ہے جو ہم سے چھپائی جا رہی ہے۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" نایاب نے جواب دیا۔ "سعادت کے بارے میں ہی باتیں کر رہے تھے کہ اس کے گلے میں پٹا کس طرح ڈالا جائے۔"

"یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔" عذرہ نے کہا۔ "اسے پکڑ کر پٹا ڈال دیا جائے۔"

"اس جیسے لوگوں کو پٹا ڈالنا آسان نہیں ہوتا۔ بہرحال' سو جاؤ اب بارہ بج چکے ہیں۔"

لیکن عذرہ باز آنے والی نہیں تھی۔ وہ مسلسل بولتی رہی اور بالآخر اس کی آنکھیں بند ہوگئیں اور کچھ دیر بعد وہ سوگئی۔ نرگس بھی سوچکی تھی۔ لیکن نایاب کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ سینڈوری لباس والے اس حسین نوجوان کے بارے میں سوچ رہی تھی جو انہیں کھنڈروں میں ملا تھا۔ ایسا مردانہ حسن اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کا تصور ذہن میں آتے ہی نایاب کے سینے میں ایک گداز سا احساس جاگ اٹھا۔ وہ اپنے پورے جسم میں گدگدی سی محسوس کرنے لگی۔ اس حسین نوجوان کا چہرہ بار بار اس کے سامنے آرہا تھا۔ کوشش کے باوجود وہ اسے ذہن سے نہیں جھٹک سکی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کون تھا۔ ان کھنڈروں میں کہاں سے آیا تھا اور پھر اسے خزانے کا راستہ کیسے معلوم تھا۔ وہ انہیں چوہدری سعادت اور اس کے آدمیوں سے بچانا چاہتا تھا یا انہیں خزانے کا راستہ دکھانا چاہتا تھا۔ کیا اسے معلوم تھا کہ ہم لوگ خزانے کی تلاش میں وہاں بھٹک رہے ہیں۔ یا یہ محض اتفاق تھا کہ اس نے انہیں سعادت اور اس کے ساتھیوں سے بچانے کے لئے اس خفیہ سرنگ میں چھپا دیا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ اس سرنگ کے بارے میں پہلے سے جانتا ہو۔

دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ وہ حسین نوجوان بچہ تو نہیں تھا۔

سانپ ایک مخصوص عمر کے بعد اپنا بھروپ بدلنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ ایسی باتیں تو اس نے فلموں میں بھی دیکھی تھیں۔ لیکن نہیں۔ اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ شیتلا ناگن نے بتایا تھا کہ بچہ ابھی بچہ ہے اور سانپ کا کوئی بچہ اپنا بھروپ بدلنے پر قادر نہیں ہوسکتا تھا۔

تو پھر وہ کون تھا۔ ؟ نایاب اس حسین نوجوان کے بارے میں یہی سب کچھ سوچتی ہوئی نیند کی آغوش میں پہنچ گئی اور وہ خواب میں بھی اس اجنبی اور خوبرو نوجوان کو ہی دیکھتی رہی۔

صبح وہ دیر سے اٹھی تھی اور سب سے پہلے اس نے جو خبر سنی وہ بڑی سنسنی خیز تھی۔

ماجھا کمہارا گزشتہ رات نور پور تھانے کے حوالات سے فرار ہوگیا تھا اور اس کی لاش صبح چھ بجے نور پور ریلوے اسٹیشن کے بیت الخلا میں پڑی ہوئی ملی تھی۔ کسی نے اسے خنجر کے پے در پے وار کرکے ہلاک کر دیا تھا۔

○

ماجھے کمہار کے حوالات سے فرار اور قتل کی خبر سنسنی خیز ضرور تھی لیکن نایاب کے لئے غیر متوقع نہیں تھی۔ اس رات چوہدریوں کی حویلی میں تھانیدار کو کھری کھری سنانے کا یہ فائدہ ضرور ہوا تھا کہ اس نے اگلے ہی روز ماجھے کمہار کو پکڑ لیا تھا اور نایاب کو توقع تھی کہ اس سے پوچھ گچھ کے دوران کچھ سنسنی خیز انکشافات ہوں گے اور پولیس ریلوے ہوائنشس مین عبدالرشید کے قاتلوں کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائے گی۔

ماجھا کمہار دو دن پولیس کی حراست میں رہا تھا۔ اس دوران پولیس اس سے کچھ معلوم کر سکی تھی یا نہیں' اس سلسلے میں نایاب کو کچھ علم نہیں تھا لیکن تیسری رات ماجھے کمہار کا تھانے کی حوالات سے فرار ہو جانا حیرت انگیز ہی نہیں معنی خیز بھی تھا اور وہ غالباً فرار بھی اسی لئے ہوا تھا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ نایاب کو اس معاملے میں بھی کچھ گڑبڑ نظر آ رہی تھی۔

ملک صاحب اور سکندر کھیتوں پر جا چکے تھے۔ نایاب ماجھے کمہار کے قتل کے سلسلہ میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی اور اس کے لئے نور پور جانا ضروری تھا۔ وہ تھانیدار سے ملنا چاہتی تھی۔

ناشتہ کرنے کے بعد نایاب نور پور جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ جب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو نرگس کپڑوں کا گٹھر اٹھائے صحن میں ہینڈ پمپ کی طرف جا رہی تھی۔ وہ نایاب کو دیکھ کر رک گئی۔

"کہیں جا رہی ہو؟" نرگس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ نور پور جا رہی ہوں مجھے گاڑی چاہئے۔" نایاب نے کہا۔

"گاڑی کی چابی ابا جی کے کمرے میں بیڈ سائیڈ ٹیبل کی اوپر والی دراز میں رکھی ہوئی ہے۔" نرگس نے کہا۔ "اگر آپ پہلے بتاتیں تو میں بھی ساتھ چلتی۔"

"اچانک ہی پروگرام بن گیا۔ اب چلی چلو نا۔" نایاب نے کہا۔

"اب نہیں بھئی۔" نرگس نے جواب دیا۔ "آج تو مجھے یہ کپڑے دھونے ہیں۔ ماسی برکتے کی بہو بیمار ہے۔ وہ کئی دن سے آ نہیں رہی۔ میلے کپڑوں کا ڈھیر لگتا جا رہا ہے۔ آج تو ان سے نمٹ ہی لوں۔"

نایاب جواب دیئے بغیر ملک صاحب کے کمرے میں آ گئی اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل کی اوپر والی دراز کھول کر چابیوں کا گچھا نکالا اور سکندر والے کمرے میں آ گئی جہاں سکینہ الماری کھولے کچھ تلاش کر رہی تھی۔

"بھابھی! میں نور پور جا رہی ہوں۔ دو تین گھنٹے لگ جائیں گے۔" نایاب نے کہا۔

"ارے آج تمہارا ملازم الطاف پوچھ رہا تھا کہ شہر کب جانا ہے۔" سکینہ نے کہا۔

"اوہ! اسے تو میں بھول ہی گئی تھی۔ کہاں ہے وہ؟" نایاب بولی۔

"کھیتوں پر چلا گیا ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "ویسے تم عجیب لڑکی ہو۔ شہر میں تمہارا پینتیس چالیس لاکھ کا بنگلہ جلا کر راکھ کر دیا گیا اور تم سب کچھ بھول گئی ہو۔"

"ارے بھابھی!" نایاب مسکرائی۔ "یہاں کے معاملات کچھ ایسے ہی پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں کہ ان میں الجھ کر میں تو واقعی بھول گئی تھی۔"

"یہاں کے معاملات میں تو تم بلاوجہ الجھ رہی ہو۔" سکینہ نے کہا۔ "تم صرف اپنے معاملات پر توجہ دو۔۔ شہروں میں تو کسی حد تک قانون چلتا ہے اور لوگ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے سوچتے بھی ہیں لیکن یہ گاؤں ہے' یہاں کوئی شخص قانون کو نہیں سمجھتا۔ زمینداروں' وڈیروں اور جاگیرداروں کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہی قانون بن جاتے ہیں۔ یہاں کے لوگ صرف وہ بات سمجھتے ہیں جو وڈیرے کہتے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی سوچ نہیں ہوتی۔ وہ صرف احکامات کی تعمیل کرنا جانتے ہیں۔ گاؤں دیہاتوں میں کبھی کبھار پولیس کو مداخلت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جرم اگر وڈیروں کا ہوتا ہے تو سزا غریب مزارعوں اور کارندوں کو ملتی ہے۔ وڈیروں کے خلاف زبان کھولنے کی کبھی کوئی ہمت نہیں کرتا اور جو زبان کھولنے کی ہمت کرتے ہیں ان کا انجام عبرت انگیز ہوتا ہے۔ آج جو لوگ دبے لہجے میں تمہاری حمایت کر رہے ہیں وہ بھی اندر سے خوفزدہ ہیں۔ کچھ مثالیں تمہارے سامنے آ چکی ہیں۔ سٹیشن ماسٹر عبدالغنی نے تمہیں پناہ دی۔ اس کی بیوی راشدہ نے تمہیں سعادت

کے بارے میں بتا دیا۔ ان کا انجام تم نے دیکھ لیا۔ انہیں زندہ جلا دیا گیا۔ تم نے ریلوے کے ہوائنشس مین عبدالرشید سے مل کر اسے ملزموں کی شناخت کیلئے آمادہ کر لیا لیکن پولیس تک پہنچنے سے پہلے ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور پھر پولیس نے ماجھے کمہار کو پکڑا۔ وہ اس سے عبدالرشید کے قتل کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن اسے بھی مار دیا گیا۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ پولیس واقعی اسے پوچھ گچھ کے لئے پکڑ کر لے گئی تھی۔ تم شہر میں پلی بڑھی ہو۔ تعلیم یافتہ ہو لیکن بیوقوفی کی حد تک سادہ لوح ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ کوئی وڈیرہ یا زمیندار جب اپنے کسی کارندے سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے کچھ ایسے ہی طریقے اپنائے جاتے ہیں کہ خود ان پر کوئی شبہ نہ ہو۔ ماجھا کمہار ویسے ہی بدنام آدمی تھا۔ گاؤں کے لوگ اس سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ پولیس جب اسے پکڑ کر لے گئی تھی تو لوگ خوش ہوئے تھے۔ اس کے قتل پر بھی کسی کے دل میں ہمدردی کے جذبات پیدا نہیں ہوں گے۔ کوئی اس کے لئے افسردہ یا غمگین نہیں ہو گا۔ کوئی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرے گا کہ اسے کس نے اور کیوں قتل کیا؟ کوئی اس کے قتل کی تحقیقات کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ دیہاتوں میں دو چار روز اس کے قتل کی بازگشت سنائی دے گی اور پھر لوگ اسے بھول جائیں گے۔ لوگ یاد رکھیں گے تو صرف زمینداروں اور وڈیروں کو جن کا یہاں حکم چلتا ہے۔ مزارعے اور ہاری' غلاموں جیسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ زمینداروں اور وڈیروں سے بغاوت نہیں کر سکتے۔ یہ سلسلے تو صدیوں سے چلے آرہے ہیں اور کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ ان کے معاملات میں مداخلت مت کرو۔ صرف اپنے کام پر دھیان دو اور نایاب!" وہ خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "میری بات کا برا مت ماننا میرا تو مشورہ یہ ہے کہ چوہدریوں کی جائیداد سے اپنا حصہ بھول جاؤ۔ خدا نے تمہیں اب اتنا کچھ دے دیا ہے کہ یہ پورا علاقہ تو کیا اس سے دس بیس گنا زمینیں خرید سکتی ہو۔ بلاوجہ جھگڑوں میں الجھنے سے کیا فائدہ۔"

"بھابھی یہ جھگڑا بلاوجہ کا نہیں ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "یہ لوگ وڈیرے اور جاگیردار کیسے بنے؟ دوسروں کا حق مار کر۔ آج میں اپنا حق چھوڑ دوں گی تو کل کسی اور کا بھی حق ماریں دے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اب اگر میں پیچھے ہٹ گئی تو یہ لوگ مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ میں ان کی فطرت جان چکی ہوں۔ بہرحال' واپس آکر میں

آپ سے تفصیل سے بات کروں گی۔"

وہ حویلی کے پھاٹک کی طرف بڑھی تھی کہ عذرہ اندر داخل ہوئی۔

"ارے آپ کہاں جا رہی ہیں باجی! میں تو آپ کو لینے آئی تھی۔" وہ بولی۔

"وہ کس لئے؟" نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ناصرہ کی شادی ہے نا۔ ان کے گھر میں خوب گانا بجانا ہو رہا ہے اسی لئے تو میں آپ کو لینے آئی ہوں۔" عذرہ نے جواب دیا۔

"شادی تو کل ہے نا۔" نایاب مسکرائی۔ "کل چلوں گی۔ آج تو میں نورپور جا رہی ہوں۔ ایک ضروری کام ہے۔ تم نے کچھ منگوانا تو نہیں؟"

"نہیں۔" عذرہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اچھا چلو۔ گیراج والے مکان کا دروازہ کھولو۔ مجھے گاڑی نکالنی ہے۔" نایاب نے کہا۔

عذرہ اس کے ساتھ ہی باہر آگئی۔ اس نے ساتھ والے مکان کا پھاٹک کھول دیا۔ نایاب اندر داخل ہو کر گاڑی میں بیٹھ گئی اور انجن اسٹارٹ کر کے اسے ریورس میں باہر لے آئی اور پھر تقریباً پانچ منٹ بعد مریڈیز ہائی وے کی طرف جانے والی سڑک پر متوسط رفتار سے دوڑ رہی تھی۔

گاڑی چلاتے ہوئے وہ سکینہ کی باتوں پر غور کر رہی تھی۔ گزشتہ روز جب وہ کھنڈروں سے واپس آئی تھی تو اس نے محسوس کیا تھا کہ سکینہ نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا۔ کل پورے گاؤں میں یہ بات پھیل گئی تھی کہ سکندر' نایاب کے ساتھ ٹیلہ پر کھنڈروں میں گیا ہے۔ اس کے ساتھ کچھ اور باتیں بھی پھیلائی گئی تھیں۔ ان باتوں میں صداقت نہ سہی مگر سکینہ' سکندر کی بیوی تھی اور کوئی عورت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کے شوہر کے نام کے ساتھ کسی دوسری عورت کا نام آئے۔ سکینہ پڑھی لکھی تھی لیکن یہ معاملہ ایسا تھا جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک روز پہلے اور پھر آج کی باتوں سے بھی نایاب نے محسوس کیا تھا کہ سکینہ کی خواہش ہے کہ اب وہ یہاں سے چلی جائے۔

نایاب جانتی تھی کہ اسے ملک صاحب کے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کی نظروں سے گرانے کیلئے چوہدری سعادت اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرے گا۔ سکندر نے

بتایا تھا کہ گزشتہ روز ٹیلے کے قریب جمع لوگوں نے سعادت پر بڑی لعن طعن کی تھی۔ یہ وہی لوگ تھے جنہیں وہ سکندر اور نایاب کے خلاف ورغلا کر کھنڈروں کی طرف لے گیا تھا۔ یہ تو وہ لوگ تھے جن کے سامنے سعادت کا جھوٹ کھل گیا تھا لیکن گاؤں کے بہت سے لوگ ایسے تھے جنہیں اصل بات کا پتہ نہیں چلا تھا اور وہ اب بھی نایاب کے کردار پر شبہ کر سکتے تھے۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے نایاب نے سر جھٹک دیا۔ اسے ایسی باتوں کی پروا نہیں تھی۔ اس کا کردار بے داغ تھا اور لوگ چوہدری سعادت کے بارے میں بھی جانتے تھے کہ وہ کس قدر جھوٹا اور مکار انسان ہے۔ گزشتہ چند دنوں کے دوران پیش آنے والے بعض واقعات نے تو اس کا رہا سہا اعتماد بھی کھو دیا۔

نور پور پہنچ کر نایاب نے گاڑی فضل چچا کی دکان کے سامنے کھڑی کر دی اور مختلف سڑکوں پر ہوتی ہوئی تھانے پہنچ گئی۔ اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے باہر سے عمارت کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ عمارت کے باہر والی چار دیواری قریباً آٹھ فٹ اونچی تھی۔ اس پر پانچ فٹ اونچا خاردار تاروں والا جنگلا لگا ہوا تھا۔ یہ جنگلا اس قدر گنجان تھا کہ اس میں سے بلی بھی نہیں گزر سکتی تھی۔ کسی انسان کا تو اس جنگلے سے گزرنا ناممکن سی بات تھی۔

چار دیواری کا گیٹ بھی صرف چار فٹ چوڑا تھا۔ اندر کی طرف دیوار کے ساتھ گارڈ کیبن بنا ہوا تھا۔ دن کے وقت گیٹ عام طور پر کھلا رہتا اور سنتری دروازے پر ٹہلتا رہتا تھا۔ البتہ رات کو گیٹ اندر سے بند کر کے تالا لگا دیا جاتا اور سنتری یا آس پاس ٹہلتا رہتا یا گارڈ کیبن کے سامنے بچ پر بیٹھ جاتا۔

اس گیٹ سے تقریباً تین فٹ آگے اصل عمارت تھی۔ تین سیڑھیاں چڑھ کر ایک مختصر سا برآمدہ تھا۔ اس سے آگے کشادہ راہداری تھی۔ راہداری کا دروازہ آہنی سلاخوں کا تھا جو رات کو بند کر دیا جاتا تھا۔ ایک سنتری یہاں بھی چوبیس گھنٹے موجود رہتا تھا۔ راہداری کے دائیں طرف ڈیوٹی آفیسر اور بائیں طرف سٹاف روم تھا۔ اس سے آگے راہداری دائیں بائیں مڑ گئی تھی۔ گویا انگریزی کا حرف ٹی بن گیا تھا۔ دائیں طرف کی راہداری میں ایس ایچ او کا دفتر اور اس سے آگے وہ کمرا تھا جہاں تھانے کا اسلحہ رکھا جاتا تھا۔ بائیں طرف کی راہداری میں وائرلیس روم تھا اور اس سے آگے حوالات کی تین کوٹھریاں تھیں جن پر موٹی

سلاخوں والے آہنی دروازے لگے ہوئے تھے۔ وائرلیس روم میں بھی کم از کم ایک آدمی چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر موجود رہتا تھا۔

ایس ایچ او کے دفتر کے ساتھ ایک اور مختصر سی راہداری پچھلی طرف بھی جاتی تھی۔ اس راہداری میں پچھلا دروازہ دوہرا تھا۔ اندر کی طرف لکڑی کا دروازہ اور باہر کی طرف موٹی سلاخوں والا آہنی دروازہ۔

نایاب نے بڑی گہری نظروں سے ان چیزوں کا جائزہ لیا تھا۔ دراصل وہ اس بات کا اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ ایسی صورتحال میں لاک اپ میں بند کسی قیدی کے فرار ہونے کے امکانات کتنے فیصد ہیں۔

نایاب جب تھانے میں داخل ہوئی تو اسے اسی وقت بتا دیا گیا تھا کہ تھانیدار صاحب گول بازار گئے ہوئے ہیں جہاں ڈکیتی کی ایک واردات ہو گئی ہے۔ انہیں واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ نایاب ڈیوٹی آفیسر کے کمرے میں آکر بیٹھ گئی جہاں ہیڈ کانسٹیبل ڈیوٹی آفیسر والی میز پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک اے ایس آئی اور دو کانسٹیبل ایک طرف بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔

نایاب ایک طرف بیٹھی ان کی باتیں سنتی رہی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد تھانیدار آگیا۔ اس کے ساتھ سب انسپکٹر، ایک ہیڈ کانسٹیبل اور دو کانسٹیبل بھی تھے۔ دونوں کانسٹیبل ایک آدمی کو مارتے اور دھکے دیتے ہوئے اندر لا رہے تھے۔ اس آدمی کے سر سے اور ناک اور ہونٹوں سے خون رس رہا تھا۔ اس کی عمر تیس اور پینتیس کے درمیان رہی ہو گی۔ دیہاتی ہی تھا۔ ٹخنے کی میلی سی دھوتی اور دھاری دار قمیض پہنے ہوئے تھا۔ پیروں میں ہوائی چپل تھی۔ دائیں پیر کی چپل کے اسٹریپ پر جوڑ لگا ہوا تھا۔

تھانیدار سب انسپکٹر کو لے کر سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور کانسٹیبل نے اس دیہاتی کو راہداری میں فرش پر بٹھا دیا تھا۔ دیہاتی کبھی اپنے سر اور کبھی ناک اور ہونٹوں سے خون پونچھتے ہوئے رو رو کر کہہ رہا تھا کہ وہ بے قصور ہے۔ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔

نایاب تقریباً پانچ منٹ تک ڈیوٹی آفیسر کے کمرے میں بیٹھی رہی۔ پھر ایس ایچ او کے کمرے میں آگئی۔ اس وقت سب انسپکٹر اس کمرے سے نکل رہا تھا۔ تھانیدار نے نایاب کو

کمرے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا لیکن وہ اخلاقاً بھی اس کے استقبال کیلئے کرسی سے نہیں اٹھا۔ نایاب نے بھی اخلاق کو بالائے طاق رکھ دیا اور بے تکلفی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"جی بی بی۔ فرمایئے کیسے آنا ہوا؟" تھانیدار نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں یہ معلوم کرنے آئی ہوں کہ ریلوے ہوائنشس مین عبدالرشید کے قتل کے سلسلے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے۔" نایاب نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "سنا تھا کہ دو دن پہلے آپ کے آدمی گاؤں سے ایک آدمی کو پوچھ گچھ کے لئے پکڑ کر لائے تھے۔ اس سے کچھ معلوم ہوا یا نہیں۔"

"کچھ نہیں بی بی۔" تھانیدار نے جواب دیا۔ "ہم ماجھا کمہار نام کے ایک آدمی کو پکڑ کر ضرور لائے تھے مگر کل رات وہ حوالات سے فرار ہو گیا اور آج صبح اس کی لاش ریلوے سٹیشن کے ایک بیت الخلاء سے ملی تھی۔ رات کے آخری پہر کسی نے اسے قتل کر دیا۔

"وہ دو دن آپ کی کسٹڈی میں رہا۔ اس دوران آپ لوگوں نے اس سے کچھ بھی معلوم نہیں کیا؟" نایاب نے کہا۔

"ہمارے پاس صرف یہی ایک کیس تو نہیں ہے نا بی بی۔" تھانیدار نے جواب دیا۔ "دو دن سے تو ہمارے بعض افسران ضلع ہیڈکوارٹر سے آکر یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ کل ڈپٹی کمشنر صاحب بھی دورے پر آئے ہوئے تھے۔ ہماری ساری نفری ان افسروں کی خدمت میں حاضر تھی۔ اب آپ ہی بتایئے ہم کوئی اور کام کیسے کر سکتے ہیں۔ افسروں کی خدمت میں حاضری نہ دیں تو ہماری نوکریاں خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" نایاب نے کہا۔ "لیکن کیا آپ نوکری افسروں کی خدمت کے لئے کرتے ہیں یا عوام کے جان و مال کی حفاظت کے لئے؟"

"آپ نے سرکار کی ملازمت نہیں کی اس لئے ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں بی بی!" تھانیدار نے جواب دیا۔ "آج کل سرکاری ملازمت تو صرف افسروں کی خدمت کے لئے ہوتی ہے۔ ان کا کوئی ناجائز حکم بھی ماننے سے انکار کر دیا جائے تو شامت آ جاتی ہے۔"

"آپ نے بتایا تھا کہ ماجھا کمہار حوالات سے فرار ہو گیا تھا۔" نایاب موضوع بدلتے

ہوئے بولی۔ "لیکن اس تھانے کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ یہاں سے ایک انسان تو کیا بلی کا بچہ بھی فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آخر ماجھا کمہار یہاں سے کیسے فرار ہو گیا؟"

"سب لوگ یہی کہتے ہیں۔ لیکن اندر کی بات تو کوئی نہیں جانتا۔" تھانیدار بولا۔

"کیا آپ اندر کی بات مجھے بتانا پسند کریں گے تاکہ میں صورتحال کو صحیح طور پر سمجھ سکوں۔" نایاب نے کہا۔

"کل آدھی رات کے بعد دو پولیس کانسٹیبل یہاں آئے تھے۔" تھانیدار نے کہا۔ "انہوں نے یہاں محرر کو بتایا کہ میں کالا ناکہ والی چوکی پر بیٹھا ہوا ہوں اور ایک کیس کی تفتیش کے لئے میں نے ماجھا کمہار کو چوکی پر طلب کیا ہے۔ محرر نے ملزم کو ان کے حوالے کر دیا اور اپنا ایک کانسٹیبل بھی ان کے ساتھ بھیج دیا۔ وہ دونوں کانسٹیبل تھانے کے کانسٹیبل کو دھوکہ دے کر نکل گئے۔ پھر رات کے پچھلے پہر ریلوے سٹیشن کے بیت الخلاء میں ملزم کی لاش کی اطلاع ملی۔"

"حیرت انگیز۔" نایاب بولی۔ "کیا آپ کا محرر ان کانسٹیبلوں کو نہیں پہچانتا تھا۔ کسی قسم کی تصدیق کے بغیر اس نے ایک خطرناک ملزم کو ان کے حوالے کر دیا۔ فون پر آپ سے تصدیق تو کر لی ہوتی کہ ان دو آدمیوں کو واقعی آپ نے بھیجا ہے یا نہیں۔"

"چوکی میں ٹیلی فون نہیں ہے۔" تھانیدار نے جواب دیا "اور فاصلہ بھی یہاں سے تین میل سے زیادہ ہے۔ محرر کے پاس فوری طور پر تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس نے اپنا ایک کانسٹیبل ساتھ روانہ کر دیا۔"

"کیا ملزم کو ہتھکڑی نہیں لگائی گئی تھی؟" نایاب نے پوچھا۔

"لگائی گئی تھی۔" تھانیدار نے جواب دیا۔ "جب اس کی لاش ملی تو ہتھکڑی اس کے ہاتھوں میں لگی ہوئی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ماجھا کمہار فرار نہیں ہوا تھا۔ اسے فرار کروایا گیا تھا اور اس میں پولیس بھی ملوث ہو سکتی ہے۔" نایاب بولی۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔" تھانیدار اچھل پڑا۔

وہ اس طرح کہ ماجھا کمہار ایک خطرناک ملزم تھا۔ اسے قتل کے ایک کیس کی تفتیش

کے سلسلے میں حراست میں لیا گیا تھا۔ اس تفتیش کے دوران کئی بے گناہوں کے قتل جیسے کئی اور سنسنی خیز انکشافات ہو سکتے تھے لیکن آپ کے محرر نے زبانی پیغام ملنے پر بڑے اطمینان سے اسے دو ایسے آدمیوں کے حوالے کر دیا جنہیں وہ جانتا تک نہیں تھا۔ ایک اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ چوکی بھی آپ کے تھانے کے ایئر ہے۔ وہاں کا شاف بھی اس تھانے کے ماتحت ہے اور میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ تمام چوکیوں اور اس تھانے کے سپاہی و افسران ایک دوسرے کو نہ صرف بائی فیس بلکہ ناموں سے بھی جانتے ہیں لیکن آپ کا محرر ان دو کانسٹیبلوں کو نہیں جانتا۔ ہے نا واقعی حیرت کی بات؟"

"آپ غلط رخ پر سوچ رہی ہیں بی بی۔" تھانیدار نے اسے گھورا۔ "ہم بھی انسان ہیں اور غلطی تو ہو ہی جاتی ہے۔ محرر اگر دھوکا کھا گیا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ایک آدمی اپنی جان سے گیا اور آپ کے لئے حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔" نایاب نے کہا۔ "ماجھا کمہار اپنی جان سے گیا سو گیا لیکن کیا آپ کے لئے یہ افسوس کی بات نہیں کہ اس کے قتل سے ایک ایسے کیس کی تفتیش ادھوری رہ جائے گی جس کے نتیجے میں سنسنی خیز انکشافات اور کچھ ایسے چہروں کے بے نقاب ہونے کی توقع تھی جو سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے کے باوجود اب تک قانون کی گرفت سے بچے ہوئے ہیں۔"

"تفتیش ادھوری نہیں رہے گی۔" تھانیدار نے کہا۔ "ہم نے نامعلوم ملزموں کے خلاف دھوکا دہی کا کیس درج کر لیا ہے اور میرا سب انسپکٹر اس معاملے کی تفتیش کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں کسی سے کوئی رعایت نہیں کی جائے گی خواہ وہ کتنا ہی با اثر کیوں نہ ہو؟"

"کسی کیس کی بنیاد دراصل پولیس کی تفتیش ہی ہوتی ہے۔" نایاب نے کہا۔ "پولیس کی تفتیش ہی اگر غلط رخ پر ہو تو انصاف کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ اس معاملے میں بھی حقائق کو نظر انداز کر کے تفتیش کو غلط رخ پر ڈال کر بعض لوگوں کو بچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بہرحال۔" نایاب اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "جب تک میں یہاں موجود ہوں یہ کوشش کرتی رہوں گی کہ اصل مجرم زیادہ عرصہ تک چھپے نہ رہ سکیں۔"

تھانیدار ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نایاب اس سے پہلے ہی اٹھ کر دروازے

کی طرف بڑھ گئی تھی۔ باہر نکلنے سے پہلے اس نے مڑ کر تھانیدار کی طرف دیکھا۔ تھانیدار کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل آئی۔

نایاب کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ اس کی کھری کھری باتوں سے تھانیدار کا خون کھول گیا ہو گا۔ بات بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ ماجھا کمہار کے حوالات سے فرار اور اس کے قتل کا الزام نایاب نے براہ راست تھانیدار پر عائد کیا تھا۔

تھانے سے نکل کر بازار کی طرف جاتے ہوئے نایاب پولیس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ پولیس کا محکمہ عوام کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کیلئے قائم کیا گیا تھا۔ پولیس اہلکاروں کی تنخواہیں عوام سے وصول کئے جانے والے ٹیکسز اور فنڈز سے ادا کی جاتی تھی لیکن یہ لوگ اپنے آپ کو عوام کے محافظ اور خدمت گار کے بجائے حکمران سمجھ بیٹھے تھے۔ پہلے تو لوگ واقعی خدمت اور فرض کا جذبہ لے کر اس محکمہ میں آتے تھے اور لگن اور دیانتداری سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے لیکن اب تو لوگ کسی اور ہی ارادے سے اس محکمہ میں بھرتی ہوتے ہیں۔ معمولی کانسٹیبل وردی پہن کر اپنے آپ کو شہنشاہ سمجھنے لگتا ہے۔ یہ رونا ضرور رویا جاتا ہے کہ تنخواہ کم ہے لیکن یہ نہیں سوچا جاتا کہ وہ کرتے کیا ہیں؟ رشوت' لوٹ مار' اس محکمہ کے اہلکاروں کا شیوہ بن چکا ہے۔ ایک معمولی سب انسپکٹر چند برسوں ہی میں کروڑوں کی جائیداد کا مالک بن جاتا ہے۔ اس کے رہن سہن اور گھر والوں کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر لگتا ہے جیسے وہ کسی جاگیردار یا رئیس کی اولاد ہوں۔

دیہی علاقوں میں ڈیوٹی دینے والے پولیس افسروں کی تو بات ہی الگ ہے۔ ایک تھانیدار کو بلاشبہ اس علاقے کا بے تاج بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ چھوٹے لوگ تو ہوتے ہی غلام ہیں۔ بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار قسم کے لوگ بھی تھانیدار کے دروازے پر حاضری دینے کو فخر سمجھتے ہیں۔ وہ مانگے بغیر تھانیدار کی جیبیں نوٹوں سے بھرتے رہتے ہیں اور اس کے صلے میں تھانیدار ان کے جرائم سے چشم پوشی کرتا ہے۔ اغواء' آبروریزی اور قتل جیسے سنگین جرائم بھی جرائم نہیں سمجھے جاتے۔ ان جرائم کو زمینداروں کے شوق کا نام دیا جاتا ہے اور جب کبھی ان کے خلاف کوئی آواز اٹھتی ہے تو کسی بے گناہ کو مورد الزام ٹھہرا کر آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

دیہی علاقوں میں ڈیوٹی انجام دینے والے پولیس آفیسر اس قسم کی باتیں سننے کے عادی

نہیں ہوتے۔ وہ تو حکم دینا جانتے ہیں۔ اس قسم کی کھری کھری باتیں سننا تو ان کے تصور میں بھی نہیں ہوتا۔ اگر کوئی بے گناہ دبے لفظوں میں احتجاج بھی کرتا ہے تو اسے الٹا ٹانگ دیا جاتا ہے جبکہ نایاب نے تو براہ راست اس پر اس کیس میں ملوث ہونے کا الزام عائد کر دیا تھا اور وہ تلملا کر رہ گیا تھا اور اسے افسوس تو اس بات کا ہوا تھا کہ وہ اسے کوئی سخت جواب بھی نہیں دے سکا تھا۔

نایاب بازار میں آ گئی۔ اس نے گھوم پھر کر ضرورت کی چند چیزیں خریدیں اور چاچا فضل کی دکان پر آ گئی۔ اس روز جب وہ نرگس وغیرہ کے ساتھ آئی تھی تو انہوں نے اپنی کزن کہہ کر اس کا تعارف کرایا تھا مگر آج فضل چاچا کو اس سے باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا اور پھر اسے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی تھی کہ نایاب چوہدری امانت علی کی چھوٹی بہو تھی۔

"ملک صلاح الدین کے گھر کی کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی نہیں۔" فضل چاچا نے کہا۔ "ہم بچپن کے دوست ہیں۔ میٹرک تک ہم دونوں نے اسی نور پور کے ہائی سکول میں تعلیم حاصل کی تھی۔ میٹرک کے بعد میں اپنے والد کے ساتھ اس کاروبار میں لگ گیا اور ملک نے شہر کے کالج میں داخلہ لے لیا اور پھر بی اے کرنے کے بعد اس نے زمینداری سنبھال لی۔ ہمارے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ چوہدری امانت علی بھی میٹرک تک میرا کلاس فیلو تھا مگر اس کا مزاج ہم سے کچھ مختلف تھا۔ میں دونوں گھروں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے یہ بھی پتہ تھا کہ چوہدری کے چھوٹے بیٹے نے اپنی پسند کی شادی کر لی تھی اور پھر ان میں کچھ جھگڑے شروع ہو گئے تھے' پھر مجھے یہ بھی پتہ چلا تھا کہ چوہدری کی بہو نے اپنا حصہ وصول کرنے کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ چند روز پہلے مجھے گاؤں کے کسی آدمی نے بتایا تھا کہ چوہدری کی چھوٹی بہو آئی ہوئی ہے۔ اس روز نرگس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ جی دار عورت تم ہو۔ جس نے چوہدری خاندان سے ٹکر لی ہے۔" چاچا فضل چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ اگرچہ تم لوگوں کا خاندانی معاملہ ہے نایاب بیٹی! لیکن میری طرف سے کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔"

"فی الحال تو مجھے آپ کی دعائیں چاہئیں فضل چاچا۔" نایاب نے کہا۔ "اگر کسی مرحلے

پر مجھے آپ کی ضرورت پیش آئی تو ضرور زحمت دوں گی۔"

"میں تو چاہتا تھا تم لوگوں میں راضی نامہ ہو جائے تو بہتر ہے۔ مزید جگ ہنسائی تو نہ ہو۔ اگر تم کہو تو میں اور ملک مل کر ایسی کوئی کوشش کریں۔ چوہدری امانت سے میرے بھی گہرے مراسم ہیں۔ مجھے امید ہے کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔"

"مجھے تو کوئی امید نظر نہیں آتی۔" نایاب نے کہا۔ "ویسے انہوں نے ایک کوشش تو کی تھی مگر راضی نامے کے لئے وہ اپنی شرائط منوانا چاہتے ہیں۔"

"مثلاً۔۔۔ کیسی شرائط؟" فضل چاچا نے پوچھا۔

"ان کی سب سے اہم شرط یہ ہے کہ میں کیس واپس لے لوں اور سعادت سے شادی کر لوں۔ اس صورت میں وہ میرا حق دینے کو تیار ہیں۔" نایاب نے بتایا۔

"بالکل نہیں۔" فضل چاچا نے فوراً ہی کہا۔ "اس میں ان کی جو چال ہے وہ میں سمجھ رہا ہوں۔"

"اس چال کو سمجھ کر ہی تو میں نے ان کی یہ شرائط ماننے سے انکار کر دیا ہے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت اچھا کیا تم نے بیٹی!" فضل چاچا نے کہا۔ "پریشان نہ ہونا ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم اس معاملے میں تمہاری ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ حقدار کو اس کا حق ملے اور بس۔"

"شکریہ فضل چاچا۔" نایاب نے کہا اور پھر سلام کر کے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

اس وقت بازاروں میں اچھی خاصی رونق تھی۔ دکانداروں نے اپنا سامان باہر تک پھیلا رکھا تھا جس سے راستہ تنگ ہو گیا تھا۔ مال بردار ٹرک بھی آ رہے تھے۔ گدھا گاڑیاں اور تانگے بھی اور اکا دکا موٹر بھی آزادی سے بازاروں میں گھوم رہے تھے۔ نایاب کو ان پر ہجوم تنگ سے بازاروں سے گاڑی نکالنے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ جیسے تیسے کر کے وہ قصبے سے باہر آ گئی اور گاڑی کو ہائی وے پر موڑ دیا۔

ہائی وے پر تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے گاڑی کی رفتار کم کرنی پڑی۔ آگے کوئی حادثہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ٹریفک رک رک کر چل رہا تھا۔

جائے حادثہ پر ایک مال بردار ٹرک الٹا پڑا تھا اور ایک پرانی سی کار آڑی ترچھی کھڑی

تھی۔ ٹریفک ایک طرف کچے راستے سے آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ نایاب نے کار روک لی اور قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی سے اس حادثے کے بارے میں دریافت کیا۔

"اس کار کو بچانے کی کوشش میں ٹرک بے قابو ہو کر الٹ گیا۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ ٹرک کا ڈرائیور زخمی ہوا ہے' اسے ایک بس پر نور پور کے ہسپتال بھیج دیا ہے۔ پولیس بھی اب آنے والی ہو گی۔"

نایاب نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ چند منٹ بعد وہ گاؤں کی طرف جانے والے موڑ پر پہنچ گئی۔ یہ سڑک ٹوٹی پھوٹی تھی اس لئے نایاب کو گاڑی کی رفتار مزید کم کرنی پڑی۔

اس سڑک پر ابھی تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے ہوا ہو گا کہ اچانک ہی ایک آدمی گاڑی کے سامنے آ گیا۔ نایاب اگر پھرتی سے بریک نہ لگا دیتی تو وہ آدمی گاڑی سے ٹکرا جاتا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا جو نجانے اچانک کہاں سے سڑک پر آ گیا تھا۔

"بابا جی— ذرا دھیان سے چلا کرو۔" نایاب نے کھڑکی سے سر نکال کر اس بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بوڑھا ہو گیا ہوں بیٹی! نظر کمزور ہو گئی ہے۔ کچھ نظر نہیں آتا۔ چلا بھی تو نہیں جاتا۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

نایاب نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ بہت بوڑھا آدمی تھا۔ سر کے بال چاندی کے تاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ چہرے پر جھریاں اس قدر زیادہ تھیں کہ کھڑکی کے جالے کا گمان ہوتا تھا۔ آنکھوں پر گول شیشوں والی عینک تھی جس کی ایک ڈنڈی ٹوٹی ہوئی تھی اور اس کی جگہ دھاگہ بندھا ہوا تھا جو کان پر لپٹا ہوا تھا۔ عینک کے گول شیشوں کی وجہ سے اس بوڑھے کی آنکھیں بھی گول سی لگ رہی تھیں۔

"بابا جی اگر گاؤں کی طرف جانا ہے تو گاڑی میں بیٹھ جایئے۔ میں آپ کو پہنچا دوں گی۔" نایاب نے کہا۔

"جیتی رہو بیٹی۔" بوڑھا دعائیں دینے لگا۔

نایاب نے سیٹ پر جھک کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

"رب تمہیں حیاتی دے بیٹی!" بوڑھا پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "یہاں تو نفسا

نفسی کا عالم ہے۔ کوئی مر بھی رہا ہو تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ کسی سے ہمدردی کرنا بھی بہت بڑی نیکی ہے۔"

بوڑھا دعائیں دیتا رہا اور نایاب نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد نایاب نے سامنے لگے ہوئے عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ آئینے میں ایک سیاہ ناگ پھن اٹھائے بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اسٹیئرنگ پر نایاب کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ آگے ایک چھوٹا سا گڑھا تھا۔ گاڑی کا اگلا پہیہ جیسے ہی اس گڑھے پر پڑا' گاڑی اچھل کر خود بخود بائیں طرف مڑ کر کھیت میں گھس گئی اور ٹھیک اسی لمحہ فضا فائرنگ کی خوفناک آواز سے گونج اٹھی۔ دائیں طرف سڑک سے تقریباً چالیس گز دور کھیتوں میں پگڈنڈی پر کھڑا ایک آدمی کلاشنکوف رائفل سے فائرنگ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ڈھاٹا بندھا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک موٹر سائیکل بھی کھڑی تھی۔

نایاب دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر ایک دم نیچے جھک گئی تھی۔ چند سیکنڈ بعد فائرنگ رک گئی۔ فضا پر ایک دم گھمبیر سناٹا طاری ہو گیا۔ نایاب سیدھی ہو گئی۔ سب سے پہلے اس نے سامنے لگے ہوئے آئینے کی طرف دیکھا۔ اس میں اب کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نایاب نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ بوڑھا بھی سیٹ پر نظر نہیں آیا۔ وہ اپنی سیٹ پر اچک کر دیکھنے لگی۔ پچھلی سیٹ خالی تھی۔

نایاب اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ سڑک کے دوسری طرف ایک موٹر سائیکل کھیتوں میں پگڈنڈی پر اچھلتی ہوئی مخالف سمت میں جا رہی تھی۔ موٹر سائیکل سوار نے نیلے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے سر پر سفید کپڑا لپیٹ رکھا تھا اور کندھے پر لٹکی ہوئی کلاشنکوف رائفل بھی نظر آ رہی تھی۔

نایاب نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ اس کا خیال تھا کہ بوڑھا فائرنگ سے ڈر کر سیٹ کے نیچے دبک گیا ہو گا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ سیدھی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ شاید وہ بوڑھا گاڑی سے اتر کر کھیتوں میں چھپ گیا ہو۔ "بابا جی— بابا جی— آپ کہاں ہیں۔"

اس نے بوڑھے کو کئی آوازیں دیں لیکن نہ تو کوئی جواب ملا اور نہ ہی وہ بوڑھا نظر آیا البتہ کھیت میں کام کرنے والے کچھ آدمی دوڑتے ہوئے اس کی طرف آ رہے تھے۔

"کیا ہوا چھوٹی بی بی! گولیاں کس نے چلائی تھیں؟" ایک آدمی نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"پتہ نہیں وہ کون تھا؟" نایاب نے کہتے ہوئے سڑک کے دوسری طرف اشارہ کیا وہ موٹر سائیکل سوار اب کھیتوں میں بہت دور جا چکا تھا۔

"اب تو چوہدری سے کھل کر دشمنی ہو گئی ہے۔ چھوٹی بی بی۔ آپ محتاط رہا کریں۔" اس شخص نے کہا۔

نایاب نے اس کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور گھوم پھر کر گاڑی کا جائزہ لینے لگی۔ گاڑی کی ایک سائیڈ کی بیک لائٹ ٹوٹی تھی۔ اس کے علاوہ گاڑی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اگر گاڑی اس گڑھے میں اچھل کر رخ نہ بدل لیتی تو نہ صرف گاڑی بلکہ وہ خود بھی چھلنی ہو چکی ہوتی۔ وہ بال بال بچ گئی تھی اور یہ سب کچھ اس ناگ کی وجہ سے ہوا تھا جس کا عکس اس نے آئینے میں دیکھا تھا۔ یہ پتہ نہیں اس کا واہمہ تھا یا کیا۔ بہرحال آئینے میں نظر آنے والے سانپ کے عکس کی وجہ سے اس کی جان بچ گئی تھی لیکن اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ بوڑھا کہاں غائب ہو گیا تھا۔

نایاب وہاں جمع ہونے والے پانچ چھ کسانوں کا شکریہ ادا کر کے گاڑی میں بیٹھ گئی اور انجن سٹارٹ کر کے اسے دوبارہ سڑک پر لے آئی۔ وہ گاڑی کو ہلکی رفتار سے چلاتے ہوئے دائیں بائیں کھیتوں کی طرف دیکھ رہی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اس پر فائرنگ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ فائرنگ کرنے والا تو ظاہر ہے کرائے کا آدمی ہو گا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس پر فائرنگ کس نے کروائی ہو گی۔ چوہدری سعادت نے یا— تھانیدار نے؟ چوہدری سعادت تو اس کا دشمن تھا ہی لیکن تھانیدار پر جائیداری کا الزام لگا کر اس نے اسے بھی اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ تھانیدار اسے پکڑ کر حوالات میں بند تو نہیں کر سکتا تھا البتہ اس کے پاس دوسرا طریقہ تھا کہ نایاب کو راستے سے ہٹا دے تاکہ آئندہ اس کی طرف سے پیدا ہونے والی الجھنوں سے بچ جائے۔ نایاب سوچ رہی تھی کہ اگر اس پر یہ حملہ واقعی تھانیدار نے کروایا تھا تو وہ دنیا کا سب سے بڑا احمق تھا۔ وہ یہ بھی جانتا ہو گا کہ

اگر یہ حملہ ناکام ہوا تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا لیکن نایاب کے خیال میں وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ حرکت یقیناً چوہدری سعادت کی ہو گی۔ وہی اس کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اسے پتہ چل گیا ہو گا کہ نایاب نور پور گئی ہوئی ہے۔ اس کا آدمی گھات لگائے بیٹھا تھا لیکن یہ حیرت انگیز اتفاق تھا کہ نایاب کو اپنے سامنے لگے ہوئے آئینے میں سانپ کا عکس دکھائی دیا تھا اور اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹ گئے تھے جس سے گاڑی کا رخ بدل گیا تھا اور وہ بچ گئی تھی۔

"بس بیٹی مجھے یہیں اتار دو۔"

کار کی پچھلی سیٹ سے یہ آواز سن کر نایاب اچھل پڑی۔ اس کے ہاتھ ایک بار پھر اسٹیئرنگ پر بہک گئے اور گاڑی لہرا کر سڑک کے کنارے پر آ گئی۔ اگر وہ فوراً ہی بریک نہ لگا دیتی تو گاڑی اس مرتبہ بھی کھیت میں گھس جاتی۔ گاڑی رکتے ہی وہ بڑی تیزی سے سیٹ پر گھوم گئی اور پیچھے دیکھنے لگی۔

وہ بوڑھا پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

نایاب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کا تنفس ایک دم بے ربط ہو گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس بوڑھے کو دیکھ رہی تھی۔

"بابا جی آپ—" نایاب ہکلا کر رہ گئی۔

"کیا ہوا بیٹی۔ تم شاید بھول گئی ہو کہ میں کار میں بیٹھا ہوا ہوں۔" بوڑھے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ تو کار میں نہیں تھے بابا جی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "جب کار پر فائرنگ ہوئی تھی تو آپ شاید کار سے اتر گئے تھے۔ میں نے آپ کو آوازیں بھی دیں لیکن پتہ نہیں آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

"تمہیں وہم ہوا ہو گا بیٹی۔" بوڑھے نے کہا۔ "میں تو کار ہی میں بیٹھا رہا تھا۔ اچھا بیٹا۔ یہ دروازہ تو کھولو میں نیچے اتروں۔ رب تمہیں حیاتی دے۔"

نایاب نے پیچھے کی طرف جھک کر دروازہ کا لاک کھول دیا اور بوڑھے کو بتایا کہ وہ ہینڈل کو اٹھا کر دروازہ کھول لے۔

بوڑھا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا اور اسے دعائیں دیتا ہوا کھیتوں کے درمیان کی

پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ نایاب اپنی سیٹ پر بیٹھی اس طرف دیکھ رہی تھی۔ اس طرف تقریباً دو سو گز آگے چند جھگیاں نظر آ رہی تھیں۔ بوڑھا اسی طرف جا رہا تھا۔ اس بوڑھے کو پگڈنڈی پر چلتے دیکھ کر نایاب ایک بار پھر چونک گئی۔ نایاب کے اندازے کے مطابق بوڑھے کی عمر پچھتر کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ چہرے پر جھریوں سے مکڑی کا جال سا بنا ہوا تھا لیکن اسے نوجوانوں کی طرح بالکل سیدھا تن کر چلتے دیکھ کر نایاب کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔ اس بوڑھے کے پاس سہارے کے لئے نہ تو کوئی چھڑی تھی اور نہ ہی اس کی کمر میں خم تھا۔

نایاب دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھے اس بوڑھے کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اس کا ذہن بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔

نایاب جیسے جیسے سوچتی رہی اس کا ذہن الجھا گیا۔ بوڑھا ان جھگیوں کے قریب پہنچ کر نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ نایاب نے سر کو دو تین جھٹکے دیئے اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

گاؤں پہنچ کر اس نے گاڑی گیراج والے مکان میں چھوڑ دی اور حویلی میں آ گئی۔ وہ جیسے ہی پھاٹک میں داخل ہوئی نرگس دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی۔

"نایاب۔۔۔ تم ٹھیک ہو نا۔"

"ہاں۔۔۔ میں ٹھیک ہوں مگر تمہیں کیا ہوا۔ اس قدر بدحواس کیوں ہو رہی ہو؟" نایاب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"راستے میں تم پر فائرنگ کی گئی تھی۔ کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟" نرگس نے کہا۔ اسی دوران سکینہ اور عذرہ بھی وہاں آ گئیں۔ ان دونوں کے چہروں پر بھی پریشانی نمایاں تھی۔

نایاب چونک گئی۔ یہ اطلاع اس سے پہلے یہاں پہنچ گئی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ اطلاع دینے والا کون تھا حالانکہ اس سے آگے کوئی بھی گاؤں کی طرف نہیں آیا تھا۔ کھیتوں میں کام کرنے والے جو کسان وہاں جمع ہوئے تھے وہ وہیں رہ گئے تھے۔ اگر کوئی گاؤں کی طرف آتا بھی تو اس سے پہلے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تو پھر وہ کون ہو سکتا تھا جس نے یہ اطلاع اس سے پہلے یہاں پہنچا دی تھی۔

"تم لوگوں کو کیسے پتہ چلا۔ کس نے بتایا؟" نایاب نے پوچھا۔

"جیرے موچی کے بیٹے نے۔" نرگس نے جواب دیا۔ "وہ بھاگتا ہوا یہاں آیا تھا۔ اس

کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا۔ میں نے اسے اسی وقت ڈیرے پر بھیج دیا تھا۔ بھائی صاحب کو اطلاع دینے کے لئے۔ شاید بھائی صاحب ڈیرے سے ہی اس طرف چلے گئے ہوں گے جہاں تم پر فائرنگ ہوئی تھی۔"

"اوہ۔" نایاب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "کیا اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں ٹھیک ہوں۔"

"نہیں۔ وہ اس وقت دور تھا۔ اس نے صرف یہ دیکھا تھا کہ ہماری گاڑی پر فائرنگ ہوئی تھی۔ اس کو تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ گاڑی میں کون ہے۔ وہ یہ بتانے کے لئے بھاگتا ہوا آیا تھا کہ کسی نے گاڑی پر فائرنگ کی تھی اور گاڑی کھیتوں میں گھس گئی تھی۔" نرگس نے کہا۔

"سکندر بھائی اور انکل پریشان ہوں گے۔" نایاب بولی۔ "کسی کو بھیج کر انہیں اطلاع دے دو کہ میں ٹھیک ہوں۔"

"انہیں پتہ چل جائے گا تو وہ معلوم کرنے سیدھے گھر ہی آئیں گے۔" نرگس نے جواب دیا۔ "لیکن ہوا کیا تھا۔ کس نے کی تھی فائرنگ۔"

"یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ فائرنگ کرنے والا کون تھا۔ لیکن ایک اور حیرت انگیز بات ہوئی تھی جس کی وجہ سے میں بچ گئی۔" نایاب نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے آئینے میں سانپ کے مکھس اور اس پراسرار بوڑھے کے بارے میں بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "میں جب وہاں سے چلی تھی تو وہ بوڑھا کار میں نہیں تھا لیکن راستے میں اس کی آواز سن کر میں اچھل پڑی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ کار ہی میں بیٹھا رہا تھا لیکن یقین کرو میں نے اسے گاڑی کے اندر بھی دیکھا تھا اور ادھر ادھر تلاش بھی کیا تھا لیکن وہ کہیں نہیں تھا اور پھر پتہ نہیں گاڑی میں کیسے پہنچ گیا۔"

"یہ تو واقعی حیرت کی بات ہے۔" نرگس نے کہا۔

"ایک بات اور۔" نایاب نے کہا۔ "میں تو اس حملے میں بچ گئی تھی لیکن گولی لگنے سے گاڑی کی ایک بیک لائٹ ٹوٹ گئی ہے جس کا مجھے افسوس ہے۔"

"لعنت بھیجو جی بیک لائٹ پر۔" سکینہ نے پہلی مرتبہ لب کشائی کی۔ "بیک لائٹ تمہاری جان سے زیادہ قیمتی تو نہیں۔"

وہ ابھی باتیں کر ہی رہی تھیں کہ ملک سکندر حویلی میں داخل ہوا۔ اس نے آتے ہی نایاب پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ نایاب کو ایک بار پھر کہانی سنانی پڑی تھی۔

"عجیب بیوقوف لڑکی ہو۔" سکندر نے اسے گھورا۔ "اس کے بعد تم سیدھی گھر چلی آئیں۔"

"اور کیا کرتی سکندر بھائی۔" نایاب نے کہا۔ "حملہ آور تو موٹر سائیکل پر کھیتوں کی طرف فرار ہو گیا تھا۔"

"تمہیں گھر آنے کے بجائے نور پور واپس جانا چاہئے تھا۔" سکندر نے کہا۔ "پولیس میں رپورٹ کرنی چاہئے تھی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔"

"اس بات کا مجھے خیال نہیں آیا تھا۔" نایاب نے کہا۔

"اس واقعہ کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔"

سکندر نے کہا۔ "ابھی میرے ساتھ چلو پولیس کو اطلاع دینا بہت ضروری ہے۔"

"چلئے۔" نایاب فوراً ہی تیار ہو گئی۔

سکندر اس سے گاڑی کی چابیاں لے کر حویلی سے باہر نکل گیا اور جب نایاب باہر نکلی تو وہ گاڑی گلی میں نکال چکا تھا۔ اس نے اتر کو ٹوٹی ہوئی لائٹ کا جائزہ لیا اور دوبارہ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ نایاب پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سکندر گاڑی کو گلیوں میں گھماتا ہوا سڑک پر لے آیا اور رفتار بڑھا دی۔

جس جگہ نایاب پر حملہ ہوا تھا' وہاں پہنچ کر گاڑی روک لی اور نیچے اتر کر کھیتوں میں کام کرنے والے آدمیوں کو آوازیں دینے لگا۔ چند منٹ بعد ہی پانچ چھ آدمی وہاں پہنچ گئے۔ سکندر نے تین آدمیوں کو پچھلی سیٹ پر بٹھا لیا اور اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر گاڑی کو تیزی سے ہائی وے کی طرف دوڑا دیا۔

ہائی وے پر ٹرک اب بھی الٹا پڑا تھا اور دو چار لوگ بھی جمع تھے۔ دو پولیس والے بھی وہاں کھڑے تھے۔ نایاب نے سکندر کو بتایا کہ یہ حادثہ کس طرح پیش آیا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ تھانے پہنچ گئے۔ تھانیدار اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھا۔ تین چار آدمی اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ سکندر' نایاب کو اشارہ کرتا ہوا بے تکلفی سے اندر داخل ہو گیا۔ تھانیدار کے پاس بیٹھے ہوئے آدمی بھی زمیندار ہی تھے اور سکندر کو

اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ سب سکندر کو دیکھ کر اٹھ گئے۔ بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ کچھ دیر ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرتے رہے پھر سکندر تھانیدار کی طرف دیکھتے ہوئے اصل موضوع پر آ گیا اور اسے نایاب پر حملہ کے بارے میں بتانے لگا۔

"اوہ۔۔۔ یہ کب کی بات ہے؟" تھانیدار نے سوالیہ نگاہوں سے نایاب کی طرف دیکھا۔

"جب میں یہاں سے گئی تھی اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد۔" نایاب نے بتایا۔

"آپ کو اسی وقت واپس آ کر رپورٹ کرنی چاہئے تھی تاکہ ہم اس کا تعاقب کر کے اسے پکڑنے کی کوشش کرتے۔" تھانیدار نے کہا۔

"وہ تو اسی وقت موٹر سائیکل پر فرار ہو گیا تھا۔" نایاب نے کہا۔

"علاقے کی ناکہ بندی تو کی جا سکتی تھی نا بی بی۔" تھانیدار بولا۔

"ناکہ بندی تو اب بھی ہو سکتی ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ حملہ آور اسی علاقے میں موجود ہے اور وہ باہر نہیں گیا۔ اگر تھوڑی سی کوشش کی جائے تو اسے پکڑا جا سکتا ہے۔"

"کیا آپ نے اسے دیکھا تھا؟" تھانیدار نے پوچھا۔

"میں نے اس کی پشت دیکھی تھی۔ اس نے نیلے رنگ کی قمیض پہن رکھی تھی اور سر پر سفید کپڑا لپیٹ رکھا تھا اور جب اس کی موٹر سائیکل کھیتوں میں پگڈنڈی پر مڑی تھی تو میری آنکھوں میں گولڈن سی چمک پڑی تھی۔" نایاب نے بتایا۔

"ہو سکتا ہے موٹر سائیکل کے ہینڈل پر لگے ہوئے آئینے کا عکس پڑا ہو۔" تھانیدار نے کہا۔ "بہرحال' آپ کو کسی پر شبہ ہے؟ رپورٹ میں کسی مشتبہ شخص کا نام لکھوانا چاہتی ہیں۔"

"آپ کو تو سب حالات معلوم ہیں جی!" سکندر بول پڑا۔ "آپ اچھی طرح جانتے ہیں' نایاب بہن کے دشمن کون ہیں؟ حملہ آور کو تلاش کرنے میں آپ کو زیادہ پریشانی نہیں ہو گی۔ وہ تو اتفاق ہے کہ گاڑی سڑک پر چھوٹے سے کھڈ کی وجہ سے اچھل گئی تھی ورنہ آج اس کا تو کام ہو گیا ہوتا۔ ویسے گاڑی کو نقصان پہنچا ہے۔ گولی لگنے سے اس کی ایک بیک لائٹ ٹوٹ گئی ہے۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔ گاڑی باہر کھڑی ہے اور یہ تین بندے

چشم دید گواہ ہیں۔ یہ لوگ قریبی کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ انہوں نے گاڑی پر فائرنگ ہوتے دیکھی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ موجود ہیں جن سے آپ معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔"

"آپ مطمئن رہئے ملک صاحب۔" تھانیدار نے کہا۔ "ملزم کہیں بھی چلا جائے مجھ سے بچ کر نہیں جا سکے گا۔ دو تین دن کے اندر اندر آپ کو اطلاع مل جائے گی کہ ملزم پکڑا گیا ہے۔" تھانیدار نے سنتری کو بھیج کر محرر کو بلا لیا۔ "علی خان!" وہ محرر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ان کی رپورٹ لکھ لو۔ کیس کی تفتیش میں خود کروں گا۔ رپورٹ لکھنے سے پہلے ان کی گاڑی کو بھی دیکھ لو۔"

"یس سر۔" محرر نے سلیوٹ کرتے ہوئے جواب دیا اور پھر نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آیئے بی بی میرے ساتھ آیئے۔"

"جاؤ نایاب بہن۔ تم ان کے پاس بیٹھ کر رپورٹ لکھواؤ۔ میں ذرا ان بندوں سے گپ شپ کر لوں۔ بڑے عرصہ بعد ملاقات ہوئی ہے۔" سکندر نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نایاب اٹھ کر محرر کے کمرے میں آ گئی۔

اور پھر رپورٹ لکھوانے کے بعد نایاب اور سکندر تھانے سے باہر نکلے تو سہ پہر کے چار بج رہے تھے۔

وہ پانچ بجے کے لگ بھگ گاؤں پہنچے تھے۔ یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل چکی تھی کہ چھوٹی بی بی کو فائرنگ کر کے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ گاؤں کی عورتیں اس کی خیریت دریافت کرنے حویلی میں آ رہی تھیں۔ ان کی آپس کی باتوں سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ ان کے خیال میں چھوٹی بی بی پر حملہ کس نے کرایا ہو گا۔

نایاب ہنس ہنس کر ان عورتوں کی باتوں کا جواب دے رہی تھی۔ وہ اس وقت برآمدے ہی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی نظریں حویلی کے پھاٹک کی طرف تھیں۔ اسی وقت دو اور عورتیں پھاٹک سے اندر داخل ہوئیں۔ ان میں ایک تو ماسی اللہ رکھی تھی اور دوسری عورت کو دیکھ کر نایاب اچھل پڑی۔

وہ چوہدرانی امینہ بیگم تھی۔

چوہدرانی امینہ بیگم نے آتے ہی نایاب سے لڑنا شروع کر دیا تھا۔

"دیکھو لڑکی۔" وہ نایاب کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولی۔ "تمہاری وجہ سے ہم بہت ذلت اٹھا چکے ہیں۔ بڑی رسوائی ہو گئی ہے ہماری۔ اب تمہارا بھلا اسی میں ہے کہ یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔ غضب خدا کا! کبھی کسی نے ہماری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ لیکن اب ہر شخص ہمارے سامنے زبان درازی کر رہا ہے۔ کمی کمین بھی ہمارے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہونے لگے ہیں اور سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ اس سے پہلے کہ بات زیادہ بڑھے، تم یہاں سے چلی جاؤ۔ اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ گیا تو اس کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہو گی۔"

"آپ بھول رہی ہیں کہ میں آپ کی بہو ہوں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور میں دیہات کی ان پڑھ اور جاہل عورت نہیں ہوں جو آپ کا ہر ظلم آسانی سے سہہ لوں گی اور میں آپ کی مزارع بھی نہیں ہوں۔"

"دیکھو لڑکی۔" چوہدرانی نے اسے گھورا۔ "میں آخری بار تمہیں کہہ رہی ہوں کہ یہاں سے چلی جاؤ ورنہ۔۔۔"

"چاچی۔" سکینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے آپ لوگوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے۔ آپ ہمارے گھر آئی ہیں۔ بسم اللہ۔ بہت خوشی ہوئی لیکن نایاب ہماری مہمان ہے۔ آپ ہمارے کسی مہمان کو چلے جانے کو کیسے کہہ سکتی ہیں۔"

"تم اسے نہیں جانتیں سکینہ بیٹی۔" چوہدرانی نے کہا۔ "ہم دونوں گھرانوں کے تعلقات کتنے اچھے تھے۔ شیر و شکر تھے۔ لیکن اس کی وجہ سے ہمارے تعلقات بھی خراب ہو گئے اور تم نے اس کو اپنا مہمان بنا کر رکھا ہوا ہے۔"

"تعلقات ہم نے تو خراب نہیں کئے۔" سکینہ نے جواب دیا۔ "آپ ہی لوگ پیچھے ہٹ گئے تو اس میں ہمارا یا نایاب کا کیا قصور؟"

"بہت بھولی ہو تم۔" چوہدرانی بولی۔ "سنا نہیں تم نے گاؤں والے اس کے بارے میں کیا کیا باتیں کر رہے ہیں۔"

"گاؤں والے کوئی باتیں نہیں کر رہے۔" سکینہ نے کہا۔ "سارا فساد آپ ہی کے بیٹے کا پھیلایا ہوا ہے۔ آپ کیا سمجھتی ہیں، ہم کچھ نہیں جانتے لوگ بھی جانتے ہیں کہ آپ کا

بیٹا کیا کر رہا ہے۔ اس نے نایاب پر جھوٹا الزام لگا کر اسے بدنام کرنے کی کوشش کی تھی لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ اسے خود ہی دوسروں کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑی۔ لیکن اس کے باوجود اس نے کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور وہ اب بھی وہی حرکتیں کر رہا ہے۔"

"اے ہے سکینہ بیٹی۔" چوہدرانی ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی۔ "میں تو تمہیں سمجھانے آئی تھی۔ تم تو لنا مجھ سے ہی لڑنے لگیں۔"

"میں سب سمجھتی ہوں چاچی۔" سکینہ نے کہا۔ "آپ خود سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنے بیٹے کو بھی سمجھائیں۔ آپ لوگ نایاب کو اکیلی نہ سمجھیں۔ صرف ہم ہی نہیں' پورا گاؤں اس کے ساتھ ہے۔"

"اچھا بیٹی۔" چوہدرانی کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی۔

کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ نایاب عجیب سی نظروں سے سکینہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے بالکل توقع نہیں تھی کہ سکینہ' چوہدرانی کو ایسی کھری کھری باتیں سنا دے گی۔ سکینہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ "تم اپنے آپ کو اکیلی مت سمجھو۔ گاؤں والے بھی سب سمجھتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟ تم ایسی باتوں سے بالکل مت گھبرانا۔"

"میں کیوں گھبرانے لگی بھابھی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگ میرے ساتھ ہیں تو مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

سکینہ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ نرگس اور عذرہ بھی اپنے اپنے کاموں میں لگی ہوئی تھیں۔

اس رات کھانے کے بعد وہ ایک بار پھر ٹیلے والے کھنڈروں کے تہہ خانے میں خزانہ کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

"میرا خیال ہے پہلے ایک دو ہیرے کسی جوہری کو دکھا کر ان کی قیمت معلوم کی جائے۔" سکینہ نے کہا۔

"نور پور میں تو کوئی ایسا جوہری نہیں جو ان کی قیمت لگا سکے۔ بہرحال' میں کل صبح ایک دو ہیرے لے جاؤں گا اور کرم الٰہی کو دکھا کر بات کروں گا۔ نور پور میں سب سے

بڑی دکان تو اسی کی ہے۔" سکندر نے کہا۔ "اگر وہ صحیح قیمت نہ لگا سکا تو پھر شہر جانا پڑے گا۔"

"میرا خیال ہے مجھے بھی شہر جانا پڑے گا۔" نایاب نے کہا۔ "الطاف کو یہاں آئے ہوئے تین چار دن ہو چکے ہیں۔ ڈیڈی پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"میرا مشورہ ہے کہ تم الطاف کو شہر بھیج دو۔" سکندر نے کہا۔ "کل صبح میں دو ہیرے لے کر نور پور جاؤں گا تم بھی میرے ساتھ چلو گی۔ تمہارے سامنے کرم الٰہی سنیارے سے بات ہو گی اور تھانیدار سے بھی معلوم کر لیں گے کہ اس نے کیا کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ الطاف کو میں صبح ہی شہر واپس بھیج دیتی ہوں۔" نایاب نے کہا۔

اور پھر دوسرے دن وہ ایک بار پھر سکندر کے ساتھ نور پور جا رہی تھی۔ کار میں ان کے ساتھ الطاف بھی تھا۔ ڈگی میں کچھ سامان رکھا ہوا تھا۔ یہ گاؤں کی سوغاتیں تھیں جو الطاف کے ہاتھ نایاب کے والد کو بھیجی جا رہی تھیں۔ نایاب نے والد کے نام ایک خط لکھ کر الطاف کو دیدیا تھا جس میں یہاں کے مختصر حالات لکھتے ہوئے کہا تھا کہ وہ بنگلہ کی آتشزدگی کے بارے میں پولیس سے رابطے میں رہیں۔

نور پور پہنچ کر انہوں نے پہلے الطاف کو شہر جانے والی بس پر سوار کر دیا اور پھر صرافہ بازار میں کرم الٰہی سنیارے کی دکان پر آ گئے۔ کرم الٰہی ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس کے سر کے بال چاندی کے تاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ علاقے کے تمام بڑے بڑے زمیندار زیورات کی بنوائی اور خرید و فروخت کے لئے اسی کی دکان پر آتے تھے۔ صرافہ بازار میں سناروں کی آٹھ دس دکانیں تھیں اور سب سے بڑی دکان یہی تھی۔ کرم الٰہی نے بڑی گرمجوشی سے ملک سکندر کا استقبال کیا اور نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اگر میں غلطی نہیں کرتا تو تم چوہدری امانت علی کی بہو ہو۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے۔" نایاب مسکرائی۔

دکان پر بیٹھی ہوئی دو عورتوں نے چونک کر نایاب کی طرف دیکھا۔ گاؤں دیہات میں کوئی بات بہت جلد ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل جاتی ہے۔ علاقے کے تمام زمیندار جانتے تھے کہ چوہدری امانت علی کا اپنی چھوٹی بہو سے جائیداد کا مقدمہ چل رہا ہے لیکن پچھلے دنوں پے درپے جو واقعات رونما ہوئے تھے ان سے اس تنازعے کو اور بھی

شہرت ملی تھی۔

"بیٹھیں نا ملک جی۔ آپ لوگ کھڑے کیوں ہیں۔" کرم الٰہی نے کہا اور پھر ایک ملازم کو آواز دے کر بولا۔ "اوئے اکو۔۔۔ جا ٹھنڈی بوتلیں لے کر آ۔۔۔"

نایاب اور سکندر شوکیس کے سامنے خوبصورت ریوالونگ سٹول نما کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کرم الٰہی ان عورتوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ان کے سامنے شوکیس پر زیورات کے چار پانچ سیٹ کھلے ہوئے تھے۔ وہ ایک سیٹ پسند کر چکی تھیں اور اب قیمت پر کچھ بات ہو رہی تھی۔ بالآخر پندرہ منٹ میں معاملہ طے ہو گیا اور ان عورتوں کے جانے کے بعد کرم الٰہی سکندر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"جی ملک جی!" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کوئی سیٹ دکھاؤں یا انگوٹھی وغیرہ خریدنی ہے؟"

"آج تو میں کچھ خریدنے یا دیکھنے نہیں بلکہ دکھانے آیا ہوں۔" سکندر نے کہا اور جیب سے دونوں ہیرے نکال کر شوکیس پر رکھ دیئے۔

کرم الٰہی نے ایک ہیرا اٹھا لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا' پھر دوسرا ہیرا اٹھایا اور اسے بھی توجہ سے دیکھنے لگا۔ آخر میں اس نے دونوں ہیرے شوکیس پر رکھ دیئے اور سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ ہیرے کہاں سے لئے ملک جی۔"

"چوری کے نہیں ہیں چاچا کرم الٰہی۔" سکندر نے جواب دیا۔

"اوہو۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے ملک جی۔" کرم الٰہی بولا۔ "توبہ توبہ جی۔ آپ چوری کیوں کرنے لگے۔ میرا مطلب تو یہ تھا کہ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ ایسی نایاب چیز دیکھی ہے۔ کہاں سے ملے آپ کو؟"

"یہ تو اس کے ہیں۔" سکندر نے نایاب کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کا اپنا نام نایاب ہے تو اس کے ہیرے بھی نایاب ہی ہوں گے۔ ویسے ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"میں نے تو پہلے ہی کہا ہے کہ نایاب چیز ہے اور زندگی میں پہلی بار دیکھی ہے۔" کرم الٰہی نے جواب دیا۔ "میری زندگی گزر گئی یہ کاروبار کرتے ہوئے مگر ایسے ہیرے کبھی نہیں

دیکھے۔"

"آپ کے خیال میں ان کی کیا قیمت ہو گی۔ کوئی خریدار ہے ان کا۔" سکندر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ملک جی۔" کرم الٰہی نے ایک بار پھر ہیرے اٹھا کر ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "نور پور میں تو ان کا کوئی خریدار نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہاں ان کی قیمت لگ سکتی ہے۔"

"ویسے آپ کے خیال میں ان کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔" سکندر نے پوچھا۔

"یہ ایک ہیرا۔" کرم الٰہی نے ایک ہیرا چٹکی میں اٹھا لیا۔ "میرے خیال میں اس ایک ہیرے کی قیمت ڈیڑھ لاکھ سے اوپر ہو گی۔"

"آپ تو شہر جاتے رہتے ہیں۔" کرم الٰہی بولا۔ "وہاں آپ سیٹھ عبداللہ کو یہ ہیرے دکھایئے ان کی صحیح قیمت کے بارے میں وہی اندازہ لگا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" سکندر نے ہیرے لے کر جیب میں رکھ لئے۔ "جب شہر جانا ہو گا تو یہ بھی ساتھ لے جاؤں گا۔"

وہ دونوں دکان سے باہر نکل آئے۔

"نایاب بہن!" سکندر گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "ہمارے پاس چودہ ہیرے ہیں۔ دو میری جیب میں اور بارہ گھر میں۔ ایک ہیرے کی قیمت اگر ایک لاکھ بھی لگا لیں تو چودہ لاکھ ہوئے اور اس غار میں تو ان سے بھی زیادہ قیمتی ہیروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ دوسری چیزیں ان کے علاوہ ہیں۔ اگر میں حساب لگانا چاہوں تو میری عقل جواب دے جائے گی۔ سیدھے سادھے الفاظ میں یہ کہوں گا کہ تم اس وقت دنیا کی سب سے امیر عورت ہو۔"

"سکندر بھائی دولت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اگر انسان اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو تو یہ دولت کس کام کی۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہتی ہو اور ہمیں تمہاری یہی بات پسند آئی ہے۔" سکندر نے کہا۔

"لیکن دولت کے بغیر اس دنیا میں رہا بھی تو نہیں جا سکتا۔ سارے کام دولت ہی سے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اس دولت سے تم بہت کچھ کر سکتی ہو لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دولت وہاں سے نکالی کیسے جائے۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو ہم سب کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں گی۔"

"اس کیلئے ہمیں باقاعدہ پلاننگ کرنی پڑے گی اور شاید طویل عرصہ کیلئے مجھے یہاں رہنا بھی پڑے۔" نایاب نے کہا۔

"رہنے کو تو ہمارا گھر حاضر ہے' تم رہ ہی رہی ہو۔" سکندر نے کہا۔

"نہیں سکندر بھائی۔" نایاب نے کہا۔ "میں نے محسوس کیا ہے کہ میرے آپ کے گھر میں رہنے سے گاؤں کے بعض لوگوں سے آپ کے تعلقات میں کشیدگی آ سکتی ہے۔ مثلاً آج چوہدرانی اور سکینہ بھابھی کے درمیان جو باتیں ہوئی ہیں' ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میری وجہ سے آپ دونوں گھرانوں میں جاری سرد جنگ کوئی اور صورت اختیار نہ کر لے۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ اپنی رہائش کیلئے کوئی علیحدہ بندوبست کر لوں۔"

"پاگل ہو گئی ہو؟" سکندر نے اسے گھورا۔ وہ دونوں گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے اور سکندر نے انجن سٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"آپ اسے میرا پاگل پن ہی کہہ لیں۔ میں نے آج اندازہ لگایا ہے کہ آنے والے وقت میں صورتحال بہت زیادہ سنگین ہو جائے گی اور میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو کوئی ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے۔"

"تو پھر کہاں رہو گی؟" سکندر نے اس کی طرف دیکھا۔

"گاؤں میں کوئی جگہ دیکھ لوں گی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "میں نے سوچا ہے کہ کل شہر چلی جاؤں۔ چند روز وہاں رہ کر وہاں کے معاملات سمیٹ لوں اور پھر یہاں آ جاؤں۔ ڈیڈی سے بھی اس خزانے کے بارے میں کچھ مشورہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"ایک بات بتانا بہن!" سکندر نے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم اس خزانے کی وجہ سے ہم سے علیحدہ ہونا چاہتی ہو۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سکندر بھائی!" نایاب نے چونک کر کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے کہا تھا کہ میں مادی دولت کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی۔ میں نے تو اس خزانے کے بارے میں کبھی اس انداز میں سوچا بھی نہیں۔ اگر وہ خزانہ کھنڈروں سے نکال بھی لیا گیا تو آپ ہی کی تحویل میں رہے گا۔ جو کچھ بھی ہو گا آپ ہی لوگوں کے مشورے سے ہو گا۔"

اور یہ حقیقت تھی۔ نایاب نے کبھی اس انداز میں نہیں سوچا تھا اور نہ ہی اس نے کبھی سکندر کی نیت پر شبہ کیا تھا۔ اس نے تو یہی سوچا تھا کہ اس خزانے سے جو کام بھی لیا

جائے گا ان لوگوں کے مشوروں سے ہی لیا جائے گا۔

سکندر نے تھانے کے سامنے پہنچ کر گاڑی روک لی۔ جب وہ اندر پہنچے تو پتہ چلا کہ تھانیدار رائے پور نامی گاؤں میں چوری کے ایک کیس کی تفتیش کے لئے گیا ہوا ہے۔

"اس حملہ آور کا کوئی سراغ ملا جس نے نایاب پر فائرنگ کی تھی؟" سکندر نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

"تفتیش شروع کر دی ہے ملک جی اور آپ کے سوال کا جواب تو انسپکٹر صاحب ہی دے سکتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

"تمہارا انسپکٹر بھی بڑا عجیب ہے۔" ملک سکندر نے کہا۔ "اتنا اہم کیس چھوڑ کر چوری کی تفتیش کرنے چلا گیا۔ لگتا ہے اس کا کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔"

"ملک جی!" سب انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک تھانیدار کا بندوبست کرنے سے کیا ہو گا۔ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤں ملک جی۔۔۔ آپ اس بات کی تسلی کر لیں کہ نہ تو ماجھا کمہار کے قتل کا سراغ ملے گا اور نہ ہی نایاب بی بی پر حملہ کرنے والے موٹر سائیکل سوار کا۔۔۔"

"وہ تو مجھے پتہ ہے۔" ملک سکندر نے کہا۔ "اسی لئے تو کہا ہے کہ اس کا کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔ اچھا ٹھیک ہے میں کل صبح آ کر اس سے بات کروں گا۔ اس کو بتا دینا کہ میں آیا تھا۔"

وہ دونوں تھانے سے باہر آ گئے۔ سب انسپکٹر نے اسے جو کچھ بتایا تھا وہ سکندر کے لئے غیر متوقع نہیں مگر تشویش انگیز ضرور تھا۔ وہ کل ہی تھانیدار کی باتوں سے سمجھ گیا تھا کہ وہ اس معاملے میں زیادہ سیریس نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے مخالف پارٹی نے بڑی رقم لگائی ہو۔

ملک سکندر کچھ چیزیں بھی خریدنا چاہتا تھا۔ اس نے گاڑی بازار میں ایک جگہ کھڑی کر دی اور انجن بند کرتے ہوئے بولا۔

"تم گاڑی میں ہی بیٹھو میں پانچ منٹ میں آتا ہوں۔"

وہ گاڑی سے اتر کر ایک طرف چلا گیا۔ نایاب اپنی سیٹ پر بیٹھی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ابھی دس نہیں بجے تھے۔ بازاروں میں اچھی خاصی رونق تھی۔ آس پاس کے گاؤں دیہاتوں

سے آنے والے لوگ خرید و فروخت میں مصروف تھے۔

دفعتاً" نایاب چونک گئی۔ اس کے چہرے پر کسی چیز کا عکس پڑا۔ ایک لمحہ کو اس کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ ایسا لگا تھا جیسے کسی سنہری چیز کی چمک پڑی ہو۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ گاڑی کے پچھلی طرف سے آنے والی ایک موٹر سائیکل قریب سے گزر کر آگے نکلی تھی اور موٹر سائیکل کے ہینڈل پر لگا ہوا آئینہ دھوپ میں چمک اٹھا تھا جس کا عکس اس کے چہرے پر پڑا تھا۔ نایاب نے اس موٹر سائیکل کی طرف دیکھا اور پھر اچھل پڑی— موٹر سائیکل کے آئینے کے ساتھ سجاوٹ کیلئے سنہری پنیوں کی جھالر سی بندھی ہوئی تھی اور وہ چمک اسی جھالر کی تھی۔

نایاب کے دماغ میں جھماکے ہونے لگے۔ کل اس پر حملے کے بعد وہ موٹر سائیکل سوار جب کھیتوں میں فرار ہو رہا تھا تو نایاب کے چہرے پر ایسی ہی چمک پڑی تھی۔ اس نے آگے جاتی ہوئی موٹر سائیکل کی طرف دیکھا۔ وہ کافی دور نکل چکی تھی۔ نایاب بڑی پھرتی سے سرک کر ڈرائیونگ سیٹ پر آگئی لیکن دوسرے ہی لمحہ اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ سکندر شاہد بے خیالی میں چابی نکال کر اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ نایاب دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ گاڑی کے قریب ہی ایک خوانچے والا کھڑا تھا۔

"خوانچے والے۔" نایاب اسے مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ "یہ گاڑی والا جب آئے تو اسے کہنا یہیں رک کر میرا انتظار کرے۔"

"میں جانتا ہوں جی۔ یہ ملک جی کی گاڑی ہے۔" خوانچے والے نے جواب دیا۔

"انہیں کہنا یہیں رک کر میرا انتظار کریں۔" نایاب نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

وہ موٹر سائیکل کافی دور نکل چکی تھی۔ نایاب دوڑنے والے انداز میں تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلتی رہی۔ رش کی وجہ سے اسے آگے بڑھنے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ اسے کئی مرتبہ لوگوں کو دھکے دے کر راستے سے ہٹانا پڑا تھا۔ لوگ گھور گھور کر اسے دیکھ رہے تھے۔

نایاب کی نظریں تقریباً چالیس گز آگے موٹر سائیکل سوار پر جمی ہوئی تھیں۔ نیلی قمیص جیسے اس کی نظروں سے گزر کر رہ گئی تھی۔ نایاب کو یقین تھا کہ یہ وہی آدمی ہے جس نے

کل اس پر فائرنگ کی تھی۔ بازار میں رش کی وجہ سے موٹر سائیکل کی رفتار بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔

اسی طرح تیز تیز چلتے ہوئے نایاب پسینے میں شرابور ہو گئی لیکن اس نے اپنی رفتار کم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ موٹر سائیکل آگے دائیں طرف سڑک پر مڑ گئی تھی۔ نایاب اب باقاعدہ دوڑ رہی تھی۔ لوگ اسی طرح اسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو لیکن وہ لوگوں کی نظروں کی پروا کئے بغیر دوڑتی رہی اور موڑ پر پہنچ کر رک گئی۔ اس کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

یہ بھی پرہجوم بازار تھا اور پھر تقریباً بیس گز آگے اناج کی ایک دکان کے سامنے وہ موٹر سائیکل کھڑی دیکھ کر اچھل پڑی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے چلنے لگی۔

دکان کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی۔ نیلی قمیص والا وہ آدمی دکان کے اندر کھڑا دو آدمیوں سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا۔ اس نے تو نایاب کو نہیں دیکھا تھا لیکن سامنے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات ابھر آئے تھے جیسے وہ نایاب کو دیکھ کر چونک گیا ہو۔ اس نے مڑ کر دھیمے لہجے میں نیلی قمیص والے سے کچھ کہا۔ نیلی قمیص والے نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ چند سیکنڈ وہیں کھڑا ان دونوں سے باتیں کرتا رہا' پھر دکان سے باہر آگیا۔ جیسے ہی موٹر سائیکل کے قریب پہنچا نایاب اس کے سامنے آگئی اور گھورتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے بی بی! تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہی ہو۔" نیلی قمیض والا بولا۔

"میرا خیال ہے تم مجھے اتنی جلدی نہیں بھول سکتے۔" نایاب نے کہا۔ "ابھی تو اس واقعہ کو چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ مجھ پر فائرنگ کرنے کے بعد تم اسی موٹر سائیکل پر کھیتوں میں فرار ہوئے تھے لیکن اب میں تمہیں بھاگنے کا موقع نہیں دوں گی۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئیں۔" نیلی قمیض والے نے کہا۔ "تم مجھ پر بلاوجہ الزام لگا رہی ہو۔ اس سے پہلے تو میں نے تمہیں کبھی دیکھا بھی نہیں۔"

لیکن نایاب نے چیخ چیخ کر لوگوں کو جمع کر لیا تھا۔

"کیا ہوا— کیا بات ہے بی بی۔" ایک آدمی نے پوچھا۔

"اس آدمی نے کل مجھ پر فائرنگ کی تھی۔ میں بال بال بچ گئی تھی اور یہ اسی موٹر سائیکل پر فرار ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے خلاف تھانے میں رپورٹ لکھوا رکھی ہے۔ اسے تھانے لے چلو۔"

"چل اوئے۔" ہجوم میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر بے تکلفی سے نیلی قمیض والے کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔

ایسے موقع پر لوگوں کی زیادہ ہمدردی عورت کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ اس وقت بھی لوگ نایاب ہی کی حمایت کر رہے تھے۔ دو آدمیوں نے نیلی قمیض والے کو بانہوں سے پکڑ لیا۔

"چلیں بی بی۔ آپ چلیں۔ ہم اس کو تھانے لے کر جا رہے ہیں۔" ایک آدمی نے کہا۔ وہ لوگ نیلی قمیض والے کو دھکے دیتے ہوئے چلنے لگے۔ نایاب بھی ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ کچھ اور لوگ بھی ہجوم کی صورت میں ساتھ چل رہے تھے۔

موڑ پر بائیں طرف مڑنے کے بجائے وہ لوگ سیدھے چلتے رہے تو نایاب بولی۔"اس طرف کہاں جا رہے ہو تم لوگ۔۔۔ تھانہ اس طرف ہے۔"

"اس طرف قریب کا راستہ ہے بی بی۔" ایک آدمی نے جواب دیا۔

"میری گاڑی اس طرف کھڑی ہے۔" نایاب نے کہا۔ "اچھا۔ تم لوگ اسے لے کر تھانے پہنچو میں اپنی گاڑی لے کر آ رہی ہوں۔"

"آپ آرام سے آ جائیے بی بی۔ یہ اب کہیں نہیں جائے گا۔" اس شخص نے جواب دیا۔ وہ لوگ آگے نکل گئے۔ نایاب بائیں طرف بازار میں مڑ گئی اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلنے لگی۔ وہ چند منٹ بعد ہی کار کے قریب پہنچ گئی۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ سکندر گاڑی کے قریب کھڑا تھا۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر چونک گیا۔

"کیا بات ہے۔ کہاں چلی گئی تھی تم؟" سکندر نے پوچھا۔

"میں نے اسے پکڑ لیا ہے۔ وہ لوگ اسے تھانے لے کر گئے ہیں۔" نایاب نے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کسے پکڑ لیا ہے؟" سکندر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہی' کل جس نے مجھ پر گولیاں چلائی تھیں۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اس کو موٹر سائیکل پر یہاں سے گزرتے دیکھ کر میں اس کے پیچھے گئی تھی اور بالآخر اسے پکڑ لیا۔ لوگ اسے تھانے لے کر گئے ہیں۔ جلدی چلیں سکندر بھائی!"

"چلو۔ گاڑی میں بیٹھو۔" سکندر نے کہا اور ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور اگنیشن میں چابی لگا کر انجن سٹارٹ کرنے لگا۔ اس دوران نایاب دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ چکی تھی۔

ملک سکندر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ سڑک پر ہجوم کی وجہ سے گاڑی موڑ کر واپس لے جانا ممکن نہیں تھا۔ وہ گاڑی کو سیدھا آگے لیتا چلا گیا اور بائیں طرف کی ایک گلی میں موڑ دیا۔ دو گلیاں گھوم کر وہ گاڑی کو پھر سڑک پر لے آیا اور اس کا رخ تھانے کی طرف موڑ دیا۔

تقریباً دس منٹ بعد وہ تھانے پہنچ گئے۔ دو پولیس والے برآمدے میں ایک دبلے پتلے سے نوجوان کی پٹائی کر رہے تھے۔ اسے جیب تراشی کے الزام میں پکڑ کر لایا گیا تھا۔ وہ دو دیہاتی بھی ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے جن میں سے ایک کی جیب سے اس جیب کترے نے پیسے نکالے تھے۔

تھانیدار ابھی تک رائے پور سے واپس نہیں آیا تھا۔ البتہ سب انسپکٹر موجود تھا۔ سکندر نے تھانے میں داخل ہوتے ہوئے گیٹ پر کھڑے سنتری سے پوچھا تھا کہ کچھ لوگ کسی کو یہاں لے کر آئے ہیں یا نہیں۔ سنتری نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"خیر ہے ملک جی۔ آپ واپس آ گئے۔" سب انسپکٹر نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔

"اشرف صاحب!" سکندر بولا۔ "نایاب نے اس بندے کو پہچان لیا ہے جس نے کل فائرنگ کر کے اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہ! کہاں ہے وہ؟" سب انسپکٹر اشرف چونک گیا۔

"میں نے اسے بازار میں دیکھ کر پکڑ لیا تھا۔ میرے شور مچانے پر کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے اور جب میں نے لوگوں کو بتایا کہ وہ کون ہے تو لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ وہ اسے تھانے لا رہے ہیں۔ میں تو سمجھی تھی کہ وہ یہاں پہنچ گئے ہوں گے۔" نایاب نے بتایا۔

"ابھی تک تو یہاں کوئی نہیں پہنچا۔" سب انسپکٹر نے جواب دیا۔ "لیکن آپ نے

اسے پہچانا کیسے؟"

"اس کی موٹر سائیکل سے۔" نایاب نے جواب دیا اور پھر اسے تفصیل بتانے لگی۔

پندرہ بیس منٹ گزر گئے لوگ ابھی تک اس شخص کو لے کر نہیں پہنچے تھے۔ نایاب کو اب تشویش ہونے لگی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ شخص اپنے آپ کو چھڑا کر بھاگ تو نہیں گیا تھا؟

دس منٹ اور گزر گئے لیکن وہ لوگ ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔

"بی بی۔ آپ نے اسے کہاں دیکھا تھا اور کن لوگوں نے پکڑا تھا اسے؟" سب انسپکٹر اشرف نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کے چہرے پر بھی اب تشویش کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔

"مجھے بازار کا نام تو معلوم نہیں لیکن اس سڑک کے موڑ پر ایک دکان کا نام یاد ہے۔ راجہ سٹور۔" نایاب نے کہا۔ "اس سڑک پر چند گز آگے اناج کی ایک دکان ہے میں نے اسی دکان پر اسے پکڑا تھا۔ لوگ اسے پکڑ کر ایک گلی کی طرف لے کر آئے تھے اور میں بازار کی طرف آ گئی تھی کیونکہ گاڑی بازار میں کھڑی تھی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ وہ ہم سے پہلے پہنچ گئے ہوں گے۔"

"مجھے تو کوئی گڑبڑ لگ رہی ہے۔" سب انسپکٹر بولا۔ "کتنے آدمی تھے اس کے ساتھ؟"

"پہلے تو پانچ چھ آدمی تھے لیکن گلی میں داخل ہوتے ہوئے صرف دو آدمی رہ گئے تھے جنہوں نے اسے پکڑ رکھا تھا۔ انہی میں سے ایک نے دوسرے آدمیوں کو ساتھ آنے سے منع کر دیا تھا۔" نایاب نے بتایا۔

"میرے ساتھ آیئے۔" سب انسپکٹر اشرف کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نایاب اور سکندر نے بھی اپنی کرسیاں چھوڑ دیں۔ سب انسپکٹر نے ایک اے ایس آئی اور دو کانسٹیبلوں کو بھی اپنے ساتھ آنے کو کہا اور دروازے سے باہر آ گیا۔ تھانے کے سامنے پولیس کی ایک جیپ کھڑی تھی۔ اے ایس آئی اور دونوں کانسٹیبل جیپ میں بیٹھ گئے۔ سب انسپکٹر کار میں سکندر کے ساتھ بیٹھ گیا اور نایاب پچھلی سیٹ پر۔ سکندر نے انجن سٹارٹ کر کے کار کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔ جیپ بھی اس کے پیچھے چل پڑی۔

تقریباً دس منٹ بعد وہ لوگ اناج کی اس دکان پر پہنچ گئے جہاں نایاب نے اس آدمی کو

پکڑا تھا۔ کار سے اترتے ہوئے نایاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ متوحش نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ موٹر سائیکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ حالانکہ اسے یاد تھا کہ جب لوگ اس آدمی کو پکڑ کر لے جا رہے تھے تو موٹر سائیکل وہیں کھڑی تھی۔

سکندر اور سب انسپکٹر اشرف بھی نیچے اتر آئے۔ پولیس کی جیپ بھی ان کے پیچھے آ کر رک گئی تھی اور اس میں بیٹھے ہوئے تینوں پولیس اہلکار بھی نیچے اتر چکے تھے۔

"اس دکان سے پکڑا تھا میں نے اسے۔" نایاب نے بتایا۔ "لوگ جب اسے لے کر گئے تھے تو اس کی موٹر سائیکل یہاں کھڑی تھی لیکن اب وہ موٹر سائیکل بھی نہیں ہے۔"

پولیس کو دیکھ کر لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ دونوں کانسٹیبل لوگوں کو وہاں سے ہٹا رہے تھے۔ اناج کی دکان کا مالک سب انسپکٹر کو دیکھ کر باہر آ گیا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ پیٹ بے تحاشہ بڑھا ہوا تھا۔ لگتا تھا اس نے پیٹ پر کوئی مٹکا باندھ رکھا ہو۔ اس نے آگے بڑھ کر گرمجوشی سے سب انسپکٹر سے ہاتھ ملایا تھا۔

"کیا حال ہے مہر جی۔" سب انسپکٹر بولا۔ "کون تھا وہ جسے اس بی بی نے یہاں سے پکڑا تھا؟"

"مجھے تو پتہ نہیں جی۔" میں تو بینک گیا ہوا تھا۔ مہر نے جواب دیا۔ "جو کچھ ہوا میرے بعد ہی ہوا ہے۔ اوئے صدیقے۔" اس نے ایک ملازم کو آواز دی۔ "کیا ہوا تھا یہاں۔ وہ کون تھا؟"

دور کھڑا ہوا صدیقا ان کے قریب آ گیا۔ پہلے اس نے سب انسپکٹر کو سلام کیا' پھر بولا۔

"وہ گلو تھا جی۔ کبھی کبھی نور پور آتا ہے۔"

"کون گلو۔۔۔ کہاں رہتا ہے؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"محمد نگر کا رہنے والا ہے جی۔" صدیقے نے جواب دیا۔ "میری بہن وہاں رہتی ہے۔ میں مہینے میں ایک آدھ بار وہاں چلا جاتا ہوں۔ گلو تو محمد نگر کا بہت مشہور بدمعاش ہے۔ کبھی کبھی اس طرف بھی آ جاتا ہے۔ کل بھی میں نے اسے بازار میں دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ دو ساتھی پہلے سے یہاں کھڑے تھے۔ وہ یہاں کوئی سامان خریدنے آئے تھے۔ گلو کو شاید پہلے سے پتہ تھا کہ وہ یہاں ہوں گے' اسی لئے وہ بھی آ گیا تھا۔ وہ یہاں کھڑا ان سے باتیں کر رہا تھا کہ یہ بی بی آ گئی اور اس کے شور مچانے پر لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔"

"اس کی موٹر سائیکل کہاں ہے؟" نایاب نے پوچھا۔

"اس کے ایک دوست نے واپس آ کر کہا تھا کہ گلو کو تھانے پہنچا دیا ہے اور تھانیدار نے اس کی موٹر سائیکل منگوائی ہے۔ وہ موٹر سائیکل لے کر چلا گیا۔" صدیقے نے بتایا۔

"اس کے دوستوں کو جانتے ہو۔ کون تھے وہ؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"انہیں میں نہیں جانتا جی۔" صدیقے نے جواب دیا۔

"موٹر سائیکل کا نمبر تو میں نے دیکھا نہیں جی لیکن وہ ہونڈا موٹر سائیکل تھی۔" صدیقے نے بتایا۔

اس کی باتوں سے نایاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ گلو نامی اس شخص کے دوست چالاکی سے اسے نکال لے گئے تھے۔ نایاب کو یاد آ رہا تھا کہ لوگ جب اس شخص کو لے کر چلے تھے تو وہ دونوں آدمی بھی ساتھ تھے جن کے ساتھ نایاب نے اسے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یقیناً یہی ہوا ہو گا کہ گلی میں داخل ہونے کے بعد ان دونوں نے گلو کو بانہوں سے پکڑ لیا ہو گا اور باقی لوگوں کو واپس کر دیا ہو گا۔ ان میں سے ایک تو گلو کو لے کر چلا گیا اور دوسرا واپس آ کر اس کی موٹر سائیکل بھی لے گیا۔

"وہ آدمی کتنی دیر پہلے موٹر سائیکل لے گیا تھا؟" سب انسپکٹر نے صدیقے سے پوچھا۔

"بیس پچیس منٹ ہو گئے ہیں جی۔" صدیقے نے جواب دیا۔

محمد نگر وہاں سے تقریباً پینتیس میل دور ایک اور بڑا قصبہ تھا۔ وہ علاقہ اگرچہ اس تھانے کی حدود میں نہیں تھا لیکن نور پور سے تقریباً بائیس میل تک تو اس تھانے کی حدود تھی۔

"ملک جی۔" سب انسپکٹر سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ گھر جایئے جی! میں تھانے سے ہو کر ان کے تعاقب میں جاتا ہوں۔ ویسے اب اس کی شناخت ہو گئی ہے۔ وہ بچ کر نہیں جا سکے گا۔ ویسے بی بی۔" وہ نایاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ وہی آدمی تھا۔"

"اب تو سو فیصد یقین ہو گیا ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اگر وہ نہ ہوتا تو اس طرح دھوکا دے کر فرار نہ ہوتا۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ لوگ گھر جایئے۔ اگر وہ پکڑا گیا تو میں آپ کو اطلاع بھجوا دوں

گا۔" سب انسپکٹر نے کہا اور ملک سکندر سے ہاتھ ملا کر اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

نایاب اور سکندر بھی اپنی گاڑی میں آ گئے اور کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ بازاروں سے نکل کر ہائی وے پر آ گئے۔

"صدیقے نے بتایا تھا کہ گلو محمد نگر کا رہنے والا ہے۔" سکندر نے نایاب کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "میں بھی محمد نگر جاتا رہتا ہوں۔ وہاں کے دو تین چوہدریوں سے میری دوستی ہے لیکن پہلے میں نے گلو کا نام کبھی نہیں سنا۔"

"پہلے آپ اس قسم کے حالات سے دو چار بھی نہیں ہوئے ہوں گے۔" نایاب نے کہا۔ "اس قسم کے لوگوں سے واسطہ تو اسی وقت پڑتا ہے جب آدمی اس طرح کے حالات سے دو چار ہوتا ہے۔"

"ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو۔" سکندر نے کہا۔ "لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ گلو کو تم سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ اس نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟" سکندر بولا۔

"آپ بھی واقعی نرے پینڈو ہیں سکندر بھائی!" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس قسم کے کام کرائے کے بدمعاشوں ہی سے لئے جاتے ہیں اور بدمعاش بھی ایسے منتخب کئے جاتے ہیں جنہیں اس علاقے کا کوئی آدمی پہچانتا نہ ہو۔ یہ تو اتفاق ہے کہ صدیقہ اپنی بہن کے ہاں محمد نگر آتا جاتا رہتا ہے۔ اس نے گلو کو محمد نگر میں دیکھا ہو گا۔ اس لئے پہچان لیا۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" سکندر نے بھی مسکراتے ہوئے جوب دیا۔ "بی اے کرنے کے بعد بھی میں پینڈو ہی ہوں۔"

نایاب نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

گاڑی اب ہائی وے سے گاؤں کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی تھی۔ گاؤں سے ذرا پہلے نایاب نے گاڑی رکوا لی اور بائیں طرف دیکھنے لگی جہاں تقریباً دو سو گز آگے وہ جھگیاں نظر آ رہی تھیں جہاں کل وہ بوڑھا گیا تھا۔

"ان جھگیوں میں کون رہتا ہے؟" نایاب نے پوچھا۔

"سنگیوں کے پانچ چھ گھر ہیں مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو۔" سکندر بولا۔

"وہ پراسرار بوڑھا کل انہی جھگیوں میں گیا تھا۔" نایاب نے کہا اور پھر دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔ "آپ چند منٹ یہاں رکیے۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ سکندر کے جواب کا انتظار کیے بغیر گاڑی سے اتر کر کھیت میں گھس کر تیز تیز قدموں سے پگڈنڈی پر چلنے لگی۔

وہ تقریباً پانچ منٹ میں ان جھگیوں میں پہنچ گئی۔ جھگیوں کے ساتھ دو تین سائبان بھی بنے ہوئے تھے۔ تین چار عورتیں ان سائبانوں کے نیچے بیٹھی چٹائیاں اور ٹوکریاں بن رہی تھیں۔ چند ننگ دھڑنگ بچے بھی کھیل رہے تھے۔ نایاب کو دیکھ کر وہ عورتیں اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"سلام چھوٹی بی بی۔"

"سلام۔" نایاب نے جواب دیا اور پھر ان عورتوں سے اس بوڑھے کے بارے میں پوچھنے لگی۔

"یہاں تو ایسا کوئی بندہ نہیں رہتا جی۔" ایک عورت نے جواب دیا۔

"کل میں نے اسے گاڑی سے وہاں اتارا تھا اور وہ اسی طرف آیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ یہیں رہتا ہے۔" نایاب نے ایک بار پھر بوڑھے کا تفصیلی حلیہ دہرا دیا۔

"نہیں چھوٹی بی بی!" اس مرتبہ ایک بوڑھی عورت نے کہا۔ "یہاں تو اس حلیے کا کوئی بندہ نہیں رہتا اور نہ ہی کل یہاں ایسا کوئی بندہ آیا تھا۔"

نایاب کا دماغ گھوم گیا۔ کل وہ بوڑھا انہی جھونپڑیوں کی طرف آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ وہ یہیں رہتا ہے لیکن ان عورتوں نے تو اسے پہچاننے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

نایاب چند لمحے وہاں کھڑی رہی پھر جھگیوں سے نکل کر پگڈنڈی پر واپس چلنے لگی۔ اس نے تقریباً آدھا راستہ طے کیا تھا کہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کے دو تین گز آگے پگڈنڈی پر ایک سیاہ ناگ پھن اٹھائے بیٹھا تھا۔

نایاب وحشت زدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور لگتا تھا جیسے ناگ بھی براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا ہو اور پھر وہ ناگ رینگتا ہوا نایاب کی طرف بڑھنے لگا۔

اس خوفناک سیاہ ناگ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر نایاب کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ اس نے بھاگنا چاہا مگر اس کے پیر جیسے زمین سے چپک کر رہ گئے تھے۔ وہ اپنی جگہ پر

کھڑی کھڑی چیخنے لگی۔

ملک سکندر جھونپڑیوں کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے نایاب کو جھونپڑیوں سے باہر آتے ہوئے دیکھا تو انجن سٹارٹ کر دیا لیکن پھر اچانک ہی نایاب کو چیختا دیکھ کر اچھل پڑا۔ اس نے بڑی عجلت میں دروازہ کھولا اور انجن چلتا چھوڑ کر گاڑی سے اتر آیا۔

"کیا ہوا نایاب۔ کیا بات ہے۔ کیوں چیخ رہی ہو؟" وہ پگڈنڈی پر تیز تیز چلتے ہوئے چیخا۔

نایاب اب بھی چیخ رہی تھی۔ اس کی نظریں اس سیاہ ناگ پر جمی ہوئی تھیں جو ایک بار پھر اس کے سامنے پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

سکندر دوڑتا ہوا قریب پہنچ گیا اور پھر ناگ کو دیکھ کر وہ بھی رک گیا۔ سیاہ ناگ نے کنڈلی بدلی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے رینگتا ہوا کھیتوں میں غائب ہو گیا۔

"اوہ!" سکندر کے منہ سے نکلا۔ "تم اس سانپ سے ڈر گئی تھیں۔ میرا خیال ہے سانپ تو اب تم سے ڈرنے لگے ہیں۔ تم کیوں ڈر گئیں؟"

"سکندر بھائی۔" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "سانپ میرے رشتہ دار نہیں ہیں۔"

"ارے بھئی۔ میرا مطلب ہے اس سنہرے سانپ سے تمہاری دوستی ہو گئی ہے نا۔ اس کی وجہ سے دوسرے سانپ بھی تمہارے مطیع ہو گئے ہیں۔ میں نے اس روز کھنڈروں کے نیچے والے تہہ خانے میں دیکھا تھا۔ سانپ تمہارے آگے پیچھے پھر رہے تھے لیکن۔۔۔"

"لیکن سکندر بھائی ضروری نہیں ہے کہ یہ سانپ بھی اسی قبیلے کا ہو۔" نایاب نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ تو اس طرح میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا جیسے ڈسے بغیر نہیں مانے گا۔"

"اچھا اب چلو۔۔ تیز دھوپ میں کھڑے کھڑے تمہارا دماغ پلپلا ہو جائے گا۔" سکندر نے کہا۔

"میرا دماغ تو ویسے ہی پلپلا ہو رہا ہے۔" نایاب نے اس کے پیچھے پیچھے پگڈنڈی پر چلتے ہوئے کہا۔ "آج کل کچھ ایسے عجیب و غریب واقعات رونما ہو رہے ہیں کہ دماغ نے کام کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"گھبراؤ نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" سکندر نے کہا۔ وہ دونوں کھیت سے نکل کر گاڑی کے قریب آ گئے تھے۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ تم ان جھونپڑیوں میں اس بوڑھے کے بارے میں پوچھنے گئی تھیں۔ میں تو ان تمام لوگوں کو جانتا ہوں یہاں تو اس طرح کا کوئی بوڑھا نہیں رہتا جس کے بارے میں تم نے کل بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ کسی کے گھر پر رہنے آیا ہو۔"

"نہیں سکندر بھائی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "نہ تو وہ بوڑھا یہاں رہتا ہے اور نہ کسی کے گھر پر دونا بن کر آیا تھا۔ بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ کل اس بوڑھے کو میں نے اسی جگہ پر گاڑی سے اتارا تھا اور وہ اسی پگڈنڈی پر سے ہوتا ہوا ان جھونپڑیوں میں گیا تھا لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ جھونپڑیوں میں رہنے والوں میں سے کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ ان عورتوں کا کہنا ہے کہ کل اس حلئے کا کوئی بوڑھا اس طرف آیا ہی نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں ہو رہا ہے۔" سکندر نے کہا۔ "چوہدریوں والے معاملات کی وجہ سے تم پریشان ہو۔ تمہارا ذہن اپ سیٹ ہو رہا ہے۔ یہ مسئلہ حل ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مسئلہ تو مزید پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ سکندر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے اور پھر چند ہی منٹ بعد وہ گاؤں پہنچ چکے تھے۔

گاؤں میں بڑی رونق تھی۔ ایک کسان کی بیٹی کی شادی تھی۔ اس کے تعلقات سب سے تھے اور اس نے بہت سے لوگوں کو بیٹی کی شادی پر مدعو کر رکھا تھا۔ ناصرہ' عذرہ کی سہیلی تھی۔ ان کا سارا گھر اس شادی میں مدعو تھا۔ نایاب جب گھر پہنچی تو عذرہ اور نرگس تیار تھیں۔ عذرہ تو صبح سے کئی چکر ناصرہ کے گھر کے لگا چکی تھی۔ وہ نایاب کو دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔

"نایاب باجی! آپ نے اتنی دیر لگا دی۔ آپ کو پتہ تھا ناصرہ کی شادی پر جانا ہے۔ تین بجے بارات آنے والی ہے۔ ابھی دو بج رہے ہیں۔ آپ جلدی سے تیار ہو جایئے۔"

"اچھا بھئی تیار ہو جاتی ہوں مگر میرے پاس شادی میں پہننے والے زرق برق کپڑے

نہیں ہیں۔ تمہاری سہیلیاں مذاق اڑائیں گی۔" نایاب نے کہا۔

"نرگس باجی نے اپنا ایک جوڑا آپ کیلئے تیار کر رکھا ہے بس آپ جلدی سے کپڑے بدلیں تو ہم چلیں۔" عذرہ نے کہا۔

"اچھا بھئی۔ تیار ہو جاتی ہوں۔" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے بعد جب نایاب تیار ہو کر کمرے سے نکل تو سکینہ بھی اسے دیکھتی رہ گئی۔ نایاب یوں بھی بہت حسین تھی۔ میک اپ اور بناری جوڑے میں اس کا حسن اور بھی نکھر آیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ تینوں ناصرہ کے گھر پہنچ گئیں۔ لگتا تھا جیسے پورا گاؤں وہاں جمع ہو گیا تھا۔ عورتوں نے نایاب کو گھیر لیا۔ کل کی فائرنگ کے واقعے کا بھی سب کو پتہ چل گیا تھا۔ عورتیں اس کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں اور پھر کسی طرف سے یہ بات سننے میں آئی کہ نایاب عورت نہیں' ناگن ہے جس نے انسان کا روپ دھار رکھا ہے۔ نایاب سمجھ گئی تھی کہ یہ بات کس نے پھیلائی تھی۔ اس کا ایک ہی دشمن تھا' چوہدری معاوت۔۔ چوہدری گھرانے کا اگرچہ کوئی فرد اس شادی میں شریک نہیں تھا لیکن ان سے تعلق رکھنے والے لوگ تو موجود تھے اور یہ بات انہی میں سے کسی نے پھیلائی تھی۔

اور پھر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس سے کچھ دیر کے لئے محفل میں بدمزگی پیدا ہو گئی۔ وہ مجہول سا آدمی اسی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ وہ ذہنی طور پر ایب نارمل تھا۔ کوئی کام دھندہ نہیں کرتا تھا۔ سارا دن گاؤں میں ادھر ادھر گھومتا رہتا تھا۔ گاؤں کے لوگ اسے "اللہ لوگ" کہتے تھے۔

اللہ لوگ ہٹو بچو' ہٹو بچو کی آوازیں لگاتا ہوا آ رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں مور اٹھا رکھا تھا۔ وہ نایاب کے سامنے آ کر رک گیا۔

"سائیں کہاں گھسے چلے آ رہے ہو۔ یہ کس کا مور پکڑ لائے ہو۔" ایک عورت نے کہا۔ "چلو بھاگو یہاں سے۔۔ باہر جاؤ۔"

"یہ مور اس کے لئے لایا ہوں۔" سائیں اللہ لوگ نے سر سے نایاب کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ناگن ہے نا۔۔ سنپنی۔۔ مور سے ڈرتی ہے۔ اب ان دونوں کی لڑائی ہو گی۔ بڑا مزہ آئے گا۔"

سائیں کی بات سن کر ایک لمحہ کو سناٹا سا چھا گیا۔ نایاب کے چہرے پر بھی ایک رنگ سے آ کر گزر گیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ سائیں کو یہ باتیں سکھا کر کسی نے بھیجا ہو گا اور پھر سائیں نے اچانک ہی ہاتھوں میں پکڑے ہوئے مور کو نایاب کی طرف اچھال دیا۔ مور نایاب کے اوپر گرا' وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔

دو تین لڑکیاں چیخنے لگیں۔ عورتوں کے شور سے مور بدحواس ہو کر ادھر ادھر اچھلنے لگا اور پھر راستہ پا کر ایک طرف بھاگ گیا۔ شور سن کر دو تین آدمی بھی وہاں پہنچ گئے۔

"کیا ہوا لڑکیو! کیوں چیخ رہی ہو۔" ناصرہ کے چاچا ماسٹر علی محمد نے چیخ کر پوچھا۔

"چاچا' مور۔" ایک لڑکی نے جواب دیا۔ "سائیں اللہ لوگ نے چھوٹی بی بی پر مور پھینک دیا تھا' کہتا ہے یہ ناگن ہے۔ مور سے اس کی لڑائی ہو گی تو مزہ آئے گا۔"

ماسٹر علی محمد بھی ایک لمحہ کو سناٹے میں گیا۔ اس نے نایاب کی طرف دیکھا جو اس وقت تک اپنی کیفیت پر قابو پا چکی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ ماسٹر علی محمد کو بھی صورتحال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ جس رات چوہدری سعادت نے اپنی حویلی میں لوگوں کی دعوت کی تھی اس رات ماسٹر علی محمد بھی وہاں موجود تھا اور اس محفل میں سنہری ناگ کو نایاب کے ساتھ دیکھ کر چوہدری سعادت نے کہا تھا کہ نایاب انسان نہیں ناگن ہے۔ ماسٹر علی محمد جانتا تھا کہ سانپ اور مور میں ازلی دشمنی ہے جس علاقے میں مور ہوتا ہے وہاں دور دور تک سانپ نہیں ہوتا اور اس وقت بھری محفل میں چوہدری سعادت نے سائیں اللہ لوگ کے ذریعے جو حرکت کی تھی اس کا مطلب بھی وہ سمجھ گیا تھا۔

یہ بات باہر مردوں میں بھی پہنچ گئی۔ ایک آدمی نے سائیں اللہ لوگ کو پکڑ لیا اور اس کے منہ پر دو تین تھپڑ رسید کرتے ہوئے بولا۔

"تجھے چھوٹی بی بی پر مور پھینکنے کو کس نے کہا تھا؟"

"بگے نے۔" سائیں اللہ لوگ نے روتے ہوئے جواب دیا۔ "اس نے مجھے دو روپے دیئے تھے۔"

بگا' چوہدری سعادت کا مزارع تھا۔ لوگوں کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ حرکت کس کی تھی۔ کئی آدمی غصے میں آ گئے اور وہ کھل کر چوہدری سعادت کو گالیاں دینے لگے لیکن اس

سے پہلے کہ بات بڑھ جاتی' سکندر نے صورتحال کو سنبھال لیا۔

"ناصرہ بیٹی کی ڈولی رخصت ہو جانے دو' پھر بات کر لیتے ہیں چوہدریوں سے۔" اس نے کہا۔ "میں اس موقع پر کوئی جھگڑا نہیں چاہتا۔ بارات والے پروہنے کیا کہیں گے۔ بس اب ختم کرو بات کو۔"

اور اس طرح بات وقتی طور پر ٹل گئی۔ پانچ بجے کے قریب بارات رخصت ہو گئی اور اس کے بعد بگے کی تلاش شروع ہو گئی اور بالآخر اسے مویشیوں کے باڑے سے پکڑ لیا گیا۔ سب لوگ ابھی تک شادی والے گھر میں ہی جمع تھے۔ ماسٹر محمد علی بھی موجود تھا۔

"کیوں اوئے بگے۔" آخر کمین ہی نکلا نا۔" ماسٹر محمد علی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا حرکت کی تھی تو نے۔۔۔ مہمانوں کے سامنے کیا عزت رہ گئی ہماری۔ نایاب بیٹی بھی تو مہمان ہے ہماری۔ وہ کیا سوچتی ہو گی۔ اوئے کم ذات۔ نایاب نے اگر چوہدریوں سے منہ لگایا ہے تو وہ اس کی نکر کے ہیں۔ وہ ان کی بہو ہے۔ ان کا آپس میں جھگڑا ہے تو چلے دو۔۔۔ مگر تو کم ذات ہو کر ان کی برابری کر رہا ہے۔ اپنی اوقات بھول گیا ہے کیا۔۔ بتا تو نے ایسا کیوں کیا؟ میری بات کا جواب دے ورنہ تجھے اس پیپل کے درخت کی سب سے اونچی شاخ سے الٹا ٹانگ دیں گے۔۔ بتا تو نے ایسا کیوں کیا؟"

"مجھے معاف کر دو ماسٹر جی۔" بگے نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"معافی کے بارے میں تو بعد میں سوچیں گے۔ پہلے یہ بتا کس کے کہنے پر ایسا کیا تو نے۔۔" ماسٹر محمد علی نے کہا۔

"کسی کے کہنے پر نہیں جی۔" بگے نے کہا۔ "وہ جی میں نے لوگوں کو کہتے سنا تھا کہ چھوٹی بی بی انسان نہیں' ناگن ہے۔ میں نے یہ بھی سنا تھا کہ سانپ مور سے ڈرتا ہے۔ جہاں مور ہو وہاں سانپ نہیں ہوتا۔ میں نے آزمانے کیلئے سائیں اللہ لوگ کو وہ مور دیا تھا اور اسے کہا تھا کہ چھوٹی بی بی کو جا کر دے دے۔ مگر اس نے دور سے ہی پھینک دیا۔ مجھے معاف کر دو ماسٹر جی۔ آئندہ ایسی کوئی غلطی نہیں ہو گی جی۔"

"تو نے کس کے کہنے پر ایسا کیا تھا؟ سچ بتا۔" ماسٹر محمد علی نے اس کے منہ پر زور دار تھپڑ رسید کر دیا۔

"وہ۔۔ وہ جی۔۔ میں نے خود ہی۔۔"

"سچ بتا اوئے---" سکندر نے آگے بڑھ کر اسے زور دار ٹھوکر رسید کر دی۔ "سچ بتا ورنہ تیرا گلا گھونٹ دوں گا۔" اس نے ایک ہاتھ اس کے گلے پر جما دیا۔

"بب-- بتاتا ہوں ملک جی-- بب-- بتاتا ہوں۔" بگا ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ اس کے منہ سے گھٹی گھٹی سی آوازیں نکل رہی تھی۔ "وہ-- وہ مجھے مار دیں گے جی--"

"اگر نہیں بتائے گا تو میں تجھے مار دوں گا۔" سکندر غرایا۔ "جلدی بتا۔"

"بب-- بتاتا ہوں جی--" بگے نے اب بھی ہاتھ جوڑ رکھے تھے۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ "چھوٹے چوہدری نے کہا تھا جی-- میری خود تو ہمت نہیں ہوئی تھی جی۔ میں نے وہ مور سائیں اللہ لوگ کو دے دیا تھا۔"

"سن لیا گاؤں والوں۔" سکندر بگے کو چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "چھوٹا چوہدری نایاب بی بی کے خلاف جو کچھ بھی کر رہا ہے وہ سب آپ لوگ دیکھتے رہے ہیں اور آج کی یہ نئی حرکت بھی آپ لوگوں نے دیکھ لی۔ اس نے مہمانوں کے سامنے سب کو ذلیل کیا ہے۔ بارات والے کیا سوچتے ہوں گے۔ اس گاؤں کی بہو بیٹیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ اب آپ لوگوں بتائیں اس کا کیا حل تلاش کیا جائے۔"

"چھوٹے چوہدری کو اپنی دولت کا غرور ہے۔" ایک طرف کھڑے ہوئے ہدایت اللہ نے کہا۔ "میری نظروں میں اس کا ایک ہی حل ہے۔"

"وہ کیا۔" ماسٹر محمد علی نے پوچھا۔

"آج رات ہم بڑے چوہدری صاحب سے بات کرتے ہیں۔ اگر اس نے اپنے بیٹے کے گلے میں پٹہ نہ ڈالا تو ہم اس کا حقہ پانی بند کر دیں گے۔"

"پہلے وہ کونسا تمہارے ساتھ بیٹھ کر حقہ پانی پیتا ہے۔" کرم الٰہی نے کہا۔

"اسے ہماری کیا پروا ہے۔ وہ تو جاگیردار ہے۔ ہمیں اپنا غلام سمجھتا ہے۔ حقہ پانی بند کر دینے سے کیا ہو گا؟"

"ہدایت اللہ ٹھیک کہتا ہے۔" ماسٹر محمد علی نے کہا۔ "آج رات بڑے چوہدری صاحب کو چوپال میں بلا لو-- اس کا ہمارے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ سہی لیکن سوشل بائیکاٹ بہت بڑی بات ہوتی ہے اور ملک جی۔" وہ سکندر کی طرف گھوم گیا۔ "اس کا کیا کرنا ہے۔" اس کا اشارہ بگے کی طرف تھا۔

"اس کے بارے میں تو میں نے سوچ لیا ہے۔" سکندر نے جواب دیا اور پھر بگے کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تم اپنا بوریا بستر سمیٹو اور آج رات ہی اس گاؤں سے نکل جاؤ۔ اگر کل صبح تم اس گاؤں میں نظر آئے تو چمڑی ادھیڑ دوں گا۔"

"مجھے معاف کر دو ملک جی۔" بگا گڑگڑانے لگا۔ "چھوٹا چوہدری مجھے کہیں بھی چین سے نہیں رہنے دے گا۔ وہ مجھے مار ڈالے گا۔"

"ملک جی ٹھیک کہتے ہیں۔" ہدایت اللہ بولا۔ "تم صبح ہونے سے پہلے پہلے گاؤں چھوڑ دو۔ اگر کل صبح تم گاؤں کے آس پاس بھی نظر آئے تو ہم تمہیں مار دیں گے۔"

"میں نکے نکے بچوں کو لے کر کہاں جاؤں گا ملک جی! مجھے معاف کر دو۔" بگا گڑگڑاتے ہوئے سکندر کے پیروں پر گر گیا۔

"چل بھاگ جا اب یہاں سے۔" سکندر نے اسے ڈانٹ دیا۔ "کل صبح مجھے گاؤں میں نظر نہ آنا سمجھے۔"

بگا ایک ایک کے سامنے ہاتھ جوڑ کر منتیں کرتا رہا مگر سب کا فیصلہ یہی تھا کہ وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے گاؤں چھوڑ دے۔ بالآخر آنسو بہاتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ چوہدری امانت علی کو بھی پیغام بھیج دیا گیا کہ وہ رات آٹھ بجے چوپال پہنچ جائے۔

سکندر گھر آ گیا۔ نایاب وغیرہ بھی چند منٹ پہلے ہی واپس آئی تھیں۔ سکندر کے گھر پہنچتے ہی آج کے مسئلے پر بحث شروع ہو گئی۔

"اب تو انتہا ہو گئی ہے۔" سکندر کہہ رہا تھا۔ "آج بڑے چوہدری کو چوپال میں بلایا ہے۔ سب لوگوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر اس نے سعادت کو ان حرکتوں سے نہ روکا تو ان کا حقہ پانی بند کر دیا جائے گا۔"

"ہو گیا حقہ پانی بند۔" سکینہ بولی۔ اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔ "آپ چوہدریوں کو بھی جانتے ہیں اور گاؤں والوں کو بھی۔ چوہدریوں کا حقہ پانی بند کر کے یہ لوگ خود کہاں جائیں گے؟"

"اب وقت بدل گیا ہے سکینہ بی بی!" سکندر نے کہا۔ "گاؤں کے لوگوں کو بھی اب تھوڑی بہت عقل آ گئی ہے۔ وہ جان گئے ہیں کہ یہ بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار ان کا خون چوس رہے ہیں۔ کل تک گاؤں والوں کی زبانیں بند تھیں لیکن آج وہ کھل کر

چوہدریوں کے خلاف بول رہے ہیں۔"

"سعادت نے ابھی تک جو کچھ بھی کیا ہے' نایاب کے خلاف ہی کیا ہے۔ جس روز اس نے گاؤں کے کسی ایک آدمی کے خلاف کوئی کارروائی کی' اس روز سب کی زبانیں پھر بند ہو جائیں گی۔"

"اب وہ کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔" نایاب نے ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "گاؤں والے میری حمایت میں بول رہے ہیں' اگر سعادت نے کسی کے خلاف کچھ کیا تو میں بھی خاموش نہیں رہ سکوں گی۔ میں ہر قیمت پر گاؤں والوں کا ساتھ دوں گی۔"

"مجھے تو تمہاری ہمت کی داد دینی پڑتی ہے۔" سکینہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ "تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو پہلے ہی دن یہ گاؤں چھوڑ کر بھاگ چکا ہوتا مگر تم عورت ہو کر جس طرح ان چوہدریوں کے سامنے ڈٹ گئی وہ واقعی قابل داد ہے۔"

"اگر مجھے آپ لوگوں کا سہارا نہ ملتا تو شاید میں بھی بھاگ ہی چکی ہوتی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے بھاگی بھی اب وہ وقت نہیں رہا کہ عورت خاموشی سے مرد کے مظالم سہتی رہے۔ عورت اگر ہمت سے کام لے تو ظالم سے ظالم مرد کو بھی اپنے قدموں پر جھکا سکتی ہے۔"

"بھائی جان!" نرگس نے سکندر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہوشیار ہو جایئے۔ عورتوں کا اتحاد قائم ہو رہا ہے۔"

"اس معاملے میں تو میں بھی عورتوں کے ساتھ ہوں۔" سکندر نے جواب دیا۔

"ڈر گئے۔" نرگس نے قہقہہ لگایا اور پھر قہقہوں میں گفتگو ختم ہو گئی۔

رات کے کھانے کے بعد سکندر تو چوپال چلا گیا اور نایاب نرگس کے ساتھ گھر کے کام کرنے لگی۔

اس رات نایاب جلدی سو گئی اور صبح اس کی آنکھ بھی جلدی کھل گئی۔ سکندر اور ملک صاحب حسب معمول کھیتوں پر جا چکے تھے۔ ناشتہ کے بعد نایاب کچھ دیر تک تو سکینہ اور نرگس کے ساتھ کام کرتی رہی' پھر اس نے کپڑے تبدیل کئے اور باہر جانے کیلئے تیار ہو گئی۔

گاؤں سے نکل کر وہ کھیتوں میں آ گئی۔ آج اس کا رخ دوسری طرف تھا۔ اس طرف وہ پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ کھیتوں میں کام کرتے ہوئے لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک جگہ رک گئی اور کھیتوں کے بیچ میں ایک اونچے ٹیلے پر ایک پرانی سی عمارت کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ کوئی پرانی حویلی تھی جو غالباً ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ حویلی کے آس پاس ٹاہلی اور پیپل کے درختوں کی بہتات تھی لیکن اس طرف کسی ذی روح کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

نایاب دو تین کھیتوں کا فاصلہ طے کر کے ایک بار پھر رک گئی۔ وہاں ایک کھیت میں پانی لگا ہوا تھا اور ایک مزارع پھاوڑے سے کھیت کی منڈیر ٹھیک کر رہا تھا تاکہ پانی باہر نہ نکل سکے۔ اس نے نایاب کو دیکھ کر سلام کیا۔

"چھوٹی بی بی۔ اتنی گرمی میں کہاں گھوم رہی ہیں۔" مزارع نے کہا۔

"یونہی ذرا گھومنے کو نکل آئی تھی۔ یہ زمین کس کی ہے؟" نایاب نے پوچھا۔

"آپ ہی کی ہے جی۔" مزارع نے جواب دیا۔ "آپ کو اپنی زمینوں کا پوری طرح پتہ نہیں ہے جی۔ کئی مربع زمین ہے۔ ایک بات کہوں چھوٹی بی بی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر جواب کا انتظار کئے بغیر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "جب آپ اپنا حصہ لیں تو ادھر والی زمینیں لیں۔ یہ بہت اچھی زمین ہے۔"

نایاب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ چوہدریوں کا مزارع ہے۔ اس کی باتوں سے بھی نایاب کو اندازہ ہو گیا کہ چوہدریوں کے تمام مزارع ان سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس کی وجہ یقیناً یہی تھی کہ انہیں ناجائز طور پر تنگ کیا جاتا تھا۔ وہ چوہدریوں کے ظلم و ستم کا شکار تھے۔ جب سے انہیں پتہ چلا تھا کہ نایاب نے زمین کے بٹوارے کیلئے مقدمہ دائر کر رکھا ہے' ان میں سے بیشتر وہے لفظوں میں اور بعض کھل کر اس کی حمایت کرنے لگے تھے۔ وہ لوگ شاید یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ نایاب زمین میں اپنا حصہ لے لے گی تو وہ لوگ بھی اس کے پاس آ جائیں گے۔

"وہ عمارت کہیں ہے۔ وہاں کون رہتا ہے؟" نایاب نے ٹیلے پر واقع اس عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ پرانی حویلی ہے چھوٹی بی بی۔" مزارع نے جواب دیا۔ "خالی پڑی ہے۔ سنا ہے

چوہدریوں کا خاندان پہلے اسی حویلی میں رہتا تھا۔ لیکن بڑے چوہدری کے باپ کے زمانے میں وہ لوگ یہ حویلی چھوڑ کر گاؤں میں آ گئے۔"

"کیوں۔۔؟" نایاب نے پوچھا۔

"بڑے چوہدری صاحب کے باپ کے زمانے میں اس حویلی میں ایک قتل ہو گیا تھا جی۔" مزارع نے جواب دیا۔ "وہ کوئی عورت تھی جی۔ سنا ہے اس کی روح اب بھی اسی حویلی میں رہتی ہے اور اس سے ڈر کر ہی چوہدری نے یہ حویلی چھوڑ دی تھی۔ اب یہ حویلی ویران پڑی ہے۔ کوئی اس طرف نہیں جاتا۔"

"تمہارا مطلب ہے جس عورت کو قتل کیا گیا تھا اس کی روح اب بھی اس حویلی میں رہتی ہے۔ کون تھی وہ عورت؟" نایاب نے پوچھا۔

"پتہ نہیں جی۔ میں تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ گاؤں کے بڑے بوڑھوں کو معلوم ہے' وہ کون تھی۔ لیکن سنا ہے اس عورت کو بڑے چوہدری کے باپ نے قتل کیا تھا اور وہ خود بھی عبرتناک موت مرا تھا۔" مزارع نے جواب دیا۔

"میں جا کر دیکھوں ذرا۔ کیسی ہے وہ حویلی؟" نایاب بولی۔

"نا بی بی جی۔" مزارع جلدی سے بولا۔ "آپ اس طرف مت جایئے۔ وہ دو آدمیوں کی جان لے چکی ہے جی۔"

"اوہ۔۔ کیا واقعی؟" نایاب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں بی بی جی۔" مزارع نے جواب دیا۔ "سنا ہے جب وہ عورت اس حویلی میں قتل ہوئی تھی تو اس کے تین مہینے بعد بڑے چوہدری کا بھائی' جس کی عمر اس وقت دس گیارہ سال تھی' حویلی کے ایک کمرے میں مردہ پایا گیا تھا جیسے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو۔ جب اس کی لاش ملی تو حویلی میں کسی عورت کے قہقہوں کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ اس کے دو مہینے بعد اس گھر کی ایک لڑکی کی لاش بھی اسی حالت میں ملی تھی۔ ان دو واقعات سے ڈر کر ہی چوہدریوں نے وہ حویلی چھوڑ دی تھی اور پھر یہ تو میری آنکھوں کے سامنے کا واقعہ ہے۔ بڑے چوہدری کا منجھلا بیٹا چوہدری رفاقت اس حویلی میں چلا گیا تھا اور پھر اس کی بھی لاش ہی ملی تھی۔ بڑا کڑیل جوان تھا جی وہ۔۔ اس کے بعد تو لوگوں نے ڈر کے مارے اس حویلی کی طرف جانا ہی چھوڑ دیا۔ آپ بھی اس طرف مت جایئے چھوٹی بی بی۔"

نایاب مسکرا رہی تھی۔ حویلی کے بارے میں یہ باتیں اس کیلئے ایک دلچسپ انکشاف کی حیثیت رکھتی تھیں۔ وہ کچھ دیر تک وہاں کھڑی مزارع کی باتیں سنتی رہی پھر آگے چل پڑی۔ حویلی کے بارے میں اس کا تجسس بڑھ گیا تھا۔ وہ اسے اندر سے دیکھنا چاہتی تھی لیکن اس مزارع کے سامنے وہ اس طرف جانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ کھیتوں میں چلتی ہوئی دور نکل گئی اور پھر اسے ایک طویل چکر کاٹ کر حویلی کے پچھلی طرف آنا پڑا تھا۔ چمکتی ہوئی دھوپ میں دور سے حویلی کی عمارت بہت پراسرار لگ رہی تھی۔ نایاب کھیتوں میں پگڈنڈی پر چلتی ہوئی حویلی کی طرف بڑھتی رہی۔ ویسے اس نے اس مزارع کی باتوں پر بالکل یقین نہیں کیا تھا۔ وہ حویلی گاؤں سے تقریباً دو فرلانگ دور تھی۔ ہو سکتا ہے گاؤں سے دور ہونے کی وجہ سے چوہدری فیملی نے وہ حویلی چھوڑ دی ہو۔ وہ حویلی چونکہ پچاس ساٹھ سال سے خالی پڑی تھی اس لئے اس کے بارے میں ایسی باتیں مشہور ہو گئی تھیں۔ اگر ان باتوں میں کوئی حقیقت ہوتی تو ملک صاحب کے گھر والے اس کا کوئی تذکرہ ضرور کرتے۔

نایاب کھیتوں سے نکل کر درختوں کے نیچے آ گئی۔ گرمی سے اس کا برا حال ہو رہا تھا لیکن درختوں کے سائے میں آتے ہی اسے بڑا سکون سا ملا۔ وہ کچھ دیر وہاں کھڑی رہی اور پھر ٹبے پر چڑھنے لگی۔ حویلی کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ پھاٹک کی طرف آ گئی۔

حویلی کا پھاٹک بہت اونچا اور کشادہ تھا۔ یہاں سے دو ہاتھی پہلو بہ پہلو بڑی آسانی سے گزر سکتے تھے۔ پھاٹک کا ایک پٹ غائب تھا اور دوسرا پٹ دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ بہت موٹی لکڑی کا اور مضبوط پھاٹک تھا جس پر خوبصورت مینا کاری کی گئی تھی۔ نایاب کچھ دیر تک اس پھاٹک کو دیکھتی رہی' پھر اندر داخل ہو گئی۔

وسیع و عریض صحن خود رو جھاڑیوں سے پٹا پڑا تھا۔ یہاں پر دھوپ کی چمک آنکھوں کو خیرہ کئے دے رہی تھی۔ نایاب کچھ دیر وہاں کھڑی رہی اور پھر جھاڑیوں سے بچتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ حویلی کی دیواریں بہت موٹی اور اونچی تھیں لیکن دائیں طرف والی دیوار کہیں کہیں سے ٹوٹی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ نایاب جھاڑیوں کے پرلی طرف سے حویلی کی عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ جب یہ عمارت تعمیر ہوئی ہو گی تو بہت شاندار رہی ہو گی۔ اس کی شان و شوکت کا اندازہ اب بھی ہو رہا تھا۔

وہ جھاڑیوں کے درمیان سے نکل کر وسیع و عریض برآمدے میں آ گئی اور ادھر ادھر

دیکھنے لگی۔ برآمدے کے محرابی دروازے پر بھی خوبصورت مینا کاری تھی۔ نایاب کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی' پھر اس نے دروازے پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ آہستہ مخالف سمت میں دھکیلنے لگی۔ دروازہ چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ یہ دروازہ دوہرے پٹ کا تھا۔ نایاب نے ایک پٹ پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا تھا لیکن دوسرا پٹ بھی خودبخود کھلتا چلا گیا تھا لیکن نایاب نے شاید خیال نہیں کیا تھا۔ وہ چند لمحوں کو رکی' پھر اندر داخل ہو گئی۔

یہ ایک کشادہ راہداری تھی۔ فرش پر گرد کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ دو تین قدم چلنے کے بعد وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اس نے تیزی سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دروازہ چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ بند ہو گیا تھا۔ نایاب نے اگرچہ مزارع کی باتوں پر یقین نہیں کیا تھا لیکن اس دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی اور دروازہ بند ہوا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا لیکن اس نے یہی سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ دروازہ شاید ہوا سے بند ہو گیا تھا۔ وہ مڑ کر واپس آ گئی اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ لگتا تھا جیسے اس میں کیلیں ٹھونک دی گئی ہوں۔ وہ کنڈے کو پکڑ کر زور زور سے جھٹکے دینے لگی۔ لیکن دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔

نایاب کے دل کی دھڑکن ایک بار پھر تیز ہو گئی۔ اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش ترک کر دی اور مڑ کر راہداری میں دیکھنے لگی۔ لکڑی کے دروازے کے اوپر روشن دان تھا۔ جس سے تھوڑی روشنی اندر آ رہی تھی لیکن وہ روشنی راہداری کی تاریکی دور کرنے کے لئے کافی نہیں تھی۔

نایاب چند لمحے وہاں کھڑی رہی' پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ اب وہ دل میں ہلکا سا خوف محسوس کرنے لگی تھی۔

اس راہداری کو ہی دیکھ کر نایاب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ حویلی اندر سے بہت بڑی تھی۔ تقریباً پندرہ گز آگے یہ راہداری دائیں بائیں کی ایک اور کشادہ راہداری میں مڑ گئی تھی۔ نایاب وہاں ایک سیکنڈ کو رکی اور پھر بائیں طرف مڑ گئی۔

چند گز آگے دائیں طرف ایک اور راہداری تھی۔ نایاب اس طرف مڑی ہی تھی کہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کے کانوں میں ایسی آواز سنائی دی تھی جیسے کوئی دروازہ چرچراہٹ کی

آواز سے کھلا ہو اور پھر دھڑ کی ہلکی سی آواز سے بند ہو گیا ہو۔ اس نے تیزی سے پیچھے مڑ کر دیکھا لیکن تمام دروازے بند تھے۔

نایاب مڑ کر آگے بڑھنے لگی اور پھر دائیں طرف ایک دروازے کے سامنے اس کے قدم خودبخود رک گئے۔ اس نے دروازہ کھولنے کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ دروازہ چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز سے خودبخود کھل گیا۔ نایاب اچھل پڑی اور پھر اسے یوں لگا جیسے کوئی اس کے قریب سے گزر کر کمرے سے باہر نکلا ہو۔ اس نے کپڑوں کی سرسراہٹ کی آواز بھی سنی تھی اور اپنے ہاتھوں اور چہرے پر ہلکی سی ہوا کا ٹکراؤ بھی محسوس کیا تھا۔

نایاب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اس نے مڑ کر راہداری میں دیکھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ اسے اپنے پورے جسم میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر تک دروازے میں کھڑی رہی اور پھر اندر داخل ہو گئی۔

وہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ فرش پر کئی کئی انچ دھول جمی ہوئی تھی۔ عقبی دیوار میں واقع روشن دان سے بہت مدھم سی روشنی اندر آ رہی تھی۔ نیم تاریک ماحول بہت پراسرار تاثر دے رہا تھا۔ نایاب ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اس کمرے میں دائیں طرف ایک دروازہ دیکھ کر نایاب آگے بڑھ گئی۔

دروازہ بند تھا۔ نایاب نے ایک پٹ پر ہاتھ رکھا اور اسے آہستہ آہستہ مخالف سمت میں دبانے لگی۔ دروازہ چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز سے کھلتا چلا گیا۔ ٹھیک اسی لمحہ عقب سے ایک آواز سن کر نایاب اچھل پڑی۔ اس نے تیزی سے مڑ کر دیکھا لیکن کوئی نہیں تھا۔ البتہ وہ آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ بھاری قدموں کی آواز تھی۔ لگتا تھا جیسے کوئی آدمی راہداری میں چل رہا ہو۔

نایاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال ابھرا۔ شاید کسی نے اسے حویلی میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ چوہدری سعادت کا آدمی ہو اور اس نے سعادت کو اطلاع دیدی ہو۔ سعادت اس کی جان کا دشمن تھا۔ وہ موقع سے فائدہ اٹھانے کیلئے حویلی میں آ گیا تھا۔ وہ اسے قتل بھی کر سکتا تھا یا کوئی اور ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اگر وہ اسے قتل کر کے یہاں پھینک جائے تو کسی کو اس کی لاش

بھی نہیں ملے گی۔ نایاب بزدل نہیں تھی لیکن بیجا بہادری کا مظاہرہ بھی خودکشی کے مترادف تھا۔ ہو سکتا ہے چوہدری سعادت اکیلا نہ ہو۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہو۔ وہ ایک دو آدمیوں کا مقابلہ تو کر سکتی تھی لیکن آدمی اگر زیادہ ہوئے تو اس ویران حویلی سے باہر اس کی چیخیں بھی کسی کو سنائی نہیں دیں گی۔

اس کے کانوں سے قدموں کی آواز اب بھی ٹکرا رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اندرونی کمرہ میں ایک ایسی جگہ تھی جہاں وہ چھپ سکتی تھی۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اس دروازے کے دوسری طرف کیا ہے۔

قدموں کی آواز قریب آ گئی تھی۔ نایاب نے باہر والے دروازے کی طرف دیکھا اور مڑ کر تیزی سے اندرونی دروازے میں داخل ہو گئی۔ ٹھیک اسی لمحہ باہر سے کسی اور دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

نایاب دروازے کے بھڑے ہوئے پٹ کے پیچھے کھڑی ہو کر بیرونی دروازے کی طرف جھانکنے لگی۔ قدموں کی آواز بیرونی دروازے کے قریب آ کر رک گئی تھی۔ نایاب دروازے کے پٹ سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ چپک گئی۔ اس کمرے میں اتنی گہری تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ دیوار جس سے وہ ٹیک لگا کر کھڑی ہوئی تھی' برف کی طرح ٹھنڈی تھی۔ اس کی کمر ٹھٹھری جا رہی تھی۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تاریکی میں گھورتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اس کمرے میں کیا ہو سکتا تھا پھر اچانک ہی کمرے کی تاریکی چھٹنے لگی۔ غیر محسوس انداز میں کمرے میں روشنی بڑھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کمرے میں خنکی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ نایاب کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ برف خانے میں آ گئی ہو۔ وہ آنکھیں بند کئے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی رہی اور جب اس نے آنکھیں کھولیں تو کمرے میں اتنی روشنی ہو چکی تھی کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے سکتی تھی۔ وہ ادھر ادھر دیکھتی رہی اور پھر وہ جیسے ہی بائیں طرف مڑی' اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں اور منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ وہ مڑ کر دروازے کی طرف لپکی لیکن دروازہ دھڑ سے بند ہو گیا۔ نایاب کھینچے ہوئے دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی لیکن دروازہ جیسے جام ہو کر رہ گیا تھا۔ نایاب نے بڑی مشکل سے چیخیں روکیں اور آہستہ آہستہ مڑ کر پیچھے دیکھنے لگی۔ کمرے میں بائیں دیوار کے ساتھ بچھے ہوئے پلنگ پر

ایک لاش پڑی تھی۔ ایک عورت کی لاش۔ جس کے سینے میں خنجر پیوست تھا اور خون بکھرا ہوا تھا۔ لاش کے نیچے پلنگ پر بچھا ہوا سفید کھیس بھی خون میں تر ہو رہا تھا۔

نایاب دروازے کے قریب کھڑی پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس لاش کو دیکھنے لگی۔ اسے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پایا اور پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی پلنگ کے قریب آ گئی۔ کمرے کا ماحول نیم تاریک ہونے کے باوجود اسے لاش اور کمرے میں پڑی ہوئی کچھ اور چیزیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

وہ کسی جوان عورت کی لاش تھی۔ نایاب کے اندازے کے مطابق اس کی عمر پچیس اور تیس سال کے درمیان رہی ہو گی۔ وہ بے حد حسین تھی۔ آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں جن میں خوف جیسے منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ نایاب ڈرتے ڈرتے پلنگ کے کچھ اور قریب آ گئی اور جھک کر لاش کو دیکھنے لگی۔ اس کے جسم پر جا بجا زخم تھے جیسے خنجر سے پے در پے وار کئے گئے ہوں اور آخر میں خنجر ٹھیک دل کے مقام پر سینے میں گھونپ دیا گیا ہو۔ نایاب کو یوں محسوس ہوا جیسے زخموں سے خون اب بھی رس رہا ہو۔ اس نے جھک کر سینے پر رسنے والے خون کو انگلی سے چھو کر دیکھا۔ گرم گرم خون تھا۔ نایاب ایک جھٹکے سے سیدھی ہو گئی۔ نایاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس عورت کو کچھ دیر پہلے ہی قتل کیا گیا تھا۔

دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ جب اس نے بیرونی کمرے کا راہداری والا دروازہ کھولا تھا تو اسے یوں لگا تھا جیسے کوئی اس کے قریب سے گزرا ہو۔ اس نے مڑ کر دیکھا بھی تھا لیکن کوئی اسے نظر نہیں آیا تھا اور اب اسے خیال آ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے قریب سے گزرنے والا بڑی عجلت میں سامنے والے کمرے کے دروازے میں گھس گیا ہو۔ وہ جو کوئی بھی تھا وہی اس عورت کا قاتل ہو سکتا ہے اور وہ حویلی سے فرار نہیں ہوا تھا۔ بعد میں راہداری میں قدموں کی آواز اسی کی تھی اور اس نے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ نایاب اس سے چھپنے کیلئے اس کمرے میں داخل ہوئی تھی اور اس شخص نے باہر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

نایاب متوحش نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ گرد آلود فرش پر ایسے نشان واضح

طور پر نظر آ رہے تھے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہاں اچھی خاصی دھینگا مشتی ہوئی ہو گی۔ ممکن ہے اس عورت نے اپنے آپ کو بچانے کیلئے بھرپور مزاحمت کی ہو۔

"میرا نام ہاجرہ ہے۔"

ایک سرسراتی ہوئی سی سرگوشی نایاب کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ خوفزدہ ہو کر اچھل پڑی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی لیکن کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ وہ لاش کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے اچانک ہی یہ خیال آیا کہ شاید وہ عورت ابھی زندہ ہے اور اسے کچھ بتانا چاہتی ہے۔ اس نے جھک کر غور سے عورت کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں ویسے ہی پوری طرح کھلی ہوئی تھیں اور دانت سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔

"میں اس گاؤں کے موچی نور دین کی بیٹی ہوں۔"

وہ سرسراتی ہوئی سی سرگوشی پھر سنائی دی۔ نایاب ایک بار پھر اچھل پڑی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ لاش کی طرف مڑ گئی۔ لاش کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ہونٹ بھی اسی طرح بھینچے ہوئے تھے اور آنکھیں بھی پھیلی ہوئی تھیں۔

"وہ مجھے دھوکے سے لے کر یہاں آیا تھا۔" وہی سرگوشی نایاب کی سماعت سے ٹکرائی۔ "میری ماں حویلی میں کام کرتی تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ میری ماں سیڑھیوں سے گر گئی ہے اور اس نے مجھے بلایا ہے۔ میں اس وقت کھیت میں سرسں کا ساگ چن رہی تھی۔ میں اس کے کہنے پر حویلی آ گئی لیکن یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ حویلی میں کوئی نہیں ہے۔ اس کے گھر والے نور پور گئے ہوئے ہیں اور میری ماں بھی شاید ان کے ساتھ گئی تھی۔ میں نے واپس جانا چاہا مگر اس نے مجھے پکڑ لیا۔ وہ دست درازی کرتا رہا اور میں اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتی رہی۔ میں چیخ رہی تھی لیکن میری پکار سننے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ مجھے اس کمرے میں لے آیا۔ میں مزاحمت کرتی رہی لیکن اس کے شکنجے میں آ گئی۔ وہ اپنی ہوس پوری کر کے باہر جانے لگا تو مجھے اس طاقچے میں رکھا ہوا خنجر نظر آ گیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اٹھ کر خنجر اٹھایا اور اس پر حملہ کر دیا۔ میرے وار سے اس کا کندھا زخمی ہو گیا لیکن اس نے مجھ سے خنجر چھین لیا اور پے در پے مجھ پر وار کرنے لگا۔ میں چیختی رہی لیکن کوئی میری مدد کو نہیں آیا۔"

"وہ کون تھا؟" نایاب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اس کا مخاطب کوئی نہیں تھا۔

"وہ۔۔۔"

سرگوشی ڈوب گئی اور کمرہ نسوانی چیخوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ لگتا تھا جیسے کسی عورت کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ نایاب بھی خوفزدہ ہو کر چیخ اٹھی۔ نسوانی چیخوں کی آواز میں اسے چرچراہٹ کی آواز سنائی دی جیسے کوئی دروازہ کھلا ہو۔ اس نے مڑ کر دیکھا کمرے کا دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ نایاب نے ایک نظر لاش کی طرف دیکھا اور دروازے کی طرف دوڑی۔ اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ پوری طرح کھول دیا اور تیزی سے باہر نکل آئی۔ دوسرے کمرے سے نکل کر وہ راہداری میں دوڑنے لگی۔ اس نے دوڑتے ہوئے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھے ہوئے تھے۔ لگتا تھا جیسے چیخوں کی وہ آوازیں اس کا تعاقب کر رہی ہوں۔

وہ دوڑتی ہوئی بیرونی دروازے کے قریب پہنچی تو ٹھٹک کر رک گئی۔ یہ دروازہ اس وقت بند ہو گیا تھا جب وہ اندر داخل ہوئی تھی اور اس وقت بھی بند تھا۔ نایاب متوحش نظروں سے نیم تاریک راہداری میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ چیخوں کی آوازیں اب چاروں طرف سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور پھر دفعتاً وہ چونک گئی۔ دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور چھلانگ لگا کر باہر آ گئی۔ اس کے فوراً ہی بعد دروازہ دھڑ کی آواز سے بند ہو گیا۔

نایاب بدحواسی میں لڑکھڑا کر برآمدے میں گر گئی۔ یہ غنیمت تھا کہ اسے کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔ وہ اندھیرے سے آئی تھی اور باہر دھوپ کی چمک میں اس کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ چند سیکنڈ گزر گئے اور پھر دفعتاً اسے سناٹے کا احساس ہوا۔ چیخوں کی آوازیں اب سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگی۔ دروازہ بند تھا اور اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور باہر کی طرف دیکھنے لگی۔ تیز دھوپ میں آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔ وہ چند لمحے آنکھیں پٹ پٹاتی رہی اور اٹھ کر برآمدے سے نیچے آ گئی اور پھر جھاڑیوں میں تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی حویلی کے پھاٹک کی طرف چلنے لگی۔

پھاٹک سے باہر آ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ دور دور تک کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ ٹیلے سے اتر کر کھیتوں میں پگڈنڈی پر دوڑنے لگی۔

اس کا سانس پھول گیا۔ بہت دور جا کر وہ ایک درخت کے نیچے رک گئی۔ وہ پسینے میں شرابور ہو رہی تھی۔ اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تیز چلچلاتی ہوئی دھوپ میں حویلی ایک ہیولے کی طرح نظر آ رہی تھی۔

نایاب بہت دیر بعد اپنے حواس پر قابو پا سکی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر درخت کے نیچے کھڑی گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔ ٹھنڈی ہوا کا بڑا خوشگوار اثر ہوا تھا۔ اس کے حواس بحال ہوئے تو وہ ایک بار پھر اس پراسرار حویلی کی طرف دیکھنے لگی۔ چلچلاتی تیز دھوپ سے یوں لگ رہا تھا جیسے حویلی کے چاروں طرف الاؤ سے دہک رہے ہوں۔ لپٹیں سی اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

حویلی کی طرف دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ وہ عورت کون تھی جسے حویلی میں قتل کر دیا گیا تھا اور قتل کی یہ واردات اس کے وہاں پہنچنے سے چند منٹ پہلے ہی ہوئی تھی۔ اس نے راہداری میں قدموں کی آواز ضرور سنی تھی لیکن کسی کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دیئے تھے۔ نایاب سوچ رہی تھی کہ قاتل کون ہو سکتا تھا اور وہ عورت کون تھی؟ اسے گاؤں میں آئے ہوئے کئی روز ہو چکے تھے۔ گاؤں کی سب ہی عورتیں اس سے مل چکی تھیں اور تقریباً سب ہی کو وہ پہچانتی بھی تھی لیکن اس عورت کا چہرہ اس کیلئے بالکل اجنبی تھا۔

اور پھر وہ پراسرار سرگوشیاں! پہلے تو وہ یہ سمجھی تھی کہ وہ عورت زندہ ہے لیکن وہ واقعی ختم ہو چکی تھی اور وہ پراسرار سرگوشیاں اسے سنائی دے رہی تھیں۔ ان سرگوشیوں سے یہ انکشاف بھی ہوا تھا کہ اس کا نام ہاجرہ تھا اور وہ گاؤں کے موچی کی بیٹی تھی جسے دھوکے سے اس حویلی میں لا کر اس کی آبروریزی کرنے کے بعد اسے قتل کر دیا گیا تھا لیکن قاتل کون تھا؟ یہ بات ان خوفناک چیخوں کی وجہ سے راز ہی رہ گئی تھی۔

نایاب کا خیال تھا کہ گاؤں والوں کو اس قتل کی اطلاع دینی چاہئے تاکہ پتہ چل سکے کہ ہاجرہ کا قاتل کون ہے؟ یہ سوچ کر وہ کھیتوں میں پگڈنڈی پر تیزی سے چلنے لگی۔

اچانک ہی اسے ایک اور خیال آ گیا۔ سب سے پہلے سکندر کو بتانا چاہئے۔ وہ رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر وہ ایک اور پگڈنڈی پر مڑ گئی۔ ملک صاحب کا ڈیرہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ چند منٹ میں وہاں پہنچ گئی۔ لیکن نہ تو سکندر ڈیرے پر موجود تھا اور نہ ہی

ملک صاحب۔ رسول بخش نے بتایا کہ ملک صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور سکندر انہیں لے کر گاؤں چلا گیا تھا۔

نایاب تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلنے لگی۔ تیز اور چلچلاتی دھوپ میں اس کا دماغ پگھلا ہو رہا تھا۔ وہ پسینے میں شرابور ہو رہی تھی لیکن رکے بغیر چلتی رہی۔ اب اسے یہ پریشانی بھی ہو رہی تھی کہ ملک صاحب کو کیا ہو گیا تھا؟

گاؤں پہنچنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی۔ جب وہ حویلی میں داخل ہوئی تو وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ نایاب کا دل یکبارگی دھڑک اٹھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

ملک صاحب بستر پر پڑے ہوئے تھے۔ سکندر کے علاوہ سکینہ، نرگس اور عذرہ بھی موجود تھیں۔ دو عورتیں اور دو آدمی بھی تھے۔ ان میں ایک گاؤں کا ڈاکٹر تھا جو پلنگ کے ساتھ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا ہوا انکل کو۔ کیا ہو گیا انہیں۔" نایاب آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

"خیر ہے بہن۔" سکندر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ڈیرے پر کام کرتے ہوئے اچانک ہی سینے میں درد اٹھا تھا۔ میں انہیں گھر لے آیا۔ یہ اپنے ڈاکٹر صاحب ہیں۔ انہوں نے انجکشن لگا دیا ہے۔ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

سینے میں درد سے نایاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ معاملہ دل کا ہے۔ وہ ملک صاحب کی طرف دیکھنے لگی۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر کرب کے تاثرات تھے لیکن کچھ ہی دیر بعد ان کا چہرہ پرسکون ہوتا چلا گیا۔ پلنگ کے قریب کرسی پر بیٹھے ہوئے ڈاکٹر نے ایک بار پھر انہیں دیکھا اور سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اب پریشانی کی کوئی بات نہیں ملک جی! میں نے انجکشن لگا دیا ہے۔ ابھی دوا بھجوا دوں گا لیکن ایک بات کا خیال رکھئے۔ انہیں اب مکمل آرام کی ضرورت ہے لیکن کل صبح آپ انہیں نور پور ضرور لے جایئے۔ ڈاکٹر رفیق کو دکھا دیجئے۔ ان معاملات میں لاپرواہی خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔"

"میں انہیں صبح سویرے ہی ڈاکٹر رفیق کے پاس لے جاؤں گا۔" سکندر نے کہا۔ پھر قریب کھڑے ہوئے دوسرے آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اوئے شیرے تم ڈاکٹر

صاحب کے ساتھ جاؤ اور دوا لے آؤ۔ استعمال کا طریقہ بھی سمجھ لینا اچھی طرح۔"

"اچھا جی۔" شیرے نے جواب دیا۔

ڈاکٹر چلا گیا۔ نایاب نے سکینہ اور نرگس وغیرہ کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ ملک صاحب کی طرف دیکھنے لگی۔ اب انہوں نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے ابا جی؟" سکندر نے آگے جھک کر پوچھا۔

"ٹھیک ہوں بیٹا۔" ملک صاحب نے جواب دیا۔ ان کی آواز بے حد کمزور تھی۔ "کیا ہوا تھا۔ یہ سب لوگ یہاں کیوں جمع ہیں؟"

"کچھ نہیں ابا جی۔ آپ کی طبیعت خراب ہونے کا سن کر یہ لوگ آ گئے ہیں۔" سکندر نے کہا' پھر سکینہ وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "جاؤ تم لوگ اپنا کام کرو—— اور ان سب لوگوں کو بھی بھیج دو۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابا جی اب ٹھیک ہیں۔"

سکینہ اور نرگس تو باہر نکل گئیں مگر عذرہ وہیں کھڑی رہی۔ نایاب بھی ڈاکٹر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ ملک صاحب نے اس کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

ملک صاحب شاید سو گئے تھے۔ سکندر اور نایاب کمرے سے باہر آ گئے۔ عذرہ وہیں بیٹھی رہی۔ صحن میں اب بھی کچھ لوگ موجود تھے۔ وہ سکندر سے ملک صاحب کے بارے میں پوچھنے لگے۔ سکندر ان سب کو تسلی دے رہا تھا۔

نایاب اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ ملک صاحب کی طبیعت خراب ہوئی تھی تو گاؤں کے لوگ جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ یہ ملک صاحب کا حسن اخلاق تھا۔ انہوں نے سب سے محبت کا سلوک کیا تھا اور انہیں ذرا سی تکلیف ہوئی تھی تو لوگ تڑپ اٹھے تھے۔

نایاب نے سکندر سے پوچھا تو اس نے کہا۔

"بیٹھے بیٹھے اچانک ہی سینے میں تکلیف شروع ہو گئی تھی۔ وہ تو گھر آنے پر تیار نہیں تھے۔ میں زبردستی لے آیا اور ڈاکٹر کو بلا لیا۔ ڈاکٹر سیانا آدمی ہے۔ وہ فوراً ہی سمجھ گیا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر دیر ہو جاتی تو معاملہ بگڑ سکتا تھا۔"

"کیا انکل کو پہلے بھی کبھی ایسی تکلیف ہوئی تھی؟" نایاب نے پوچھا۔

"نہیں۔ پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے۔" سکندر نے جواب دیا۔

"دل کی تکلیف بڑی خطرناک ہوتی ہے سکندر بھائی!" نایاب نے کہا۔ "اب آپ انکل کو بالکل کوئی کام نہ کرنے دیں۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"میں نے تو کئی مرتبہ کہا ہے کہ آرام سے گھر پر بیٹھے رہا کریں لیکن ابا جی مانتے ہی نہیں۔"

نایاب نے مزید کوئی بات نہیں پوچھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ سکندر کو پرانی حویلی میں اس عورت کے قتل کے بارے میں بتائے یا نہیں' پھر اس نے فی الحال خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ یہ لوگ خود اپنی پریشانی میں تھے۔ وہ اس لاش کا قصہ سنا کر انہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کچھ سکون ہو جائے تو بات کرے گی۔ ویسے بھی اس وقت گھر میں بہت سی عورتیں جمع تھیں۔

اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ اس گڑبڑ کی وجہ سے ابھی تک کھانا کسی نے نہیں کھایا تھا۔ نایاب کو بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی لیکن وہ کھانا مانگتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ مگر کچھ دیر بعد جب سکینہ نے اسے باورچی خانے میں بلایا تو اس کی جان میں جان آئی۔

"تمہیں بھوک لگ رہی ہو گی۔ یہیں بیٹھ کر کھانا کھا لو۔ میں عذرہ اور نرگس کو بھی یہیں بھیج دیتی ہوں۔" سکینہ نے کہا۔

"آپ بھی تو کھا لیجئے بھابی۔" نایاب نے کہا۔

"تم لوگ کھا لو میں بعد میں کھا لوں گی۔" سکینہ کہتے ہوئے باہر چلی گئی۔ چند منٹ بعد نرگس اور عذرہ بھی آ گئیں۔ باورچی خانہ خاصا کشادہ تھا۔ وہ تینوں پیڑھیوں پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگیں۔

ان کے بعد سکندر اور سکینہ نے بھی کچن ہی میں بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔ عذرہ' ملک صاحب کے کمرے میں جا کر بیٹھ گئی تھی۔ نرگس اور سکینہ کام کاج میں مصروف ہو گئیں اور نایاب برآمدے میں سکندر کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔

"سکندر بھائی۔ میں اس وقت ایک عجیب سی صورتحال سے دو چار ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے اس وقت اس قسم کی کوئی بات کرنی چاہئے یا نہیں۔" نایاب نے سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔

"کوئی خاص بات ہے۔" سکندر نے پوچھا۔

"ہاں۔" نایاب نے کہا۔ "میں آج کھیتوں میں گھومتی ہوئی ٹیلے والی پرانی حویلی کی طرف چلی گئی تھی۔"

سکندر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "وہ تو آسیب زدہ حویلی ہے۔ تمہیں کسی نے اس طرف جاتے ہوئے روکا نہیں؟"

"کھیتوں میں کام کرنے والے ایک مزارع نے مجھے اس طرف جانے سے منع کیا تھا لیکن تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں حویلی کے اندر چلی گئی۔" نایاب نے جواب دیا۔

"تمہارا یہ تجسس کسی روز تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا نہ کر دے۔" سکندر بولا۔

"آئندہ اس حویلی کی طرف مت جانا۔ عرصہ سے ویران پڑی ہے۔ وہاں آسیبوں نے ڈیرہ جما رکھا ہے۔ گاؤں کے لوگ تو اس کے قریب بھی نہیں جاتے۔"

"میں حویلی کے اندر گھومی ہوں۔" نایاب نے کہا۔ "مجھے وہاں کوئی آسیب نظر نہیں آیا۔ البتہ۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"البتہ کیا؟" سکندر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہاں ایک قتل ہو گیا ہے۔" نایاب نے کہا۔

"کیا۔۔۔؟" سکندر اچھل پڑا۔

"کسی نے ایک عورت کو حویلی میں لے جا کر قتل کر دیا ہے۔ میں نے اس کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ بلکہ اس سے بہنے والے خون کو بھی چھو کر دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے میرے وہاں جانے سے چند منٹ پہلے کسی نے اسے قتل کیا تھا۔" نایاب نے کہا۔

"تم دھوپ میں پھرتی رہی ہو۔ میرا خیال ہے تمہارے دماغ پر گرمی کا اثر ہو گیا ہے۔ جاؤ نلکے کے نیچے بیٹھ کر سر پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔" سکندر نے کہا۔

"میرے دماغ پر گرمی کا اثر نہیں ہوا سکندر بھائی!" نایاب نے کہا۔ "میں نے اپنی آنکھوں سے اس لاش کو دیکھا ہے۔ اس عورت کا نام ہاجرہ تھا۔ وہ گاؤں کے موچی نور دین کی بیٹی ہے۔ آپ میرے ساتھ چل کر لاش تو دیکھ لیں پھر پولیس کو اطلاع دی جائے۔"

"ہاجرہ۔۔۔ نور دین موچی۔۔۔" سکندر بڑبڑا کر رہ گیا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" وہ الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس نے یہی نام بتایا تھا۔" نایاب بولی۔

"لاش نے؟" سکندر بولا۔

"نہیں۔" نایاب نے کہا۔ "جب میں اس لاش کے قریب کھڑی تھی تو کوئی نسوانی آواز سرگوشیوں میں مجھے بتا رہی تھی کہ میرا نام ہاجرہ ہے۔ وہ مجھے دھوکے سے حویلی میں لے کر آیا تھا۔ میں اپنے بچاؤ کی کوشش کرتی رہی لیکن وہ اپنے گھناؤنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ میں چیختی رہی لیکن کوئی میری مدد کو نہیں آیا۔ مجھے طاقچے میں رکھا ہوا خنجر مل گیا۔ میں نے خنجر سے اس پر وار کیا۔ اس کا کندھا زخمی ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر مجھ سے خنجر چھین لیا اور مجھ پر پے در پے حملے کرنے لگا۔" نایاب چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کھیت میں سرسوں کا ساگ توڑ رہی تھی کہ اس نے آ کر کہا کہ میری ماں سیڑھیوں سے گر پڑی ہے اور مجھے بلایا ہے۔ میں اس کے ساتھ حویلی میں آ گئی اور تب مجھے پتہ چلا کہ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ اس کے گھر والے نور پور گئے ہوئے تھے اور میری ماں بھی ان کے ساتھ چلی گئی تھی۔"

"نایاب۔" سکندر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "یہ تو تم مجھے ستر اسی سال پرانی کہانی سنا رہی ہو اور اس کے باوجود تم۔۔۔"

"سکندر بھائی۔" نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "نہ تو مجھے کوئی وہم ہوا ہے اور نہ ہی کوئی خواب دیکھا ہے۔ جب میں حویلی میں تھی تو کچھ پراسرار باتیں ضرور ہوئی تھیں لیکن وہ لاش میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور اس کے جسم سے بہنے والے خون کو چھو کر دیکھا تھا۔ گرم گرم اور تازہ خون۔"

"کیا نام بتایا تھا تم نے۔۔۔ ہاجرہ اور نور دین موچی؟" سکندر بولا۔

"جی ہاں۔۔۔ یہی نام بتائے تھے۔" نایاب نے کہا۔

"ہمارے گاؤں میں دو موچی ہیں۔ ایک کا نام حسین بخش اور دوسرے کا غلام محمد گاما۔۔۔ نور دین گامے کا دادا تھا اور ہاجرہ اس کی بیٹی۔ ان دونوں کو مرے ہوئے ستر اسی سال ہو چکے ہیں۔ یہ حو تم نے کہانی سنائی ہے نا یہ اتنی ہی پرانی ہے۔ تمہیں شاید ابھی تک اس پرانی حویلی کے بارے میں کسی نے کچھ بتایا نہیں۔"

"مجھے تھوڑا بہت آج ہی معلوم ہوا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "میرے سسر چوہدری

امانت علی کے باپ کی جوانی کے دور میں اس حویلی میں کسی عورت کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اس عورت کی روح نے انتقام لینے کیلئے پہلے اس کے بیٹے اور پھر بیٹی کو مار ڈالا اور اس کے بعد وہ لوگ حویلی خالی کر کے گاؤں میں منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد وہ حویلی ویران ہو گئی اور وہاں بھوت پریت نے ڈیرے جما لئے۔ یہی کہانی تھی؟"

"ہاں۔" سکندر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن تمہیں شاید یہ نہیں بتایا گیا کہ حویلی میں قتل ہونے والی عورت نور دین موچی کی جوان بیٹی ہاجرہ تھی۔ اس کی موت کے اگلے ہی روز نور دین موچی نے بھی گلے میں پھندہ ڈال کر خودکشی کر لی۔ وہ غیرت مند آدمی تھا اور اس ذلت و رسوائی کو برداشت نہیں کر سکا تھا۔"

"اس لڑکی کو قتل کس نے کیا تھا؟" نایاب نے پوچھا۔

"سننے میں تو یہی آیا ہے کہ چوہدری امانت علی کا باپ چوہدری صداقت علی اس لڑکی کو دھوکے سے حویلی میں لے گیا تھا اور اس کی آبرو ریزی کرنے کے بعد اسے قتل کر دیا تھا۔ لیکن یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ چوہدری صداقت نے اس الزام کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اس روز حویلی میں نہیں تھا۔ اس کے دو تین مزارعوں نے اگرچہ یہ گواہی دی تھی کہ چوہدری اس روز سارا دن ڈیرے پر رہا تھا لیکن کسی نے یہ بات نہیں مانی اور چوہدری کو مورد الزام ٹھہراتے رہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "سنا ہے ہاجرہ بڑی سوہنی لڑکی تھی۔ وہ اس گاؤں ہی کی نہیں بلکہ پورے علاقے میں سب سے زیادہ حسین تھی۔ وہ تھی تو موچی کی بیٹی مگر ہاجرہ کیلئے بڑے بڑے زمینداروں کے گھروں سے رشتے کے پیغام آ رہے تھے۔ مگر نور دین کسی بڑے گھر میں بیٹی کا رشتہ کرتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ اسے اپنی اوقات کا علم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ محض ہاجرہ کے حسن کی وجہ سے اس کیلئے بڑے گھروں سے رشتے آ رہے ہیں۔ شادی کے بعد بھی اس کی عزت نہیں ہو گی۔ وہ اپنی برادری میں رشتہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کوئی ایسا لڑکا نہیں تھا جس کے دامن سے وہ اپنی بیٹی کا پلو باندھ سکتا۔ بالآخر فتح پور میں ایک لڑکے سے اس کا رشتہ طے ہو گیا۔ وہ شادی کے انتظامات کر رہا تھا کہ اس دوران یہ واقعہ پیش آ گیا۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ چوہدری صداقت بھی ہاجرہ پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ وہ اس سے شادی تو نہیں کر سکتا تھا البتہ موقع ملتے ہی اس نے اپنی ہوس پوری کر لی اور ہاجرہ کو موت کے

گھاٹ اتار دیا۔ ہاجرہ کی روح اب بھی حویلی میں بھٹک رہی ہے۔ وہ چوہدری صداقت کے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کو موت کے گھاٹ اتار چکی ہے لیکن شاید اس کا انتقام پورا نہیں ہوا۔ اس حویلی کی طرف کوئی نہیں جاتا۔ تم نے حویلی میں جو لاش دیکھی تھی وہ لاش نہیں تھی۔ بلکہ ــــ"

"نہیں سکندر بھائی۔" نایاب نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ لاش ہی تھی۔ آپ یقین کیجئے وہ لاش تھی۔ آپ خود میرے ساتھ چل کر دیکھ لیجئے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں تاکہ تمہاری تسلی ہو جائے لیکن پہلے میں ابا جان کو دیکھ لوں۔"

"ٹارچ بھی لے لیجئے۔ حویلی کے اندر بہت اندھیرا ہے۔ نایاب نے کہا۔

سکندر ملک صاحب کے کمرے میں آ گیا۔ وہ سو رہے تھے۔ سکندر چند لمحے کھڑا باپ کے چہرے کو دیکھتا رہا' پھر اس کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں گھس گیا۔

"سکینہ۔" اس نے چند منٹ بعد باہر آ کر کہا۔ "میں نایاب کے ساتھ جا رہا ہوں۔ خدانخواستہ ابا جان کو کوئی تکلیف ہو تو فوراً ڈاکٹر کو بلا لینا۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟ جلدی آ جائیے گا۔" سکینہ نے کہا۔

"ذرا پرانی حویلی تک جا رہا ہوں۔" سکندر نے جواب دیا۔ "آج نایاب وہاں چلی گئی تھی۔ کہتی ہے اس نے وہاں کسی عورت کی لاش دیکھی ہے' جسے کچھ دیر پہلے قتل کیا گیا ہے۔ میں ذرا اس کی تسلی کرا آؤں کہ اسے وہم ہو گیا ہے۔"

"آپ کو معلوم ہے وہ حویلی آسیب زدہ ہے۔" سکینہ نے کہا۔ "اگر آپ دونوں میں سے کسی کو کچھ ہو گیا تو؟"

"او کچھ نہیں ہوتا۔" سکندر نے کہا۔ "ہم کونسا بھوتوں کا شکار کھیلنے جا رہے ہیں۔ جلد آ جائیں گے۔"

پرانی حویلی گاؤں سے کافی دور تھی۔ انہیں وہاں پہنچنے میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ تیز اور چلچلاتی دھوپ میں چلتے ہوئے نایاب کا دماغ پلپلا ہو گیا تھا۔ سکندر کا کرتا بھی پسینے سے تر ہو کر اس کے جسم کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ وہ ٹیلے پر پہنچ کر درختوں کے نیچے رک گئے۔

نایاب ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ دور کھیتوں میں کسان کام کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے لیکن حویلی کے قریب و جوار میں کوئی نہیں تھا۔ وہ تقریباً دس منٹ درخت کے نیچے کھڑے رہے پھر حویلی کے پھاٹک میں داخل ہو گئے۔

وہ جھاڑیوں سے بچ کر چلتے ہوئے برآمدے میں آ گئے۔ یہاں پہنچ کر نایاب کے دل کی دھڑکن خود بخود تیز ہو گئی تھی۔ اس نے سکندر کی طرف دیکھا۔ سکندر کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ شاید اندر داخل ہوتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔

نایاب نے برآمدے والے دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ باہر اگرچہ آنکھوں کو چکا چوند کر دینے والی تیز دھوپ تھی لیکن اندر کا ماحول نیم تاریک تھا۔ سکندر نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹارچ روشن کر لی اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ اچھل پڑا۔ برآمدے والا دروازہ دھڑکی آواز سے بند ہو گیا تھا۔ اس نے تیز سے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر سر جھٹک دیا دروازہ شاید ہوا سے بند ہوا تھا۔

وہ مڑ کر ٹارچ کی روشنی میں راہداری میں دیکھنے لگا۔ گرد آلود فرش پر نایاب کے جوگرز کے نشان تھے۔ یہی جوگرز وہ اس وقت بھی پہنے ہوئے تھی۔

"کہاں دیکھی تھی تم نے وہ لاش؟" سکندر نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ آواز سرگوشیانہ تھی۔

"اس طرف۔ وہ کمرہ شاید پچھلی طرف ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔

سکندر نے قدم آگے بڑھایا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔ چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ باہر والا دروازہ بند تھا اور چرچراہٹ کی آواز اب بھی آ رہی تھی۔ پھر سناٹا طاری ہو گیا۔

وہ ایک بار پھر آگے بڑھنے لگے۔ سکندر ٹارچ کی روشنی میں فرش پر نایاب کے قدموں کے نشان دیکھتا ہوا چل رہا تھا۔ نایاب بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ وہ بھی اپنے قدموں کے نشان دیکھ رہی تھی۔ پہلے اس نے راہداری میں قدموں کی آواز سنی تھی لیکن اسے گرد آلود فرش پر اپنے علاوہ کسی اور کے قدموں کے نشان دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

بائیں طرف والی راہداری میں مڑنے کے بعد نایاب دائیں طرف والی راہداری میں مڑ گئی۔ اس کے خیال میں اس راہداری میں قدموں کے نشان ضرور ہونے چاہئے تھے لیکن

یہاں بھی صرف اسی کے قدموں کے نشان تھے۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی اور بالآخر وہ اس دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔

سکندر ٹارچ کی روشنی میں دروازے کا جائزہ لے رہا تھا۔ نایاب نے دروازہ کھولنے کیلئے جیسے ہی ہاتھ آگے بڑھایا وہ دونوں اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔ دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ خود بخود کھل گیا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی یخ بستہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ان سے ٹکرایا۔ نایاب اور سکندر ایک لمحہ کو کانپ اٹھے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر نایاب اندر داخل ہو گئی۔ پہلی مرتبہ جب وہ یہاں آئی تھی تو خاصی خوفزدہ تھی لیکن اس وقت سکندر کا ساتھ ہونے کی وجہ سے اس کا خوف بڑی حد تک کم ہو گیا تھا۔

"ادھر۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہتے ہوئے اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کی۔ "وہ لاش اس کمرے میں ہے۔"

سکندر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اس نے روشنی ڈالتے ہوئے ہاتھ کے دباؤ سے دروازہ کھول دیا اور مڑ کر نایاب کی طرف دیکھنے لگا۔ نایاب اس کا بازو پکڑ کر اس کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہو گئی۔

کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ سکندر ٹارچ کی روشنی ادھر ادھر ڈال رہا تھا۔ ٹارچ کی روشنی کے ساتھ ساتھ نایاب کے دیدے بھی گھوم رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔

کمرہ خالی تھا۔ نہ وہاں پلنگ تھا نہ اس عورت کی لاش۔ نایاب کو سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے ٹارچ سکندر کے ہاتھ سے لے لی اور خود اس کی روشنی ادھر ادھر ڈالنے لگی مگر کمرے کے گرد آلود فرش پر اس کے اپنے جوتوں کے نشانات کے علاوہ ایک ننھا تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

نایاب کے دماغ میں تیز سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور وہ پھٹی پھٹی سی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ سکندر سے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ کمرہ ایک دم نسوانی چیخوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ جیسے کسی عورت کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ وہ دونوں اچھل پڑے۔ سکندر نے نایاب کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا۔

وہ راہداری میں بھی دوڑتے رہے۔ چیخوں کی آواز چاروں طرف سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ سکندر بزدل نہیں تھا لیکن وہ بھی ڈر گیا تھا۔

باہر والا دروازہ کھول کر وہ برآمدے میں آ گئے۔ تیز دھوپ میں ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ چند سیکنڈ بعد ان کی آنکھیں دن کی تیز روشنی سے مانوس ہوئیں تو نایاب کو ایک بار پھر سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ حویلی کے پھاٹک کی طرف دیکھ رہی تھی' جہاں چوہدری سعادت اور بگا کھڑے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور وہ دونوں ان کے نشانوں کی زد پر تھے۔ نایاب نے سکندر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

"اب تو تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا مکا!" سعادت نے چیخ کر کہا اور بگے کو اشارہ کیا۔

ان دونوں نے بیک وقت رائفلوں کے ٹریگر دبا دیئے اور پھر اچانک ہی وہ پراسرار بوڑھا نجانے کہاں سے نکل کر ان کے سامنے آ گیا۔

فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ چوہدری سعادت اور بگا کی رائفلوں سے نکلنے والی گولیاں اس بوڑھے کے جسم میں پیوست ہو رہی تھیں جو اچانک ہی ان کے سامنے آ گیا تھا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر وہ بوڑھا گولیاں کھا کر نہ تو رکا اور نہ گرا۔ اس کے برعکس وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

ملک سکندر نے چوہدری سعادت کو دیکھتے ہی نایاب کو پکڑ کر ایک طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ برآمدے کا ستون اتنا بڑا نہیں تھا کہ وہ دونوں اس کی آڑ میں پناہ لے سکتے۔ وہ گرد آلود فرش پر گرے تھے۔ نایاب سکندر کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ سکندر نے گرتے ہوئے خود ہی اپنے آپ کو نایاب کے اوپر لادا تھا تاکہ کوئی گولی لگے تو اسے لگے اور نایاب محفوظ رہے۔ سکندر کا خیال تھا کہ وہ دونوں ہی گولیوں سے چھلنی ہو جائیں گے۔ لیکن اس بوڑھے کو درمیان میں آتے دیکھ کر وہ حیرت زدہ سا رہ گیا تھا اور زیادہ حیرت تو اس وقت ہوئی تھی جب وہ بوڑھا لاتعداد گولیاں کھانے کے باوجود آگے بڑھ رہا تھا۔

حویلی کے پھاٹک میں کھڑے ہوئے چوہدری سعادت اور بگا اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔ چوہدری سعادت نے سکندر اور نایاب کو برآمدے والے دروازے سے برآمد ہوتے دیکھ کر جب رائفل تانی تھی تو وہ بہت خوش تھا کہ آج یہ دونوں قابو میں آ گئے ہیں اور بچ کر نہیں جا سکیں گے۔ تقریباً" آدھا گھنٹہ پہلے اس کے ایک مزارع نے اطلاع دی تھی کہ نایاب اور ملک سکندر پرانی حویلی میں گئے ہیں اور وہ بگا کو لے کر یہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ان دونوں کو ختم کر کے لاشیں حویلی کے اندر پھینک دے گا۔ یہ حویلی آسیب زدہ مشہور تھی۔ کوئی اس کے اندر جانے کی جرات نہیں کرے گا۔ نایاب کا کانٹا اس کے راستے سے ہمیشہ کے لئے نکل جائے گا اور ملک سکندر کو بھی نایاب سے ہمدردی کی سزا مل جائے گی۔

چوہدری سعادت کی انگلی رائفل کے ٹرائیگر پر تھی۔ اس نے ملک سکندر کو للکارا اور ٹرائیگر دبانا ہی چاہتا تھا کہ اچانک ہی وہ بوڑھا سامنے آگیا۔ اسے حیرت ہوئی تھی کہ وہ بوڑھا کہاں سے نمودار ہوا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ بوڑھے کو درمیان سے ہٹنے کا موقع دے۔ لیکن پھر یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ زندہ بچ جانے والا یہ بوڑھا اس کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔ اس نے اشارہ کیا اور رائفل کا ٹرائیگر دبا دیا۔

چوہدری سعادت کا خیال تھا کہ پہلی گولی لگتے ہی بوڑھا ڈھیر ہو جائے گا اور انہیں سکندر اور نایاب کو بھی نشانہ بنانے میں دشواری پیش نہیں آئے گی۔ لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب بوڑھا گولیاں کھاکر بھی آگے بڑھتا رہا۔

سعادت اور بگا کے نشانے خطا نہیں گئے تھے۔ ان کی رائفلوں سے نکلنے والی تمام گولیاں اس بوڑھے کے جسم میں پیوست ہو رہی تھیں اور اس کے باوجود وہ بوڑھا جھاڑیوں میں تیزی سے چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

چوہدری سعادت کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ بوڑھے پر گولیوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ مسلسل آگے بڑھتا آرہا تھا۔ دفعتاً سعادت کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ یہ بوڑھا کوئی آسیب تو نہیں۔ اس نے غور سے بوڑھے کی طرف دیکھا۔ اس نے پہلے کبھی اس بوڑھے کو گاؤں میں یا آس پاس کی کسی بستی میں نہیں دیکھا تھا۔ یہ چہرہ پہلی بار نظر آیا تھا۔ یہ خیال اس کے ذہن میں جڑ پکڑتا گیا کہ یہ بوڑھا کوئی انسان نہیں ہو سکتا۔ بےاختیار الفطرت ہستی ہے جس پر گولیوں کا اثر بھی نہیں ہو رہا۔

اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ آنکھوں میں اب خوف ابھر آیا تھا۔ بوڑھا ان کے بالکل قریب پہنچ رہا تھا۔ سعادت نے بوڑھے کو رائفل کی زد پر لے کر ایک اور باڑ ماری مگر اس مرتبہ بھی نتیجہ صفر ہی نکلا۔ بوڑھا مسلسل آگے آرہا تھا۔ ایک انجانا سا خوف سعادت پر غالب آرہا تھا۔ اس نے بگا کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا اور دونوں مڑکر بھاگ نکلے۔

نایاب اور سکندر برآمدے کے گرد آلودہ فرش پر پڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ سعادت اور بگا کو راہ فرار اختیار کرتے دیکھ کر سکندر کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ نایاب بھی گہرا سانس لیتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ان دونوں

نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر برآمدے سے نکل کر پھاٹک کی طرف دوڑے۔ پھاٹک سے باہر نکل کر وہ رک گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ سعادت اور بگا ٹیلے سے اتر کر کھیتوں میں پہنچ چکے تھے اور اس طرح دوڑے جا رہے تھے جیسے جہنم کی بلائیں ان کا پیچھا کر رہی ہوں اور سکندر کو حیرت اس بات کی تھی کہ ان کے تعاقب میں کوئی نہیں تھا۔ حالانکہ اس نے اس بوڑھے کو بھی حویلی کے پھاٹک سے نکل کر ان کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن اب وہ بوڑھا نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

ٹیلے پر ٹاہلی اور پیپل کے درختوں کی بہتات تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ بوڑھا ان درختوں کی آڑ میں ہو لیکن وہ پراسرار بوڑھا کہیں بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔

نایاب بھی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ ٹیلے سے اترنے لگی۔ اس کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ بوڑھا کہیں درختوں کی آڑ میں ہوگا لیکن وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ وہ ایک جگہ رک گئی۔ سکندر بھی اس کے قریب پہنچ گیا۔

"یہ تو بڑی حیرت کی بات ہوئی۔" وہ بولا "یہ بوڑھا پتہ نہیں کون تھا۔ کہاں سے آیا اور کہاں چلا گیا۔ لیکن اس کی وجہ سے ہماری جان بچ گئی ورنہ چوہدری سعادت اور بگا تو آج ہم دونوں کو بھون ہی ڈالتے۔"

"یہ وہی بوڑھا تھا سکندر بھائی۔" نایاب نے کہا۔ "وہی بوڑھا جسے میں نے اس روز مسلیوں کی جھگیوں کے قریب کار سے اتارا تھا اور بعد میں جھگی والوں سے معلوم کرنے پر پتہ چلا تھا کہ وہاں اس حلیے کا کوئی شخص نہیں رہتا۔"

"لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا یہاں کہاں سے آگیا۔" سکندر نے کہا۔ "مجھے تو اس کے اس طرح غائب ہو جانے پر حیرت ہو رہی ہے۔" اس نے کہتے ہوئے ایک بار پھر کھیتوں کی طرف دیکھا۔ چوہدری سعادت اور بگا بہت دور جا چکے تھے۔ کھیتوں میں دور دور تک ان دونوں کے علاوہ اور کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

"حویلی میں اس عورت کی لاش کے بارے میں تمہاری تسلی ہوگئی نا۔" سکندر نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ سب تمہارا وہم ہے۔ یہ آسیب زدہ حویلی ہے۔ اس قسم کی باتیں اکثر سننے میں آتی ہیں اور اسی وجہ سے کوئی شخص اس طرف آنے کی ہمت نہیں کرتا۔ تم نے حماقت کی تھی جو اکیلی یہاں آگئی تھیں اور اس سے

بڑی حماقت تو مجھ سے ہوئی جو تمہارے ساتھ یہاں چلا آیا۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ اس بوڑھے کی وجہ سے ہماری جان بچ گئی۔ پتہ نہیں کون تھا وہ خدا کا بندہ..... بہرحال' چلو..... اب واپس چلیں۔"

"کیا آپ کو اس بات پر حیرت نہیں کہ میں اس پراسرار بوڑھے کی وجہ سے دو مرتبہ مرتے مرتے بچی ہوں۔" نایاب نے کہا۔ "پہلی مرتبہ اس وقت جب نور پور سے واپس آتے ہوئے میں نے اسے کار میں بٹھا لیا تھا اور سامنے لگے ہوئے آئینے میں سانپ کا عکس دیکھ کر اسٹیئرنگ میرے ہاتھ سے چھوٹا تھا اور کار کا رخ مڑجانے کی وجہ سے میں گولیوں کی زد میں آنے سے بچ گئی تھی۔ اس وقت بھی یہ بوڑھا حیرت انگیز طور پر غائب ہوگیا تھا اور آج....." وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھربات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "آج بھی جو کچھ ہوا آپ نے دیکھ لیا۔ آج بھی اس کی وجہ سے ہم بچ گئے۔"

"ہم اب تک دوسری باتوں پر غور کرتے رہے ہیں لیکن ایک بات پر دھیان نہیں دیا۔" سکندر بولا۔

"یہ کیا.....؟" نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ بوڑھا ہمیں بچانے کے لئے سامنے آگیا تھا اور تمام گولیاں اس کے جسم میں لگی تھیں لیکن نہ تو وہ زخمی ہوا اور نہ مرا۔ اس کے جسم سے خون کا ایک قطرہ تک ٹمیں ٹپکا اور وہ اس طرح چوہدری سعادت کے پیچھے بھاگا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اب مجھے شبہ ہی نہیں یقین ہو رہا ہے کہ وہ بوڑھا انسان نہیں کوئی ہوائی چیز ہے۔ کوئی مافوق الفطرت ہستی۔ جسے قدرت نے دونوں مرتبہ تمہاری مدد کے لئے بھیج دیا تھا۔ بہرحال' اب چلو۔ دیر ہو رہی ہے۔ مجھے اباجی کی طرف سے بھی پریشانی ہے۔"

"لیکن سکندر بھائی وہ لاش ..... میں نے حویلی میں اس لاش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس کے جسم سے بہنے والے خون کو بھی انگلی کی پور سے چھو کر دیکھا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ وہ لاش کہاں غائب ہوگئی۔"

"اب اس لاش کو ذہن سے نکال دو۔" سکندر اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔ "میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ حویلی آسیب زدہ ہے اور وہ سب کچھ تمہارا وہم تھا۔"

"لیکن وہ سرگوشیاں....." نایاب بولی۔ "بہرحال ..... میں معلوم کروں گی کہ وہ عورت

کون تھی اور اسے کن حالات میں قتل کیا گیا تھا اور اس کا قاتل کون تھا؟"

"معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" سکندر نے کہا۔ "سب جانتے ہیں کہ گاؤں کے موچی نوردین کی بیٹی حاجرہ کو دھوکے سے اس حویلی میں لا کر قتل کر دیا گیا تھا۔ ان سرگوشیوں نے تمہیں بھی تو یہی بتایا تھا۔"

"لیکن قاتل کا نام نہیں بتایا تھا۔" نایاب نے کہا۔ وہ چلتے چلتے رک گئی اور دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے حیرت زدہ لہجے میں بولی۔ "ارے وہ دیکھئے سکندر بھائی۔ وہ بوڑھا اس طرف جا رہا ہے۔"

سکندر نے مڑ کر دیکھا۔ تقریباً" دو سو گز کے فاصلے پر کھیتوں میں پگڈنڈی پر ایک بوڑھا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی جس سے چلتے ہوئے وہ سہارا لے رہا تھا۔ دور سے اس کا چہرہ تو نظر نہیں آرہا تھا لیکن حلیہ وہی تھا جو سکندر نے کچھ دیر پہلے حویلی کے کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا۔ حویلی میں اس نے بوڑھے کو برق رفتاری سے سعادت کے پیچھے دوڑتے ہوئے دیکھا تھا لیکن کھیتوں میں نظر آنے والا وہ بوڑھا لاٹھی کے سہارے بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

"لگتا تو وہی ہے لیکن ....."

"آیئے دیکھتے ہیں۔" نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس سے پوچھتے ہیں کہ وہ کون ہے اور اس طرح اچانک کہاں غائب ہوگیا تھا۔"

سکندر کا جواب سننے سے پہلے ہی نایاب اس طرف مڑگئی تھی۔ مجبوراً" سکندر کو بھی اس کے پیچھے جانا پڑا۔ سکندر پگڈنڈی پر چلتے ہوئے بھی اسی طرح بوڑھے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ بوڑھا کھیتوں میں پیپل کے ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ وہ شاید تھک گیا تھا۔ کیونکہ وہ آہستہ آہستہ نیچے بیٹھ رہا تھا۔

نایاب اور سکندر تقریباً" تین منٹ بعد وہاں پہنچے تھے۔ لیکن ان دونوں کو یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ وہ بوڑھا وہاں نہیں تھا۔ سکندر کا دماغ چکرا گیا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اس بوڑھے کو پیپل درخت کے تنے سے ٹیک لگاتے اور پھر بیٹھتے ہوئے دیکھا تھا لیکن اب وہ اس طرح غائب تھا جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہ رہا ہو۔

نایاب بھی حیرت سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ کھیتوں میں پودے بھی زیادہ بڑے

نہیں تھے جس سے یہ سمجھا جاتا کہ وہ بوڑھا کسی کھیت میں چلا گیا ہوگا۔

"مجھے اب تمہاری طرف سے ڈر لگنے لگا ہے نایاب۔" سکندر بولا۔ "پتہ نہیں تم کس چکر میں پھنستی جا رہی ہو۔ چلو ....اب جلدی سے یہاں سے چلو۔"

وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ نایاب سوچ رہی تھی کہ وہ پراسرار بوڑھا کون تھا۔ اس روز کار میں بھی اس کی وجہ سے وہ بچ گئی تھی اور آج بھی وہ بوڑھا اس کے اور موت کے بیچ میں آ گیا تھا۔ کیا واقعی وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی تھا یا یہ سب کچھ اس کا وہم تھا یا خواب!

"سکندر بھائی۔" نایاب نے چلتے چلتے کہا۔ وہ گاؤں کے قریب پہنچ رہے تھے۔ "وہ زمین اور حویلی چوہدریوں کی ملکیت ہے نا؟"

"ہاں ...." سکندر نے مختصر سا جواب دیا۔

"ان زمینوں میں میرا بھی حصہ ہے جس کے حصول کے لئے میں نے عدالت میں مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔ مقدمے کا فیصلہ ہونے میں تو ابھی وقت لگے گا لیکن اس سے پہلے بھی اگر میں چاہوں تو اپنا حق استعمال کر سکتی ہوں۔"

"کیا مطلب ..... کیا کہنا چاہتی ہو؟" سکندر نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے اگر میں اس حویلی پر قبضہ کرنا چاہوں تو مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا؟" سکندر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم اس حویلی پر قبضہ کرنا چاہتی ہو۔ اس آسیب زدہ حویلی پر .... جس کے بارے میں آج بلکہ ابھی کچھ دیر پہلے تم اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھ چکی ہو۔ کیا کرو گی اس پر قبضہ کر کے؟"

"میں یہاں رہائش اختیار کروں گی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ میں اس اسٹیٹ میں حصے دار ہوں۔ جس طرح وہ جائیداد پر قابض ہیں' میں بھی قبضہ کر سکتی ہوں۔ جب مقدمے کا فیصلہ ہوگا تو یہ بھی طے ہو جائے گا کہ ان لوگوں کو کونسا حصہ ملنا چاہئے اور مجھے کونسا ..... بہرحال' میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس پرانی حویلی کو ابھی سے اپنے قبضے میں لے لوں۔ چوہدری فیملی والے مجھے نہیں

روک سکتے۔"

"چوہدری فیملی والے نہیں روک سکتے لیکن وہاں جو آسیب ڈیرہ جمائے ہوئے ہیں وہ تمہیں ایک گھنٹہ بھی حویلی میں نہیں ٹکنے دیں گے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم یہاں رات رہنے کی نیت سے آؤ تو اگلے دن صبح ہمیں تمہاری لاش اٹھانی پڑے۔" سکندر نے کہا۔

"ایسا نہیں ہوگا سکندر بھائی۔" نایاب نے کہا۔ "حویلی کے آسیب مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔"

"تمہارا تو واقعی دماغ خراب ہوگیا ہے۔" سکندر بولا۔ "لیکن میں تمہیں خودکشی کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"میں ابھی فوری طور پر تو اس حویلی میں منتقل نہیں ہو رہی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "دو چار دن بعد پروگرام بناؤں گی۔"

"اور میرا خیال ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ جب چوہدریوں کو تمہارے ارادے کا پتہ چلے گا تو وہ حویلی کے چاروں طرف پہرہ بٹھا دیں گے اور تمہیں اس کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیں گے۔"

"وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔" نایاب نے جواب دیا۔

"آج بھی سعادت نے جو کچھ کیا وہ تم نے دیکھ لیا۔ اگر وہ پراسرار بوڑھا بیچ میں نہ آ جاتا تو ہم ختم ہو چکے ہوتے۔ کل بھی وہ تمہارے خلاف ایسی کارروائی کر سکتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ قسمت ہر مرتبہ تمہارا ساتھ دے۔" سکندر نے کہا اور چند لمحے خاموشی کے بعد بولا۔ "آج کے واقعہ کے بعد صورت حال کچھ زیادہ ہی سنگین ہوگئی ہے۔ میرا خیال ہے پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع دے دینی چاہئے۔"

"پولیس کو اطلاع دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اب تک کتنے واقعات کی رپورٹ کی جا چکی ہے لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ کچھ بھی نہیں۔ اس روز جس شخص نے مجھ پر حملہ کیا تھا میں نے اس کی نشاندہی کر دی تھی اور پولیس کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے لیکن ابھی تک اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اگر پولیس نے اسے پکڑا ہوتا تو اس کی شناخت کے لئے مجھ سے رابطہ ضرور کیا جاتا لیکن اس طرف ابھی تک خاموشی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ شخص نہیں پکڑا

گیا۔ یہ مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اس لئے آج کے واقعہ کی پولیس کو اطلاع دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"تم غلط سوچ رہی ہو۔" ملک سکندر بولا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ پولیس کو اطلاع دینا ضروری ہے تاکہ یہ بات ریکارڈ پر موجود رہے۔ بعد میں اگر ایسی کوئی بات ہو تو اس کا حوالہ دیا جاسکے۔"

"ہمارے پاس اس واقعہ کا کوئی گواہ بھی نہیں ہے۔ لیکن بہرحال' آپ کہتے ہیں تو پولیس میں رپورٹ لکھوا دیتی ہوں۔" نایاب نے کہا۔

وہ دونوں گاؤں میں داخل ہوچکے تھے۔ گلیوں میں لوگوں کی آمدورفت تھی۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا موضوع بدل دیا اور باتیں کرتے ہوئے حویلی پہنچ گئے۔

ملک صلاح الدین کی طبیعت بستر تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ ایک معمولی سے جھٹکے نے انہیں نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ کمزوری کی وجہ سے وہ برسوں کے بیمار نظر آرہے تھے۔ نایاب اور سکندر ان کے بیڈ کے قریب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"اب کیسی طبیعت ہے انکل آپ کی؟" نایاب نے پوچھا۔ "ٹھیک ہوں بیٹا۔" ملک صاحب نے کمزور سی آواز میں جواب دیا پھر سکندر کی طرف دیکھ کر بولے۔ "کہاں چلے گئے تھے تم لوگ؟"

"تھوڑا سا کام تھا ابا جی۔" سکندر نے جواب دیا۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے آپ کو کئی دفعہ کہا تھا کہ اب آرام کریں' لیکن آپ تو میری کوئی بات مانتے ہی نہیں۔ اب میں آپ کو گھر سے نہیں نکلنے دوں گا۔ آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں' آرام کریں اور اللہ اللہ کریں۔ میں سنبھال لوں گا سارے کام۔"

"آرام سے بیٹھا بھی تو نہیں جاتا بیٹا!" ملک صاحب نے جواب دیا۔

"لیکن اب یہ طے ہے کہ آپ کوئی کام نہیں کریں گے۔" سکندر بولا۔

ملک صاحب خاموش رہے۔ اس دوران عذرہ اندر آگئی۔ وہ لوگ کچھ دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر نایاب اٹھ کر دوسرے کمرے میں آگئی اور بستر پر لیٹ گئی۔ وہ تھکی تھکی سی نظر آرہی تھی۔ آج کے واقعات پر پہلے تو اس نے سنجیدگی سے توجہ نہیں دی تھی لیکن اب سوچتے ہوئے وہ واقعی کانپ اٹھی تھی۔

حویلی کے اندر کے واقعات کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کے پورے جسم میں سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔ صبح جب وہ پہلی مرتبہ حویلی میں داخل ہوئی تھی تو اس نے کمرے میں وہ لاش اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور اس کے سینے سے بہنے والے خون کو بھی چھو کر دیکھا تھا۔ لیکن جب وہ سکندر کے ساتھ حویلی میں داخل ہوئی تو وہاں کچھ نہیں تھا۔ گرد آلود فرش پر اس کے اپنے قدموں کے علاوہ اور کسی کے بھی نشانات نہیں تھے اور اس کمرے میں کوئی چیز نہیں تھی۔ نہ لاش' نہ وہ مسہری۔ نایاب سوچ رہی تھی کہ وہ سب کیا تھا جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا! اس کا وہم یا آسیب۔

اور پھر جب وہ ان چیخوں سے خوفزدہ ہوکر حویلی سے باہر نکلے تھے تو چوہدری سعادت اور بگا کمہار کو رائفلیں تانے دیکھ کر کانپ اٹھی تھی۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ اب اس کی زندگی کے آخری لمحات آن پہنچے ہیں۔ اس وقت اسے افسوس بھی ہوا تھا کہ اس کے ساتھ سکندر بھی بلاوجہ مارا جائے گا۔ لیکن پھر وہ سب کچھ ہوگیا جس کا کبھی وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ وہ پراسرار بوڑھا جھاڑیوں سے نکل کر اچانک ہی سامنے آگیا تھا۔ حالانکہ جھاڑیاں اتنی بڑی نہیں تھیں کہ ان میں کوئی چھپ کر بیٹھ سکتا۔ وہ بوڑھا اچانک ہی جھاڑیوں سے نمودار ہوا تھا اور سعادت اور بگا کمہار کی رائفلوں سے نکلنے والی تمام گولیاں اس بوڑھے کے جسم پر لگی تھیں۔ لیکن وہ بوڑھا گرنے کے بجائے حیرت انگیز تیز رفتاری سے ان دونوں کی طرف لپکا تھا۔

بعد میں نہ تو جھاڑیوں میں کہیں خون نظر آیا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی جگہ نظر آئی تھی جس کے بارے میں سوچا جاسکتا کہ وہ بوڑھا وہاں چھپ کر بیٹھا ہوگا اور پھر وہ بوڑھا اس طرح غائب ہوگیا تھا جیسے اس کا سرے سے وجود ہی نہ رہا ہو اور پھر کھیتوں میں نظر آیا تھا اور جب وہ قریب پہنچے تو وہ پھر غائب ہوگیا۔

وہ پراسرار بوڑھا کون تھا؟ نایاب دیر تک سوچتی رہی لیکن کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

نایاب یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ نرس کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ چند لمحے نایاب کی طرف دیکھتی رہی پھر پلنگ کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیا بات ہے نایاب۔ آج تم چپ سی ہو اور سکندر بھائی بھی خاموش ہیں۔ کہاں

گئے تھے تم لوگ ؟ کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا ؟"

"خاص بات !" نایاب اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ "اب تو ہر بات خاص ہی ہوگی۔"

"اچھا۔ آج کی خاص بات بتا دو۔ کہاں گئے تھے تم لوگ ؟" نرگس نے پوچھا۔

"پرانی حویلی۔" نایاب نے جواب دیا۔

"پرانی حویلی!" نرگس اچھل پڑی۔ "وہ حویلی تو آسیب زدہ ہے۔ لوگ تو اس کے قریب سے گزرتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ تم لوگ وہاں کیوں گئے تھے؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ آج صبح میں اس حویلی میں چلی گئی تھی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہاں کچھ ایسی چیزیں نظر آئیں جنہیں میں حقیقت سمجھی۔ میں نے سکندر بھائی کو بتایا تو وہ میرا مذاق اڑانے لگے۔ میں انہیں مجبور کرکے اپنے ساتھ لے گئی تھی تاکہ میں نے حویلی میں جو کچھ دیکھا تھا انہیں بھی دکھا سکوں۔"

"کیا دیکھا تھا تم نے ؟" نرگس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک خوبصورت لڑکی کی لاش جسے بڑی بیدردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔" نایاب نے جواب دیا۔

"لاش!" نرگس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔

"ہاں۔" نایاب بولی۔ "بہت حسین لڑکی تھی وہ۔ لگتا تھا جیسے اسے میرے وہاں پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے قتل کیا گیا ہو۔ اس کے سینے سے گرم گرم خون بہہ رہا تھا۔ میں نے چھو کر دیکھا تھا اور پھر وہ پراسرار سرگوشیاں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ لڑکی میرے کان میں سرگوشیاں کر رہی ہو۔ اس نے مجھے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ کون ہے۔ اسے کس طرح قتل کیا گیا اور پھر مجھے عجیب سی چیخیں سنائی دیں جیسے کسی عورت کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ میں ڈر کر وہاں سے بھاگ آئی۔ میرا خیال تھا کہ کسی نے لڑکی کو زبردستی اغوا کیا تھا اور اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد اسے قتل کرکے پھینک گیا تھا۔ میں تو اسی وقت سکندر بھائی کو ساتھ لے جانا چاہتی تھی لیکن انکل کی طبیعت خراب ہوگئی اور جب انکل کی طبیعت سنبھلی تو میں سکندر بھائی کو مجبور کرکے اپنے ساتھ لے گئی تاکہ لاش انہیں دکھا کہ نور پور پولیس کو اطلاع دی جائے۔"

"پھر کیا ہوا ..... پولیس کو اطلاع دی ؟" نرگس نے پوچھا۔ اس کے چہرے پر اس قسم کے تاثرات تھے جیسے وہ ان باتوں سے خاصی سنسنی محسوس کر رہی ہو۔

"نہیں۔" نایاب نے نفی میں سرہلا دیا۔ "کیونکہ وہ لاش وہاں نہیں تھی۔"

"کیا مطلب ؟" نرگس اچھل پڑی۔

"سکندر بھائی نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ میرا واہمہ تھا۔" نایاب نے جواب دیا۔ "وہاں لاش کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ کوئی ایسا سراغ بھی نہیں ملا جس سے ثابت ہوتا کہ میرے علاوہ حویلی میں کوئی اور بھی داخل ہوا تھا۔ حویلی کے گرد آلود فرش پر صرف میرے ہی قدموں کے نشان تھے۔"

"وہ حویلی آسیب زدہ ہے۔ شکر کرو بچ کر آگئیں۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو کسی کو پتہ بھی نہ چلتا۔ بھائی جان نے تو تمہیں خوب ڈانٹا ہوگا۔" نرگس نے کہا۔

"ہاں ..... ڈانٹا تو تھا۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے میں ڈری بالکل نہیں ہوں اور تمہیں یہ سن کر یقیناً حیرت ہوگی کہ میں پندرہ روز بعد اسی حویلی میں منتقل ہونے والی ہوں۔"

"کیا ..... کیا کہا ؟" نرگس اچھل پڑی۔ "تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔"

"میرا دماغ کیوں خراب ہونے لگا۔" نایاب بدستور مسکرا رہی تھی۔ "ارے بھئی ان زمینوں پر میرا بھی حق ہے اور وہ حویلی اسی زمین پر ہے۔ بیکار پڑی ہے۔ کیوں نہ اسے صاف کرکے استعمال کے قابل بنایا جائے۔"

"میرا خیال ہے تم واقعی پاگل ہوگئی ہو۔" نرگس نے کہا۔ "اس حویلی میں جن بھوت رہتے ہیں وہ پہلے ہی روز تمہارا گلا گھونٹ دیں گے۔"

"اچھا۔ ایک بات بتاؤ۔" نایاب بولی۔ "تم نے نور دین نامی موچی کے بارے میں سنا ہے کبھی ؟"

"نہیں۔" نرگس نے نفی میں سرہلا دیا۔

"حاجرہ نامی کسی لڑکی کے بارے میں جسے قتل کر دیا گیا تھا ؟" نایاب نے پوچھا۔

"نہیں۔" نرگس نے اس مرتبہ بھی نفی میں سرہلا دیا۔

"میں بتاتی ہوں۔" نایاب نے کہا۔ "نور دین تمہارے دادا کے زمانے میں اس گاؤں

کا موچی تھا اور حاجرہ اس کی جوان اور بہت حسین بیٹی تھی جسے دھوکے سے اس حویلی میں لے جاکر بے آبرو کرنے کے بعد قتل کر دیا گیا تھا۔ میں نے آج صبح جو لاش دیکھی تھی وہ اسی حاجرہ کی تھی۔"

"میں بھائی جان سے کہتی ہوں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ مجھے اب تمہاری دماغی صحت پر شبہ ہونے لگا ہے۔" نرگس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں پاگل نہیں ہوں۔" نایاب مسکرائی۔ "موقع ملے تو سکندر بھائی سے پوچھ لینا۔ انہوں نے بھی ان دونوں کے بارے میں سن رکھا ہے۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ انکل جب ٹھیک ہو جائیں تو ان سے پوچھنا۔ انہوں نے حاجرہ اور نور دین موچی کو ضرور دیکھا ہوگا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب انکل چودہ پندرہ برس کے ہوں گے۔"

"میں نے تو آج تک کوئی ایسی بات سنی نہیں اور تم نے یہاں آتے ہی گڑے مردے بھی اکھاڑ ڈالے۔" نرگس نے اسے گھورا۔

"ہاں ..... اسے محض اتفاق سمجھ لو۔" نایاب نے جواب دیا۔ "یہ چند باتیں مجھے محض اتفاق سے ہی معلوم ہوئی ہیں۔ میں ان کے بارے میں تحقیقات کا ارادہ رکھتی ہوں اور مجھے توقع ہے کہ کچھ اور گڑے مردے اکھڑیں گے اور مزید سنسنی خیز انکشافات ہوں گے۔"

"کیوں اپنے آپ کو ان چکروں میں پھنسا رہی ہو نایاب!" نرگس نے کہا۔ "تم تو یہاں اپنی جائیداد کے تصفیے کے سلسلے میں آئی تھیں۔ میرا مشورہ ہے کہ کسی اور چکر میں پڑنے کے بجائے اپنے کام سے کام رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان چکروں میں پڑ کر کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔"

"میں خود ان چکروں میں نہیں پڑنا چاہتی لیکن میں محسوس کر رہی ہوں کہ کوئی پراسرار اور نادیدہ قوت مجھے آگے دھکیل رہی ہے۔ نجانے مجھے یہ احساس کیوں ہو رہا ہے کہ کوئی پراسرار قوت مجھ سے کوئی اہم کام لینا چاہتی ہے اور میں پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتی۔" نایاب نے کہا۔

نرگس کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سکندر دروازے میں داخل ہوا۔

"نایاب بہن۔ ایک منٹ ذرا میرا ساتھ آؤ۔" اس نے کہا۔ نایاب اٹھ کر کمرے

سے باہر آگئی۔

"کیا بات ہے سکندر بھائی؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے سکندر کی طرف دیکھا۔

"نور پور سے ایک سپاہی آیا ہے۔ تھانیدار نے تمہیں کسی کی شناخت کے لئے بلایا ہے۔" سکندر نے کہا۔ "تم تیار ہو جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"میں ابھی چند منٹ میں تیار ہو جاتی ہوں۔" نایاب نے کہا۔

اس کا لباس بہت میلا ہو رہا تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے اور سکندر کے ساتھ حویلی سے باہر آگئی۔ اس وقت چھ بجنے والے تھے۔ سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔

ملک سکندر نے گاڑی نکال لی۔ نور پور سے پولیس کانسٹیبل سائیکل پر آیا تھا۔ سائیکل کار کی ڈگی میں ٹھونس کر کانسٹیبل کو پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا۔ نایاب اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ ملک سکندر گاڑی کو گاؤں کی گلیوں سے نکال کر ہائی وے کی طرف جانے والی سڑک پر لے آیا۔

ملک سکندر نے راستے میں کانسٹیبل سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بات کو ٹالتا رہا۔ اس لئے سکندر نے اس سے مزید کچھ نہیں پوچھا۔

بیس پچیس منٹ میں وہ نور پور تھانے پہنچ گئے۔ تھانیدار موجود تھا اور سب انسپکٹر اشرف بھی۔ وہ نایاب اور سکندر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"آئیے بی بی۔ بیٹھئے۔" تھانے دار نے ملک سکندر سے ہاتھ ملا کر نایاب کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کل آپ نے قاتلانہ حملے کی رپورٹ لکھوائی تھی اور اس کے بعد ایک آدمی کی نشاندہی بھی کی تھی۔"

"جی ہاں۔" تھانیدار نے سر ہلا دیا۔ "گلو اور اس کے دو ساتھیوں کو فتح پور کے قریب فائرنگ کے تبادلے کے بعد پکڑ لیا گیا تھا۔ گلو گولی لگنے سے زخمی ہو گیا تھا۔ لیکن بہرحال پوچھ گچھ کے دوران اس نے کچھ انکشافات کئے تھے۔"

"کئے تھے کیا مطلب؟" نایاب چونک گئی۔

"جی نے بتایا ناکہ وہ پولیس مقابلے میں گولی لگنے سے زخمی ہو گیا تھا۔" تھانیدار نے کہا۔ "پوچھ گچھ کے دوران اس کی حالت بگڑ گئی۔ اسے ہسپتال لے جایا گیا لیکن وہ جانبر نہ

ہوسکا۔ اس کی لاش ہسپتال میں پڑی ہے۔ آپ کو اس لئے زحمت دی ہے کہ اس کی شناخت کرسکیں کہ یہ وہی آدمی تھا یا کوئی اور۔"

"کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ اس نے مزید کیا انکشافات کئے تھے؟" نایاب نے پوچھا۔

"گلو فتح پور کا ایک نامی گرامی بدمعاش تھا۔" تھانیدار نے جواب دیا۔ "اس کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس سے آپ کا کوئی سروکار نہیں لیکن آپ کے لئے دلچسپ اطلاع یہ ہے کہ جو شخص پولیس کی حراست سے فرار ہوا تھا اور بعد میں اس کی لاش ریلوے اسٹیشن کے بیت الخلاء میں ملی تھی' اسے بھی گلو ہی نے قتل کیا تھا۔"

"کس کے کہنے پر؟" نایاب نے پوچھا۔

"گلو یہ نہیں بتا سکا۔" تھانیدار نے کہا۔ "اس سے میرا اگلا سوال یہی تھا لیکن اس وقت اس کی حالت بگڑ گئی تھی اور وہ مزید کسی بات کا جواب نہیں دے سکا تھا۔"

"کیا اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ مجھ پر قاتلانہ حملہ کس کے اشارے پر کیا تھا؟" نایاب نے پوچھا۔

"میں نے کہا ناکہ اس کی حالت بگڑ گئی تھی اور ہم اس سے کچھ نہیں پوچھ سکے۔" تھانیدار نے جواب دیا۔

"حیرت ہے۔" نایاب نے کہا۔ "آپ اس سے اس کے دیگر جرائم کے بارے میں تو تفصیل سے پوچھتے رہے لیکن آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ اس شخص کو قتل کیوں کیا تھا اور مجھ پر قاتلانہ حملہ کس کے اشارے پر کیا گیا تھا۔"

"پولیس کا تفتیش کا اپنا طریقہ کار ہوتا ہے بی بی۔" تھانیدار نے کہا۔

"میں سمجھ گئی آپ کا تفتیش کا طریقہ کار۔" نایاب نے کہا۔ "آج دوپہر مجھ پر ایک بار پھر قاتلانہ حملہ ہوا ہے اور یہ حملہ خود چوہدری سعادت نے کیا تھا۔ اس کے ساتھ بگا کمہار بھی تھا۔ اگر ایک حیرت انگیز واقعہ رونما نہ ہوتا تو میں اور ملک سکندر ان کی گولیوں کا نشانہ بن چکے ہوتے۔ یہ میں آپ کو اس لئے بتا رہی ہوں کہ آپ کے علم میں رہے۔ رپورٹ اس لئے نہیں لکھوا رہی ہوں کہ آپ کا تفتیش کا اپنا طریقہ کار ہے۔ اس سے آپ کو تو فائدہ پہنچ سکتا ہے کسی اور کو نہیں۔ اس لئے سب کچھ بیکار ہے۔"

نایاب کی بات سن کر تھانیدار چونک گیا۔

"آپ پر حملہ کب ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"آج دوپہر۔ اس وقت سکندر بھائی بھی میرے ساتھ تھے۔" نایاب نے جواب دیا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "چلئے سکندر بھائی۔ کوئی فائدہ نہیں یہاں آنے کا۔"

"میں آپ کو ایک مشورہ دوں گا نایاب بی بی۔" تھانیدار نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چوہدری فیملی سے آپ کی مقدمے بازی ہو رہی ہے۔ بات معمولی نہیں' کروڑوں کی جائیداد کا معاملہ ہے اور وہ اس سے آسانی سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ ایسی صورت حال میں آپ کو ان لوگوں سے دور رہنا چاہئے۔ کم از کم اس وقت تک جب تک آپ کے مقدمے کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ اس دوران یہاں رہنا آپ کے لئے خطرناک ہوسکتا ہے۔ مخالف پارٹی آپ کو کوئی نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔"

"اس مشورے کا شکریہ تھانیدار صاحب!" اس مرتبہ نایاب کے بجائے ملک سکندر نے لب کشائی کی تھی۔ "میں سمجھ گیا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ لیکن ایک بات آپ بھی ذہن میں رکھیں تھانیدار جی! ملک فیملی اتنی گئی گزری اور کمزور نہیں ہے کہ اپنی اور اپنے مہمانوں کی حفاظت نہ کرسکے۔ آپ نے تو اپنے دل کی بات کہہ دی۔ لیکن ایک بات آپ بھی یاد رکھیں کہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو اس کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔"

"آپ میرا مطلب غلط سمجھ رہے ہیں ملک جی۔" تھانیدار بولا۔ "میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ پولیس چوبیس گھنٹے تو نایاب بی بی کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ میں چاہتا ہوں کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ آپ تو جانتے ہیں زمینداروں کی دشمنیاں کیسی ہوتی ہیں۔ نایاب بی بی کو احتیاط کرنی چاہئے۔ مقدمے کا فیصلہ ہونے تک یہ ان لوگوں سے دور ہی رہیں تو بہتر ہے۔"

"مقدمے بازی کا یہ مطلب تو نہیں کہ آدمی اپنا گھر چھوڑ کر بھاگ جائے۔" نایاب نے تھانیدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ جانتے ہیں میں چوہدری فیملی کی بہو ہوں۔ میرے شوہر نے مجھے طلاق نہیں دی تھی' ان کا انتقال ہوا تھا۔ اس طرح میں اس جائیداد میں اپنے شوہر کے حصے کی وارث ہوں۔ جس کے لئے میں نے مقدمہ کر رکھا ہے۔ جس

طرح یہ لوگ اس جائیداد کو استعمال کر رہے ہیں اسی طرح مجھے بھی حق حاصل ہے۔ اس زمین پر ایک حویلی ہے جو پرانی حویلی کے نام سے مشہور ہے۔ میں وہ حویلی اپنے قبضے میں لے کر چند روز بعد وہاں منتقل ہو رہی ہوں۔"

"پرانی حویلی میں!" تھانیدار چونک گیا۔ "لیکن وہ تو آسیب زدہ حویلی ہے۔ وہاں آپ کے ساتھ۔"

"یہ میرا مسئلہ ہے۔" نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں نے آپ کو اطلاع دیدی ہے۔ اس حوالے سے اگر کوئی گڑ بڑ ہوئی تو اس کی ذمہ داری بھی آپ پر ہوگی۔ چلئے سکندر بھائی!" نایاب نے آخری الفاظ سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"نایاب بی بی!" تھانیدار بولا۔ "بہتر ہوتا کہ آپ ہسپتال جاکر اس لاش کو شناخت کرلیتیں تاکہ ہم تحقیق کو آگے بڑھا سکیں۔"

"ٹھیک ہے میں اسے دیکھ لیتی ہوں لیکن ....." نایاب نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کچھ نہیں۔ آپ چلئے ہمارے ساتھ۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

"ملک جی۔ آپ ہسپتال چلئے۔ میں اپنی جیپ پر آرہا ہوں۔" تھانیدار نے سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نایاب اور سکندر باہر آکر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے اور پھر انہیں ہسپتال پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ ہسپتال کی خوبصورت عمارت قصبے سے باہر تھی۔ اس کے اردگرد درختوں کی بہتات تھی۔ بڑا صاف ستھرا ماحول تھا۔

وہ دونوں گاڑی سے اتر کر برآمدے کے قریب کھڑے ہوگئے اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد پولیس کی جیپ گیٹ میں داخل ہوکر ان کی کار کے قریب رک گئی۔ جیپ سے اترنے والا انسپکٹر نہیں' سب انسپکٹر اشرف تھا۔ وہ جیپ سے اتر کر ان کے قریب آگیا۔

"کیوں بھئی اشرف صاحب! تھانیدار کیوں نہیں آیا؟" ملک سکندر نے اس کے قریب آنے پر کہا۔

"تھانے میں ایک کیس آگیا تھا ملک جی۔ آپ لوگ میرے ساتھ آیئے۔" سب انسپکٹر اشرف کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

ہسپتال کی عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ دو ہی راہداریاں تھیں۔ وہ ایک راہداری سے گزر کر پچھلی طرف آگئے۔ مردہ خانہ پچھلی طرف تھا۔ سب انسپکٹر نے ہسپتال کے ایک کارندے کو ساتھ لے لیا تھا۔

مردہ خانہ ایک چھوٹے سے کمرے پر مشتمل تھا۔ کمرے کا ایئرکنڈیشنر خراب تھا۔ لاش لکڑی کی ایک میز پر پڑی ہوئی تھی جس کے دائیں بائیں برف کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔ پگھلے کی ہوا سے برف پگھل رہی تھی اور پانی میز سے ٹپک کر فرش پر بہہ رہا تھا۔

لاش میلی سی سفید چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سب انسپکٹر اشرف نے آگے بڑھ کر لاش کے چہرے سے چادر ہٹا دی۔ یہ اسی گلوبائی شخص کی لاش تھی۔ جسے نایاب نے بازار میں دیکھ کر شناخت کیا تھا اور جو دھوکا دے کر فرار ہوگیا تھا۔ اس کے دائیں رخسار پر زخم تھا اور اوپر کا ہونٹ بھی پھٹا ہوا تھا۔ نایاب نے چادر کا کونا پکڑ کر اسے نیچے کھینچ دیا اور اس کے ساتھ ہی وہ کانپ اٹھی۔

لاش برہنہ تھی اور سینے پر زخم کے بے شمار نشانات تھے جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ مرنے سے پہلے اس شخص پر بے پناہ تشدد کیا گیا تھا اور یقینی طور پر اس کی موت بھی تشدد ہی سے واقع ہوئی تھی۔

"مقابلے میں اسے گولی کہاں لگی تھی؟" نایاب نے سب انسپکٹر اشرف کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹانگ پر۔" سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

"لیکن اس کی یہ حالت۔" نایاب بولی۔ "ٹانگ پر گولی لگنے سے کوئی آدمی مرتا نہیں ہے۔ اسے تھانے میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔"

"آپ تو جانتی ہیں جی کہ ملزم کی زبان کھلوانے کے لئے ہاتھوں کو حرکت تو دینا پڑتی ہے۔" بات کرتے ہوئے سب انسپکٹر کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی "اور ہمارے تھانیدار صاحب تو ملزم کو اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک اس کی زبان کھلوا نہ لیں۔"

"اوہ۔" نایاب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ سب انسپکٹر اشرف کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔

سب انسپکٹر نے چادر لاش کے اوپر تک کھینچ دی۔ نایاب نے اس کی شناخت کرلی تھی۔ ہسپتال سے باہر آکر سب انسپکٹر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔ نایاب اور سکندر بھی اپنی گاڑی میں آگئے۔

جب وہ گاؤں پہنچے تو رات کے نو بج رہے تھے۔ اس وقت گاؤں کی دو عورتیں سکینہ کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ عورتیں چلی گئیں تو سکینہ نے بتایا کہ گاؤں میں نایاب کے بارے میں ایک اور افواہ پھیل گئی ہے۔

"اور وہ افواہ کیا ہے؟" نایاب نے پوچھا۔

"چوہدری سعادت اپنے ایک کارندے کے ساتھ آج پرانی حویلی کی طرف چلا گیا تھا۔ ان دونوں کے پاس رائفلیں تھیں۔ انہوں نے حویلی سے نایاب کو برآمد ہوتے دیکھا تو اسے بد روح سمجھ کر اس پر گولیاں برسا دیں لیکن ایک بوڑھا آدمی پتہ نہیں کہاں سے نکل کر سامنے آگیا اور تمام گولیاں اس بوڑھے کے جسم پر لگیں۔ لیکن اس بوڑھے پر گولیوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ مسلسل آگے بڑھتا رہا۔ چوہدری سعادت اور اس کا کارندہ خوفزدہ ہوکر وہاں سے بھاگ نکلے اور جب مڑ کر دیکھا تو وہ بوڑھا غائب تھا۔"

"واہ۔" نایاب مسکرائی۔ چوہدری سعادت نے گاؤں والوں کو یہ نہیں بتایا کہ اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور اس وقت میرے ساتھ سکندر بھائی بھی تھے۔"

"کیا.....؟" سکینہ اچھل پڑی۔

"ہاں۔" نایاب بولی۔ "اس نے بد روح والی کہانی اس لئے گھڑی ہے کہ اس پر کوئی الزام نہ آسکے۔"

"لیکن اب اس کا بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔" سکندر نے کہا۔ "بہت لحاظ ہوچکا۔ اب مزید لحاظ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال لیا جائے۔"

"آپ اس پرانی حویلی میں کیا لینے گئے تھے؟" سکینہ نے سکندر کو گھورا۔

"نایاب نے وہاں ایک لڑکی کی لاش دیکھی تھی اور وہ سکندر بھائی کو وہ لاش دکھانے کے لئے ساتھ لے گئی تھی۔" قریب کھڑی ہوئی نرگس نے کہا۔

"یا اللہ .... ہم کس چکر میں پھنس گئے ہیں۔" سکینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"آپ پریشان نہ ہوں سکینہ بھابھی۔" نایاب نے کہا۔ "میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ

سے آپ لوگوں کو کوئی تکلیف ہو۔ بس دو چار دن کی بات ہے پھر میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

"نہیں نہیں۔ نایاب بہن۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" سکینہ جلدی سے بولی۔ "میں تو اس کم بخت کو کوس رہی ہوں جس نے تمہاری زندگی میں بھی انگارے بھر دیئے ہیں۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی سمجھیں۔"

"آپ یہ تو پوچھیں کہ یہ جانا کہاں چاہتی ہے۔" نرگس نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر بولی۔ "یہ بی بی پرانی حویلی کی صفائی کروا کر وہاں شفٹ ہونے کا پروگرام بنا رہی ہے۔"

"ہائے ربا۔" سکینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا لڑکی۔ وہ آسیب زدہ حویلی ہے۔ وہاں تو کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔ تمہاری تو قسمت اچھی ہے جو تم بچ کر آگئیں۔ نہیں بھئی۔ میں تمہیں وہاں نہیں جانے دوں گی۔"

"وہاں کوئی آسیب یا بدروح نہیں ہے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر کوئی ایسی چیز ہے بھی تو مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ ڈر اور خوف تو ان لوگوں کو ہونا چاہئے جنہوں نے انسانیت سے ناطہ توڑ کر ظلم اور بربریت کو اپنا شیوہ بنا لیا ہو۔" وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "برسوں پہلے وہاں ایک بے گناہ اور معصوم لڑکی کو ہوس کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا گیا تھا۔ اس لڑکی کی روح اب بھی اس ویران حویلی میں بھٹک رہی ہے۔ وہ اس خاندان سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ گاؤں والے جانتے ہیں کہ صرف اسی خاندان کے دو افراد اس حویلی میں موت کے گھاٹ اترے ہیں۔ اس کے بعد بہت سے لوگ اس حویلی میں گئے ہوں گے اور میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہوگا۔ وہاں موت صرف اسی خاندان کے لوگوں کے لئے ہے۔ یہ مانا کہ میرا تعلق بھی اس خاندان سے جڑ چکا ہے لیکن مجھے اس حویلی میں بھٹکنے والی روح سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں اس کی دوست بن کر رہوں گی۔"

"یہ بد روحیں کسی کی دوست نہیں ہوتیں۔" سکینہ نے کہا اور پھر جیسے کچھ یاد آنے پر بولی۔ "اوہ .... اس کا مطلب ہے کہ سعادت نے گاؤں والوں کو جو بتایا ہے وہ غلط نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے وہ بوڑھا..."

"شاید یہ آپ ٹھیک سمجھ رہی ہیں۔" نایاب نے کہا۔ "سکندر بھائی بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ جب سعادت اور اس کے کارندے نے ہم پر فائرنگ کی تھی تو ہمارے بیچ میں اچانک ہی وہ بوڑھا آگیا تھا۔ ساری گولیاں اس کے جسم پر لگی تھیں لیکن اسے کچھ نہیں ہوا تھا البتہ سعادت اور اس کا ساتھی خوفزدہ ہوکر بھاگ نکلے تھے۔ وہی بوڑھا ایک بار پہلے بھی مجھے بچا چکا ہے۔ میں نے سکندر بھائی کو بتایا تھا۔"

"وہ بوڑھا کون تھا؟" سکینہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں جانتی وہ کون ہے۔ لیکن اندازہ لگا سکتی ہوں کہ وہ کون ہوسکتا ہے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کون ہوسکتا ہے؟" سکینہ بولی۔

"ساٹھ ستر سال پہلے اس حویلی میں گاؤں کے موچی نور دین کی بیٹی کو قتل کیا گیا تھا۔ گاؤں کے بڑے بوڑھے اس واقعے کے بارے میں جانتے ہیں۔" نایاب نے کہا۔ "جوان بیٹی کے اس طرح قتل ہو جانے پر بوڑھے باپ نے خودکشی کرلی تھی اور مجھے یقین ہے وہ بوڑھا دراصل نوردین کی روح ہے۔ جو مجھے کسی خاص سمت میں لے جانا چاہتا ہے۔ میں نے حویلی میں جب اس لڑکی کی لاش دیکھی تھی تو پراسرار سرگوشیوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ لڑکی کون ہے اور اسے کن حالات میں قتل کیا گیا تھا۔ وہ دراصل ہاجرہ نامی اس لڑکی کی روح تھی جو مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا رہی تھی۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں اس حویلی ہی میں رہوں گی۔"

"مجھے تو تم سے خوف آنے لگا ہے نایاب۔" سکینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں بھابھی۔ میں کوئی بدروح نہیں ہوں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ میں واقعی تم سے ڈرنے لگی ہوں۔" سکینہ بولی۔ "پہلے وہ سنہرا سانپ اور اب یہ روحیں۔ اللہ جانے یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں تو ہر وقت تمہاری سلامتی کی دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔"

"مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" نایاب نے کہا۔

"اب ختم کرو یہ باتیں اور کھانا لگا لو۔ دس بج رہے ہیں اور مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" سکندر نے سکینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔ "اور سنو! ابا جی کو ان باتوں کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہئے۔"

"ہم تو کچھ نہیں بتائیں گے لیکن باہر سے کسی نے آکر کچھ بتا دیا تو؟" نرگس نے کہا۔

"تم لوگ اس بات کا خیال رکھنا کہ کوئی بھی شخص ان کے سامنے ایسی کوئی بات نہ کرسکے جس سے ان کی طبیعت خراب ہو جائے۔" سکندر نے کہا۔

"اچھا۔ خیال رکھیں گے۔" سکینہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں کھانا لگا لوں۔ آؤ لڑکیو! میری کچھ مدد کرو۔"

اور پھر اس کے دس پندرہ منٹ بعد وہ سب اکٹھے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

تیرھویں قسط

صبح کا ناشتہ نایاب نے ملک صاحب کے پاس بیٹھ کر کیا تھا۔ ملک صاحب بڑی حد تک سنبھل گئے تھے۔ وہ بیڈ کی پشت سے تکیے کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور نایاب ان سے باتیں کر رہی تھیں۔ اس دوران ڈاکٹر بھی آگیا۔ اس نے ملک صاحب کو چیک کیا۔ بی پی وغیرہ لیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"بہت خوب ملک جی! آپ تو ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہوگئے ہیں۔ بی پی بھی نارمل ہے۔ اب آپ کو صرف آرام کی ضرورت ہے اور یہ دوائیں آپ جاری رکھئے۔ ان میں ناغہ نہیں ہونا چاہئے۔"

ڈاکٹر رحمٰن تقریباً" دو سال سے اس گاؤں میں تھا۔ وہ ایم بی بی ایس تھا۔ پہلے وہ نور پور میں کسی اور ڈاکٹر کے ساتھ مل کر پریکٹس کرتا تھا۔ اس گاؤں میں کوئی ڈاکٹر وغیرہ نہیں تھا۔ لوگوں کو علاج معالجے کے لئے نور پور جانا پڑتا تھا۔ رات کو کوئی ایمرجنسی ہوتی تو نور پور بھی نہیں پہنچا جاسکتا تھا۔ پھر ایک روز ملک صاحب ہی ڈاکٹر رحمٰن کو گاؤں لے آئے تھے۔ یہاں اسے بہت سی سہولتیں دی گئیں۔ رہائش کے لئے وسیع و عریض مکان، جس کے ایک بڑے کمرے میں کلینک بنا دیا گیا تھا۔ ملک صاحب اپنی جیب سے تین ہزار روپیہ مہینہ

ڈاکٹر رحمٰن کو دیتے تھے۔ تقریباً" اتنی ہی رقم چوہدریوں سے بھی مل جاتی تھی۔ گاؤں کے بعض دوسرے زمیندار بھی ہر مہینے کچھ نہ کچھ دے دیتے تھے۔ اناج' دانہ اور سبزیاں وغیرہ الگ مل جاتی تھیں۔ اتنا کچھ تو ڈاکٹر رحمٰن شہر میں رہ کر بھی نہیں کما سکتا تھا۔ دو تین مہینے تو وہ اکیلا ہی رہا پھر بیوی بچوں کو بھی لے آیا۔ گاؤں میں ڈاکٹر کی موجودگی کا یہ فائدہ ہوا تھا کہ گاؤں والوں کو اب نور پور جانے کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی تھی۔ آدھی رات کو بھی کسی کو تکلیف ہوتی تو اطلاع ملنے پر ڈاکٹر رحمٰن فوراً" ہی پہنچ جاتا۔ ڈاکٹر رحمٰن کا گاؤں والوں کو بہت فائدہ تھا۔ اگر یہ موجود نہ ہوتا تو ملک صاحب کی طبیعت زیادہ بگڑ سکتی تھی۔ لیکن ڈاکٹر رحمٰن سے انہیں فوراً" ہی ٹریٹمنٹ مل گیا تھا جس سے ان کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد بھی نایاب کافی دیر تک ملک صاحب کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ پھر اٹھ کر باہر آگئی۔ اس کے تقریباً" آدھے گھنٹے بعد وہ حویلی سے نکل آئی۔

نایاب اس روز گاؤں کے ہر اس شخص کے گھر گئی جس نے وقتاً" فوقتاً" اس سے ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ اس نے باتوں ہی باتوں میں ان لوگوں کو عندیہ دیا کہ وہ پرانی حویلی کو اپنے قبضے میں لینا چاہتی ہے۔ اگر چوہدریوں کی طرف سے کوئی مزاحمت ہوئی تو وہ اس کا ساتھ دیں گے یا نہیں۔

"چوہدریوں کے خلاف تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ چھوٹی بی بی۔" برکت نامی ایک کسان نے کہا۔ "ہم تو اب تمہیں اس گھر کی بہو سمجھتے ہیں اور تمہارا حق بنتا ہے لیکن .... اس حویلی میں تو بد روحیں رہتی ہیں۔ ان کے خلاف کوئی تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔ لوگ تو ڈر کے مارے اس حویلی کے قریب سے بھی نہیں گزرتے۔"

"وہاں کوئی بد روحیں نہیں ہیں۔" نایاب نے کہا۔ "میں دو مرتبہ اس حویلی میں جا چکی ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا۔"

دن بھر گاؤں میں گھومنے کے بعد نایاب کو اپنے مقصد میں مایوسی نہیں ہوئی تھی۔ چھ سات آدمی اس کے ساتھ حویلی میں جانے کو تیار ہوگئے تھے۔ یہ خبر چوہدریوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔ لیکن ان کی طرف سے کسی ردعمل کا اظہار نہیں ہوا۔

اور پھر دوسرے دن صبح سویرے ہی نایاب ان چھ سات آدمیوں کو لے کر' جو اس کا

ساتھ دینے کو تیار ہوئے تھے' پرانی حویلی کی طرف روانہ ہوگئی۔ یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی تھی کہ چھوٹی بی بی پرانی حویلی پر قبضہ کرنے جا رہی ہے۔ گاؤں کے لوگ خوفزدہ تھے۔ پہلا خوف تو یہ تھا کہ چوہدریوں کی طرف سے مزاحمت ہوگی اور اس طرح خون خرابہ ہوگا اور دوسرا خوف یہ تھا کہ اگر چوہدریوں کی طرف سے مزاحمت نہ بھی ہوئی تو حویلی کے آسیب مزاحمت کریں گے۔ برسوں سے اس حویلی کی طرف کوئی نہیں گیا تھا اور اب نایاب وہاں قبضہ کرنے جا رہی تھی۔ وہاں رہنے والے آسیب کسی کی مداخلت پسند نہیں کریں گے۔ گاؤں کے لوگوں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا کہ ساٹھ ستر سال پہلے اس حویلی میں چوہدری خاندان کے دو افراد پراسرار طور پر ہلاک ہوگئے تھے۔ اس زمانے کے جو لوگ اب بھی زندہ تھے وہ تو ان واقعات کے چشم دید گواہ تھے۔ ان پراسرار ہلاکتوں کے بعد ہی چوہدری خاندان نے وہ حویلی خالی کر دی تھی۔ گاؤں کے لوگوں کو یہ خوف تھا کہ حویلی کے آسیب اس مداخلت بیجا پر نایاب اور اس کے ساتھ جانے والوں میں سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔

نایاب کے ساتھ جتنے بھی آدمی تھے وہ سب مسلح تھے۔ کسی نے لاٹھی اٹھا رکھی تھی' کسی کے پاس کلہاڑی تھی اور ایک آدمی کے پاس زنگ آلود تلوار تھی۔ ایک آدمی ایسا تھا جس کے پاس بارہ بور کی ڈبل بیرل بندوق تھی۔

گاؤں کے لوگوں کے خدشات اپنی جگہ لیکن نایاب بھی پوری طرح مطمئن نہیں تھی۔ اس کے دل میں بھی ایسے ہی خدشات تھے۔ سب سے زیادہ خطرہ اسے چوہدریوں کی طرف سے تھا۔ اسے امید ہی نہیں تھی بلکہ یقین تھا کہ چوہدری سعادت اس کا راستہ روکے گا اور کسی بھی قیمت پر اسے حویلی پر قبضہ نہیں کرنے دے گا اور نایاب سوچ رہی تھی کہ اگر وہ حویلی پر قابض ہوگئی تو اس کے لئے بہت سی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اس کا راستہ کھل جائے گا اور اسے مزید پیر پھیلانے کا موقع مل جائے گا اور اس طرح گاؤں کے بہت سے لوگ بھی عملی طور پر اس کا ساتھ دینے کو تیار ہو جائیں گے۔

گاؤں کے لوگوں کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ نایاب پرانی حویلی پر قبضہ کرنے جا رہی ہے۔ بہت سے لوگ جلوس کی صورت میں اس کے ساتھ چل پڑے تھے۔ بچے سب سے آگے آگے تھے۔ لیکن گاؤں کے باہر نہر کے قریب وہ سب لوگ رک گئے۔ نایاب کے ساتھ

صرف وہی چھ سات آدمی رہ گئے تھے جو اس کی لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہو کر نکلے تھے۔

وہ کھیتوں میں پگڈنڈی پر ایک قطار کی صورت میں چل رہے تھے۔ نایاب سب سے آگے تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چھڑی تھی جو راستے میں اس نے ٹاہلی کے ایک درخت سے توڑ لی تھی۔ نایاب کے پیچھے قیوم تھا۔ لمبا تڑنگا یہ نوجوان گاؤں کے ماشکی کا بیٹا تھا۔ اس کی عمر پچیس چھبیس سال رہی ہوگی۔ بڑا گھبرو جوان تھا۔ نوتھ برش ٹائپ کی بھاری مونچھوں نے اس کے چہرے کو بڑا بارعب بنا دیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔

وہ چوہدری حسن دین کی زمینوں سے نکل کر چوہدری امانت علی کی اراضی میں داخل ہوگئے۔ کھیتوں میں کام کرنے والے کارندے مڑ مڑ کر حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ وہ لوگ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلتے رہے۔ حویلی اب دور سے نظر آنے لگی تھی۔ وہ لوگ جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے' نایاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ وہ دو مرتبہ اس حویلی میں جا چکی تھی۔ اسے اگرچہ کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا لیکن دونوں مرتبہ کچھ پراسرار اور حیرت انگیز قسم کے واقعات پیش آئے تھے۔ پہلی مرتبہ جب وہ لڑکی کی لاش کے قریب کھڑی تھی تو اسے وہ پراسرار سرگوشیاں سنائی دی تھیں اور دوسری مرتبہ اس پراسرار بوڑھے نے اسے چوہدری سعادت اور بگے کی گولیوں کا نشانہ بننے سے بچایا تھا۔ ان باتوں سے نایاب اس نتیجہ پر پہنچی تھی کہ حویلی میں رہنے والی روح اور وہ پراسرار بوڑھا جو اس کے خیال میں نور دین موچی کی روح تھی' اس سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

وہ لوگ ابھی حویلی سے دور ہی تھے کہ ایک گھڑسوار کو اپنی طرف آتے دیکھ کر نایاب رک گئی۔ اس کے پیچھے آنے والے لوگ بھی رک گئے۔ نایاب اس گھڑسوار کی طرف دیکھنے لگی جو ابھی تین چار کھیت دور تھا۔ وہ کھیتوں میں گھوم کر سامنے کے رخ پر آرہا تھا۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا جیسے وہ ان کا راستہ روکنا چاہتا ہو۔ نایاب غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ چوہدری سعادت ہوگا۔ لیکن گھوڑا ذرا قریب آیا تو پتہ چلا کہ وہ سعادت نہیں بگا تھا۔

چند منٹ بعد ہی گھوڑا ان سے چند گز آگے رک گیا۔

"نایاب بی بی۔" بگے نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بڑے چوہدری صاحب نے کہا ہے کہ آپ حویلی کا رخ کرنے کے بجائے واپس چلی جائیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ اس وقت کوئی بدمزگی پیدا ہو۔"

"اگر میں واپس نہ جاؤں تو؟" نایاب نے اسے گھورا۔

"تو پھر آپ کو روکا جائے گا۔" بگے نے کہتے ہوئے جیب سے پستول نکال لیا۔

"تم اپنی اوقات میں رہو بگے۔" قیوم نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جانتے نہیں کس سے بات کر رہے ہو۔"

"جانتا ہوں۔ اس لئے تو اب تک کچھ کیا نہیں۔ ورنہ تم لوگ جانتے ہو کہ میں بات بعد میں کرتا ہوں اور ہاتھوں کو حرکت پہلے دیتا ہوں۔"

"ایک کوشش تو تم پہلے بھی کر چکے ہو۔" نایاب نے کہا۔ "اپنی اس کوشش کا انجام تم نے دیکھ لیا تھا۔ اب بھی کوشش کر دیکھو۔" اس نے اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی قدم آگے بڑھا دیا۔

"رک جاؤ نایاب بی بی ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔" بگا چیخا۔ اس نے پستول والا ہاتھ آگے بڑھا لیا تھا۔

اور پھر اچانک ہی وہ ہوا جس کی کسی کو توقع نہیں تھی۔ وہ پراسرار بوڑھا نجانے کہاں سے نمودار ہو کر آگے آگیا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ شروع ہی سے ان میں شامل رہا تھا اور اب آگے بڑھ آیا تھا۔

بوڑھے کو دیکھ کر بگے کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ گھوڑا بھی اچانک ہی بدک اٹھا۔ بگے کے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے ہاتھ میں لگام۔ وہ گھوڑے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن گھوڑا بری طرح بھڑک اٹھا تھا۔ وہ زور زور سے ہنہناتا ہوا پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ بگا گھوڑے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ گھوڑا بری طرح مچل رہا تھا اور جب وہ مڑ کر بھاگا تو بگا اس پر قابو نہیں رکھ سکا اور نیچے گر گیا۔ اس نے سنبھل کر دیکھا۔ وہ بوڑھا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

بگے نے یکے بعد دیگرے تین گولیاں چلا دیں۔ تینوں گولیاں بوڑھے کے جسم پر

لگیں لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

خوف و دہشت سے بگے کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔ وہ اٹھ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ بوڑھا نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ بگا بری طرح خوفزدہ تھا۔ پستول بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کہیں گر گیا تھا۔ وہ ٹھوکر کھا کر گرا۔ کئی قلابازیاں کھائیں۔ پھر سنبھل کر پیچھے دیکھا اور ایک بار پھر بھاگ کھڑا ہوا۔

نایاب کے پیچھے کھڑے ہوئے قیوم اور اس کے ساتھی یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوف کے تاثرات بھی تھے۔ انہیں حیرت اس بات پر بھی تھی کہ وہ بوڑھا ان کے درمیان سے نکل کر گیا تھا۔ بوڑھے کو دیکھ کر گھوڑا بھی بدک گیا تھا اور بگا بھی مارے ڈر کے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ مزید برآں بگے نے اس بوڑھے پر تین گولیاں چلائی تھیں مگر بوڑھے پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

بگا اب بھی بھاگا جا رہا تھا۔ بوڑھا اس کے پیچھے تھا اور پھر بگا کھیتوں میں بہت دور نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ بوڑھا اب بھی پگڈنڈی پر جاتا ہوا نظر آرہا تھا اور پھر دفعتاً وہ اس طرح غائب ہوگیا جیسے ہوا میں تحلیل ہوگیا ہو۔

نایاب نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ یوں تو سب ہی کے چہروں پر خوف نظر آرہا تھا۔ لیکن جیلے اور فقیر حسین کی حالت تو بہت غیر ہو رہی تھی۔ وہ دونوں خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔

"کیا ہوا تم لوگوں کو..... کس بات سے ڈر رہے ہو؟" نایاب نے کہا۔

"وہ بڈھا چھوٹی بی بی۔" فقیر حسین بولا۔ خوف سے اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔ "وہ انسان نہیں ہے جی۔ وہ تو کوئی بد روح ہے۔"

"لیکن اس نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا۔ تم کیوں ڈر رہے ہو۔" نایاب نے اسے تسلی دی۔

"نہیں چھوٹی بی بی۔ ہم اس حویلی میں نہیں جائیں گے۔ ہم واپس جا رہے ہیں۔" اس مرتبہ جیلے نے زبان کھولی۔ اس کی آواز بھی کپکپا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" نایاب نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تم میں سے جو واپس جانا چاہے چلا جائے۔ اگر کوئی میرے ساتھ جانے کو تیار نہیں تو میں اکیلی جاؤں گی۔"

"نہیں چھوٹی بی بی۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم یہاں آکر آپ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔" قیوم نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو سمجھانے لگا کہ وہ بزدلی کا مظاہرہ نہ کریں۔ مگر جیلا اور فقیر حسین نہیں مانے اور واپس چلے گئے۔

نایاب کے ساتھ اب پانچ آدمی رہ گئے تھے۔ وہ لوگ حویلی کی طرف چلنے لگے۔ ٹیلے پر پہنچ کر وہ پیپل کے ایک درخت کے نیچے رک گئے۔ وہ سب عجیب سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ ہوا بند تھی اور درختوں کا ایک پتا تک ہلتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔

نایاب بھی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ہوا بند ہونے کی وجہ سے فضا پر گھٹن سی طاری تھی۔ پسینے سے تر قمیض نایاب کے جسم سے چپکی ہوئی تھی اور بہتا ہوا پسینہ یوں لگ رہا تھا جیسے جسم پر کینچوے رینگ رہے ہوں۔

وہ لوگ گھوم کر حویلی کے پھاٹک کی طرف آگئے۔ پھاٹک میں داخل ہوتے ہوئے نایاب کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوگئی تھی۔ اس نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ وہ سب عجیب سی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان سب کے چہروں پر خوف نمایاں تھا۔

نایاب انہیں اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ خٹک جھاڑیاں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ جھاڑیوں میں چلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ قیوم وغیرہ اس کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے اپنے ہتھیار اس طرح سنبھال رکھے تھے جیسے کسی ناگہانی صورتحال کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔

برآمدے میں پہنچ کر وہ رک گئے۔ ہوا اب بھی بند تھی لیکن یہاں گھٹن کا احساس زیادہ نہیں تھا۔ نایاب نے قیوم وغیرہ کی طرف دیکھا۔ وہ سب خوفزدہ سی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان میں ایک دو کی کیفیت تو ایسی تھی جیسے کسی بھی لمحہ بھاگ کھڑے ہوں گے۔

نایاب دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے کے اوپر والے کنڈے کی زنجیر لگی ہوئی تھی۔ نایاب کو یاد تھا کہ اس روز جب وہ سکندر کے ساتھ حویلی سے باہر نکلی تھی تو ان میں سے کسی نے بھی کنڈا نہیں لگایا تھا۔

نایاب دروازے کے قریب پہنچ کر رک گئی اور پنجوں کے بل کھڑے ہو کر کنڈے کی زنجیر ہٹانے لگی۔ زنجیر کنڈے سے نکل کر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دروازے پر لگی۔ دروازے سے زنجیر کے ٹکرانے کی آواز اس سناٹے میں بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ وہ سب اچھل پڑے۔

نایاب بھی اچھل کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اس نے خوفزدہ سی نظروں سی ادھر ادھر دیکھا۔ قیوم اور اس کے سارے ساتھی اپنے اپنے ہتھیار اٹھائے اس طرح تیار کھڑے تھے جیسے ابھی کوئی اندر سے برآمد ہوگا تو وہ اس پر حملہ کر دیں گے۔ ان سب کے چہروں پر خوف کے تاثرات بھی نمایاں تھے۔

نایاب دوبارہ دروازے کے قریب آ گئی۔ اس نے ایک ہاتھ آگے بڑھایا اور دروازے کے ایک پٹ کو دھکا دینے لگی۔ دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ آہستہ آہستہ کھلتا چلا گیا۔

دروازہ کھلتے ہی ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا ان کے چہروں سے ٹکرایا اور وہ کانپ اٹھے۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا چھوٹی بی بی۔" قیوم بھی لاٹھی سنبھالتا ہوا آگے بڑھ آیا۔ اس کے باقی ساتھی وہیں کھڑے رہے تھے۔

نایاب نے کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے سے ٹارچ نکال لی اور دروازے میں داخل ہو گئی۔ یہ ضرورت پڑی کچھ چیزیں ساتھ لے کر آئی تھی۔ صبح جب وہ گھر سے نکلنے لگی تھی تو سکندر نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔ اسے آج بڑے ملک صاحب کو نور پور لے جانا تھا تاکہ ڈاکٹر سے ان کا مکمل چیک اپ کرایا جاسکے۔ اس نے تو کہا تھا کہ نایاب آج کا پروگرام ملتوی کر دے۔ کل وہ خود اس کے ساتھ جائے گا لیکن نایاب نہیں مانی تھی کہ آج کا کام کل پر چھوڑا جائے۔

حویلی کا برآمدہ مغربی رخ پر تھا۔ اس لئے سورج کی روشنی اندر نہیں پہنچ رہی تھی۔ دروازے کے قریب تو مدہم سا اجالا تھا' اس سے آگے تاریکی تھی۔ نایاب نے قدم اندر رکھتے ہی ٹارچ روشن کرلی تھی۔

قیوم کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ لاٹھی سنبھالے نایاب سے ایک قدم

پیچھے چل رہا تھا اور متوحش نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ راہداری کے گرد آلود فرش پر قدموں کے کچھ نشان بھی نظر آرہے تھے۔

"ہم سے پہلے بھی یہاں کوئی آیا ہے چھوٹی بی بی۔" قیوم نے فرش پر قدموں کے نشانات کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کل میں اور سکندر بھائی یہاں آئے تھے۔ یہ ہمارے ہی قدموں کے نشان ہیں۔ نایاب نے کہا۔ "ڈرو نہیں۔ میرے ساتھ چلتے رہو۔ ہم کسی بری نیت سے یہاں نہیں آئے۔ اگر یہاں روحوں کا بسیرا ہے بھی تو وہ ہمیں کچھ نہیں کہیں گی۔"

وہ دوسری راہداری میں مڑ گئے۔ ابھی دو تین قدم ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ ٹھٹک کر رک گئے۔ کوئی دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تھی۔ سناٹے میں چرچراہٹ کی یہ آواز بڑی پراسرار لگی تھی۔ قیوم کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے اور پھر دھڑکی آواز سن کر وہ اچھل پڑا۔

نایاب بھی سہم گئی تھی۔ وہ ٹارچ کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر قیوم کو اشارہ کرتے ہوئے آگے چلنے لگی۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ دوسری راہداری میں مڑ گئی اور اس کمرے کے سامنے رک گئی جہاں اس روز وہ داخل ہوئی تھی۔ دروازہ بند تھا۔ نایاب نے جیسے ہی ہاتھ آگے بڑھایا' دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔

"چھوٹی بی بی۔ اندر کوئی ہے۔" قیوم نے کہا۔ اس کا لہجہ کپکپا رہا تھا۔ اس نے لاٹھی کو حملہ آور انداز میں دونوں ہاتھوں میں پکڑلیا تھا۔

"نہیں۔ اندر کوئی نہیں ہے۔ دروازہ ہوا سے کھل گیا ہے۔ ڈرو نہیں۔ تم میرے ساتھ آؤ۔" نایاب نے کہا اور دروازے کو پوری طرح کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ پچھلے دو تجربات سے اگرچہ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اس حویلی میں رہنے والی روحیں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی لیکن ایک انجانا سا خوف اس کے دل میں بھی تھا۔

قیوم بھی اگرچہ خوفزدہ تھا لیکن وہ واقعی بڑی ہمت سے کام لے رہا تھا۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی اسے کپکپی سی چڑھ گئی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے بھول کر برف خانے میں آگیا ہو۔

اندر والے کمرے کا دروازہ بھی بند تھا۔ نایاب نے وہ دروازہ اپنے ہاتھ سے کھولا

اور وہ دونوں اندر داخل ہوگئے۔ نایاب ٹارچ کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ گرد آلود فرش پر اس کے اور سکندر کے قدموں کے نشان تھے۔ دیواروں کے کونوں میں مکڑیوں کے جالے لٹکے ہوئے تھے' اس کے علاوہ کمرے میں ایک تنکا تک نہیں تھا۔

"چھو..... چھوٹی بی بی - وہ - وہ دیکھیں۔"

قیوم کی کپکپاتی ہوئی آواز سن کر نایاب اس طرف مڑ گئی۔ کمرے کا وہ کونا' جہاں اس روز اس نے مسہری پر اس لڑکی کی لاش دیکھی تھی' بھی خالی تھا اور وہاں سے چھوٹے چھوٹے چمکتے ہوئے ذرات اوپر کی طرف اٹھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ فرش سے اٹھنے والے ان چمکیلے ذرات کی تعداد دس بارہ سے زیادہ نہیں تھی لیکن ان کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ نایاب اور قیوم متوحش نظروں سے ان چمکیلے ذرات کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی تعداد میں جیسے جیسے اضافہ ہو رہا تھا' کمرے کی فضا میں سردی بڑھتی جا رہی تھی۔

ان چمکیلے ذرات کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی اور پھر فضا میں رقص کرتے ہوئے وہ چمکیلے ذرات ایک مجسم صورت اختیار کر گئے۔

وہ ایک عورت کا مجسمہ تھا جو زمین سے تقریباً" ایک فٹ اوپر فضا میں معلق تھا۔ ذرات چمک رہے تھے۔ نایاب اور قیوم متوحش نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ قیوم لاٹھی کو اس طرح پکڑے کھڑا تھا۔ جیسے وہ کسی بھی لمحہ روشنی کے اس مجسمے پر حملہ کر دے گا۔ پھر فضا میں معلق وہ مجسمہ آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے لگا۔ قیوم نے لاٹھی اوپر اٹھالی۔

"کوئی حرکت مت کرنا۔" نایاب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

قیوم نے لاٹھی نیچے جھکالی اور پھٹی پھٹی سی نظروں سے روشنی کے اس مجسمے کی طرف دیکھنے لگا۔ روشنی کا وہ مجسمہ ان سے دو فٹ کے فاصلے پر رک گیا۔ وہ چند سیکنڈ تک فضا میں معلق رہا پھر ان دونوں کے درمیان سے گزرتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ وہ دونوں بھی اس کے پیچھے دروازے کی طرف لپکے۔ دوسرے کمرے میں آتے ہی وہ رک گئے۔ وہ چمکیلے ذرات اچانک ہی غائب ہوگئے تھے۔ نایاب بیرونی دروازے کی طرف لپکی۔ راہداری بھی سنسان پڑی تھی۔ وہ چمکیلے ذرات اس طرح غائب ہوگئے تھے جیسے ان کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

"یہ ..... یہ کیا تھا چھوٹی بی بی۔" قیوم ہکلایا۔

"میرا خیال ہے یہ اس لڑکی کی روح تھی جس کی لاش میں نے اس کمرے میں دیکھی تھی۔ نایاب نے کہا اور پھر چند لمحوں کو خاموشی کے بعد بولی۔ " میں نے کہا تھا ناکہ اس حویلی میں رہنے والی روحیں ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ آؤ - میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں راہداری میں نکل آئے۔ اسی لمحے کوئی دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھلنے اور پھر دھڑ سے بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ قیوم یہ آواز سن کر اچھل پڑا تھا۔

"کچھ نہیں ہے۔ ڈرو نہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔" نایاب نے کہا۔

وہ دونوں حویلی میں گھومنے لگے۔ نایاب پہلے دو مرتبہ یہاں آچکی تھی لیکن دونوں مرتبہ وہ اسی کمرے تک گئی تھی۔ پوری حویلی میں گھومنے کا موقع نہیں مل سکا تھا اور اب اس کا حوصلہ کچھ بڑھ گیا تھا۔

اس حویلی میں کئی راہداریاں اور ہر راہداری میں کئی کئی کمرے تھے۔ نایاب نے دو راہداریوں میں گھوم کر تین چار کمرے کھول کر دیکھے۔ تمام کمرے خالی تھے۔ فرش پر کئی کئی انچ گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔

ایک کمرے میں داخل ہوکر وہ رک گئے۔ قیوم کا حوصلہ بھی اب کچھ بڑھ گیا تھا۔ خوف بڑی حد تک اس کے دل سے نکل گیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ میں لاٹھی پکڑے نایاب کے قریب کھڑا تھا۔ نایاب ٹارچ کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ٹارچ کی روشنی ایک الماری پر رک گئی۔ الماری دیوار میں بنی ہوئی تھی۔ اس کا ایک پٹ بند تھا اور دوسرا آدھے کے قریب کھلا ہوا تھا۔ نایاب الماری کے سامنے آکر رک گئی۔ قیوم بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔

نایاب نے ٹارچ بائیں ہاتھ میں پکڑلی اور دائیں ہاتھ سے الماری کا نیم وا دروازہ کھول دیا۔ الماری کے اس حصے میں تین شیلف تھے۔ تینوں خالی تھے اور گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ نایاب نے دوسرا دروازہ کھولنے کے لئے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگی۔ دروازہ جام تھا۔ اس نے زور دار جھٹکا دیا۔ دروازہ کھل گیا اور اس کے ساتھ ہی نایاب کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ قیوم بھی بدحواس ہوگیا۔

ٹارچ نایاب کے ہاتھ سے نکل کر نیچے گر گئی تھی۔ فرش پر پڑی ہوئی ٹارچ کا رخ

الماری کی طرف تھا اور روشنی میں وہ انسانی ڈھانچہ نظر آرہا تھا جو الماری میں سے نایاب کے اوپر گرا تھا۔

نایاب پھٹی پھٹی سی نظروں سے الماری کے سامنے فرش پر پڑے ہوئے اس ڈھانچے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔

قیوم کے چہرے پر بھی بارہ بج رہے تھے۔

وہ انسانی ڈھانچہ گر کر بکھر گیا تھا۔ اس کی کھوپڑی سیدھی پڑی تھی جسے دیکھ کر ہی خوف آرہا تھا۔

"یہ ..... یہ کون ہے چھوٹی بی بی۔" قیوم ہکلایا۔ "مم۔ میرا مطلب ہے کس کا ڈھانچہ ہے؟"

"ہوگا کوئی مظلوم۔ جسے قتل کرکے اس الماری میں بند کر دیا گیا۔" نایاب نے جواب دیا اور ٹارچ کی روشنی میں الماری کے اندر دیکھنے لگی۔ الماری کا یہ خانہ اوپر سے نیچے کے رخ پر لمبا تھا۔ اس میں کوئی شیلف نہیں تھا اور ایک آدمی آسانی سے اس کے اندر کھڑا ہوسکتا تھا۔ الماری کے فرش پر بھی گرد جمی ہوئی تھی۔

نایاب ایک بار پھر اسی ڈھانچے کو دیکھنے لگی۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ یہ ڈھانچہ بے لباس تھا۔ اگر ویسے کسی کو قتل کرکے الماری میں بند کیا گیا ہوتا تو اس کے جسم پر لباس ضرور ہوتا۔ لیکن یہ ڈھانچہ بے لباس تھا جس کا مطلب تھا کہ برہنہ لاش کو الماری میں بند کر دیا گیا تھا۔ الماری اور ڈھانچے کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ یہ شاید برسوں پہلے کی بات ہوگی۔ پچاس سال' ساٹھ سال یا ستر سال پہلے کی۔ لیکن یہ ڈھانچہ کس کا تھا۔ کسی مرد کا یا عورت کا؟

نایاب کی آنکھوں کے سامنے اس عورت کی لاش گھوم گئی جو گزشتہ روز اس نے دوسرے کمرے میں دیکھی تھی۔ وہ لاش بھی برہنہ تھی۔ تو کیا یہ ڈھانچہ بھی اسی عورت کا تھا؟ ایک ڈھانچے کو دیکھ کر اس کی جنس کا اندازہ لگانا نایاب کے لئے ممکن نہیں تھا۔ اس کا فیصلہ تو کوئی ماہر ہی کرسکتا تھا۔

وہ دونوں کچھ دیر تک اس کمرے میں کھڑے رہے پھر باہر آگئے۔ قیوم کے دل میں جو خوف ابھرا تھا اس پر اب وہ قابو پاچکا تھا۔ وہ نایاب کے ساتھ حویلی کی راہداریوں اور

کمروں میں گھومتا رہا۔ نایاب تمام کمروں کے دروازے کھولتی چلی گئی تھی۔

"اب تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ یہاں ہم لوگوں کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" نایاب نے قیوم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے اب دوسروں کو بھی اندر بلا لیا جائے تاکہ ان کا خوف بھی دور ہو جائے۔"

"میں بلا کر لاتا ہوں۔" قیوم نے کہا۔

اور پھر کچھ دیر بعد دوسرے آدمی بھی اندر آگئے۔ پہلے تو وہ کچھ دیر تک ڈرے ڈرے سے رہے پھر رفتہ رفتہ ان کا خوف بھی دور ہونے لگا۔ وہ سب لوگ حویلی میں گھوم پھر کر دیکھتے رہے۔ تمام دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ کھول دی گئی تھیں ان سے تازہ ہوا اور روشنی اندر آنے لگی تھی۔

یہ حویلی دو منزلہ تھی۔ اوپر کی منزل پر جانے کے لئے سیڑھیاں دائیں طرف ایک کشادہ ڈیوڑھی میں تھیں۔ اس ڈیوڑھی سے ایک دروازہ اندر کی طرف بھی کھلتا تھا۔ اس دروازے کو بند کرکے حویلی کے نیچے والے حصہ کو الگ کیا جاسکتا تھا۔ لیکن وہ دروازہ کھلا ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس حویلی میں ایک ہی خاندان کی رہائش تھی اور کمینوں کی اوپر نیچے آمدورفت تھی۔

نایاب اوپر والی منزل پر آگئی۔ قیوم اور الٰہی بخش بھی اس کے ساتھ تھے۔ اوپر بھی تمام کمرے خالی تھے اور فرش پر گرد کی کئی کئی انچ تہہ جمی ہوئی تھی۔ تمام کھڑکیاں اور دروازے کھول دیے گئے۔ ہوا اور روشنی کی آمدورفت سے حویلی کی فضا قدرے بہتر ہوگئی۔

وہ لوگ تقریباً" دو گھنٹوں تک حویلی میں رہے۔ نایاب حویلی کا جائزہ لیتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ رہائش اختیار کرنے کی صورت میں یہاں کیا کچھ کرنا ہوگا۔ اس حویلی میں بجلی نہیں تھی۔ گاؤں کی طرف جانے والی بجلی کی لائن حویلی سے زیادہ دور نہیں تھی۔ ذرا سی بھاگ دوڑ سے کنکشن تو مل سکتا تھا لیکن حویلی میں وائرنگ' صفائی اور مرمت وغیرہ کے لئے کئی روز درکار تھے۔ حویلی کی حالت خاصی خستہ تھی اور اس کی مرمت دو چار روز میں نہیں ہوسکتی تھی۔

"چھوٹی بی بی۔ اب چلیں۔ اب تو یہاں کچھ نہیں ہے۔" قیوم نے اس کے قریب

آکر کہا۔

"یہاں تو پہلے بھی کچھ نہیں تھا۔" نایاب نے کہا۔ "بہرحال' چلو۔ اب واپس چلیں۔"

نایاب نے کمروں کی کھڑکیاں وغیرہ کھلی رہنے دی تھیں البتہ پچھلی طرف کے دروازے بند کروا دیئے تھے۔ برآمدے میں آکر اس نے وہ دروازہ بھی بند کر دیا اور سامنے دیکھنے لگی۔ اس وقت دوپہر ہو رہی تھی۔ تیز دھوپ میں آنکھیں کھولنا مشکل ہو رہا تھا۔

کافی دیر بعد آنکھیں تیز روشنی سے مانوس ہوئیں تو وہ گہری نظروں سے ادھر ادھر کا جائزہ لینے لگی۔ حویلی کا صحن بہت وسیع و عریض تھا۔ ہر طرف خشک جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ دائیں طرف آم کے دو تین پیڑ تھے۔ پانی نہ ملنے کی وجہ سے وہ پیڑ بھی سوکھ چکے تھے۔ بائیں طرف دیوار کے قریب پیپل کا ایک بہت بڑا درخت تھا۔ اس کا تنا بھی پھیلا ہوا تھا۔ اس درخت کی چند شاخوں پر کچھ پتے نظر آرہے تھے۔ جبکہ باقی شاخیں سوکھی ہوئی تھیں۔

حویلی کی چار دیواری خاصی اونچی تھی۔ دیواریں کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھیں جن پر گارے کا پلستر تھا جو جگہ جگہ سے اکھڑ چکا تھا۔ ایک دو جگہوں سے دیواروں کے اوپر کے کچھ حصے ٹوٹ چکے تھے۔

حویلی کا گیٹ بہت بڑا تھا۔ اس کا ایک پٹ ٹوٹا ہوا تھا اور دوسرا بھی اپنی جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ وہ گیٹ مکمل طور پر تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔

"قیوم۔" وہ مڑ کر قریب کھڑے ہوئے قیوم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں معلوم ہے میں اس حویلی میں رہائش اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن اس سے پہلے اس کی صفائی کی ضرورت ہے۔ حویلی کی مکمل صفائی اور مرمت میں تو ایک مہینے سے بھی زیادہ کا عرصہ لگے گا۔ لیکن کام شروع کیا جائے گا تو پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں چھوٹی بی بی۔" قیوم نے کہا۔ "کوئی کام شروع کیا جائے تو پورا ہوتا ہے نا۔ جب کام شروع ہی نہ ہو تو پورا کیسے ہوگا۔"

"ہں۔ اور میں چاہتی ہوں کہ صفائی وغیرہ کا کام کل ہی سے شروع کروا دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے بی بی جی۔ میں انہی لوگوں کو لے کر صبح یہاں آجاؤں گا۔" قیوم نے

اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ پھر انہیں مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"کیوں بھئی۔ بیلو! اب تو تم لوگوں کو یہاں کوئی ڈر نہیں لگے گا؟"

"نہیں قیوے۔" الٰہی بخش نے کہا۔ "لگتا ہے یہاں رہنے والے بھوت چھوٹی بی بی کو دیکھ کر بھاگ گئے ہیں۔"

"میں ان سے بڑی بھوت ہوں۔" نایاب نے ہنستے ہوئے کہا۔ "چلو۔ اب چلیں۔"

وہ لوگ جھاڑیوں میں چلتے ہوئے حویلی کے پھاٹک سے باہر آگئے۔ اس وقت ہوا چل رہی تھی۔ وہ لوگ درختوں کے نیچے آکر رک گئے۔ درختوں کے ٹھنڈے سائے میں چہروں سے ٹکرانے والی ہوا بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ وہ لوگ کچھ دیر وہاں کھڑے رہے پھر ٹیلے سے اترنے لگے۔

"چھوٹی بی بی۔ وہ دیکھیں۔" الٰہی بخش نے رک کر ایک طرف اشارہ کیا۔

نایاب بھی رک کر اس طرف دیکھنے لگی۔ پانچ چھ کھیتوں کے فاصلے پر بکائین کے ایک درخت کے نیچے تین گھڑ سوار کھڑے تھے۔ وہ لوگ اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کے باوجود نایاب نے سفید گھوڑے والے کو پہچان لیا تھا۔ وہ چوہدری سعادت تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے گھوڑے پر شاید بگا تھا اور تیسرے گھوڑے والے کو وہ نہیں پہچان سکی تھی۔

"یہ لوگ کوئی گڑبڑ نہ کریں چھوٹی بی بی۔" قیوم نے کہا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں کرتے۔ میرے ساتھ آؤ تم لوگ۔" نایاب نے کہا اور ٹیلے سے نیچے اترنے لگی۔

وہ تینوں گھڑسوار بکائن کے درخت کے نیچے کھڑے رہے۔ نایاب اور قیوم وغیرہ کھیتوں کے درمیان پگڈنڈیوں پر چلتے رہے۔ وہ تقریباً ایک کھیت کے فاصلے سے گزر گئے۔ سعادت وغیرہ اب بھی اپنی جگہوں سے نہیں ہلے تھے۔ البتہ وہ تینوں گہری نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"چھوٹے چوہدری کے ارادے خطرناک لگتے ہیں چھوٹی بی بی۔" الٰہی بخش نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "آپ کے خلاف تو وہ شاید کچھ نہ کرے لیکن ہمیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کرے گا۔"

"گھبراؤ نہیں۔ میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں۔ اگر وہ ایسی کوئی حماقت کرے گا تو میں نمٹ لوں گی اس سے۔" نایاب نے کہا۔

وہ لوگ گاؤں پہنچ گئے۔ قیوم وغیرہ تو اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور نایاب ملک صاحب کی حویلی میں آگئی۔ گاؤں کی تین چار عورتیں بھی حویلی موجود تھیں۔ نایاب کو دیکھ کر ان سب کے چہروں پر رونق سی آگئی۔

شکر ہے چھوٹی بی بی! تم خیریت سے آگئیں۔ ہمیں تو تمہاری طرف سے ڈر لگا ہوا تھا۔" ماسی مہراں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈر کس بات کا ماسی!" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں کوئی محاذ جنگ پر گئی ہوئی تھی۔"

"ارے بیٹی۔ جملے اور فقیر حسین ڈر کر واپس آگئے تھے نا۔ انہوں نے گاؤں میں آکر بتایا تھا کہ بگے نے تم لوگوں کا راستہ روکا تھا اور پستول بھی نکال لیا تھا لیکن ایک بوڑھا بابا اچانک ہی کہیں سے آگیا جسے دیکھ کر بگے کا گھوڑا بھی بھڑک کر بھاگ اٹھا اور بگا بھی ڈر کر بھاگ گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ بوڑھا کون تھا اور کہاں سے آیا تھا۔ وہ دونوں قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے پہلے اس بوڑھے کو اپنے ساتھ نہیں دیکھا تھا۔ پتہ نہیں وہ کوئی بد روح تھی یا کوئی ہوائی چیز۔ اسی لئے تو وہ دونوں ڈر کر واپس بھاگ آئے تھے۔"

"کچھ بھی نہیں تھا ماسی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ تو میں نے بگے کو آنکھیں دکھائی تھیں تو وہ ڈر کر بھاگ گیا تھا۔ میرے ساتھ تو قیوم اور الٰہی بخش وغیرہ بھی تھے۔ وہ سب لوگ خیریت سے اپنے گھروں کو پہنچ گئے ہیں۔ آپ چاہیں تو ان سے جاکر پوچھ لیں۔ کچھ بھی تو نہیں ہے اس حویلی میں۔"

"رب تمہیں حیاتی دے بیٹی۔" ماسی مہراں نے کہا۔ "ان چوہدریوں کی غیرت ہی پتہ نہیں کیوں مرگئی ہے۔"

"بس یہی دعا کرو کہ رب انہیں غیرت دے۔" نایاب نے کہا اور پھر نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "انکل کی طبیعت کیسی ہے؟"

"سکندر بھائی انہیں نور پور' ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے ہوئے ہیں۔ ابھی تک واپس نہیں آئے۔" نرگس نے جواب دیا۔ "تمہارا حلیہ کیسا ہو رہا ہے۔ جیسے مٹی میں لوٹ کر

آرہی ہو۔ منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلو۔ میں تمہارے لئے کھانا نکالتی ہوں۔"

"کھانا۔ ہاں بھوک تو لگ رہی ہے۔ تم لوگ کھا چکے کیا؟" نایاب بولی۔

"ہاں تھوڑی دیر پہلے ہی کھایا ہے۔" نرگس کہتے ہوئے اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔

نایاب نے کمرے میں آکر اپنے دھلے ہوئے کپڑے اٹھائے اور غسل خانے میں گھس گئی۔ جب وہ اپنا حلیہ درست کرکے باہر نکلی تو ماسی مہراں وغیرہ جا چکی تھیں۔ نایاب برآمدے ہی میں سکینہ کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئی۔ نرگس نے کھانا ان کے سامنے لاکر رکھ دیا اور نایاب ان سے باتیں کرتے ہوئے کھانا کھانے لگی۔

○

سنہری سانپ

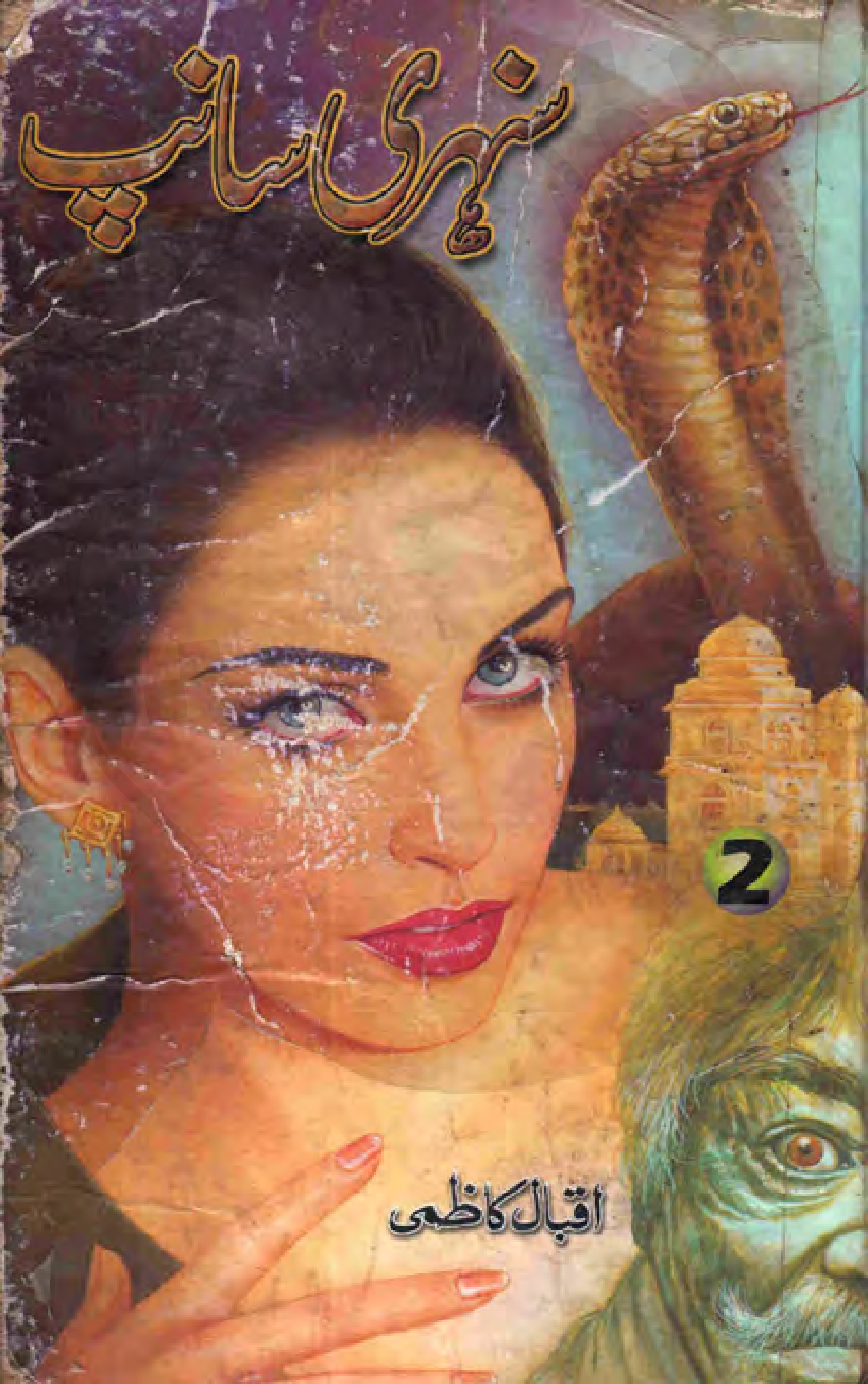

2

اقبال کاظمی

معیاری اور خوبصورت کتابیں
بااہتمام: محمد علی قریشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/175روپے
مکمل سیٹ ——— -/350روپے

اس خبر نے پورے گاؤں میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ بگا اور کرامت پرانی حویلی میں مردہ پائے گئے تھے۔

یہ اطلاع اس طرح ملی تھی کہ قیوم اور الٰہی بخش وغیرہ حویلی کے وسیع و عریض صحن میں پھیلی ہوئی جھاڑیاں صاف کرنے کے لئے کدالیں اور پھاوڑے لے کر صبح چھ بجے ہی اس پرانی حویلی میں پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے حویلی کے پھاٹک کے قریب سے جھاڑیاں صاف کرنا شروع کیں۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہ اپنے کام میں مصروف رہے۔ پھر وہ دم لینے کو رکے تھے کہ حویلی کے اندر کوئی دروازہ کھلنے اور دھڑ سے بند ہونے کی آواز سن کر چونک گئے۔ وہ حویلی کے برآمدے کی طرف دیکھنے لگے۔ برآمدے والا داخلی دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ حالانکہ ان سب کو اچھی طرح یاد تھا کہ گزشتہ روز جب وہ حویلی سے باہر نکلے تھے تو نایاب نے دروازہ بند کرکے اوپر کا کنڈا لگایا تھا۔

"قیوے!" الٰہی بخش نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے اندر کوئی ہے۔ وہ دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔"

"ہاں۔ وہ کھلا ہوا دروازہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ لیکن اندر کون ہو سکتا ہے؟" قیوم بولا۔

"کل جب ہم لوگ واپس جا رہے تھے تو بکائین کے درخت کے نیچے نکا چوہدری' بگا

اور کرامت کھڑے تھے۔" الٰہی بخش نے کہا۔ "انہوں نے ہمیں حویلی میں جاتے ہوئے اور پھر زندہ سلامت واپس آتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ انہوں نے یقیناً یہ سمجھ لیا ہوگا کہ حویلی میں آسیب وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو ہم لوگوں میں سے کسی کو ضرور کوئی نقصان پہنچتا یا ہم لوگ ڈر کر بھاگ رہے ہوتے۔"

"کہنا کیا چاہتے ہو؟" قیوم نے اسے گھورا۔

"انہوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ حویلی کے آسیب ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے تو انہیں کیا نقصان پہنچائیں گے۔ یا یہ سوچا ہوگا کہ حویلی میں سرے سے کوئی آسیب ہے ہی نہیں۔ اور ہوسکتا ہے یہی سوچ کر وہ لوگ حویلی میں داخل ہوئے ہوں اور اس وقت بھی کوئی اندر موجود ہو۔" الٰہی بخش نے کہا۔

"کہتے تو تم ٹھیک ہو۔ آؤ۔ اندر چل کر دیکھتے ہیں۔" قیوم نے کہتے ہوئے اپنا پھاوڑا اٹھالیا۔

"تم فضل کو ساتھ لے جاؤ۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے یار!" الٰہی بخش بولا۔

"بڑے بزدل ہو۔" قیوم نے اسے گھورا۔ "کل تو ہم سب اندر گئے تھے۔ کیا تھا وہاں.....؟ کچھ ہوا تھا؟"

"یار وہ ڈھانچہ۔"

"وہ انسانی ڈھانچہ۔" قیوم نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "وہ ڈھانچہ تو ٹوٹا پھوٹا تھا۔ وہ کسی کو کیا نقصان پہنچائے گا۔ اس کے علاوہ تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ چلو..... تم ہی میرے ساتھ چلو۔"

الٰہی بخش نے اپنا پھاوڑا اٹھالیا اور وہ دونوں جھاڑیوں میں چلتے ہوئے برآمدے میں آگئے۔ دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ الٰہی بخش کے چہرے پر خوف کے ہلکے سے تاثرات تھے۔ جبکہ قیوم بالکل پرسکون نظر آرہا تھا۔ اس نے الٰہی بخش کو اشارہ کیا اور وہ دونوں اندر داخل ہوگئے۔

گزشتہ روز انہوں نے دروازے بند کردیئے تھے اور تمام کھڑکیاں کھلی چھوڑ گئے تھے۔ لیکن اب وہ کھڑکیاں بند تھیں جس کی وجہ سے حویلی کے اندر کا ماحول نیم تاریک تھا۔

"کون ہے۔ اندر کون ہے بھئی۔ جواب دو۔ کون ہے اندر۔" قیوم نے اونچی آواز

میں کہا۔ لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

"ایسا کرو..... تم اس طرف جاؤ۔ میں اس طرف دیکھتا ہوں۔" قیوم نے الٰہی بخش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی۔ اکٹھے ہی چلتے ہیں۔" الٰہی بخش نے جواب دیا۔

اور پھر کسی دروازے کی چرچراہٹ کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئے۔

"آواز ادھر سے آئی تھی۔" قیوم نے بائیں طرف اشارہ کیا۔ "چلو پہلے اسی طرف چلتے ہیں۔"

وہ دونوں پھاوڑے سنبھالے راہداری میں مڑگئے اور پھر ایک کمرے کا دروازہ کھلتے دیکھ کر رک گئے۔ یوں لگا تھا جیسے دروازے کا پٹ تھوڑا سا کھل کر رک گیا ہو۔

"وہ جو کوئی بھی ہے اسی کمرے میں ہے۔" قیوم نے سرگوشی کی پھر دروازے کی طرف رخ کرکے اونچی آواز میں بولا۔ "اندر جو کوئی بھی ہے باہر آجاؤ۔ ہمیں پتہ چل گیا ہے تم یہاں ہو۔"

لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ قیوم دروازے کے بالکل قریب رک کر اندر سے کسی قسم کی آہٹ لینے کی کوشش کررہا تھا لیکن کمرے کے اندر گہرا سناٹا تھا۔ قیوم نے ایک بار پھر آواز دے کر پوچھا کہ کمرے میں کون ہے۔ لیکن اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے مڑکر الٰہی بخش کو اشارہ کیا اور پھاوڑے کو حملہ آور انداز میں دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اندر داخل ہوگیا۔ الٰہی بخش بھی اس کے پیچھے اسی انداز میں اندر آگیا تھا۔

کمرے میں تاریکی تھی۔ پچھلے روشندان سے بہت کم روشنی اندر آرہی تھی۔ وہ دونوں ادھر ادھر دیکھتے رہے لیکن کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ الٰہی بخش دو قدم اور آگے بڑھا تو اس کا پیر کسی چیز سے ٹکرا گیا۔ وہ لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا تھا۔

"قیوے۔ ماچس نکال کر تیلی جلاؤ۔ یہاں کوئی چیز پڑی ہوئی ہے۔" الٰہی بخش نے سرگوشی کی۔

قیوم سگریٹ نوشی کرتا تھا۔ ماچس اس کی جیب میں موجود تھی۔ اس نے ایک تیلی جلائی اور پھر اس کی مدھم سی روشنی میں جو کچھ نظر آیا اسے دیکھ کر دونوں چیخ اٹھے۔

کمرے کے گرد آلود فرش پر ننگا چٹ پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں

اور چہرے پر خوف و دہشت کے تاثرات جیسے منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کے اوپر ایک انسانی ڈھانچہ اس طرح پڑا ہوا تھا جیسے کسی نے اپنے حریف کو زمین پر گرا کر دبوچ رکھا ہو۔ ڈھانچے کے دونوں استخوانی ہاتھ بگے کے گلے پر تھے۔

ماچس کی تیلی بجھ گئی۔ وہ دونوں چیختے ہوئے کمرے سے باہر آگئے۔ اور بدحواسی میں راہداری میں غلط سمت میں مڑ گئے۔ اس کا احساس انہیں اس راہداری کے آخر میں پہنچ کر ہوا تھا۔ لیکن وہ واپس آنے کے بجائے دوسری راہداری میں مڑ گئے۔ اور وہاں سے جیسے ہی بیرونی دروازے کی طرف جانے والی راہداری میں مڑے' ایک بار پھر چیخنے لگے۔ وہ رک کر پھٹی پھٹی سی نظروں سے راہداری کے گرد آلود فرش پر کرامت کی لاش کو دیکھنے لگے۔ کرامت کی آنکھیں بھی باہر کو نکلی ہوئی تھیں اور چہرے پر انتہائی خوف و دہشت کے تاثرات تھے۔ وہ دونوں ایک بار پھر چیختے ہوئے باہر کی طرف دوڑے۔

حویلی کے صحن میں کھڑے ہوئے فضل وغیرہ نے ان کی چیخوں کی آوازیں سن لی تھیں اور وہ سب اپنے اپنے پھاوڑے سنبھالے خوفزدہ سے برآمدے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ الٰہی بخش اور قیوم کو اندر سے برآمد ہوتے دیکھ کر انہیں کسی قدر اطمینان ہوا کہ وہ زندہ سلامت واپس آگئے تھے۔ لیکن انہیں چیختے دیکھ کر وہ بدحواس ضرور ہوئے تھے۔ وہ دونوں ان کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے سانس اس طرح پھولے ہوئے تھے جیسے میلوں دور سے بھاگتے ہوئے آرہے ہوں۔

"کیا ہوا۔ کیوں چیخ رہے ہو۔" فضل نے چیخ کر پوچھا۔ "کیا ہے اندر۔ کوئی بھوت دیکھ لیا ہے کیا؟"

"بھوت نہیں لاشیں۔" الٰہی بخش نے اپنے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "بگے اور کرامت کی لاشیں۔ وہ اندر مرے پڑے ہیں۔"

"بگے اور کرامت کی لاشیں۔" فضل چونک گیا۔ "انہیں کس نے قتل کیا ہے؟"

"وہ ۔ وہ انسانی ڈھانچہ .." الٰہی بخش بولا۔ "بگے کے سینے پر چڑھا ہوا تھا کمرے میں .... اور کرامت کی لاش دوسری طرف راہداری میں پڑی ہے۔"

"وہ دونوں اندر کیا کرنے گئے تھے۔ لیکن .... وہ ڈھانچہ تو کل ہم سب نے دیکھا تھا۔ وہ ٹوٹا پھوٹا تھا۔ کھوپڑی کہیں' بازو کی ہڈیاں کہیں اور ٹانگوں کی ہڈیاں کہیں ..... پھر وہ

ڈھانچہ بگے کے سینے پر کیسے چڑھ گیا۔"

"رب جانے۔" الٰہی بخش نے کہا۔ "وہ ڈھانچہ اس کمرے میں بھی نہیں تھا جہاں کل ہم نے دیکھا تھا۔ بگے کی لاش دوسرے کمرے میں تھی اور ڈھانچہ بھی وہیں تھا۔"

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہ کام چھوڑ کر گاؤں پہنچ جانا چاہئے۔ تاکہ گاؤں والوں کو ان کے بارے میں بتا سکیں۔" قیوم نے کہا۔

"ہاں چلو۔ یہ کام بعد میں بھی ہوتا رہے گا۔ ایسا نہ ہو ہم بھی کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔" فضل نے کہا اور سب نے اپنے اپنے پھاوڑے اٹھا لئے۔

قیوم اور الٰہی بخش کے پھاوڑے حویلی کے اندر ہی رہ گئے تھے۔ قیوم نے مڑ کر برامدے کی طرف دیکھا تو وہ دروازہ خود بخود آہستہ آہستہ بند ہو رہا تھا۔ وہ لوگ پھاٹک سے نکل کر تیزی سے ٹیلے کی ڈھلان اترنے لگے۔

گاؤں پہنچنے میں انہیں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ وہ سیدھے ملک صاحب کی حویلی پہنچے تھے۔ سکندر کھیتوں پر گیا ہوا تھا۔ انہوں نے نایاب کو سب کچھ بتا دیا۔ نایاب چونک گئی۔

تم لوگ قیوم کے گھر جاکر بیٹھو۔ میں وہیں آتی ہوں اور ہاں ابھی کسی کو اس بات کا پتہ نہ چلے کہ وہاں تم لوگوں نے کیا دیکھا تھا۔ واپس آنے کا کوئی اور بہانہ کر دینا سمجھے۔" نایاب نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "قیوم تم کسی کو ڈیرے پر بھیج کر سکندر بھائی کو بلا لو۔ اس واقعے کی اطلاع پولیس کو دینی پڑے گی اور سکندر بھائی کا یہاں موجود ہونا بہت ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے چھوٹی بی بی۔" قیوم بولا۔ "نایاب نے جواب دیا۔ وہ لوگ چلے گئے اور نایاب اندر آگئی۔

"کیا ہوا۔ یہ لوگ تو پرانی حویلی میں کام کرنے گئے تھے۔ واپس کیوں آگئے؟" نرگس نے پوچھا۔

"وہاں ایک عجیب واقعہ پیش آگیا ہے۔ نایاب نے کہا اور سرگوشیانہ لہجے میں اسے وہ سب کچھ بتانے لگی جو قیوم سے سنا تھا۔ نگینہ بھی قریب کھڑی حیرت سے یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ نایاب آخر میں کہہ رہی تھی۔ "جب میں نے کمرے میں وہ الماری کھولی تھی تو

وہ ڈھانچہ نیچے گر کر ٹوٹ گیا تھا۔ اس کی کھوپڑی اور ہڈیاں الگ الگ ہو گئی تھیں۔ اور اب ان دونوں کا کہنا ہے کہ وہ ڈھانچہ بگے کے سینے پر سوار اس کا گلا دبوچے ہوئے تھا۔"

"یہ بگا وہی تو نہیں جس نے شادی میں تمہارے اوپر مور پھینکا تھا اور تمہارے بھائی نے اسے گاؤں سے نکال دیا تھا۔" سکینہ نے کہا۔

"وہی ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "لیکن وہ کہیں جانے کی بجائے سعادت کے ڈیرے پر پناہ لئے ہوئے تھا۔ اس جیسے لوگ آسانی سے برائی کا دامن نہیں چھوڑتے۔ یہ لوگ اگرچہ اپنے آپ میں کچھ نہیں ہوتے لیکن دوسروں کی شہ پر بستیوں کی بستیاں اجاڑ دیتے ہیں اور پھر قدرت ان سے ایسا انتقام لیتی ہے کہ وہ عبرت کا نشان بن کر رہ جاتے ہیں۔"

"ایسے لوگوں کا انجام تو پھر برا ہی ہوتا ہے نا۔" سکینہ نے کہا۔

نایاب کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ماسی مہراں کو حویلی کے دروازے میں داخل ہوتے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ ملک صلاح الدین جب سے بیمار ہوئے تھے' حویلی میں لوگوں کی آمدورفت بڑھ گئی تھی۔ ان کی عیادت کو آنے والوں میں گاؤں کے کمی کامی بھی تھے اور کسان زمیندار بھی۔ ملک صاحب نے ایک صاف ستھری زندگی گزاری تھی۔ وہ ایک بااخلاق اور باکردار آدمی تھے۔ ان کے کردار پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی تھی۔ لوگوں کے ساتھ انہوں نے ہمیشہ محبت اور روا داری کا سلوک کیا تھا۔ تکبر اور نخوت ان میں نام کو نہیں تھی۔ درویش منش آدمی تھے۔ ایک طرف اگر ان کا اٹھنا بیٹھنا بڑے لوگوں میں تھا تو دوسری طرف وہ گاؤں کے موچی اور ماشکی کے ساتھ بھی زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھے گپ شپ کرتے نظر آتے تھے۔ یہ ان کا کردار اور حسن اخلاق ہی تھا کہ ان کی بیماری پر لوگ بے چین ہو گئے تھے اور گاؤں کا ہر شخص ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے چلا آ رہا تھا۔

ماسی مہراں کچھ دیر کمرے میں ملک صاحب کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر باہر آ کر برآمدے میں سکینہ کے پاس بیٹھ گئی۔ نایاب بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد ملک سکندر بھی پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی نمایاں طور پر نظر آ رہی تھی۔ اس طرح بلائے جانے پر وہ پریشان ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے سکینہ۔ خیر تو ہے۔ ابا جی کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" اس نے اندر آتے

ہی پوچھا۔

"ابا جی تو ٹھیک ہیں۔ آپ کیوں پریشان ہیں۔" سکینہ بولی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ نایاب نے اسے بلانے کے لئے کوئی پیغام بھیجا تھا۔

"وہ دراصل میں نے سکندر بھائی کو پیغام بھیج کر بلایا تھا۔" نایاب نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"خیر تو ہے۔ کیا معاملہ ہے۔" سکندر نے اس کی طرف دیکھا۔

"سکندر بھائی۔ آپ کو معلوم ہے آج صبح میں نے چند آدمیوں کو حویلی کے صحن میں جھاڑیاں وغیرہ صاف کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ لوگ کچھ دیر پہلے واپس آ گئے ہیں۔" نایاب نے کہا۔

"چوہدری سعادت نے انہیں روکا ہو گا۔" سکندر بولا۔ "میں نے تو پہلے ہی تمہیں منع کیا تھا کہ ابھی یہ پینگے بازی شروع مت کرو۔ یہ وقت ان باتوں کے لئے مناسب نہیں۔ سعادت کو تم اچھی طرح سمجھ گئی ہو۔ وہ کوئی نیا مسئلہ کھڑا کر دے گا۔"

"مسئلہ سعادت کا نہیں ہے۔" نایاب نے کہا۔ اس نے کن انکھیوں سے ماسی مہراں کی طرف دیکھا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "حویلی میں بگے اور کرامت کی لاشیں پڑی ہیں۔ ان کی موت....."

"کیا....." سکندر اچھل پڑا۔ "بگے اور کرامت کی لاشیں۔ حویلی میں .... وہ لوگ وہاں کیا کرنے گئے تھے؟"

"میں نے آپ کو بتایا تھا کہ کل جب ہم لوگ حویلی سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں سعادت اور بگا وغیرہ ملے تھے۔ ہمیں زندہ سلامت واپس آتے دیکھ کر انہوں نے سمجھا ہو گا کہ حویلی میں کچھ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے چوہدری سعادت نے ان دونوں کو حویلی میں چھپا دیا ہو گا تاکہ مجھے یا میرے آدمیوں کو حویلی میں داخل ہونے سے روک سکیں۔ لیکن۔"

"لیکن وہ خود ہی موت کا شکار ہو گئے۔" سکندر نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

"جی ہاں۔ اور میرا خیال ہے پولیس کو اس کی اطلاع دینی پڑے گی۔" نایاب نے کہا۔

"ہاں۔ یہ بہت ضروری ہے۔" سکندر بولا۔ "میں ذرا ابا جی سے مل لوں۔ پھر بات

کرتے ہیں۔" وہ ملک صاحب والے کمرے میں چلا گیا۔

"کیا ہوا چھوٹی بی بی! یہ بچے اور کرامت کی کیا بات ہے۔" ماسی مہراں نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں مر گئے ہیں ماسی۔ انکی لاشیں پرانی حویلی میں پڑی ہیں۔" نایاب نے کہا اور پھر اسے بھی تفصیل سے بتانے لگی۔

"ہائے اللہ۔" ماسی مہراں ہاتھ ملے ہوئے بولی۔ "وہ کم بخت حویلی میں کیوں گئے تھے۔ سچ کہتے ہیں بی بی۔ جس کی موت جیسے لکھی ہوئی ہے ویسے ہی آتی ہے۔ اچھا سکینہ بیٹی میں چلتی ہوں۔ گھر کے سارے کام ابھی پڑے ہوئے ہیں۔"

ماسی مہراں نے آخری الفاظ سکینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہے اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

سکینہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ سب ہی جانتے تھے کہ ماسی مہراں اپنے گھر نہیں جائے گی۔ جب تک وہ یہ بات پورے گاؤں میں نہیں پھیلا دے گی اسے چین نہیں آئے گا۔

تقریباً" دس منٹ بعد سکندر' ملک صاحب کے کمرے سے نکل آیا۔

"قیوم وغیرہ کہاں ہیں؟" اس نے نایاب کی طرف دیکھا۔

"اپنے گھر میں ہے' الٰہی بخش وغیرہ بھی وہیں ہیں۔ چلئے۔ وہیں چلتے ہیں۔" نایاب نے کہا۔

سکندر کچھ دیر سکینہ سے باتیں کرتا رہا پھر نایاب کے ساتھ حویلی سے باہر آگیا۔

ماسی مہراں کے بارے میں ان کا خیال درست نکلا تھا۔ بچے اور کرامت کے بارے میں خبر پور گاؤں میں پھیل چکی تھی۔ ایک دو آدمیوں نے راستے میں سکندر کو روک کر پوچھا بھی تھا۔

قیوم کے گھر میں الٰہی بخش وغیرہ بھی موجود تھے۔ قیوم کی بہن رابعہ' نایاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ رابعہ کو اس نے شادی میں بھی دیکھا تھا۔ اس وقت نایاب کو معلوم نہیں تھا کہ وہ قیوم کی بہن ہے۔ رابعہ قیوم سے دو سال چھوٹی تھی۔ وہ بھی قیوم کی طرح دراز قامت اور سڈول جسم کی مالک تھی۔ کھلتی ہوئی رنگت اور چہرے کے نقوش تیکھے تھے۔ اس کی عمر بائیس تیئیس سال رہی ہوگی۔ بڑی حسین لڑکی تھی۔

ان کی والدہ کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ گھر رابعہ ہی نے سنبھال رکھا تھا۔ ان کا باپ اب بھی گھروں میں پانی بھرتا تھا۔ قیوم کھیتوں پر کام کرتا تھا۔ شادی والے روز بھی رابعہ نایاب سے بڑی گرمجوشی سے ملی تھی اور اس وقت تو نایاب کو اپنے گھر میں دیکھ کر وہ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔

سکندر' قیوم وغیرہ سے حویلی والے واقعہ کے بارے میں تفصیل معلوم کرتا رہا اور نایاب رابعہ سے باتیں کرتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد سکندر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"قیوم' الٰہی بخش! تم دونوں سڑک پر پہنچو۔ میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔" اس نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں سکندر بھائی۔" نایاب نے کہا۔

"نہیں۔ تمہاری ضرورت نہیں ہے۔" سکندر نے جواب دیا۔ "میں پولیس کو لے کر سیدھا پرانی حویلی چلا جاؤں گا۔ تم اگر چاہو تو گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد وہاں آجانا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آجاؤں گی۔" نایاب نے کہا۔ وہ بھی گھر جانا چاہتی تھی لیکن رابعہ نے اسے روک لیا۔

"آپ پہلی بار ہمارے گھر آئی ہیں۔ چائے پلائے بغیر تو نہیں جانے دوں گی۔" رابعہ نے کہا۔

نایاب دوبارہ چارپائی کے اوپر بیٹھ گئی۔ رابعہ باورچی خانے میں جاکر چائے بنانے لگی۔ باورچی خانہ کیا تھا سوکھی ہوئی شاخوں اور گھاس پھونس کا ایک بڑا سا سائبان تھا۔ جس کے نیچے چولہا وغیرہ بنا ہوا تھا اور ایک چھوٹے سے چبوترے پر کچھ برتن رکھے ہوئے تھے۔ وہ جلد ہی چائے بنا کر لے آئی۔

چائے کے دوران رابعہ نایاب کو اپنا کشیدہ کاری کا کام دکھاتی رہی۔

کڑھائی کا بڑا خوبصورت کام تھا۔ اس نے ڈبل بیڈ کی چادر اور تکیے کے دو غلافوں پر مشتمل ایک سیٹ نایاب کو تحفہ میں دیدیا۔ نایاب بہت خوش ہوئی تھی۔ وہ بڑی دلچسپی سے کڑھائی کا کام دیکھ رہی تھی۔ کپڑوں پر باریک کڑھائی اور کشیدہ کاری بھی ایک ہنر ہے جو شہروں میں تو تقریباً" ختم ہو چکا ہے۔ شہر کی لڑکیوں کو اب ایسی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔ البتہ گاؤں' دیہاتوں میں یہ فن ابھی زندہ ہے۔ گاؤں کی رہنے والی کوئی لڑکی

ایسی نہ ہوگی جسے کڑھائی اور کشیدہ کاری نہ آتی ہو۔

نایاب تقریباً ایک گھنٹے تک وہاں بیٹھی رہی۔ اس دوران ہی اس نے اپنے بارے میں نایاب کو بہت کچھ بتایا تھا۔ دو سال پہلے اس کی منگنی ہوئی تھی۔ لڑکا ان کی برادری کا ہی تھا۔ ایک سال بعد شادی کا پروگرام طے ہوا تھا۔ لیکن منگنی کے چار مہینے بعد رابعہ کا منگیتر پڑوس کی بستی میں رہنے والی ایک لڑکی کو بھگا کر لے گیا۔

"ارے!" نایاب کے لہجے میں حیرت تھی۔ "وہ کون احمق تھا جو تم جیسی پیاری سی حسین لڑکی کو چھوڑ کر کسی اور لڑکی کے ساتھ بھاگ گیا۔"

"یہ تو من کی بات ہے چھوٹی بی بی۔" رابعہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اسے وہ لڑکی مجھ سے زیادہ اچھی لگی ہوگی۔ چلا گیا اسے لے کر۔ سنا ہے انہوں نے شہر جاکر شادی کرلی تھی۔ اب وہیں رہ رہے ہیں۔"

"اور تمہارا کیا ہوا۔ کہیں اور رشتہ نہیں ہوا؟" نایاب نے پوچھا۔

"رشتے تو بہت آتے رہتے ہیں لیکن میں نے طے کرلیا ہے کہ اب شادی ہی نہیں کروں گی۔" رابعہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے۔ یہ کیا بات ہوئی۔" نایاب نے اسے گھورا۔ "پہاڑ جیسی زندگی کا بوجھ کیسے اٹھاؤ گی۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ اس طرح اکیلی زندہ رہ سکو گی۔ لوگ تمہیں زندہ رہنے دیں گے۔ تمہیں قدم قدم پر انسان نما بھیڑیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیسے مقابلہ کرو گی ان کا۔"

"آپ بھی تو زندہ ہیں اور ان بھیڑیوں کا مقابلہ کر رہی ہیں۔" رابعہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "حقیقت تو یہ ہے چھوٹی بی بی' آپ کی شخصیت اور کردار نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ عورت کمزور نہیں ہے۔ اگر عورت ٹھان لے تو بڑی سے بڑی قوت کو بھی اپنے قدموں میں جھکنے پر مجبور کرسکتی ہے۔"

"تمہاری باتیں تو بڑی فلسفیانہ ہیں۔" نایاب نے کہا۔

"میں نے اس قصبے کے ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا ہے۔" رابعہ مسکرائی۔ "میں تو نورپور کے کالج میں داخلہ لینا چاہتی تھی لیکن سب نے مخالفت کی اور ابا نے داخلہ نہیں لینے دیا۔ ایک کمی کاری کی اولاد اعلیٰ تعلیم کیسے حاصل کرسکتی ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔" نایاب گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "تعلیم پر بھی بڑے

لوگوں کی اجارہ داری ہے۔ اپنے بچوں کو تو وہ تعلیم دلانے کے لئے امریکہ' برطانیہ' روس اور نجانے کہاں کہاں بھیج دیتے ہیں لیکن غریبوں کے لئے ان لوگوں نے تعلیم کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ خاص طور پر جاگیردار' وڈیرے اور زمیندار نہیں چاہتے کہ ان کے ہاریوں اور مزارعوں کے بچے تعلیم حاصل کریں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ بچے تعلیم حاصل کرگئے تو ان کے کھیتوں میں ہل کون چلائے گا۔ زمین کا سینہ چیر کر ان کے لئے اناج کون پیدا کرے گا اور صنعت کار یہ سمجھتے ہیں کہ مزدوروں کے بچے پڑھ لکھ گئے تو ان کی مشینیں کون چلائے گا۔ مزدوروں کے بچوں کے پڑھ لکھ جانے سے مشین کا پہیہ رک گیا تو ان کے گھروں میں دولت کے انبار کیسے لگیں گے۔ اسی لئے یہ لوگ نہیں چاہتے کہ غریبوں کے بچے تعلیم حاصل کریں۔ گاؤں کا وڈیرہ ہو یا شہر کا صنعت کار۔ ان سب کی ذہنیت ایک ہے۔ غریبوں کا خون چوس کر اپنے گھروں میں دولت کے انبار لگانا۔ بہرحال۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "میں شاید کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوگئی ہوں۔ اب میں چلتی ہوں۔ پھر آؤں گی کسی وقت۔ تمہارے پاس بیٹھ کر ڈھیر ساری باتیں کروں گی۔"

"میں بھی آپ سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" رابعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب آپ اس حویلی میں منتقل ہو جائیں گی نا تو میں بھی آپ کے پاس آکر رہوں گی۔"

"اس پرانی حویلی میں۔" نایاب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہیں ڈر نہیں لگے گا وہاں؟"

"کیسا ڈر۔" رابعہ بولی۔ "جب آپ کو وہاں جاتے ہوئے کوئی ڈر نہیں لگتا تو مجھے کیوں لگے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس حویلی میں کام کروا لوں' قیوم اور تمہارے ابا سے کہہ کر تمہیں اپنے پاس لے جاؤں گی۔ اچھا بھئی۔ اب چلوں۔ بہت دیر ہوگئی۔ اس سیٹ کے لئے بہت بہت شکریہ۔" نایاب نے کہتے ہوئے بستر کے سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

رابعہ نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

نایاب' رابعہ کے گھر سے نکل کر دو تین گلیوں میں گھومتی ہوئی ملک صاحب کی حویلی

آگئی۔ اسے راستے میں پتہ چل گیا کہ پولیس کی ایک جیپ اور ملک سکندر کی کار پرانی حویلی کی طرف جاتے ہوئے دیکھی گئی ہے۔ نایاب نے رابعہ کا دیا ہوا بستر کا سیٹ نرمس کے حوالے کیا اور رکے بغیر حویلی سے باہر آگئی۔

گاؤں کے لوگوں کو یہ تو پہلے ہی معلوم ہوچکا تھا کہ پرانی حویلی میں بچے اور کرامت کی لاشیں ملی ہیں اور اب انہیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ملک سکندر پولیس کو لے کر وہاں پہنچ گیا ہے۔ لیکن لوگوں کو حیرت اس بات پر تھی کہ گزشتہ روز نایاب' قیوم وغیرہ کے ساتھ تقریباً" دو گھنٹے اس حویلی میں رہی تھی۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ حویلی کے ایک کمرے کی الماری سے ایک انسانی ڈھانچہ برآمد ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ نایاب اور اس کے ساتھیوں میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا لیکن بگا اور کرامت اس حویلی میں گئے تو پراسرار طور پر ہلاک ہوگئے۔

گاؤں والوں میں ایک بار پھر یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ نایاب مافوق الفطرت ہے اور حویلی میں رہنے والے آسیب بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن بیشتر لوگوں کو اس سے اختلاف تھا۔ ان کے خیال میں چوہدری فیملی کی طرف سے یہ مہم نایاب کی کردار کشی کے لئے چلائی گئی تھی۔ ایک بات سے بہرحال سب ہی متفق تھے کہ اس قسم کے پراسرار واقعات نایاب کے آنے کے بعد ہی شروع ہوئے تھے اور کسی نہ کسی طور پر نایاب کا ان واقعات سے تعلق رہا تھا۔

نایاب گاؤں سے نکل کر کھیتوں میں پہنچ چکی تھی۔ وہ ابھی پرانی حویلی سے دور ہی تھی کہ دو گھڑسواروں کو دائیں طرف سے حویلی کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ ان میں ایک تو چوہدری سعادت تھا۔ سفید گھوڑے پر اور دوسرے کو نایاب نہیں پہچان سکی تھی۔

وہ دونوں گھوڑے ٹیلے پر ایک درخت کے نیچے رک چکے تھے۔ وہ دونوں نیچے اتر آئے اور انہوں نے گھوڑوں کی لگامیں درخت سے باندھ دیں۔ اس دوران نایاب بھی وہاں پہنچ گئی۔ چوہدری سعادت کے ساتھ ملنگی تھا۔ یہ بھی ان چند حرام زادوں میں سے ایک تھا جنہوں نے سعادت کی شہ پر گاؤں کے بعض لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔

نایاب لاپرواہی کا اظہار کرتی ہوئی ان کے قریب سے گزر گئی۔ نہ تو اس نے سعادت کو مخاطب کیا تھا اور نہ ہی سعادت کچھ بولا تھا۔ نایاب ذرا سا گھوم کر حویلی کے

گیٹ کی طرف چلی گئی۔ گیٹ کے سامنے ایک طرف سکندر کی گاڑی اور اس کے قریب ہی پولیس کی جیپ کھڑی تھی۔ ایک کانسٹیبل جیپ سے ٹیک لگائے کھڑا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس نے نایاب کو دیکھ کر سلام بھی کیا تھا۔

نایاب بھاٹک میں داخل ہوگئی۔ برآمدے کے سامنے سب انسپکٹر اشرف' ملک سکندر اور چار دیگر پولیس اہلکار کھڑے تھے جن میں ایک ہیڈ کانسٹیبل تھا اور تین کانسٹیبل۔ نایاب ان کے قریب پہنچی ہی تھی کہ چوہدری سعادت اور ملنگی بھی اندر آگئے اور جھاڑیوں میں چلتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔ نایاب نے فوراً" ہی محسوس کرلیا تھا کہ ان دونوں کی آنکھوں میں ہلکا سا خوف جھلک رہا تھا۔ اور یہ خوف غالباً" ان آسیبوں کا تھا۔ جو حویلی میں ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔

"آپ لوگوں نے دیکھیں وہ لاشیں؟" نایاب نے سب انسپکٹر اشرف سے پوچھا۔

"نہیں بھئی۔" سب انسپکٹر کے بجائے ملک سکندر نے جواب دیا۔ "یہ لوگ اندر داخل ہوتے ہوئے ڈر رہے ہیں' پتہ نہیں کس قسم کی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے۔ ویسے بھی اندر سے عجیب سی آوازیں آرہی ہیں۔ کبھی کوئی دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دیتی ہے اور کبھی زور سے بند ہونے کی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے بھی اندر داخل ہونے سے ڈر لگ رہا ہے۔"

"چلئے۔ میں آگے چلتی ہوں۔ آپ لوگ میرے ساتھ آیئے۔" نایاب کہتے ہوئے برآمدے میں آگئی۔

سکندر نے سب انسپکٹر کی طرف دیکھا اور سب انسپکٹر مڑ کر سعادت کی طرف دیکھنے لگا۔

"آیئے چوہدری صاحب۔ آپ بھی چلئے۔" وہ بولا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ جاکر معائنہ کر آئیں۔" سعادت نے جواب دیا۔

"سبحان خان۔ چل ذرا آگے۔" سب انسپکٹر نے ہیڈ کانسٹیبل سے کہا۔

ہیڈ کانسٹیبل نے دو کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا اور پھر وہ تینوں رائفلیں تان کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے محاذ پر جا رہے ہوں۔

نایاب دروازے کے سامنے رک گئی تھی۔ سکندر نے آگے بڑھ کر دروازے کا اوپر

والا کنڈا کھول کر دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا۔ دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔

نایاب سب سے پہلے اندر داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے سکندر' پھر ہیڈ کانسٹیبل اور دونوں کانسٹیبل اور آخر میں سب انسپکٹر اشرف' باقی دو کانسٹیبل رائفلیں سنبھالے برآمدے میں کھڑے رہ گئے تھے۔ چوہدری سعادت اور ملنگی برآمدے کے آخری کنارے پر کھڑے تھے۔ ان کا انداز ایسا تھا کہ اگر کوئی معمولی سی بات بھی ہو تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔

دروازے میں قدم رکھتے ہوئے سب انسپکٹر اشرف نے بھی ریوالور نکال لیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ بھی کسی حد تک خوفزدہ تھا۔ وہ پچھلے بارہ سال سے پولیس سروس میں تھا۔ دلیر آدمی تھا۔ بڑے بڑے نامی گرامی مجرموں سے اس کا سابقہ پڑا تھا۔ وہ کبھی خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن یہاں صورتحال مختلف تھی۔ یہاں مقابلہ انسانوں سے نہیں' پراسرار ناویدہ قوتوں سے تھا۔ سب انسپکٹر بھی جانتا تھا' اس حویلی میں روحوں کا بسیرا تھا۔ اور روحیں یا آسیب کسی کو نظر نہیں آتے جو ان کا مقابلہ کیا جاسکے۔

نایاب بے خوفی سے سب سے آگے آگے چل رہی تھی۔ وہ سیدھی اس کمرے میں داخل ہوگئی جس کے پچھلی طرف ایک اور کمرہ تھا جہاں پہلے روز اس نے حاجرہ نامی اس لڑکی کی لاش دیکھی تھی اور گزشتہ روز الماری سے انسانی ڈھانچہ اس پر گرا تھا۔

وہ سب اندر آگئے تھے۔ پولیس والے خاصے سہمے ہوئے تھے۔ سکندر کے ہاتھ میں ٹارچ تھی جسے اس نے روشن کرلیا۔ ٹارچ کی روشنی اندرونی دروازے پر پڑ رہی تھی جو بند تھا۔ نایاب نے دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ دروازہ اس مرتبہ حیرت انگیز طور پر آواز پیدا کئے بغیر کھل گیا۔ وہ سب اندر داخل ہوگئے۔

کمرہ خالی تھا۔ الماری کے دونوں پٹ بھی کھلے ہوئے تھے۔ لیکن فرش پر اس انسانی ڈھانچے کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"وہ ڈھانچہ اس الماری سے برآمد ہوا تھا اور یہاں فرش پر گر کر ٹوٹ گیا تھا۔" نایاب نے فرش کی طرف اشارہ کیا۔

"یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "سوچ لیں نایاب بی بی۔ بات اب پولیس تک پہنچ گئی ہے اور ....."

"مجھے غلط بیانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" نایاب کے لہجے میں ناگواری تھی۔ "قیوم وغیرہ نے حویلی میں لاشیں دیکھی تھیں تو وہ لاشیں حویلی ہی میں موجود ہوں گی۔ میں شاید بھول رہی ہوں کہ انہوں نے کس کمرے کا ذکر کیا تھا۔ میرے ساتھ آیئے۔"

وہ اس کمرے سے نکل کر راہداری میں آگئے اور پھر تیسرے کمرے میں انہیں فرش پر پڑی ہوئی بچے کی لاش مل گئی۔ انسانی ڈھانچہ اس کے سینے پر سوار تھا۔ اور اس کے دونوں ہاتھ بچے کے گلے پر تھے۔ لاش اور ڈھانچے کو دیکھ کر سب انسپکٹر کانپ اٹھا۔ سردی کی ایک لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرتی چلی گئی۔ نایاب کے جسم میں بھی سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

"دیکھا۔ دیکھا آپ نے۔" وہ اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"لیکن آپ نے تو بتایا تھا کہ ڈھانچہ اس کمرے میں گر کر بکھر گیا تھا۔ لیکن یہ....." سب انسپکٹر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور سکندر کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر لاش اور ڈھانچے کا معائنہ کرنے لگا۔

"میں اس کی کوئی توجیہہ پیش نہیں کرسکوں گی کہ یہ ڈھانچہ جڑا کیسے اور اس نے بچے کو کیسے دبوچا۔ بہرحال' یہ دونوں آپ کے سامنے ہیں۔" نایاب نے کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ بچے کو قتل کرکے یہ ڈھانچہ اس کے اوپر ڈال دیا گیا ہو تاکہ قتل کی واردات کو کوئی اور رنگ دیا جاسکے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"یہ معلوم کرنا آپ کا کام ہے کہ اس کی موت کس طرح واقع ہوئی تھی۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے پتہ چل جائے گا۔" نایاب نے کہا۔

"سبحان خان۔ یہ ڈھانچہ اٹھاؤ تا ذرا اس لاش کے اوپر سے۔" سب انسپکٹر نے ہیڈ کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سبحان خان کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اس نے یہ حکم کانسٹیبلوں کی طرف بڑھا دیا۔ دونوں کانسٹیبلوں کے چہرے بھی فق ہوگئے۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے جھجک رہے تھے۔

"ڈر کیوں رہے ہو۔" سبحان خان نے کہا۔ "ہڈیاں ہیں۔ کوئی خونخوار درندہ نہیں جو تمہیں کاٹ لے گا۔ ہٹاؤ اسے۔"

دونوں کانسٹیبلوں نے اپنی رائفلیں سبحان خان کے حوالے کر دیں اور ڈھانچے کو ہٹانے کے لئے آہستہ آہستہ لاش پر جھکنے لگے۔ ان کے ہاتھ ابھی ڈھانچے سے دور ہی تھے کہ ہڈیاں چٹخنے کی کڑکڑاہٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ وہ ڈھانچہ بکھر کر بچے کی لاش پر سے نیچے گر گیا۔

دونوں کانسٹیبل چیخ کر پیچھے ہٹ گئے۔ سب انسپکٹر اشرف' نایاب اور ملک سکندر بھی غیر ارادی طور پر دو قدم پیچھے ہٹ گئے تھے۔ نایاب کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی۔

سب انسپکٹر اشرف بھی وحشت زدہ نظروں سے ڈھانچے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ریوالور اس طرح تان رکھا تھا کہ اب اگر ڈھانچے نے حرکت کی تو اسے گولی مار دے گا۔ مگر ڈھانچے نے کوئی حرکت نہیں کی۔ وہ بچے کی لاش پر سے گر کر بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ اس کی کھوپڑی لاش سے تقریباً" تین فٹ دور گری تھی۔

"میرا خیال ہے۔ یہ ڈھانچہ ہوا سے نیچے گر گیا ہوگا۔ آپ لاش کو دیکھیں اشرف صاحب۔ ان بکھری ہوئی ہڈیوں سے نہ ڈریں۔" ملک سکندر نے سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سب انسپکٹر نے جھک کر جھکتے ہوئے فرش پر پڑی ہوئی کھوپڑی اٹھالی اور الٹ پلٹ کر اس کا معائنہ کرنے لگا۔ جب اس نے کھوپڑی اٹھائی تھی تو وہ بہت ٹھنڈی تھی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اس نے برف کا ٹکڑا اٹھالیا ہو۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کھوپڑی میں حدت پیدا ہونے لگی۔ حدت بتدریج بڑھ رہی تھی۔ کھوپڑی اس حد تک گرم ہوگئی کہ اسے ہاتھ میں پکڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ اشرف کی ہتھیلی اور انگلیوں پر جلن ہونے لگی جیسے اس نے دہکتا ہوا انگارہ ہاتھ میں پکڑ لیا ہو۔ اس نے کھوپڑی نیچے پھینک دی اور اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔ کھوپڑی گرد آلود فرش پر لڑھکتی ہوئی دیوار کے ساتھ لگ کر رک گئی تھی۔

سب انسپکٹر اشرف جھک کر ٹارچ کی روشنی میں لاش کا معائنہ کرنے لگا۔ بچے کی آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں اور چہرے پر بھی بے پناہ خوف کے تاثرات جیسے منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔ چند لمحوں بعد سب انسپکٹر گہرا سانس لیتا ہوا سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"دوسری لاش کہاں ہے؟" اس نے نایاب سے پوچھا۔ "قیوم نے بتایا تھا کہ دوسری لاش کسی راہداری میں پڑی تھی۔ آیئے دیکھتے ہیں' کہاں ہے۔" نایاب نے کہا۔

وہ لوگ اس کمرے سے نکل آئے اور ایک راہداری سے نکل کر دوسری راہداری میں آگئے۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اشرف نے رک کر ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی اور پھر چونک گیا۔ دروازے سے چند فٹ آگے کمرے میں ایک آٹومیٹک رائفل پڑی ہوئی تھی۔ وہ کمرے میں آگیا۔ اور ٹارچ کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ فرش پر ادھر ادھر گولیوں کے خول بکھرے ہوئے تھے۔ ان کی تعداد تیرہ تھی۔ چھت اور دیواروں پر گولیوں کے نشان نظر آ رہے تھے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کسی نے بدحواسی میں اندھا دھند چاروں طرف فائرنگ کی تھی۔ سب انسپکٹر کے اشارے پر ایک کانسٹیبل نے رائفل کو نال کی طرف سے پکڑ کر اٹھالیا اور دوسرا کانسٹیبل گولیوں کے خول چننے لگا۔

وہ لوگ کمرے سے نکل ئے اور دو راہداریوں میں گھوم کر اس راہداری میں آگئے جہاں کرامت کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس لاش کی حالت بھی بچے کی لاش سے مختلف نہیں تھی۔ لاش سے پانچ چھ فٹ آگے ایک آٹومیٹک رائفل پڑی تھی اور یہاں بھی گولیوں کے کئی خول بکھرے ہوئے تھے۔ دیواروں پر گولیوں کے نشان بھی نظر آ رہے تھے۔ سب انسپکٹر اشرف لاش کا معائنہ کرنے کے بعد سیدھا کھڑا ہوگیا اور سپاہیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس لاش کو اٹھا کر باہر برآمدے میں لے جاؤ اور وہ دوسری لاش بھی اٹھالو۔ یہ لاش باہر چھوڑ کر اسی کمرے میں آجانا۔"

دونوں پولیس والوں نے جھک کر لاش اٹھالی۔ وہ لاش لکڑی کے تختے کی طرح اکڑ چکی تھی۔ بیرونی دروازے تک وہ سب ان پولیس والوں کے ساتھ آئے تھے۔ پولیس والے تو لاش کو لے کر باہر نکل گئے۔ اور وہ لوگ بائیں طرف کی راہداری میں مڑ گئے۔

اور جب وہ لوگ اس کمرے میں داخل ہوئے' جہاں بچے کی لاش چھوڑی تھی' تو سب ہی اچھل پڑے تھے۔ بچے کی لاش اپنی جگہ پر موجود تھی لیکن وہ ڈھانچہ غائب تھا۔

نایاب بھی پھٹی پھٹی سی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ ڈھانچہ بچے کی لاش سے گر کر اس طرح بکھرا تھا کہ اس کی ہڈیاں الگ الگ ہوگئی تھیں اور سب انسپکٹر اشرف کے ہاتھ سے گر کر کھوپڑی فرش پر لڑھکتی ہوئی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ لیکن اب نہ تو وہاں کھوپڑی نظر آ رہی تھی اور نہ ہی کوئی اور ہڈی۔

"یہ حویلی تو واقعی آسیب زدہ ہے۔" سب انسپکٹر اشرف بولا۔ اس کے لہجے میں ہلکا

سا خوف تھا۔ "لاش اٹھاؤ اور جلدی نکلو یہاں سے۔"

وہ دونوں پولیس والے باہر ہی رہ گئے تھے۔ غالباً ڈر کے مارے واپس نہیں آئے تھے۔ سبحان خان نے رائفلیں سب انسپکٹر اور نایاب کے حوالے کردیں اور سکندر کے ساتھ مل کر لاش اٹھانے لگا۔

وہ بچے کی لاش کو باہر لے آئے۔ چوہدری سعادت اور ملنگی برآمدے کے فرش پر پڑی ہوئی کرامت کی لاش کو دیکھ رہے تھے۔ بچے کی لاش فرش پر رکھی گئی تو سعادت فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ چند لمحے لاش کو دیکھتا رہا پھر ایک جھٹکے سے سیدھا ہوگیا۔

"اشرف صاحب۔" وہ سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس حویلی میں کوئی آسیب وغیرہ نہیں ہے۔ میرے ان دوستوں کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے اور اس کی ذمے دار یہ لڑکی اور ملک سکندر ہیں۔"

"تم ہوش میں تو ہو چوہدری۔" ملک سکندر نے اسے گھورا۔ اس کا لہجہ پرسکون تھا۔ "تم ہم پر قتل کا الزام لگا رہے ہو۔ ایسا نہ ہو یہ الزام تمہارے گلے کا پھندہ بن جائے۔"

"میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔" چوہدری سعادت نے جواب دیا۔ "روحوں کا ڈرامہ تم دونوں نے رچا رکھا ہے حویلی پر قبضہ کرنے کے لئے۔ اگر اس حویلی میں بد روحیں یا بھوت موجود ہیں تو وہ تمہیں کچھ کیوں نہیں کہتے۔ میرے آدمیوں کو قتل کرکے الزام بد روحوں پر لگا رہے ہو۔ میں تم دونوں کو نہیں چھوڑوں گا۔"

"دھیرج چوہدری صاحب دھیرج۔" سب انسپکٹر اشرف بولا۔ "یہ فیصلہ تو بعد میں ہوگا کہ ان دونوں کی موت کیسے واقع ہوئی تھی۔ لیکن اس بات کی گواہی میں بھی دوں گا کہ اس حویلی میں آسیب موجود ہیں۔"

"حویلی میں آسیب ہوتے تو تم اور یہ باقی لوگ زندہ کیسے باہر آجاتے۔" چوہدری سعادت نے کہا۔ "یہ ان لوگوں کی کوئی چال ہے اور تم بھی ان کا ساتھ دے رہے ہو۔"

سب انسپکٹر مسکرا کر رہ گیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔

"چوہدری صاحب! پہلے آپ یہ بتائیے کہ یہ دونوں حویلی میں کیوں آئے تھے؟"

"میں نے بھیجا تھا انہیں۔" چوہدری سعادت نے جواب دیا۔ "میں نے انہیں حویلی میں آتے جاتے دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ حویلی میں کوئی آسیب وغیرہ نہیں ہے۔ یہ سب ان

کی ڈرامے بازی ہے اور یہ لڑکی حویلی پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ لوگ کل دو تین گھنٹے حویلی میں رہے تھے۔ کسی کو کچھ نہیں ہوا تھا۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ اس لڑکی نے حویلی کی صفائی وغیرہ کا پروگرام بنایا ہے۔ میں نے رات ہی کو بچے اور کرامت کو یہاں بھیج دیا تھا کہ اس کے آدمی صبح یہاں آئیں تو انہیں ڈرا دھمکا کر بھگا دیا جائے۔"

"آپ نے صبح یہاں آکر معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ لوگ کس حال میں ہیں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں صبح چھ بجے یہاں آیا تھا۔" سعادت نے جواب دیا۔ "میں نے باہر سے آوازیں دی تھیں لیکن کوئی جواب نہیں ملا تو میں سمجھا کہ یہ دونوں حویلی چلے گئے ہوں گے۔ پھر آٹھ بجے کے قریب مجھے پتہ چلا کہ انہیں گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ روحوں اور آسیب کا ڈرامہ ہے۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔ یہ لڑکی زبردستی حویلی پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ اس نے گاؤں میں اپنے چند حمایتی بھی پیدا کرلئے ہیں۔"

"چوہدری صاحب۔" سب انسپکٹر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "آپ ایسا کریں کہ حویلی کے اندر کا ایک چکر لگا کر آئیں۔ اگر کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی تو میں آپ کے کہنے پر ان کے خلاف قتل کی رپورٹ درج کرلوں گا۔"

"مجھے ڈرپوک سمجھتے ہو۔" چوہدری سعادت نے اسے گھورا۔ "آؤ ملنگی میرے ساتھ آؤ۔"

چوہدری سعادت کو اگرچہ یقین ہوچکا تھا کہ حویلی میں کوئی آسیب وغیرہ نہیں ہے لیکن اندر داخل ہوتے ہوئے اس کے دل میں ایک انجانا سا خوف تھا اور ملنگی کے چہرے پر خوف کے تاثرات واضح طور پر نظر آرہے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہوئے ان دونوں نے جیبوں سے پستول نکال لئے تھے۔

وہ دونوں اندر داخل ہوگئے۔ ایک منٹ گزر گیا۔ دو منٹ گزر گئے۔ اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ سب لوگ برآمدے کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سب انسپکٹر اشرف کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان دونوں کا حشر بھی بچے اور کرامت جیسا ہوا تو اس کے لئے جوابدہی مشکل ہو جائے گی۔

اور پھر دفعتاً" وہ سب اچھل پڑے۔ برآمدے والا دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ خودبخود بند ہوا تھا۔ نایاب تیزی سے آگے بڑھی مگر دروازہ دھڑک کی آواز سے بند ہوگیا۔ وہ دروازے کو دھکیلنے کی کوشش کرتی رہی مگر کامیاب نہیں ہو سکی۔

ان سب کے چہروں پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کوئی غیر معمولی بات ہونے والی ہے۔ اور پھر اندر سے فائرنگ کی آوازیں سن کر نایاب کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

سب انسپکٹر اشرف کے چہرے پر گہری تشویش کے تاثرات ابھر آئے۔ سبحان خان اور دونوں کانسٹیبل بھی رائفلیں سنبھالے خوفزدہ سی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

فائرنگ بند ہوگئی اور اب اندر سے چوہدری سعادت اور ملنگی کے چیخنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پہلے تو یہ آوازیں حویلی کے اندرونی حصے سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں پھر رفتہ رفتہ قریب آتی گئیں۔

دروازہ اچانک ہی کھل گیا۔ وہ سب اندر کی طرف دیکھنے لگے۔ دونوں کانسٹیبلوں نے رائفلیں تان لیں۔

چوہدری سعادت اور ملنگی چیختے ہوئے اور گرتے پڑتے باہر کی طرف آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ دونوں اپنے ہاتھوں کو اس طرح حرکت دے رہے تھے جیسے کسی حملے سے بچنے کی کوشش کر رہے ہوں اور اس طرح چیخ اور بلبلا رہے تھے جیسے کوئی نادیدہ قوت ان کی پٹائی کر رہی ہو۔

وہ دونوں گرتے پڑتے اور چیختے ہوئے باہر آکر برآمدے میں گر گئے' اس کے ساتھ ہی دروازہ دھڑ کی آواز سے بند ہوگیا تھا۔

سب انسپکٹر اشرف اور سکندر فوراً" ہی آگے بڑھ کر سعادت اور ملنگی کو دیکھنے لگے۔ وہ دونوں فرش پر لوٹ رہے تھے اور بری طرح چیخ رہے تھے۔ سکندر' چوہدری کو سنبھالنے کو کوشش کر رہا تھا۔ اور سب انسپکٹر اشرف نے ملنگی کو گرفت میں لے لیا تھا۔

وہ بڑی مشکل سے انہیں قابو کر سکے تھے۔ کافی دیر تک وہ دونوں کراہتے رہے۔ دونوں بار بار اپنے جسم کے مختلف حصوں کو سہلا رہے تھے۔

"کیا ہوا چوہدری جی۔" سب انسپکٹر اشرف نے سعادت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"حویلی کے اندر تو کوئی نہیں تھا۔ لیکن آوازوں سے لگ رہا تھا جیسے۔"

"دیکھ لوں گا۔ تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔" چوہدری سعادت اس کی طرف دیکھتا ہوا چیخا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔

چوہدری سعادت اور ملنگی لڑکھڑاتے اور اپنے جسموں کو سہلاتے ہوئے حویلی سے باہر چلے گئے۔ سب انسپکٹر اشرف انہیں جاتے ہوئے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"یہ میری زندگی کا انوکھا ترین تجربہ ہے۔" وہ نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ اس حویلی میں واقعی کوئی مافوق الفطرت ہستیاں بسیرا کئے ہوئے ہیں اور وہ پراسرار ہستیاں آپ کی دوست بن چکی ہیں۔ کیا آپ بتائیں گی کہ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"وجہ۔" نایاب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ "ساٹھ ستر سال پہلے اس حویلی میں ایک قتل ہوگیا تھا۔ میں نے اس لڑکی کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی جسے دھوکے سے اس حویلی میں لاکر پہلے بے آبرو کیا گیا اور پھر خنجر کے پے در پے وار کرکے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔"

"اس لڑکی کو ساٹھ ستر سال پہلے قتل کیا گیا تھا اور آپ نے اس کی لاش دیکھی تھی!" سب انسپکٹر کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

"ہاں۔ اسے بھی آپ ایک پراسرار واقعہ کہہ سکتے ہیں۔" نایاب نے کہا۔ "آج یہاں جو کچھ ہوا ہے وہ سب آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ پراسرار واقعات دراصل اسی ایک خوفناک واقعے کی کڑیاں ہیں جو ساٹھ ستر سال پہلے اس حویلی میں رونما ہوا تھا۔"

"آپ کو اس قصے میں آئے ہوئے صرف چند روز ہوئے ہیں۔ لیکن آپ کو کیسے پتہ چلا کہ ساٹھ ستر سال پہلے اس حویلی میں کوئی افسوسناک واقعہ رونما ہوا تھا؟" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اگرچہ طویل مدت گزر چکی ہے لیکن آج بھی گاؤں کا ہر شخص اس واقعہ کے بارے میں جانتا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "اس قسم کے واقعات بھلائے نہیں جاتے اور جہاں

تک یہ سوال ہے کہ مجھے کیسے پتہ چلا تو میں نے پہلے کہا تھا کہ یہ بھی ایک پراسرار واقعہ ہے۔ ایک روز میں اتفاق سے اس حویلی میں آگئی تھی اور یہاں میں نے اس لڑکی کی لاش دیکھی تھی جسے ساٹھ ستر سال پہلے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ لیکن وہ لاش دیکھ کر لگتا تھا جیسے اس لڑکی کو سیرے آنے سے چند منٹ پہلے قتل کیا گیا ہو۔" نایاب چند منٹ کو خاموش ہوئی پھر اس روز کے واقعات کے بارے میں بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔" عام طور پر اب تک یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ نور دین موچی کی بیٹی حاجرہ کو زمیندار صداقت علی یعنی سعادت کے دادا نے بے آبرو کرکے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ لیکن گاؤں والوں کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ صداقت علی کا نام اس لئے لیا جا رہا ہے کہ وہ ایک عیاش آدمی تھا۔ گاؤں اور آس پاس کی بستیوں کی کسی عورت کی عزت اس سے محفوظ نہیں رہی تھی۔ لیکن اس لڑکی کی لاش نے بھی مجھے اپنے قاتل کا نام نہیں بتایا تھا اور مجھے معلوم کرنا ہے کہ حاجرہ کا قاتل کون تھا؟"

"یعنی پولیس کا کام آپ کریں گی۔ اور وہ بھی ایک ایسے کیس پر جواب قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ لوگ بھی بھول چکے ہیں کہ اصل واقعہ کیا ہوا تھا۔" سب انسپکٹر اشرف نے کہا اور پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔" ویسے ایک بات کہوں ..... جب سے آپ یہاں آئی ہیں پراسرار واقعات کا سمجھ میں نہ آنے والا ایک سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ پہلے وہ سنہرے سانپ والا واقعہ' پھر پراسرار بوڑھا اور اب یہ حویلی۔ کیا آپ اس سلسلے میں کچھ کہیں گی؟"

"میں ان واقعات کی کوئی توجیہہ پیش نہیں کرسکتی۔ بہرحال۔" وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "آپ ان لاشوں کا پوسٹ مارٹم کرائیے تاکہ ان کی موت کی اصل وجہ معلوم ہوسکے اور مجھ پر قتل کا جو الزام چوہدری سعادت نے لگایا ہے اس کا جواب دیا جاسکے۔"

"اس کا جواب تو میرا خیال ہے چوہدری سعادت کو مل گیا ہے۔" سب انسپکٹر اشرف نے مسکراتے ہوئے کہا اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔

وہ لوگ لاشیں اٹھا کر حویلی سے باہر گئے۔ دونوں لاشوں کو جیپ کے پچھلے حصے میں سیٹوں کے درمیان فرش پر ڈال دیا گیا۔

پولیس جیپ کے روانہ ہونے کے بعد نایاب اور سکندر بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ انہیں سڑک کی طرف سے ہوتے ہوئے ایک طویل چکر کاٹ کر گاؤں کی طرف آنا پڑا تھا۔

چوہدری سعادت اور ملکنی گاؤں پہنچ چکے تھے۔ گاؤں والوں کو پتہ چل گیا تھا کہ پرانی حویلی میں بعض ناپدیدہ قوتوں نے ان کی دھنائی کی تھی اور اب وہ چوٹوں کی سینکائی کر رہے تھے۔ گاؤں کے بیسیوں لوگ ان کی حویلی کے سامنے جمع تھے۔

اس واقعہ کو کئی روز گزر گئے۔

پرانی حویلی میں کام ہو رہا تھا۔ قیوم کی سربراہی میں تقریباً" ایک درجن آدمی اس حویلی میں کام کر رہے تھے۔ اس دوران وہاں نہ کوئی اور پراسرار واقعہ پیش آیا تھا اور نہ ہی چوہدری فیملی کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت ہوئی تھی۔ نایاب بھی دن میں ایک بار حویلی کا چکر ضرور لگا لیتی تھی۔ کسی روز تو وہ کئی کئی گھنٹے وہاں رک جاتی۔ اس کا اندازہ تھا کہ صرف صفائی میں کئی روز لگیں گے۔ حویلی کی راہداریوں اور کمروں کے فرش پر ساٹھ ستر سال کی گرد جمی ہوئی تھی۔ اسے بڑی مشکل سے کھرچ کر صاف کیا جا رہا تھا۔ حویلی کے صحن میں ایک طرف ایک کنواں بھی تھا جس میں اگرچہ گہرائی میں پانی موجود تھا لیکن اس میں درختوں کی خشک شاخیں' پتے اور مٹی بھری ہوئی تھی۔ نایاب نے اس کنویں کی صفائی بھی شروع کرا دی تھی۔ تاکہ اس کے پانی کو استعمال میں لایا جاسکے۔

نایاب کا کبھی کبھار چوہدری سعادت سے بھی آمنا سامنا ہو جاتا تھا۔ اب وہ اس سے کترا کر گزر جاتا تھا لیکن نایاب جانتی تھی کہ اس کے دل میں بغض ہے اور وہ کسی موقع کی تلاش میں ہے۔

چوہدری سعادت پچھلے دو دن سے نظر نہیں آیا تھا اور پھر ماسی مہراں ہی سے پتہ چلا کہ وہ کسی کام سے شہر گیا ہوا ہے' تین چار دن بعد واپس آئے گا۔

اس رات نایاب دیر تک نرگس اور عذرہ سے باتیں کرتی رہی۔ پھر نرگس اور عذرہ تو سو گئیں مگر نایاب دیر تک جاگتی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ایک دو روز میں اسے بھی شہر کا چکر لگا لینا چاہئے۔

نایاب بستر پر لیٹی یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ اچانک ہی گاؤں میں شور اٹھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ شور کی آواز بڑھتی جا رہی تھی۔ نایاب اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی۔ ملک سکندر بھی اپنے کمرے سے نکل آیا۔

گاؤں میں ایک طرف بہت تیز روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ شاید کسی مکان کو آگ لگ گئی تھی۔ ملک سکندر دوڑتا ہوا حویلی سے باہر چلا گیا۔

اور اس کے آدھے گھنٹے بعد نایاب کو پتہ چلا کہ کچھ لوگوں نے قیوم کے گھر پر حملہ کر دیا تھا۔ حملہ آوروں نے اس کے بوڑھے باپ کو قتل کر دیا اور قیوم کی بہن رابعہ کو اٹھا کر لے گئے۔ جاتے جاتے وہ مکان کو آگ لگا گئے تھے۔ قیوم زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں گلی میں پڑا ہوا ملا تھا۔

پورا گاؤں اس گلی میں جمع ہوگیا تھا۔ لوگ اپنے گھروں سے بالٹیوں میں پانی لاکر قیوم کے گھر کی آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر آگ پھیلتی جارہی تھی۔ شعلوں نے پورے مکان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

قیوم کے بوڑھے باپ نواب دین ماشکی کی لاش مکان کے آنگن میں تھی۔ اسے کلہاڑی کے پے در پے وار کرکے ہلاک کیا گیا تھا۔ کلہاڑی کا ایک وار سر پر بھی لگا تھا۔ جس سے کھوپڑی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ کلہاڑی بھی لاش کے قریب ہی پڑی ہوئی مل گئی تھی۔ لوگوں نے بوڑھے نواب دین کی لاش اٹھا کر گلی کے ایک اور مکان کے صحن میں پہنچا دی تھی۔ ایک آدمی نے کلہاڑی بھی اٹھا کر لاش کے قریب ڈال دی تھی۔

پھیلتی ہوئی آگ پر قابو پانا اگرچہ اب ممکن نہیں رہا تھا لیکن لوگ اس خوفناک آگ کو مزید پھیلنے سے روکنے کے لئے بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ ملک سکندر بھی گاؤں کے لوگوں کے ساتھ مل کر آگ بجھانے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر ڈال رہا تھا مگر یہ آگ بالٹیوں سے بجھنے والی نہیں تھی۔

قیوم کا مکان تو مکمل طور پر مہیب شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ ان شعلوں پر قابو پانا ناممکن نہیں رہا تھا۔ البتہ لوگ پڑوس کے دوسرے مکانوں کو بچانے کی کوشش کررہے تھے۔

یہ آگ رات کو تین بجے لگی تھی اور اب صبح کے چھ بج گئے تھے۔ قیوم کا مکان جل کر مکمل طور پر راکھ ہوچکا تھا۔ کہیں کہیں سے اب بھی دھواں اور شعلے اٹھ رہے تھے۔ پڑوس کے دو مکانوں کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ انہیں پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آنے سے بچا لیا گیا تھا۔

قیوم کو اسی وقت بے ہوشی کی حالت میں گلی سے اٹھا کر ماسٹر محمد علی کے گھر پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کا سر پھٹا ہوا تھا اور بائیں کندھے پر بھی کسی تیز دھار آلے سے گھاؤ لگا تھا۔ وہ

اب ہوش میں آچکا تھا مگر اس کی حالت بہت ابتر ہورہی تھی۔ اسے کسی نے بتا دیا تھا کہ اس کا مکان جل کر راکھ ہوچکا ہے۔ اس کے باپ کو قتل کردیا گیا ہے اور رابعہ کو حملہ آور اٹھا کر لے گئے ہیں۔

ملک سکندر بھی اس وقت ماسٹر محمد علی کے گھر میں موجود تھا۔ اس نے دو آدمیوں کو تھانے میں اطلاع دینے کے لئے نور پور بھیج دیا تھا۔ وہ خود قیوم کے پاس بیٹھا اسے تسلیاں دے رہا تھا اور بھی بہت سے لوگ وہاں جمع تھے اور اس واقعہ کے بارے میں تبصرے کررہے تھے۔

"رابعہ بہن کی چیخ کی آواز سن کر میری آنکھ کھلی تھی۔" عبدالحمید بتا رہا تھا۔ اس کا مکان گلی میں قیوم کے مکان کے بالکل سامنے تھا۔ "میں اٹھ کر کمرے سے نکلا تو قیوم اور چاچا نواب دین کے چیخنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ میں سمجھ گیا کہ ڈاکو چاچا نواب دین کے گھر میں گھس گئے ہیں۔ میں اپنے مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور مدد کیلئے شور مچانے لگا۔ رابعہ بہن کے چیخنے کی آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی۔ میرا خیال ہے وہ چار آدمی تھے جن میں سے دو رابعہ بہن کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے جارہے تھے اور ایک قیوم سے ہاتھا پائی کررہا تھا۔ چوتھے نے مکان کو آگ لگائی تھی۔ چاچا نواب دین مجھے نظر نہیں آیا تھا اور نہ ہی اب اس کے چیخنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

وہ دو آدمی بھی باہر دوڑے۔ قیوم بھی ان کے پیچھے لگا۔ اس نے گلی میں ایک آدمی کو پکڑ لیا۔ دوسرے نے اپنے ساتھی کو چھڑانے کیلئے کسی چیز سے قیوم پر پیچھے سے وار کئے۔ قیوم چیخ کر گر گیا اور وہ دونوں آدمی بھاگ گئے۔

اس شخص نے شاید کپڑے جل کے ان میں آگ لگائی تھی جو اب پھیلتی جارہی تھی۔ میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑا چیخ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد لوگ اپنے گھروں سے نکلنا شروع ہوئے۔ آگ دیکھ کر وہ قیوم کے مکان کی طرف دوڑے۔ چاچا نواب دین ختم ہوچکا تھا۔ اس کی لاش اٹھا کر خیردین کے گھر پہنچا دی گئی اور قیوم کو اٹھا کر یہاں لے آئے۔

کچھ لوگ آگ بجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ میں پانچ چھ آدمیوں کو ساتھ لیکر ان ڈاکوؤں کے پیچھے دوڑا۔ گاؤں کے باہر ان کا پانچواں ساتھی گھوڑے لئے کھڑا تھا۔ ہمیں دیکھ کر ان میں سے ایک نے فائرنگ شروع کردی اور گھوڑوں پر سوار ہوکر فرار ہوگئے۔ وہ

رابعہ بہن کو بھی ساتھ لے گئے۔

"وہ لوگ کس طرف گئے تھے؟" ملک سکندر نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"کھنڈروں والے ٹیلے کی طرف۔" عبدالحمید نے جواب دیا۔ "مجھے شک ہے وہ لوگ کھنڈروں ہی میں کسی جگہ چھپے ہوں گے۔ اگر ہم ان کا پیچھا کریں تو شاید انہیں پکڑ لیں۔"

"اب تک تو پتہ نہیں وہ کہاں پہنچ گئے ہوں گے۔ لیکن کھنڈروں میں دیکھ لیتے ہیں شاید ان کا کھرا مل جائے۔ پانچ چھ آدمی تیار ہوجاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں اور قیوم کا خیال رکھنا۔ زخم زیادہ گہرے نہیں ہیں۔ ڈاکٹر نے پٹی تو باندھ دی ہے پھر بھی اس کا دھیان رکھنا۔" ملک سکندر کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ ماسٹر محمد علی کے مکان سے نکل کر تیز تیز چلتا ہوا اپنی حویلی میں آگیا۔ سکینہ اور نایاب جلدی سے اس کے قریب آگئیں۔

"کچھ لوگ رابعہ کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ انہوں نے چاچا نواب دین کو بھی قتل کردیا ہے اور مکان کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ قیوم زخمی ہے۔" سکندر نے نایاب کے پوچھنے پر بتایا۔ "وہ لوگ کھنڈروں کی طرف گئے ہیں۔ ہم لوگ ان کے پیچھے جارہے ہیں۔ شاید ان کا کھرا مل جائے۔"

سکندر نے کمرے میں جاکر الماری سے ذو نالی بندوق نکال کر اس میں کارتوس بھرے' کارتوس والا بیلٹ اور بندوق کندھے پر لٹکائی اور صحن میں آکر گھوڑا کھول لیا اور اس پر سوار ہوکر حویلی سے باہر نکل گیا۔

دس آدمی تیار ہوچکے تھے۔ ہر ایک کے پاس کوئی نہ کوئی اسلحہ موجود تھا۔ چار آدمیوں کے پاس بارہ بور کی بندوقیں تھیں۔ کسی کے پاس لاٹھی تھی اور کسی کے پاس کلہاڑے۔ وہ سب گھوڑے لئے تیار کھڑے تھے۔ سکندر کے آتے ہی وہ لوگ کھنڈروں والے ٹیلے کی طرف روانہ ہوگئے۔ سکندر سب سے آگے تھا۔

ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ وہ لوگ ٹیلے کے پاس پہنچ کر رک گئے۔ اس وقت سورج نے بھی مشرقی افق سے جھانکنا شروع کردیا تھا۔

سکندر گھوڑے پر بیٹھا کچھ دیر تک ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اس نے تمام آدمیوں کو دو دو کی ٹولیوں میں تقسیم کردیا۔ ہر ٹولی میں ایک آدمی بندوق بردار تھا۔

"ان کھنڈروں کو گھیرے میں لیکر آگے بڑھتے رہو۔ اگر کہیں کوئی نظر آجائے تو ہوائی فائر کردینا۔ ہم سب لوگ وہاں پہنچ جائیں گے۔ اگر بیچ میں کسی سے مڈبھیڑ نہ ہوئی تو ہم کھنڈروں کے دوسری طرف ٹیلے کے آخر میں ملیں گے۔ چلو اب اپنی اپنی پوزیشنوں پر روانہ ہوجاؤ۔"

وہ سب لوگ مختلف راستوں سے ٹیلے پر چڑھ کر کھنڈروں میں داخل ہوگئے۔ سکندر کے ساتھ اللہ بخش تھا۔ اس کے پاس لمبے دستے والی تیز دھار والی کلہاڑی تھی۔ وہ دونوں محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ لیکن کھنڈروں میں کسی کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

سکندر نے گھوڑا ایک جگہ روک لیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے وہ نایاب کے ساتھ تہہ خانے میں داخل ہوکر خزانے تک پہنچا تھا۔ لیکن پتھر کی وہ سل دکھائی نہیں دے رہی تھی جسے اٹھا کر وہ تہہ خانے میں اترے تھے۔ سل تو اپنی جگہ پر موجود تھی لیکن اس پر چھوٹے چھوٹے پتھر اور مٹی وغیرہ پڑی ہوئی تھی۔ لگتا تھا جیسے اس سل کو یہاں سے کبھی ہٹایا ہی نہ گیا ہو۔

اس جگہ کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں کوئی خفیہ راستہ موجود ہے۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر گھوڑی کو آگے بڑھا دیا۔

"ان کھنڈروں میں تو کسی کی موجودگی کے آثار نہیں آتے۔" اللہ بخش نے بھی گھوڑے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ اس طرف آئے ضرور ہوں گے لیکن یہاں رکے بغیر آگے کسی اور طرف نکل گئے ہوں گے۔ بہرحال، دیکھتے ہیں۔ شاید کوئی سراغ مل جائے۔" سکندر نے جواب دیا۔

وہ کھنڈروں کو دیکھتے ہوئے ٹیلے کے دوسری طرف آگئے۔ ان کے دوسرے ساتھی بھی باری باری وہاں پہنچنے لگے۔

ان کھنڈروں میں تو کسی کا نام و نشان تک نہیں ہے ملک جی۔" عبدالحمید نے کہا۔ "وہ لوگ شاید کسی اور طرف نکل گئے ہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" سکندر بولا۔ "آؤ۔ آگے دیکھتے ہیں۔"

وہ ٹیلے کے ڈھلان سے اترنے لگے۔ اس طرف ٹیلے کے دامن میں برگد کا وہ پرانا درخت اور اس کے نیچے وہ ٹوٹا پھوٹا چبوترہ تھا جس کے بارے میں رانی شلپا کے حوالے سے عجیب و غریب داستانیں مشہور تھیں۔

برگد کا درخت بہت بڑا تھا۔ اس کا تنا کئی میٹر تک پھیلا ہوا تھا۔ زمین تک لٹکی جٹائیں بھی اس قدر گنجان تھیں کہ ان کے اندر داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔

وہ تمام لوگ درخت سے چند گز دور ہی رک گئے اور متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ اللہ بخش گھوڑے کو اوپر سے گھماتا ہوا برگد کے دوسری طرف چلا گیا اور پھر اس کی آواز سن کر سکندر وغیرہ بھی اس طرف آگئے۔

یہاں کچی زمین پر گھوڑوں کے پیروں کے نشان نظر آرہے تھے اور یہ نشان تازہ ہی تھے۔ لگتا تھا جیسے کچھ دیر پہلے ہی چند گھڑسوار اس طرف سے گزرے ہوں۔

"دیکھو ملک جی! وہ کیا ہے؟" دین محمد نے ایک طرف اشارہ کیا۔ سکندر اس طرف دیکھنے لگا۔ چند گز دور جھاڑیوں میں شاید کوئی کپڑا اٹکا ہوا تھا۔ سکندر گھوڑا بڑھا کر جھاڑیوں کے قریب پہنچ گیا۔ وہ ہلکے نیلے رنگ کا کپڑا تھا۔ سکندر نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے جھک کر وہ کپڑا اٹھا لیا اور اسے پھیلا کر دیکھنے لگا۔

وہ دوپٹہ تھا اور بالکل نیا ہی لگ رہا تھا۔

"وہ لوگ اسی طرف سے گئے ہیں۔" سکندر سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔ "دین محمد، حمید اور نثار۔۔۔ تم تینوں ریحان آباد چلے جاؤ۔ وہاں جاکر معلوم کرو کہ وہاں کوئی آیا تو نہیں۔ ہوسکتا ہے وہ لوگ اس بستی کے کسی گھر میں چھپے ہوئے ہوں۔"

"ٹھیک ہے ملک جی۔" حمید نے جواب دیا۔ "چلو بھئی جوانو۔۔۔ ہمارے گاؤں کی بیٹی کا معاملہ ہے۔ ان لوگوں کو بچ کر نہیں جانا چاہیے۔"

ان تینوں نے اپنے گھوڑے ریحان آباد نامی بستی کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر ڈال دیئے۔ سکندر نے اپنا گھوڑا واپس موڑ لیا۔

وہ لوگ ٹیلے کے اوپر سے گھوم کر گاؤں کی طرف چلے۔ اس وقت نو بج چکے تھے اور دھوپ تیز ہوچکی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ گاؤں پہنچ گئے۔ ان سے چند منٹ پہلے ہی پولیس بھی پہنچی تھی۔ اس پولیس پارٹی کا انچارج سب انسپکٹر اشرف ہی تھا۔

پولیس والے جلے ہوئے مکان کا معائنہ کررہے تھے جس سے کئی جگہوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ مکان میں کوئی چیز نہیں بچی تھی۔ سب کچھ جل کر راکھ ہوگیا تھا۔ صرف دیواریں کھڑی رہ گئی تھیں۔ مکان کے معائنے کے بعد سب انسپکٹر اشرف نے بوڑھے نواب دین کی لاش کا معائنہ کیا اور پھر ماسٹر محمد علی کے مکان میں آگیا جہاں قیوم موجود تھا۔

ملک سکندر بھی اسی کے ساتھ ماسٹر محمد علی کے مکان میں داخل ہوا تھا۔ قیوم چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر قمیض نہیں تھی۔ سر اور کندھے پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ کمرے میں نایاب اور تین چار دیگر عورتیں بھی موجود تھیں۔ دوسری عورتیں تو پولیس کو دیکھ کر باہر نکل گئیں لیکن نایاب وہیں کھڑی رہی۔ صرف ایک سیکنڈ بعد ڈاکٹر بھی اندر داخل ہوا تھا۔

"ہاں بھی جوان--- کیسے ہو--- یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ اس وقت بیان دے سکتے ہو یا نہیں۔" سب انسپکٹر اشرف نے قیوم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ایک آدمی نے پرانی سی ایک کرسی اٹھا کر آگے رکھ دی۔ اشرف کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہوں تھانیدار جی۔ میں بیان دے سکتا ہوں۔" قیوم نے کمزور سی آواز میں جواب دیا۔

"قیوم بڑے حوصلے والا لڑکا ہے اشرف صاحب!" قریب کھڑے ہوئے ڈاکٹر نے کہا۔ "کندھے کا زخم زیادہ گہرا نہیں ہے۔ سر پر لگنے والی چوٹ سے بے ہوش ہوگیا تھا۔ میں نے ڈریسنگ کردی تھی۔ اب اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لیکن اگر خون زیادہ بہہ جاتا تو حالت تشویشناک ہوسکتی تھی۔"

"بڑی مہربانی ہے ڈاکٹر صاحب!" سب انسپکٹر اشرف نے کہا۔ "اب مجھے ذرا اس جوان کا بیان سن لینے دیں۔" وہ ایک بار پھر قیوم کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "ہاں بھائی جوان--- یہ سب کیسے ہوا تھا؟"

"ہم سب گھر والے سو رہے تھے جی۔" قیوم بتانے لگا۔ "ابا ایک کمرے میں تھا اور رابعہ دوسرے کمرے میں اور میں چھپر کے نیچے سویا ہوا تھا۔ دھب کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ دو آدمی دیوار سے صحن میں کودے تھے۔ میں انہیں للکارتا ہوا چارپائی سے اٹھ گیا۔ اسی دوران دو اور آدمی دیوار سے کود کر اندر آگئے۔ دو آدمیوں نے مجھے پکڑ لیا۔

ان چاروں کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔ میری چیخوں کی آواز سن کر رابعہ اور ابا بھی کمروں سے نکل آئے اور انہوں نے بھی شور مچا دیا۔ دو آدمی رابعہ کو پکڑ کر گھسیٹنے لگے۔ ابا نے اسے چھڑانے کی کوشش کی تو ایک آدمی نے کلہاڑی سے ابا پر حملہ کردیا۔ میں بھی اپنے آپ کو چھڑا کر اس طرف لپکا۔ ایک آدمی نے مجھے اڑنگا دے کر گرا دیا اور لاتوں اور گھونسوں سے میری پٹائی کرنے لگا۔

ایک آدمی رابعہ کو گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا۔ رابعہ بھی چیخ رہی تھی اور اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کررہی تھی۔ ایک آدمی رابعہ والے کمرے میں گھس گیا اس نے بستر اور کپڑے وغیرہ جمع کرکے انہیں آگ لگا دی۔

ابا چیختا ہوا زمین پر گر گیا تھا۔ وہ آدمی مسلسل اس پر کلہاڑی سے وار کررہا تھا۔ میں ابا کی مدد کیلئے اس کی طرف دوڑا اور اس آدمی سے کلہاڑی چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔ چھینا جھپٹی میں کلہاڑی اس آدمی کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

اس شخص نے مجھے دھکا دیکر گرا دیا اور باہر والے دروازے کی طرف لپکا۔ میں نے اٹھ کر ابا کی طرف دیکھا۔ وہ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ اس کے سر اور جسم کے کئی حصوں سے خون بہہ رہا تھا۔ کمرے میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ میں باہر والے دروازے کی طرف دوڑا۔ وہ لوگ رابعہ کو گھسیٹتے ہوئے لے جارہے تھے۔

گلی میں پہنچ کر میں نے ان دو آدمیوں پر چھلانگ لگا دی جنہوں نے رابعہ کو دبوچ رکھا تھا۔ میں رابعہ کو ان سے چھڑانے کی کوشش کررہا تھا لیکن ایک آدمی نے کسی چیز سے حملہ کیا۔ میرے کندھے پر چوٹ لگی۔ دوسرا وار اس نے میرے سر پر کیا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ مجھے صرف رابعہ کی چیخوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں تیورا کر گرا اور اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔" قیوم خاموش ہوگیا۔ چند لمحوں بعد وہ مردہ سے لہجے میں بولا۔ "یہ لوگ مجھ سے چھپانے کی کوشش کررہے ہیں لیکن مجھے پتہ چل گیا ہے کہ ابا زندہ نہیں ہے اور رابعہ--- وہ لوگ رابعہ کو لے گئے ہیں۔ وہ نجانے کس حال میں ہوگی؟"

"بندے ان لوگوں کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ رابعہ کا جلد ہی پتہ چل جائے گا۔" قریب کھڑے ہوئے ملک سکندر نے کہا۔

"تم نے بتایا تھا کہ وہ چار آدمی تھے۔" سب انسپکٹر اشرف نے قیوم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ان میں سے کسی کو پہچانتے ہو؟"

"انہوں نے چہروں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔" قیوم نے جواب دیا۔ "مجھ سے ہاتھا پائی کے دوران ایک آدمی کے چہرے سے ڈھاٹا اتر گیا تھا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنا چہرہ دوبارہ کپڑے میں چھپا لیا تھا۔ اس دوران میں اس کے چہرے کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھ سکا تھا۔ اس کی چھوٹی گول داڑھی تھی اور ناک پر دائیں طرف مٹر کے دانے کے برابر مسہ تھا۔"

"اس گاؤں میں ایسا کوئی آدمی ہے جس کی ناک پر مسہ ہو۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"نہیں جی۔" قیوم نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میں گاؤں کے سب ہی آدمیوں کو جانتا ہوں۔ یہاں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے۔"

"ایک اور بات بتاؤ قیوم۔" سب انسپکٹر اشرف بولا۔ "تمہاری کسی سے دشمنی بھی تھی؟"

"دشمنی تو کسی سے نہیں تھی جی لیکن۔۔۔" وہ خاموش ہو کر کن انکھیوں سے نایاب کی طرف دیکھنے لگا۔

"لیکن کیا۔۔۔؟" سب انسپکٹر اشرف نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جب سے میں نے چھوٹی بی بی کے لئے پرانی حویلی میں کام شروع کیا ہے اس دن سے چودھریوں کے دو تین آدمی مجھے اور میرے ساتھ کام کرنے والوں کو دھمکیاں دیتے رہے ہیں۔"

"کون۔۔۔ کون ہیں وہ آدمی؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ملنگی۔۔۔ جیرا اور بوٹا جی۔" قیوم نے جواب دیا۔ "جیرا اور بوٹا تو مجھ سے یہی کہتے تھے کہ چھوٹی بی بی کا ساتھ چھوڑ دو ورنہ پچھتاؤ گے لیکن ملنگی نے تو پرسوں ہی مجھے کھیتوں میں روک کر دھمکی دی تھی کہ وہ چند روز میں میرا بندوبست کرنے والا ہے۔ اس نے میرا یہ بندوبست کیا ہے جی۔ میرا گھر جلا دیا۔ میرے ابا کو قتل کر دیا اور میری بہن کو اٹھا کر لے گئے۔" قیوم کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"حوصلہ رکھو جوان۔" سب انسپکٹر اسے تسلی دینے لگا۔ "ہم تمہاری بہن کو برآمد

کر لیں گے۔ مجرموں کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔" وہ کچھ دیر مزید اس سے سوال کرتا رہا پھر کرسی سے اٹھ گیا اور ملک سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ملک جی آپ لوگ نواب دین کی لاش کا پوسٹ مارٹم کروانا چاہیں تو دو بندے ساتھ بھیج دیجئے۔ شام سے پہلے پہلے لاش ان کے حوالے کر دی جائے گی۔"

"یہ تو قتل کی کھلی واردات ہے جی اور میرا خیال ہے پوسٹ مارٹم کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنی رپورٹ میں جو لکھنا چاہتے ہیں لکھ لیں۔ ہم تدفین کا بندوبست کرتے ہیں۔" ملک سکندر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" سب انسپکٹر اشرف بولا۔ "ملنگی کون ہے؟"

"وہ جو اس روز چودھری سعادت کے ساتھ حویلی کے اندر داخل ہوا تھا اور پھر وہ دونوں ہوائی چپلوں سے مار کھا کر آئے تھے۔" سکندر نے جواب دیا۔

"اوہ۔۔۔" سب انسپکٹر بولا پھر اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "دو آدمی جاؤ اور ملنگی اور ان دونوں کو پکڑ کر لاؤ۔ کیا نام بتائے تھے ان کے۔۔۔ جیرا اور بوٹا پکڑ کر لاؤ انہیں۔"

"دو کانسٹیبل اسی وقت مکان سے باہر نکل گئے۔ سب انسپکٹر اور سکندر وغیرہ بھی باہر آ گئے تھے۔ وہ لوگ ایک بار پھر قیوم کے مکان پر آ کر راکھ کے ڈھیر کا معائنہ کرنے لگے۔

"تقریباً" آدھے گھنٹے بعد دونوں کانسٹیبل جیرا اور بوٹا کو پکڑ لائے۔ وہ دونوں خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ جیرا پینتیس چھتیس سال کا قدرے بھاری بھرکم آدمی تھا اور بوٹا کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ درمیانے جسم اور قدوقامت کا مالک تھا۔ بوٹا کے نوکدار داڑھی تھی اور جیرا کلین شیو تھا۔ وہ دونوں آتے ہی ملک سکندر کے پیروں پر گر گئے۔

"ملک جی ہم کو بچالو۔۔۔ ہم نے کچھ نہیں کیا۔" وہ دونوں گڑگڑا رہے تھے۔ "رب جانتا ہے ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ یہ کون لوگ تھے۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں جی۔ ہم تو اپنے گھروں میں سو رہے تھے۔"

"تم دونوں قیوم کو دھمکیاں دیتے رہے ہو نا کہ چھوٹی بی بی کے ساتھ کام چھوڑ دو ورنہ پچھتاؤ گے۔" سب انسپکٹر اشرف نے باری باری دونوں کو گھورا۔

"ہم نے تو اسے مشورہ دیا تھا جی کہ پرانے مالک کو چھوڑ کر نئے آدمیوں کے پیچھے بھاگنا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ ہم نے اسے کوئی دھمکی نہیں دی تھی۔" محمد بوٹا نے کہا۔

"انہیں لے جاکر جیپ میں بٹھا دو۔ تھانے جاکر پوچھیں گے ان سے۔" سب انسپکٹر اشرف نے کہا۔ پھر بولا۔ "اور وہ مٹکی کہاں ہے؟"

"وہ صبح چھ بجے تک اپنے گھر میں تھا جی۔ پھر پتہ نہیں کہاں چلا گیا۔" ایک کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"ہوں۔" سب انسپکٹر بولا۔ "تلاش کرلیں گے اسے بھی۔ کہاں جائے گا؟"

سب انسپکٹر اشرف نے مختلف لوگوں کے بیانات قلمبند کئے اور کارروائی ختم کردی۔ اس دوران حمید، نثار اور دین محمد بھی واپس آگئے۔

"کچھ پتہ چلا ان کا۔ کس طرف گئے ہیں وہ لوگ؟" سکندر نے پوچھا۔

"ہم نے ریحان آباد کے ایک ایک گھر میں دیکھ لیا ہے۔ بستی کے ہر شخص سے معلوم کیا لیکن ان لوگوں کے بارے میں پتہ نہیں چلا۔ البتہ واپسی پر کھیتوں میں کام کرنے والے ایک بندے سے کچھ سراغ ملا ہے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیا؟" سکندر نے پوچھا۔

"عبداللہ نامی وہ شخص ریحان آباد کے چودھری کرم دین کا مزارع ہے۔ ان کے کھیتوں میں آج پانی کی باری تھی۔ عبداللہ کے کہنے کے مطابق وہ صبح چار بجے کھیتوں کی طرف آرہا تھا تو اس نے چند گھڑ سواروں کو دریا کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر کھیتوں میں چھپ گیا تھا کیونکہ اس کے خیال میں وہ کوئی شریف آدمی نہیں ہوسکتے تھے جو اس طرح رات کے پچھلے پہر کہیں جارہے ہوں۔"

"کتنے گھڑ سوار تھے؟" سکندر نے پوچھا۔

"چار۔" اس مرتبہ نثار نے جواب دیا۔

"تو پھر وہی ہوں گے۔" سکندر بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ رابعہ کو لے کر دریا پار چلے گئے ہوں گے۔ یہ سب انسپکٹر کو بتادو۔"

سب انسپکٹر اشرف اس وقت جیپ میں بیٹھ رہا تھا۔ چار پولیس والے بھی جیپ میں بیٹھ چکے تھے۔ جیرے اور بوٹے کو بھی انہوں نے اپنے درمیان سینڈوچ بنا رکھا تھا۔ وہ

دونوں اب بھی گڑگڑا کر اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کررہے تھے۔

سکندر نے سب انسپکٹر اشرف کو بتایا تو وہ بولا۔

"آپ جانتے ہیں ملک جی، دریا پار دوسرا ضلع شروع ہوجاتا ہے لیکن آپ فکر نہ کریں۔ تھانے پہنچ کر میں وائرلیس پر اس ضلع کی پولیس کو خبردار کردیتا ہوں اور ایک پارٹی بھی ان کے تعاقب میں بھیج دیتا ہوں۔ وہ لوگ بچ کر نہیں جائیں گے ملک جی! بس یہ دعا کریں کہ وہ جنگل کی طرف نہ نکل جائیں۔ اگر وہ جنگل میں داخل ہوئے تو ان کی تلاش مشکل ہوجائے گی۔ اچھا اب ہم چلتے ہیں۔ جیسے ہی کوئی سراغ ملا میں اطلاع کر دوں گا۔"

"ہم اپنے طور پر بھی تلاش جاری رکھتے ہیں۔ اگر ہمیں ان کے بارے میں کوئی اطلاع ملی تو ہم آپ کو خبر کردیں گے۔" سکندر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" سب انسپکٹر اشرف نے جیپ کا انجن سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

پولیس چلی گئی۔ سکندر ماسٹر محمد علی کے گھر آگیا۔ نایاب وہیں تھی۔ قیوم دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ دو تین آدمی اسے دلاسہ دینے کی کوشش کررہے تھے مگر وہ سنبھالے نہیں سنبھل رہا تھا۔ یہ صدمہ ایسا تو نہیں تھا جو آسانی سے برداشت ہوجاتا۔ اس کا گھر جلا کر راکھ کردیا گیا۔ باپ کو اس کی آنکھوں کے سامنے بیدردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور جوان بہن کو اٹھا کر لے گئے۔

دوپہر ہوگئی۔۔۔ نواب دین ماشکی کی تجہیز و تکفین کی تیاری شروع ہوگئی اور جب جنازہ اٹھا تو پورا گاؤں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ نواب دین اسی گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے ساٹھ سال تک گاؤں والوں کی خدمت کی تھی۔ ان کے گھروں میں پانی بھرا تھا۔ اس سے پہلے اس کے باپ دادا یہ خدمت انجام دیتے رہے تھے۔ نواب دین نے کبھی کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ اس کا کسی کے ساتھ کبھی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ گھروں میں پانی بھرنے کے علاوہ گاؤں والوں کے دوسرے کام بھی وہ ہنس کر کر دیتا تھا۔ اسی لئے آج اس کی موت پر سارا گاؤں اداس تھا۔

نایاب بھی سوگوار تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ قیوم پر یہ قیامت اسی کی وجہ سے ٹوٹی تھی۔ نہ وہ قیوم کو اپنے لئے استعمال کرتی اور نہ یہ سنگین ترین صورتحال پیدا ہوتی۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اس نے سر جھٹک دیا کہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ قیوم کو مجبور

نہیں کیا گیا تھا۔ اس نے اپنی مرضی سے نایاب کا ساتھ دیا تھا۔ صرف قیوم ہی نہیں۔ ہر اس شخص کو برے نتائج کی دھمکیاں دی جارہی تھیں جو نایاب کا ساتھ دینے کی بات کرتا تھا اور گاؤں کے سب ہی لوگ جانتے تھے کہ یہ دھمکیاں کس طرف سے مل رہی تھیں۔

چودھری نے پرانی حویلی پر نایاب کا قبضہ روکنے کیلئے خود تو کوئی مداخلت نہیں کی تھی لیکن اپنے آدمیوں کے ذریعے حویلی میں کام کرنے والوں کو دھمکیاں دی جارہی تھیں تاکہ وہ کام چھوڑ کر بھاگ جائیں اور نایاب حویلی پر قابض نہ ہوسکے۔ لیکن نایاب کا ساتھ دینے والے پیچھے نہیں ہٹے تھے۔ انہیں باز رکھنے کیلئے دوسرا راستہ اختیار کیا گیا۔ قیوم کا گھر جلا دیا گیا۔ اس کے باپ کو قتل کردیا اور اس کی جوان بہن کو اٹھا کر لے گئے۔ وہ قیوم کو بھی شاید مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے لیکن قیوم بچ گیا تھا۔

رابعہ سے نایاب کی بڑی دوستی ہوگئی تھی۔ نرگس اور عذرہ کے علاوہ شاید رابعہ ہی گاؤں کی واحد لڑکی تھی جو نایاب کو سب سے زیادہ پسند کرتی تھی۔ رابعہ اس سے ملنے کے لئے تقریباً روزانہ ہی ملک صاحب کی حویلی آجاتی تھی۔ دوسرے تیسرے روز نایاب بھی اس کے ہاں چلی جاتی تھی اور یہ نایاب سے تعلقات ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کا گھر برباد کرکے رابعہ کو اغوا کرلیا گیا تھا اور نایاب نے بھی فیصلہ کرلیا تھا کہ جب تک رابعہ کا سراغ لگا کر ان لوگوں کو عبرتناک سزا نہیں دے گی، چین سے نہیں بیٹھے گی۔ پولیس سے اسے کچھ زیادہ توقع نہیں تھی۔ پہلے پولیس نے کون سا تیر مار لیا تھا جو اب کچھ کرکے دکھائے گی۔

نایاب کی بے چینی کو سکندر کے گھر والے بھی سمجھ رہے تھے۔ سکندر اسے سنبھالنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کو بھی شبہ تھا کہ اس واردات میں ملنگی کا ہاتھ ہوسکتا تھا۔ وہ صبح چھ بجے گھر سے غائب ہوگیا تھا جس کا مطلب تھا کہ اگر براہ راست نہیں تو کسی اور طرح سے وہ اس واردات میں ملوث ضرور تھا اور پکڑے جانے کے خوف سے بھاگ گیا تھا۔

"ملنگی کا پتہ لگانے کے لئے بندے تمام چھوٹی بڑی بستیوں میں پھیل گئے ہیں۔" سکندر نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ قابو آجائے نا تو پھر پتہ چل جائے گا کہ یہ واردات کس نے کی ہے اور اس کے پیچھے اصل آدمی کون ہے۔"

"اصل آدمی۔" نایاب بولی۔ "چودھری سعادت کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔ آگ تو اسی کے کلیجے میں لگی ہوئی ہے۔"

"سب لوگ جانتے ہیں۔" سکندر بولا۔ "لیکن جب تک کوئی ثبوت نہ ہو اس کے خلاف قانونی طور پر کوئی کارروائی نہیں ہوسکتی۔ ملنگی پکڑا جائے تو اس کا بیان سعادت کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانے کیلئے کافی ہوگا۔"

"لیکن کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ اس سلسلے میں آج تک جتنے بھی آدمی پکڑے گئے، سب کے سب کسی نہ کسی طرح ختم ہوگئے۔ پہلے ایک آدمی کو ریلوے پوائنٹس مین کے قتل کے شبے میں پکڑا گیا۔ وہ تھانے سے فرار ہوگیا اور اس کی لاش ریلوے سٹیشن کے بیت الخلاء سے ملی۔ پھر مجھ پر حملہ ہوا میں نے گلو کی نشاندہی کی تھی، وہ پولیس کے ہاتھ مارا گیا۔ اگر پولیس چاہتی تو گلو سے معلوم کیا جاسکتا تھا کہ تھانے سے فرار ہونے والے شخص کو اس نے کس کے کہنے پر قتل کیا تھا اور مجھ پر گولیاں کس کے کہنے پر برسائی گئی تھیں۔ ان معاملات میں پولیس کا کردار بھی قابل تعریف نہیں ہے لیکن۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "پولیس جیرے اور بوٹے کو پکڑ کر لے گئی ہے۔ کیا ان دونوں سے معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ کون لوگ تھے اور یہ سب کچھ کس کے کہنے پر کیا گیا تھا؟"

"میرا خیال ہے نہیں۔" سکندر بولا۔ "اگر ان دونوں کو اس سلسلے میں کچھ معلوم ہوتا تو وہ بھی یہاں نہ رکتے اور ملنگی کے ساتھ ہی گاؤں سے بھاگ جاتے۔"

"ایک بات میرے ذہن میں آرہی ہے۔" نایاب نے کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ یہ پروگرام اچانک ہی نہیں بنا ہوگا۔ سب کچھ سوچی سمجھی سازش کے تحت ہوا ہے اور غالباً اس کی پلاننگ کئی روز پہلے کی گئی تھی۔" نایاب نے کہا۔

"ظاہر ہے انہوں نے کوئی منصوبہ تو بنایا ہوگا۔" سکندر بولا۔

"منصوبہ تو بنایا ہوگا لیکن میں کچھ اور سوچ رہی ہوں۔" نایاب نے کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ یہ منصوبہ چودھری سعادت ہی نے بنایا تھا۔ وہ خود شہر چلا گیا تھا کہ اس پر کوئی شبہ نہ کیا جاسکے۔ یہ واردات کرنے کے لئے آدمیوں کا بندوبست کسی دوسرے علاقے میں کیا گیا ہوگا۔ ملنگی اس وقت تک گاؤں میں رہا جب تک واردات پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ گئی۔ اپنا اطمینان کرنے کے بعد وہ بھی بھاگ گیا۔"

"ہوسکتا ہے تمہارا خیال درست ہو۔" سکندر بولا۔ "لیکن بات پھر وہیں آکر اٹک

جاتی ہے۔ چودھری سعادت یہاں موجود نہیں ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔ البتہ ملنگی ایک ایسا آدمی ہے جو اصل بات بتا سکتا ہے۔ اس کا سراغ لگانا بہت ضروری ہے اور مجھے یقین ہے کہ آج نہیں تو کل پرسوں تک اس کا پتہ چل جائے گا۔"

"اور اس وقت تک بیچاری رابعہ کا جو حشر ہوگا اس کا آپ تصور بھی نہیں کرسکتے۔" نایاب نے کہا۔

"میں سب کچھ سمجھتا ہوں لیکن ہم کچھ کر بھی تو نہیں سکتے۔ سوائے اس کے کہ ان کا پتہ چلانے کی کوشش کرتے رہیں اور وہ ہم کر رہے ہیں۔ دعا کرو ان میں سے کسی ایک کا پتہ چل جائے۔" سکندر نے کہا۔

"قیوم نے حملہ آوروں میں سے ایک کا حلیہ بتایا تھا۔" نایاب بولا۔ "گول چھوٹی داڑھی اور ناک پر دائیں طرف مٹر کے دانے کے برابر سیاہ مسہ۔۔۔ کیا اس حلیے کی بنا پر آس پاس کی بستیوں میں اس آدمی کا پتہ نہیں چلایا جاسکتا؟"

"جتنے بھی آدمی ان لوگوں کی تلاش میں گئے ہیں' ان سب کو یہ حلیہ بتا دیا گیا ہے۔" سکندر نے کہا۔ "ویسے مجھے نہیں یاد پڑتا کہ اپنے علاقے کی کسی بستی میں اس حلیے کے کسی آدمی کو میں نے دیکھا ہو۔"

نایاب نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اس نے بہرحال یہ طے کرلیا تھا کہ جب تک ان لوگوں کو تلاش کرکے رابعہ کا پتہ نہیں چلالے گی اسے بھی چین نہیں آئے گا۔

اس رات بھی نایاب کو نیند نہیں آئی۔ گھر کے تمام افراد سو چکے تھے۔ نرگس اور عذرا بھی گہری نیند میں تھیں۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ نایاب کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا نام و نشان نہیں تھا۔ بستر پر لیٹے لیٹے اسے گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے بستر سے اٹھ کر آہستگی سے دروازہ کھولا اور کمرے سے نکل کر برآمدے میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ گاؤں میں ہر طرف سناٹا تھا اور اس سناٹے میں کبھی کبھار کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی یا پھر کسی لمحہ چوکیدار کی۔ "جاگتے رہنا" کی آواز کان میں پڑ جاتی اور اس کے بعد پھر سناٹا طاری ہوجاتا۔

نایاب کرسی پر بیٹھی تاریکی میں گھور رہی تھی۔ اس کا ذہن طے جلے خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ صورتحال سنگین سے سنگین تر ہوتی جارہی تھی۔ چودھری سعادت پھیلتا جارہا تھا

اور وہ خود کچھ نہیں کرپا رہی تھی۔ وہ اب تک پولیس پر تکیہ کئے ہوئے تھی لیکن پولیس یا تو جانبداری سے کام لے رہی تھی یا کچھ اور پیچیدگیاں ان کی راہ میں حائل تھیں جو ابھی تک چودھریوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔

آج کا واقعہ تو بہت ہی سنگین تھا۔ قیوم کا گھر جلا کر راکھ کردیا گیا تھا۔ اس کے بوڑھے باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی جوان بہن کو اغوا کرلیا گیا۔ یہ ظلم کی انتہا تھی اور نایاب سوچ رہی تھی کہ اب اسے پولیس پر تکیہ کرنے کے بجائے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ قیوم پر یہ افتاد اسی کی وجہ سے نازل ہوئی تھی اور وہ اپنے آپ کو اس سے الگ نہیں رکھ سکتی تھی۔ رابعہ بہت معصوم لڑکی تھی۔ وہ ظالم اس کا جو حشر کریں گے اس کا تصور کرکے ہی نایاب کانپ اٹھی تھی۔

رابعہ کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کے ذہن میں اچانک ہی حاجرہ کا خیال ابھر آیا۔ پرانی حویلی آسیب زدہ مشہور تھی۔ کوئی اس طرف جانے کی ہمت نہیں کرتا تھا مگر نایاب وہاں گئی تھی تو حاجرہ کی لاش نظر آئی۔ نایاب کو کچھ نہیں ہوا تھا بلکہ وہ پراسرار سرگوشیاں سنائی دی تھیں۔

حاجرہ کی روح شاید اس سے کوئی کام لینا چاہتی تھی۔ صرف نایاب اور اس کے نیک نیت ساتھی تھے جو اس حویلی میں آزادی سے آجا سکتے تھے۔ ان کے علاوہ جس نے بھی حویلی میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی اس کا انجام برا ہوا تھا۔

نایاب یہ سب کچھ سوچ رہی تھی۔ لیکن یہ بات اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی کہ حاجرہ کی روح اس سے کیا کام لینا چاہتی تھی۔ حاجرہ کے بعد بھی اس علاقے میں ظلم اور بربریت کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ جوان اور خوبصورت لڑکیوں کو بے آبرو کرنا علاقے کے دولت مندوں کا وطیرہ بن گیا تھا۔ لیکن انہیں روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ جس نے روکنے کی کوشش کی اسے برباد کردیا گیا۔ سٹیشن ماسٹر عبدالغنی کی بیوی راشدہ کی مثال اس کے سامنے تھی۔ راشدہ کو چودھری سعادت اور اس کے ساتھیوں نے بے آبرو کرنے کی کوشش کی تھی لیکن مزاحمت کرنے پر راشدہ کو کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں ڈال دیا گیا۔ وہ پانچ سال تک کرب و اذیت میں مبتلا رہی اور جب نایاب نے اس کی داستان سن کر کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے کوارٹر کو آگ لگا کر دونوں میاں بیوی کو زندہ جلا دیا گیا تھا اور

اب رابعہ---

"نہیں--- ایسا نہیں ہوگا۔" نایاب بڑبڑائی۔ "بوڑھے نواب وین کا خون رائیگاں نہیں جائے گا اور میں رابعہ کو برباد نہیں ہونے دوں گی۔" دفعتاً نایاب کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے ہائی پاور کرنٹ اس کے جسم میں دوڑ گیا ہو۔ اس کے پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑنے لگیں۔ وہ کپکپا کر رہ گئی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن دھب سے دوبارہ کرسی پر ڈھیر ہوگئی۔

نایاب کرسی پر بیٹھے بیٹھے کانپ رہی تھی۔ اسے محسوس ہورہا تھا جیسے برف کی دیواریں اس کے چاروں طرف چن دی گئی ہوں۔ دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔ پورے بدن پر چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔ اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ چند سیکنڈ بعد اس نے ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکی۔ وہ مدد کیلئے کسی کو پکارنا چاہتی تھی مگر اس کے ہونٹ جیسے سل گئے تھے اور قوت گویائی سلب ہوکر رہ گئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کرسکی تھی۔ اس کا جسم پتھر کی طرح بھاری ہوگیا تھا۔

نایاب اپنے اندر عجیب سے کیفیت محسوس کررہی تھی۔ جیسے کوئی ٹوٹ پھوٹ ہورہی ہو۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب ہوچکی تھیں۔ اس کا جسم پتھر کی طرح بھاری اور دماغ ڈل ہورہا تھا اور پھر دفعتاً اس کے دماغ کو ایک اور جھٹکا لگا اور اس کے ساتھ ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے وجود کا بھاری پن کم ہورہا تھا۔

بوجھل پن بتدریج کم ہورہا تھا۔ پورے جسم میں سنسناہٹ البتہ برقرار تھی اور پھر چند سیکنڈ بعد وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا سا محسوس کرنے لگی۔ اس قدر ہلکا پھلکا کہ اگر وہ چاہتی تو ہوا میں بھی اڑ سکتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے سب کچھ بدلا ہوا سا لگ رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی برآمدے سے نکل کر آنگن میں آگئی۔ اس نے مڑکر دیکھا۔ کمروں کے دروازے بند تھے۔ جس کمرے سے وہ خود نکلی تھی اس کا دروازہ ایک انچ کے قریب کھلا ہوا تھا اور نائٹ بلب کی نیلی مدہم سی روشنی جھلک رہی تھی۔

نایاب مڑکر آنگن میں اس طرف چلنے لگی جہاں سکندر اور ملک صاحب کے گھوڑے

بندھے ہوئے تھے۔ ملک صاحب کا گھنوڑا کتھئی تھا اور سکندر کی گھوڑی سفید تھی۔ نایاب جب شروع میں یہاں آئی تھی تو اس نے ایک آدھ مرتبہ گھوڑے کی سواری کی تھی۔ لیکن اسے بڑا ڈر لگا تھا۔ ایک مرتبہ تو وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچی تھی۔ اس کے بعد اس نے توبہ کرلی تھی کہ گھوڑے پر نہیں بیٹھے گی لیکن اب وہ بڑی بے خودی سے سکندر کی گھوڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

قریب پہنچ کر وہ ایک لمحہ کو رکی اور پھر دیوار میں لگے ہوئے آہنی کنڈے سے گھوڑی کی رسی کھولنے لگی۔ گھوڑی ایک دو مرتبہ ہنہنائی پھر خاموش ہوگئی۔

نایاب گھوڑی کی رسی پکڑے حویلی کے پھاٹک کی طرف چلنے لگی۔ وہ پھاٹک کے قریب پہنچی ہی تھی کہ گھوڑی ایک مرتبہ پھر زور سے ہنہنائی۔ نایاب پھاٹک کا کنڈا کھولنے لگی۔

ٹھیک اسی لمحہ سکندر والے کمرے کا دروازہ کھلا اور سکندر باہر آگیا۔ وہ گھوڑی کے ہنہنانے کی آواز سن کر جاگ گیا تھا۔ سکندر برآمدے میں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ تاریکی میں نایاب کو نہیں پہچان سکا تھا لیکن گھوڑی کو پھاٹک کے قریب دیکھ کر چونک گیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کوئی چور گھوڑی کھول کر لے جارہا ہے۔

"اے--- رک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔" سکندر للکارتا ہوا پھاٹک کی طرف لپکا۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ گولی مار دینے کی محض دھمکی دی تھی۔

نایاب نے پھاٹک کا کنڈا کھول لیا اور ایک پٹ کو باہر کی طرف دھکیل دیا تھا۔ پھاٹک آہستہ آہستہ کھلتا چلا گیا۔ سکندر کی آواز سن کر نایاب نے پیچھے مڑکر دیکھا اور پھر اچک کر گھوڑی پر سوار ہوگئی۔

سکندر ایک جھٹکے سے رک گیا۔ اس نے نایاب کو پہچان لیا تھا۔ اسے حیرت کا بڑا شدید جھٹکا لگا تھا۔ گھوڑی پر نہ تو زین تھی اور نہ ہی لگام۔ اس کے گلے میں وہ رسی تھی جس سے اسے کھونٹے سے باندھا گیا تھا۔ نایاب بڑی بے خوفی سے اچک کر گھوڑی پر سوار ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ میں گھوڑی کے گلے میں پڑی ہوئی رسی ہی تھی۔

"نایاب! رک جاؤ' کہاں جارہی ہو؟" سکندر چیخا۔

نایاب نے مڑکر اس کی طرف دیکھا اور سیدھا پیر ہولے سے گھوڑی کے پیٹ پر

مارا۔ گھوڑی ایک مرتبہ پھر ہنہنائی اور پھاٹک سے باہر نکل گئی۔

"نایاب! رک جاؤ--- یہ گھوڑی بڑی سرکش ہے۔ گر جاؤ گی۔" سکندر چیختا ہوا پھاٹک کی طرف دوڑا۔

لیکن نایاب نے جیسے اس کی آواز سنی ہی نہیں۔ گھوڑی گلی میں آکر دائیں طرف مڑ گئی تھی۔ نایاب نے ایک بار پھر اس کے پیٹ میں ہولے سے ٹانگ ماردی۔

"نایاب رک جاؤ--- کہاں جارہی ہو اس وقت۔" سکندر چیختا ہوا اس کے پیچھے دوڑا اور پھر گلی میں پہنچ کر ایک جھٹکے سے رک گیا اور اسے گلی میں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

گھوڑی دوسری گلی میں مڑ گئی تھی۔ سکندر دوڑتا ہوا حویلی میں واپس آگیا۔ گھوڑی کے ہنہنانے اور سکندر کے چیخ چیخ کر بولنے کی آوازوں سے سکینہ اور نرسس بھی جاگ گئی تھیں اور وہ دونوں برآمدے میں کھڑی تھیں۔

"کیا ہوا بھائی جان۔ نایاب کہاں ہے۔ وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے۔" نرسس نے سکندر کو دیکھتے ہی کہا۔

"وہ گھوڑی پر بیٹھ کر باہر نکل گئی ہے۔ گھوڑی پر زین بھی نہیں ڈالی۔ اگر وہ گر گئی تو ہاتھ پیر تڑوا بیٹھے گی۔" سکندر نے کہا۔

"آپ نے اسے روکا نہیں؟" سکینہ بولی۔

"میں تو اسے روکنے کی کوشش کررہا تھا مگر اس نے تو جیسے میری آواز ہی نہیں سنی۔ لگتا ہے جیسے وہ نیند میں تھی۔" سکندر نے جواب دیا۔

"نیند میں!" سکینہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بعض لوگوں کو یہ بیماری ہوتی ہے۔" سکندر بولا۔ "وہ نیند میں اٹھ کر چلتے پھرتے ہیں اور کوئی نہ کوئی کام بھی کر ڈالتے ہیں لیکن انہیں پتہ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ کسی حادثے کا شکار بھی ہوجاتے ہیں۔ میں اس کے پیچھے جارہا ہوں۔ اگر اسے کوئی حادثہ پیش آگیا تو کوئی نیا مسئلہ پیدا ہوجائے گا۔"

سکندر نے ملک صاحب والا گھوڑا کھولا اور اچک کر اس پر سوار ہوگیا۔ اس نے گھوڑے کے گلے میں پکڑی ہوئی رسی سنبھالی اور اسے پھاٹک کی طرف لے آیا۔

تم لوگ یہ پھاٹک بند کرلو۔ میں اسے پکڑ کر لاتا ہوں۔" اس نے مڑ کر کہا اور

گھوڑے کو گلی میں دائیں طرف موڑ دیا۔

نایاب تیسری گلی میں پہنچ گئی تھی۔ "جاگتے رہنا" کی آواز اس کے کان سے ٹکرائی تھی اور پھر اسے وہ بوڑھا چوکیدار بھی نظر آگیا جو ایک ہاتھ میں لالٹین اور دوسرے ہاتھ میں لاٹھی پکڑے سامنے سے آرہا تھا۔ نایاب کی گھوڑی اس کے قریب سے گزر گئی اور بوڑھا چوکیدار اسے حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔

نایاب گلیوں سے ہوتی ہوئی گاؤں سے باہر آگئی۔ گھوڑے کی رسی اس نے دائیں ہاتھ میں بہت ڈھیلی سی پکڑی ہوئی تھی۔ گھوڑا اپنی مرضی سے آرام سے چل رہا تھا۔ نہر کی پلیا کے قریب آکر گھوڑا رک گیا۔ نایاب تاریکی میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ سناٹے میں حشرات الارض کی آوازیں عجیب پراسرار تاثر دے رہی تھیں۔

دفعتاً گاؤں کی طرف سے ایک آواز سن کر وہ چونک گئی۔ کوئی اس کا نام لیکر پکار رہا تھا۔ وہ چونکی اپنے نام پر نہیں آواز پر تھی۔ وہ اس کیلئے محض ایک آواز تھی۔ ایک اجنبی آواز--- اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک آدمی گھوڑے پر سوار تھا اور وہ آدمی اس کے ساتھ پیدل چلے آرہے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ گھوڑے پر سوار دو آدمی چیخ چیخ کر اسے آوازیں دے رہا تھا۔

"نایاب--- کہاں جارہی ہو۔ رک جاؤ نایاب۔ یہ گھوڑی بہت سرکش ہے۔ تم گر جاؤ گی۔ رک جاؤ نایاب---"

وہ آواز نایاب کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ نایاب نے مڑ کر گھوڑی کی رسی کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور اس کے ساتھ ہی گھوڑی کے پیٹ پر ہلکی سی لات ماردی۔ گھوڑی ہنہناتی ہوئی اچھلی اور پچھلے پیروں پر کھڑی ہوگئی۔ نایاب نے رسی کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے تھام لیا۔ گھوڑی کے اگلے پیر جیسے ہی زمین پر لگے' نایاب نے اس کے پیٹ پر ایک لات مار دی۔ اس مرتبہ لات زیادہ زور سے لگی تھی۔ گھوڑی ایک بار پھر اچھلی اور دوسرے ہی لمحہ نہر کی پلیا پار کرکے کھیتوں کی طرف دوڑنے لگی۔

نایاب گھڑ سواری نہیں جانتی تھی۔ اس سے پہلے وہ صرف ایک یا دو مرتبہ گھوڑے پر بیٹھی تھی۔ وہ جتنی دیر گھوڑے کی پیٹھ پر رہی تھی اس کے دل میں خوف رہا تھا۔ لیکن اس وقت اس کے دل میں خوف نہیں تھا۔ وہ بغیر زین کے گھوڑی پر سوار تھی۔ گھوڑی کے منہ

میں لگام بھی نہیں تھی جس سے اسے کنٹرول کیا جاسکتا۔ صرف وہ رسی تھی جو اس کے گلے میں بندھی ہوئی تھی اور نایاب اس رسی کو پکڑے کسی ماہر گھڑ سوار کی طرح گھوڑی کی پیٹھ پر بیٹھی تھی۔

سکندر نے جب گھوڑی کو اچھلتے اور پھر پچھلے دونوں پیروں پر کھڑے ہوتے دیکھا تو بری طرح بدحواس ہوگیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ نایاب گھوڑی سے گر جائے گی اور اس کی ایک آدھ ہڈی ضرور ٹوٹ جائے گی۔ اس نے اپنے گھوڑے کو تیزی سے آگے بڑھا دیا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ نایاب نے گھوڑی کو سنبھال لیا تھا اور پھر اس نے شاید گھوڑی کو ایڑ بھی لگا دی تھی کیونکہ گھوڑی دوسرے ہی لمحہ سرپٹ دوڑنے لگی تھی یا پھر وہ بے قابو ہوکر بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر نہیں۔ سکندر نے یہ دوسرا خیال ذہن سے نکال دیا۔ اگر گھوڑی بے قابو ہوکر بھاگی ہوتی تو نایاب یا تو گر چکی ہوتی یا خوف سے چیخنے لگتی۔ جبکہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ نہ تو وہ گری تھی اور نہ ہی چیخی تھی۔ اس کے برعکس وہ کسی ماہر گھڑ سوار کی طرح گھوڑی کی پیٹھ پر بیٹھی ہوئی تھی اور لگتا تھا' گھوڑی پوری طرح اس کے کنٹرول میں تھی۔ لیکن سکندر اسے اس طرح نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے حویلی سے نکلتے ہوئے اندازہ لگایا تھا کہ نایاب اپنے حواس میں نہیں تھی۔ وہ یا تو نیند میں تھی اور یا اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔ سکندر کو یقین تھا کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہوجائے گی۔ اس نے بھی اپنا گھوڑا اس کے پیچھے سرپٹ دوڑا دیا۔

جیسے جیسے فاصلہ طے ہورہا تھا گھوڑی کی رفتار بھی تیز ہوتی جارہی تھی۔ نایاب نے اس کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ پھر وہ آگے کو لیٹ کر گھوڑی کی گردن سے لپٹ گئی اور دونوں پیر مسلسل اس کے پیٹ پر مارتی رہی۔

سکندر بھی اپنے گھوڑے کو بار بار ایڑ لگا رہا تھا۔ لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے اور نایاب کے درمیان فاصلہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جارہا تھا اور پھر نایاب اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ سکندر نے گھوڑا روک لیا اور تاریکی میں گھورنے لگا۔ نایاب کو جیسے تاریکی نے نگل لیا تھا۔ وہ دکھائی نہیں دے رہی تھی البتہ وقفے وقفے سے گھوڑی کے ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لیکن اس آواز سے سمت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔ کبھی لگتا ٹاپوں کی آواز دائیں طرف سے آرہی ہو اور کبھی بائیں طرف سے اور کبھی یہ آواز چاروں

طرف سے آتی ہوئی محسوس ہونے لگتی۔

سکندر کتنی ہی دیر تک وہاں کھڑا تاریکی میں گھورتا رہا پھر اس نے گھوڑے کو واپس موڑ لیا۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ نایاب کس طرف گئی تھی۔ اندھیرے میں تکے ٹوپیاں مارنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ گاؤں کی طرف واپس جارہا تھا۔ نایاب کی گھوڑی کھیتوں میں سرپٹ دوڑ رہی تھی اور نایاب گھوڑی کی گردن سے لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے دل میں ذرا بھی خوف نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ اسے کوئی ادراک ہی نہیں تھا۔ اسے تو یہ بھی احساس نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جارہی ہے۔ وہ نایاب--- نایاب نہیں تھی۔ وہ تو اپنے آپ سے بھی اجنبی تھی۔ کوئی نادیدہ قوت تھی جو اسے کسی بات پر اکسا رہی تھی۔

تقریباً" ایک گھنٹے تک گھوڑی کھیتوں میں دوڑتی رہی۔ پھر اس کی رفتار سست ہوگئی۔ نایاب بھی سیدھی ہوکر بیٹھ گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ سامنے دریا تھا۔ اس نے گھوڑی کو دائیں طرف موڑ دیا۔ وہ ہلکی رفتار سے کنارے کے ساتھ ساتھ دوڑتی رہی۔

وہ تقریباً" آدھے گھنٹے تک نہر کی پٹڑی پر چلتی رہی پھر اس نے گھوڑی روک لی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ نہر کی یہ کشادہ پٹڑی زمین کی سطح سے تقریباً" پندرہ فٹ اونچی تھی۔ نشیب میں بھی کچھ جگہ خالی تھی اور اس کے بعد کھیتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ نایاب گھوڑی پر بیٹھی تاریکی میں گھور رہی تھی اور پھر دفعتاً" اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

دائیں طرف نشیب میں روشنی نظر آرہی تھی۔ وہ کوئی چھوٹی سی عمارت تھی جس کی کھڑکیوں سے مدہم سی روشنی جھلک رہی تھی۔ نایاب کے خیال میں وہاں سے اس عمارت کا فاصلہ ڈیڑھ سو گز سے کم نہیں تھا۔

وہ چند لمحے اسی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے گھوڑی کو نہر کی پٹڑی سے نیچے اتار لیا اور کھیتوں کے کنارے کنارے اس عمارت کی طرف بڑھنے لگی۔

تقریباً" پچاس گز کے فاصلے پر وہ گھوڑی روک کر نیچے اتر آئی۔ ایک بار ادھر ادھر دیکھا۔ پھر گھوڑی کھیت کے کنارے ون کی ایک جھاڑی سے باندھ دی اور عمارت کی طرف دیکھنے لگی۔ اس عمارت کے علاوہ دور دور تک آبادی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ نایاب چند لمحے اس عمارت کی طرف دیکھتی رہی پھر کھیت کے کنارے کنارے آہستہ آہستہ اس طرف

چلنے لگی۔

یہ عمارت غالباً" تین چار کمروں پر مشتمل تھی اور سامنے کے رخ پر دو کمروں کی کھڑکیوں میں مدہم سی روشنی نظر آرہی تھی۔ نایاب آہستہ آہستہ آگے چلتی رہی' پھر عمارت سے چند گز کے فاصلے پر رک گئی اور کسی قسم کی آہٹ لینے کی کوشش کرنے لگی۔

یہ عمارت دراصل محکمہ اری گیشن کا ریسٹ ہاؤس تھا۔ محکمہ کے آفیسر جب اس علاقے کے دورے پر آتے تو یہیں ٹھہرتے تھے۔ لیکن یہ ریسٹ ہاؤس بہت عرصہ سے ویران پڑا تھا۔ تقریباً" دو میل دور نیا ریسٹ ہاؤس بن جانے کی وجہ سے یہ ریسٹ ہاؤس متروک ہوگیا تھا۔ پہلے تو کچھ عرصہ تک یہاں ایک چوکیدار رہتا تھا لیکن پھر وہ چوکیدار بھی یہاں سے ہٹا لیا گیا تھا۔ جب تک چوکیدار رہا تھا ریسٹ ہاؤس کی حالت قدرے بہتر رہی تھی۔ لیکن چوکیدار کے جانے کے بعد یہ عمارت ویران ہوتی چلی گئی۔ تقریباً" نصف میل دور ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اس بستی کے لڑکے اس دریا پر نہانے کیلئے آجاتے تو تھوڑی دیر کیلئے یہ ریسٹ ہاؤس بھی آباد ہوجاتا تھا۔ کھڑکیوں کی چوکھٹیں وغیرہ اپنی جگہ پر موجود تھیں۔

دو سال پہلے ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے اس ریسٹ ہاؤس پر قبضہ جما لیا تھا۔ ایک رات پولیس ایک ڈاکو کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئی۔ مقابلے میں دو ڈاکو ہلاک ہوگئے اور باقی تین بھاگ نکلے تھے۔ اس کے بعد سے بستی کے بچوں نے بھی اس طرف آنا چھوڑ دیا تھا۔

یہ ریسٹ ہاؤس گاؤں سے میلوں دور تھا۔ گاؤں کے لوگ بھی اس طرف کبھی نہیں آتے تھے۔ نایاب تو اس علاقے اور اس ریسٹ ہاؤس کے بارے میں کچھ جانتی بھی نہیں تھی۔ کوئی نادیدہ قوت تھی جو اسے یہاں لے آئی تھی۔

وہ اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی عمارت کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ ایک کمرے کی کھڑکی کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی اور اندر جھانکنے لگی۔ کمرے کے فرش پر چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ ایک کونے میں لالٹین رکھی ہوئی تھی۔ نایاب نے چوکھٹ پر ہاتھ رکھ کر مزید اندر جھانکا' چٹائی پر ایک طرف دری بھی بچھی ہوئی تھی اور ایک تکیہ بھی رکھا ہوا تھا۔

نایاب اس کھڑکی سے ہٹ کر دوسرے کمرے کی کھڑکی کی طرف آگئی۔ یہاں بھی ایک بستر بچھا ہوا تھا۔ تکئے کے قریب ایک رائفل بھی پڑی ہوئی تھی۔ کمرے کے کونے میں لالٹین جل رہی تھی اور اس کے قریب ہی پانی کی ایک صراحی رکھی ہوئی تھی جس پر شیشے کا ایک گلاس اوندھا پڑا تھا۔

یہ اس عمارت کا پچھلا حصہ تھا۔ نایاب گھوم کر دوسری طرف آگئی۔ عمارت کے سامنے والے رخ پر چار گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ نایاب جیسے ہی آگے بڑھی' ایک گھوڑا زمین پر زور زور سے پیر مارنے لگا اور دوسرا گھوڑا ہنہنا اٹھا۔

"اوئے جاگی۔" فضا میں ایک بھاری آواز سنائی دی۔ "دیکھو باہر کوئی ہے تو نہیں۔"

"اس وقت یہاں کون آئے گا ملنگی بادشاہ۔" دوسری آواز سنائی دی۔

"اوئے دیکھ تو لے۔" پہلی آواز نے کہا۔ "گھوڑے بلاوجہ تو شور نہیں مچا رہے۔"

"دیکھ لیتا ہوں ملنگی بادشاہ۔" دوسری آواز نے کہا۔

اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی ایک آدمی برآمدے میں نظر آیا۔ اس کے کندھے پر رائفل ٹکی ہوئی تھی۔ نایاب بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گئی اور آہستہ آہستہ سرکنے لگی اور ایک آڑ میں رک کر دوسری طرف جھانکنے لگی۔

وہ آدمی برآمدے سے نکل کر اسی طرف آگیا جہاں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ گھوڑے اب بھی زمین پر زور زور سے پیر مار رہے تھے۔ وہ شخص باری باری گھوڑوں کو تھپتھپاتا رہا پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے ملنگی بادشاہ۔" اس شخص نے برآمدے کی طرف رخ کرکے کہا' ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا اور برآمدے کی طرف واپس چلا گیا۔

نایاب اپنی جگہ پر کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر بائیں طرف والی کھڑکی کی طرف بڑھنے لگی۔ کھڑکی کے سامنے پہنچ کر وہ ٹھٹک گئی۔

اس کمرے کے فرش پر بچھی ہوئی دری پر رابعہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ دائیں طرف والی دیوار کے قریب دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک ملنگی تھا اور دوسرا نایاب کے لئے اجنبی۔ اسی دوران وہ تیسرا آدمی اندر آگیا جو باہر گھوڑوں کی طرف گیا تھا۔

"اسے ہوش میں لاؤ ملنگی بادشاہ۔" باہر سے آنے والے نے کہا۔ "دو اڑھائی گھنٹے

ہو چکے ہیں۔ کیا یہ رات بھر بے ہوش رہے گی۔"

"بے ہوش ہے بھی یا اپنے آپ کو بچانے کے لئے مکر کر رہی ہے۔" ملنگی کے پاس بیٹھے ہوئے دوسرے آدمی نے کہا۔

"مکر کب تک کرے گی۔" ملنگی نے جواب دیا۔ "آج سارا دن تو ہوش میں رہی ہے۔ رات کو اگر امین اس کے دو ہاتھ نہ مار دیتا تو بے ہوش ہی میں رہتی۔"

"اگر میں اس کے ہاتھ نہ مارتا تو یہ میرا ہاتھ چبا جاتی ملنگی بادشاہ۔" امین نائی شخص نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف دیکھا۔ کلائی سے ذرا اوپر کپڑا بندھا ہوا تھا جو خون سے تر ہو رہا تھا۔ "میں نے اسے ہاتھ ہی تو لگایا تھا۔ حرام زادی ایک دم بھڑک اٹھی۔ ہوش میں آجائے تو اسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گی۔"

ان کی باتوں سے نایاب کو اندازہ ہو گیا کہ رابعہ پر اگرچہ تھوڑا بہت تشدد ہوا تھا مگر اس کی عزت ابھی تک محفوظ تھی۔ ملنگی کو یہاں دیکھ کر نایاب یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ قیوم کے گھر پر حملہ ملنگی کے اشارے پر ہی ہوا تھا۔ وہ اگرچہ خود اس کارروائی میں شریک نہیں تھا۔ لیکن یہ سب کچھ اسی کا کیا دھرا تھا۔ نایاب کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ حملہ کرنے والے چار آدمی تھے اور باہر گھوڑے بھی چار ہی تھے۔ ملنگی بعد میں آیا تھا۔ اس حساب سے وہاں پانچ آدمی اور گھوڑے ہونے چاہئیں تھے لیکن ملنگی سمیت تین آدمی تھے۔ ہو سکتا ہے ایک آدمی کہیں چلا گیا ہو لیکن چار گھوڑوں کی موجودگی کے حوالے سے یہاں آدمیوں کی تعداد بھی چار ہی ہونی چاہئے تھی جبکہ یہاں تین آدمی تھے۔ ہو سکتا ہے چوتھا آدمی کسی دوسرے کمرے میں سو رہا ہو۔

نایاب یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ چوتھا آدمی بھی دروازے سے کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی نایاب چونک گئی۔ یہ وہی آدمی تھا جس کا حلیہ قیوم نے بتایا تھا۔ لمبا قد' گول چوخی داڑھی اور ناک پر دائیں طرف مٹر کے دانے کے برابر سیاہ مسہ۔

"کیا پروگرام ہے ملنگی بادشاہ۔" اس شخص نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔

"چودھری تو آیا نہیں۔ ہمارے لئے کیا حکم ہے۔"

"کل کا دن اور انتظار کرلو۔" ملنگی نے جواب دیا۔

"نہیں ملنگی بادشاہ۔" اس شخص نے کہا۔ "ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے۔ میں تو

سوچ رہا ہوں کہ ابھی نکل جاؤں۔ اگر تمہیں اس لڑکی کو سنبھالنے میں کوئی دشواری ہو تو ہیر کو اپنے پاس رکھ لو۔ میں امین اور مقصود کو لے کر چلا جاتا ہوں۔ کوٹ اعظم کے چودھری امان اللہ نے بھی ایک کام کہا ہوا ہے اور کل وہ کام ہر صورت میں کرنا ہوگا ورنہ مجھے بچانے کی رقم واپس کرنی پڑ جائے گی۔"

"ٹھیک ہے حاکم بھائی۔" ملنگی نے کہا۔ "ہیر کو چھوڑ جاؤ اور ان دونوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ کل یا پرسوں تمہاری رقم پہنچ جائے گی۔"

"ارے رقم کی فکر نہیں یار۔" حاکم نے کہا۔ "ٹھیک ہے ہم چلتے ہیں اور یہ لڑکی۔" اس نے دری پر پڑی ہوئی رابعہ کی طرف دیکھا۔ "کوئی بات نہیں پھر کبھی سہی۔" اس نے امین اور مقصود کو اشارہ کیا۔

وہ دونوں بھی اٹھ گئے اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ چاروں کمرے سے باہر چلے گئے۔ نایاب چند سیکنڈ اپنی جگہ پر کھڑی رہی پھر کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھ کر بڑی آہستگی سے کمرے میں کود گئی اور دبے قدموں چلتی ہوئی رابعہ کے قریب پہنچ گئی۔

"رابعہ۔۔۔ رابعہ۔۔۔" وہ اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "ہوش میں آؤ رابعہ۔ میں نایاب ہوں۔"

وہ رابعہ کے گال تھپتھپاتی رہی لیکن رابعہ ہوش میں نہیں آئی۔ نایاب اٹھ کر دروازے کے قریب آگئی اور جھانک کر باہر دیکھنے لگی۔ وہ چاروں گھوڑوں کے پاس کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ نایاب واپس آگئی۔ اس نے ایک بار پھر رابعہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئی تو اس نے رابعہ کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اوپر اٹھایا اور کندھے پر لاد کر کھڑی ہو گئی۔

کھڑکی کے قریب آکر اس نے رابعہ کو چوکھٹ پر ٹکا دیا اور خود چوکھٹ پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئی۔ رابعہ کو کھینچ کر اپنے کندھے پر لادا اور تیزی سے کھیتوں کی طرف چلنے لگی۔

نایاب دھان پان سی لڑکی تھی اور رابعہ اس سے زیادہ قد آور اور صحت مند۔ اس کا وزن بھی نایاب سے زیادہ تھا لیکن نایاب اسے کندھے پر لادے جس طرح تیزی سے چل رہی تھی اس پر واقعی حیرت ہو رہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی قریبی کھیت میں گھس گئی

اور پھر ٹھیک اسی لمحہ ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ملنگی بادشاہ۔ غضب ہوگیا۔ وہ لڑکی بھاگ گئی۔" یہ آواز ہیر کی تھی۔

"کیا بکتے ہو۔" ملنگی کی دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "بے ہوش لڑکی کیسے بھاگ سکتی ہے۔"

"وہ بھاگ گئی ملنگی بادشاہ۔" ہیر نے چیخ کر کہا۔ "امین ٹھیک ہی کہتا تھا وہ بے ہوش نہیں ہوئی تھی، مکر کررہی تھی۔"

نایاب نے مڑ کر دیکھا۔ وہ دونوں کمرے میں کھڑے تھے اور پھر ان میں سے ایک آدمی جیسے ہی کھڑکی کی طرف لپکا، نایاب بڑی پھرتی سے نیچے بیٹھ گئی اور اس نے رابعہ کو بھی احتیاط سے نیچے لٹا دیا۔ کمئی کی فصل تھی۔ پودے خاصے اونچے تھے۔ باہر سے انہیں نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

نایاب رابعہ کے پاس سانس روکے بیٹھی تھی۔ فضا میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ حاکم اور اس کے ساتھی وہاں سے جاچکے تھے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی جارہی تھی۔

"باہر نکل کر تلاش کرو اسے۔" ملنگی کی گونجتی ہوئی آواز نایاب کی سماعت سے ٹکرائی۔ "وہ دور نہیں جاسکتی۔ اسے تلاش کرو۔ اگر وہ بچ کر نکل گئی تو ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ تلاش کرو اسے۔"

"پہلے ریسٹ ہاؤس کی تلاشی تو لے لو ملنگی بادشاہ۔" ہیر کی آواز سنائی دی۔ "ہوسکتا ہے ہوش میں آنے کے بعد وہ ریسٹ ہاؤس کے اندر ہی کہیں چھپ گئی ہو۔"

"دیکھو--- ڈھونڈو اسے اور گولی مار دو۔ اسے بچ کر نہیں جانا چاہئے۔" ملنگی دھاڑا۔

نایاب، رابعہ کے پاس بیٹھی رہی۔ ریسٹ ہاؤس کی جانب سے بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور پھر وہ آوازیں ریسٹ ہاؤس کے باہر سے سنائی دینے لگیں۔

"وہ ریسٹ ہاؤس میں نہیں ہے۔" ملنگی کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ "وہ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔ تلاش کرو اسے۔ یہیں کہیں ہوگی۔ تم دریا کی طرف جاؤ۔ میں کھیتوں کی طرف دیکھتا ہوں جلدی کرو۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ ٹاپوں کی آواز سے

اندازہ ہوا کہ ایک گھوڑا دریا کی طرف چلا گیا تھا۔ جبکہ دوسرے گھوڑے کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔

وہ ملنگی تھا جو گھوڑے پر سوار کھیتوں کی طرف آرہا تھا۔ نایاب اپنی جگہ پر بے حس و حرکت بیٹھی گھوڑے کی آواز سن رہی تھی۔ کمئی کے پودے خاصے اونچے تھے۔ وہ ملنگی کو دیکھ تو نہیں سکتی تھی لیکن گھوڑے کے پیروں میں پودوں کے کچلے جانے سے وہ اپنے اور ملنگی کے درمیان فاصلے کا اندازہ لگا رہی تھی جو لمحہ بہ لمحہ کم ہوتا جارہا تھا اور پھر ملنگی کا گھوڑا تقریباً" پانچ گز کے فاصلے پر پگڈنڈی پر رک گیا۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر ملنگی کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"رابعہ! مجھے معلوم ہے تم کھیتوں میں کہیں چھپی ہوئی ہو۔ یہ جگہ آبادی سے بہت دور ہے۔ تم جانتی ہو کہ بچ کر نہیں جاسکو گی۔ یہاں کوئی تمہاری مدد کو بھی نہیں آئے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں تمہیں ایک منٹ دے رہا ہوں جہاں بھی چھپی ہوئی ہو نکل کر سامنے آجاؤ۔ بصورت دیگر اگر میں نے خود تمہیں تلاش کرلیا تو بہت برا حشر کروں گا تمہارا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو۔"

فضا میں خاموشی چھاگئی۔ لمحات دھیرے دھیرے بیت رہے تھے۔ نایاب سانس روکے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت کی تو پودوں کی سرسراہٹ سے ملنگی اس طرف متوجہ ہوجائے گا اور پھر اسے اور رابعہ کو اس کے قہر سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اس نے رابعہ کی طرف دیکھا۔ اس وقت رابعہ کا ہوش میں آنا بھی خطرناک ہوسکتا تھا۔

ٹھیک ایک منٹ بعد ملنگی کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"ٹھیک ہے رابعہ۔ اب تمہیں میں خود ہی تلاش کروں گا اور تمہارے ساتھ جو کچھ ہوگا وہ بھی تم دیکھ لوگی۔"

پودوں کے کچلے جانے کی آواز سے نایاب سمجھ گئی کہ گھوڑا آگے جارہا تھا۔ نایاب نے اطمینان کا سانس لیا اور رابعہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"رابعہ--- رابعہ--- ہوش میں آؤ۔ میں ہوں نایاب---" وہ دونوں ہاتھوں سے

رابعہ کے گال تھپتھپاتے ہوئے بولی۔ اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھیں۔

اس مرتبہ نایاب کو مایوسی نہیں ہوئی۔ رابعہ کسمسائی اور پھر اس کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں خارج ہونے لگیں۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ شاید چیخنا چاہتی تھی لیکن نایاب نے بڑی پھرتی سے ایک ہاتھ سے اسے دبوچ کر دوسرے ہاتھ سے اس کا منہ دبا دیا۔ رابعہ اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کرنے لگی۔ اسے قابو میں رکھنے کیلئے نایاب کو خاصی مشکل پیش آرہی تھی۔ ان کے نیچے پودوں کے دبنے سے بھی اچھی خاصی آواز پیدا ہورہی تھی۔

"رابعہ ہوش میں آؤ۔" نایاب نے اسے قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے سرگوشی کی۔ "ہوش میں آؤ رابعہ۔ میں ہوں نایاب۔۔۔۔"

رابعہ کی مزاحمت ماند پڑ گئی۔ وہ نایاب کی بانہوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور نایاب کی طرف دیکھنے لگی۔

"نا۔۔۔ یا۔۔۔ ب۔۔۔"

رابعہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر نایاب نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خاموش رہو اور آرام سے بیٹھی رہو۔" نایاب نے سرگوشی کی۔ "ملنگی اور اس کا ایک ساتھی ہمیں تلاش کررہے ہیں۔ ابھی ہم خطرے سے باہر نہیں ہوئے۔" رابعہ اب بھی اس کی بانہوں میں تھی۔ وہ خاموش اور بے حس و حرکت ہوکر اس کی طرف دیکھنے لگی اور پھر اسی لمحہ فضا میں ملنگی کی آواز گونجی۔

"رابعہ! تم جہاں کہیں بھی چھپی ہوئی ہو' سامنے آجاؤ۔ تم بچ کر نہیں جاسکو گی۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

یہ آواز سن کر رابعہ کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی۔ نایاب نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ملنگی کی غصے میں بھری ہوئی آواز فضا میں گونجتی رہی۔ وہ ان کے قریب سے پگڈنڈی پر سے گزر گیا تھا۔ کچھ دیر خاموشی رہی اور پھر ہیر کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ملنگی بادشاہ۔۔۔ یہ دیکھو۔۔۔ ادھر ایک گھوڑی ون کے درخت کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ میں اسے کھول کر لے آیا ہوں۔"

ملنگی گھوڑے کو بھگاتا ہوا ریسٹ ہاؤس کی طرف لے گیا اور پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"اوہ! یہ تو ملک سکندر کی گھوڑی ہے۔ اس وقت میرا شک ٹھیک تھا کہ اس طرف کوئی آیا ہے۔ وہ یقیناً ملک سکندر ہوگا۔ ڈھونڈو۔۔۔ تلاش کرو۔۔۔ جو بھی نظر آئے گولی سے اڑا دو۔"

"پانی سر سے گزر چکا ہے ملنگی بادشاہ" ہیر نے جواب دیا۔ "اب کسی کو تلاش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر اس گھوڑی پر ملک سکندر آیا تھا تو اس لڑکی کو بھی وہی لے گیا ہوگا اور اب وہ ڈھونڈے سے بھی نہیں ملیں گے۔ اپنی خیر مناؤ۔ بہتر ہے کہ یہاں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے بجائے بھاگ نکلو یہاں سے۔"

"اگر ملک سکندر اور وہ لڑکی بچ کر نکل گئے تو سمجھ لو' دنیا کے کسی کونے میں ہمیں پناہ نہیں ملے گی۔ ان کا ختم ہوجانا ضروری ہے۔ تلاش کرو انہیں۔ وہ یقیناً اسی طرف گئے ہوں گے' جہاں گھوڑی بندھی ہوئی تھی۔ وہ اسی طرف کھیتوں میں ہوں گے۔ چلو میرے ساتھ۔"

گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر نایاب نے اطمینان کا سانس لیا۔

"وہ لوگ اس طرف گئے ہیں۔" نایاب نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "یہ ہمارے لئے بہترین موقع ہے۔ اگر ہم اس طرف نکل چلیں تو ان کے اور ہمارے درمیان فاصلہ بڑھ سکتا ہے۔" اس نے مخالف سمت میں اشارہ کیا۔

وہ دونوں جھک کر کھیتوں میں چلتی رہیں۔ پودوں کے کچلے جانے کی آواز ابھر رہی تھی۔ لیکن نایاب کو یقین تھا کہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ملنگی یا ہیر یہ آواز نہیں سن سکیں گے۔

وہ اس کھیت سے نکل کر دوسرے اور پھر تیسرے کھیت میں پہنچ گئیں اور پھر دفعتاً فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ وہ دونوں ٹھٹک کر رک گئیں۔ آواز اگرچہ دور کی تھی لیکن ان دونوں کے چہروں پر ہلکا سا خوف ابھر آیا تھا۔

"ڈرو نہیں۔" نایاب بولی۔ "شاید انہیں کسی چیز پر شبہ ہوا ہوگا جس پر انہوں ۔ گولیاں چلا دیں۔ تم چلتی رہو۔"

وہ ایک بار پھر جھک کر کھیتوں میں چلتی رہیں۔ اگرچہ اندھیرا تھا لیکن سیدھی ہو کر چ ہوئے وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھیں۔ ملنگی اور ہیر شکاری کتوں کی طرح انہیں تلاش کر رہے تھے اور اب تو انہوں نے راکٹل کا استعمال بھی شروع کر دیا تھا۔ انہیں جہ جگہ بھی شبہ ہوتا وہ گولیاں چلا دیتے۔ گولیوں کی آواز اب بار بار فضا میں گونج رہی تھی۔

آگے ایک چھوٹا سا کھال (ندی) تھا۔ اندھیرے میں وہ اس کھال کو نہیں دیکھ سکیں رابعہ شتاپ سے کھال میں گری۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

"ارے کیا ہوا؟" نایاب اس کی چیخ سن کر بدحواس سی ہوگئی اور پھر دوسرے ہی لمحہ بھی پھسل کر ندی میں گر گئی۔

"اب پتہ چل گیا' مجھے کیا ہوا تھا۔" رابعہ ہنس پڑی۔

"آواز کا والیم کم رکھو۔" نایاب بولی۔ "سناٹے میں ہلکی سی آواز بھی دور تک سن دیتی ہے اور وہ دونوں بھیڑیئے ہم سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ اب اس ندی سے نکلو سامنے والے کھیت میں گھس جاؤ۔"

ندی کے کنارے کی مٹی چکنی تھی۔ پہلے نایاب نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو وہ مرتبہ پھسل کر گری۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر ندی سے باہر آگئیں۔

وہ دونوں سرتاپا شرابور ہوگئی تھیں اور پانی ان کے کپڑوں سے نچڑ رہا تھا۔ نایاب ر ریسٹ ہاؤس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ وہاں سے خاصی دور آگئی تھیں۔ ریسٹ ہاؤس کی ا کھڑکی سے بہت مدہم سی روشنی نظر آرہی تھی۔ اس کے آس پاس کوئی اور سرگرمی محسو نہیں ہوئی۔ ملنگی اور ہیر غالباً رابعہ کو اس طرف ڈھونڈ رہے تھے جہاں انہیں گھو بندھی ہوئی ملی تھی۔ ملنگی نے ملک سکندر کی گھوڑی پہچان لی تھی۔ وہ یہی سمجھا تھا کہ سکندر یہاں پہنچ گیا تھا اور وہی رابعہ کو ریسٹ ہاؤس سے نکال لے گیا ہے۔ انہیں سکندر کی ہی تلاش رہی ہوگی۔

گیلے کپڑوں کی وجہ سے ان کیلئے چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ وہ رات کا آخری پہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ کپڑے بھیگ جانے کی وجہ سے انہیں سردی لگنے لگی تھی۔

تو باقاعدہ کانپ رہی تھی۔ نایاب اس کا بازو پکڑے اسے کھینچے لئے جا رہی تھی۔

فائرنگ کی آواز ایک مرتبہ اور سنائی دی تھی۔ لیکن وہ آواز بہت دور کی تھی جس کا مطلب تھا کہ ان کے اور ملنگی وغیرہ کے درمیان اچھا خاصا فاصلہ حائل ہوگیا تھا لیکن نایاب کے خیال میں وہ ابھی خطرے سے باہر نہیں تھیں۔ ملنگی اور ہیر کے پاس گھوڑے تھے۔ وہ ان کی تلاش میں کسی بھی وقت ادھر آسکتے تھے۔ اس لئے کہیں رکنا نایاب کے خیال میں خطرے سے خالی نہیں تھا۔

وہ دونوں کھیتوں میں پگڈنڈیوں پر چلتی رہیں۔ نایاب بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی ۔ لیکن فی الحال تعاقب کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔

وہ تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے تک چلتی رہیں۔ ان دونوں میں سے کسی کو یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کس طرف جا رہی ہیں۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ دور دور تک کسی بستی کے آثار بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

وہ دونوں تھکن سے نڈھال ہو رہی تھیں۔ ان کے لئے چلنا اب بہت مشکل ہوگیا تھا۔ اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر ان دونوں کو بار بار ٹھوکریں لگ رہی تھیں۔

"اب تو بالکل نہیں چلا جاتا نایاب!" رابعہ نے رک کر کہا۔ "اب تو ہم ان لوگوں سے بہت دور آچکے ہیں۔ تھوڑی دیر کیلئے کہیں رک جاؤ۔"

"ہاں۔ اب مجھ سے بھی نہیں چلا جاتا۔" نایاب بولی۔ "تھوڑا سا اور چلو۔ کوئی مناسب جگہ نظر آئے تو تھوڑی دیر کے لئے رک جاتے ہیں۔"

وہ ایک بار پھر چلنے لگیں۔ نایاب کی ٹانگیں بھی شل ہوگئی تھیں۔ اگر راستہ سیدھا اور ہموار ہوتا تو وہ میلوں کا فاصلہ بغیر تھکان کے طے کر سکتی تھیں۔ لیکن اونچی نیچی پگڈنڈیاں' کہیں کیچڑ کہیں پانی۔ وہ بار بار پودوں میں بھی الجھ رہی تھیں۔

تقریباً" دو گھنٹوں کا فاصلہ طے کر کے وہ ایک جگہ رک گئیں۔ آگے آدھے کھیت کے برابر جگہ خالی تھی۔ ایک طرف گھاس پھونس کا ایک جھونپڑا سا بنا ہوا تھا اور اس سے ذرا فاصلے پر بھوسے کے بڑے بڑے ڈھیر تھے جن پر پتلے گارے سے لپائی کی ہوئی تھی۔ گاؤں دیہاتوں میں بھوسے کو محفوظ رکھنے کے لئے اسی قسم کے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔

وہ جھونپڑے سے کچھ دور رک گئیں۔ نایاب جھونپڑے کے اندر کسی کی موجودگی کا

اندازہ لگانے کی کوشش کرتی رہی پھر رابعہ کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

جھونپڑا خالی تھا۔ زمین پر پیال بچھی ہوئی تھی۔ وہ اس پیال پر گر سی گئیں اور دیر تک لمبے لمبے سانس لیتی رہیں۔

"میرا خیال ہے یہ جگہ ہمارے لئے محفوظ ہے۔" نایاب بولی۔ "ہم صبح کی روشنی طلوع ہونے تک یہیں رہیں گی۔ اس دوران اگر کوئی آگیا تو ہم آسانی سے کھیت میں چھپ سکتی ہیں۔"

"خدا کرے کوئی اس طرف نہ آئے۔" رابعہ بولی۔ "تم یہاں تک کیسے پہنچ گئی تھیں نایاب۔ لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ میرا ابا اور بھائی کیسے ہیں۔ ان درندوں نے ان پر لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے وار کئے تھے۔ خدا غارت کرے ان لوگوں کو۔"

"رابعہ۔" نایاب نے کہتے ہوئے اسے اپنی آغوش میں بھر لیا۔ "یہ لوگ واقعی درندے ہیں۔ انسانیت ان لوگوں کے قریب سے بھی نہیں گزری۔ تم حوصلہ رکھو رابعہ۔ خدا ظالموں کی رسی دراز ضرور کردیتا ہے لیکن اس کی گرفت بھی بڑی سخت ہوتی ہے۔ انہیں اس کے ظلم کا بدلہ ضرور ملے گا۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو نایاب؟" رابعہ نے گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی بھر آئی تھی۔

"رابعہ میری بہن۔" نایاب نے اسے بھینچ لیا۔ "تمہارے ابا اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ ان ظالموں نے مار ڈالا انہیں۔۔۔ اور تمہارے گھر کو جلا کر راکھ کردیا۔" بات کرتے ہوئے نایاب کی آواز بھرا گئی تھی اور آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"اور میرا بھیا؟" رابعہ بولی۔ اس کا لہجہ تھرتھرا رہا تھا۔

"وہ معمولی زخمی ہوا ہے اور ٹھیک ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "دیکھو رابعہ! زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں تم پر ظلم ہوا ہے۔ ان درندوں نے۔۔۔"

"میرے اندر بڑا حوصلہ ہے نایاب۔" رابعہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہیں یاد ہے کہ ایک روز میں نے کہا تھا کہ میں ظلم کے خلاف اس جنگ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ میرا حوصلہ بہت بلند ہے۔ اپنے گھر کے راکھ ہوجانے اور اپنے باپ کی موت کی خبر سن کر

بھی میرا حوصلہ پست نہیں ہوا۔ میں اب بھی اپنی اسی بات پر قائم ہوں۔ بلکہ میرا حوصلہ کچھ اور بڑھا ہے۔"

"آفرین ہے رابعہ۔" نایاب نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "اگر عورتوں میں تم جیسا عزم اور حوصلہ پیدا ہوجائے تو یقین کرو کوئی عورت کسی کے ظلم کا شکار نہ ہو۔ ظلم کا نام و نشان تک مٹ جائے۔"

رابعہ اس کے سینے سے لپٹی ہوئی تھی۔ وہ روئی تو نہیں لیکن نایاب نے محسوس کیا تھا کہ وہ اندر ہی اندر ہچکیاں لے رہی تھیں۔ نایاب نے اسے کچھ اور بھینچ لیا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ رابعہ واقعی بہت حوصلہ مند لڑکی ثابت ہوئی تھی۔

بہت دیر بعد رابعہ کی حالت سنبھل سکی تھی۔ وہ سر اٹھا کر نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم نے بتایا نہیں کہ وہاں کیسے پہنچی تھیں۔ کیا گاؤں کے مرد ان کے تعاقب میں نہیں نکلے تھے؟"

"گاؤں کے مرد تو اسی وقت ان کے تعاقب میں نکل گئے تھے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "وہ کل شام تک ان درندوں کو تلاش کرتے رہے لیکن ان کا یا تمہارا کوئی سرغ نہیں ملا۔"

"پھر۔۔۔ تم کیسے وہاں پہنچ گئیں؟" رابعہ نے پوچھا۔

"اس بات پر مجھے خود حیرت ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "میں آدھی رات تک نرگس وغیرہ سے باتیں کرتی رہی۔ پھر وہ تو سو گئیں لیکن مجھے نیند نہیں آسکی۔ میں کمرے سے نکل کر برآمدے میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں تمہارے ہی بارے میں سوچ رہی تھی کہ دفعتاً" میرے پورے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا۔ دماغ میں تیز سنسناہٹ ہونے لگی اور پھر میں جیسے اپنے آپ کو بھول گئی۔ میں نایاب نہیں رہی تھی۔ میرے اندر کوئی پراسرار اور مافوق الفطرت ہستی حلول کر گئی تھی۔ اب مجھے وہ سب کچھ یاد آرہا ہے۔ اس نادیدہ اور پراسرار ہستی نے جیسے مجھے کرسی سے اٹھا کر کھڑا کردیا۔ میں نے اٹھ کر سکندر بھائی کی گھوڑی کھولی اور جب گیٹ سے باہر نکل رہی تھی تو سکندر بھائی گھوڑی کے ہنہنانے کی آواز سن کر جاگ گئے تھے۔ انہوں نے مجھے روکنے کی کوشش کی لیکن میں نے جیسے ان کی آواز ہی نہ سنی ہو۔

گھوڑی پر زین نہیں تھی۔ منہ میں لگام بھی نہیں تھی۔ گلے میں رسی بندھی ہوئی تھی۔ تم جانتی ہو میں گھڑ سواری سے ڈرتی ہوں لیکن میں اچھل کر گھوڑی کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ گئی۔ سکندر بھائی کھیتوں میں بہت دور تک میرے پیچھے آئے تھے۔ وہ مجھے آوازیں دے دے کر روکنے کی کوشش کررہے تھے لیکن میں مڑ کر دیکھے بغیر گھوڑی کو سرپٹ دوڑاتی رہی۔ رات کی تاریکی' اجنبی راستے مجھے بالکل ڈر نہیں لگا۔

میں سمجھ رہی تھی کہ وہ گھوڑی خود ہی مجھے لے کر اڑی جارہی ہے لیکن اب مجھے یاد آرہا ہے کہ میں خود ہی اسے گردن پر ہاتھ مار مار کر مختلف سمتوں میں موڑتی رہی ہوں۔ میں اس علاقے میں کبھی نہیں آئی لیکن وہ راستے میرے لئے اجنبی نہیں تھے۔ مجھے معلوم تھا کہاں جانا ہے۔ یا بالفاظ دیگر میرے اندر سمائی ہوئی اس پراسرار قوت کو معلوم تھا کہ وہ مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہے۔ دراصل وہی پراسرار قوت مجھے لے جارہی تھی۔

وہ عمارت دیکھ کر میں نے گھوڑی روک لی۔ اس وقت میں جیسے کسی حد تک ہوش میں آرہی تھی۔ میرے خیال میں گھوڑی کو آگے لے جانا خطرناک ہوسکتا تھا۔ اس لئے میں نے گھوڑی کو کچھ دور درختوں کے ایک پودے سے باندھ دیا اور خود محتاط انداز میں چلتی ہوئی اس عمارت تک آگئی اور پھر میں نے تمہیں ایک کمرے میں بے ہوش پڑے ہوئے دیکھ لیا۔ ملنگی اور اس کے ساتھی بھی وہاں موجود تھے اور پھر وہ لوگ جیسے ہی کمرے سے نکل کر باہر گئے' میں کھڑکی سے کود کر اندر داخل ہوئی اور تمہیں اٹھا کر کھڑکی ہی کے راستے باہر لے آئی اور اس کھیت میں چھپ گئی۔ انہیں جلد ہی تمہاری گمشدگی کا پتہ چل گیا۔ وہ لوگ سمجھے کہ شاید تم ہوش میں آکر کمرے سے بھاگ گئی ہو۔ وہ پہلے تو صرف تمہیں تلاش کرتے رہے پھر انہیں سکندر بھائی کی گھوڑی مل گئی اور وہ تمہارے ساتھ سکندر بھائی کو بھی تلاش کرنے لگے۔ اس کے بعد اب تک جو کچھ بیتی ہے وہ تم جانتی ہی ہو۔"

"تم بہت عظیم ہو نایاب!" رابعہ اس کے گال پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔" شروع میں میں یہی سمجھتی رہی کہ تم صرف اپنی جائیداد کا حصہ لینے کیلئے یہاں آئی ہو۔ لیکن رفتہ رفتہ مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ پتہ چلتا گیا۔ اس روز تم سے اپنے گھر میں پہلی مرتبہ ملنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ تمہیں دولت کی ہوس نہیں ہے۔ تم نے جائیداد میں حصے کی تو محض آڑ لے لی ہے اور تم دراصل اس ظلم کا خاتمہ کرنا چاہتی ہو جس نے اس

گاؤں کے کئی گھروں کو برباد کررکھا ہے۔"

"ہاں رابعہ۔" نایاب بولی۔ "اب میرا عزم یہی ہے اور مجھے خوشی ہے کہ یہاں مجھے چند مخلص دوست مل گئے ہیں۔ کل کے افسوسناک واقعہ کے بعد قیوم کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے مورد الزام ٹھہرائے گا اور مجھ سے نفرت کرے گا۔ مجھ پر تھوکے گا مگر۔۔۔۔ اس نے مجھ سے نفرت نہیں کی۔ میرے منہ پر تھوکا نہیں۔ وہ تو مجھ سے زیادہ پرعزم نکلا۔ جانتی ہو اس نے کیا کہا تھا؟" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اس نے کہا تھا' نایاب بہن اگر میرے پاس کچھ اور بھی ہوتا تو میں وہ بھی قربان کردیتا۔"

"اس نے ٹھیک کہا تھا نایاب!" رابعہ نے کہا۔ "ہم غریبوں کے پاس صرف خلوص اور محبت ہی ہوتی ہے جو ہم دوسروں پر نچھاور کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ ہمارا گھر جل کر راکھ ہوگیا۔ باپ کو مار دیا گیا لیکن تمہارے لئے ہمارے خلوص اور محبت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ تم نے میری عزت بچائی ہے۔ آج اگر تم وہاں نہ پہنچتیں تو میں برباد ہوجاتی۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ وقت آنے پر دیکھ لوگی کہ میں اپنی جان بھی تم پر نچھاور کردوں گی۔"

"مجھے تمہاری جان کی نہیں' تمہاری ضرورت ہے۔" نایاب اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے بولی۔ "اچھا اب ایسا کرو رات اپنے آخری لمحوں پر ہے اور یہ جھگی ہمارے لئے محفوظ بھی ہے' تم یہاں لیٹ کر تھوڑی سی نیند لے لو۔ میرے گھٹنے پر سر رکھ لو اور لیٹ جاؤ۔"

"نہیں نایاب! تم سو جاؤ۔ میں جاگتی ہوں۔" رابعہ بولی۔

"مجھے نیند نہیں آرہی۔ تم سو جاؤ تھوڑی دیر کے لئے۔ شاباش۔ اچھی لڑکی!" نایاب نے کہا۔

رابعہ نے اس کی طرف دیکھا اور پہلو پر ٹانگیں پسار کر سر اس کی گود میں رکھ دیا۔ نایاب اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ چند منٹ بعد ہی رابعہ سو چکی تھی۔

نایاب جھگی کی لکڑی سے ٹیک لگائے بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی۔ باہر اب بھی تاریکی تھی اور سناٹا تھا۔ ملنگی اور اس کا ساتھی بھی شاید اب مایوس ہوکر وہاں سے بھاگ گئے تھے۔

اس صورتحال سے نایاب کو اب یقین ہوگیا تھا کہ اس ساری کارروائی میں چودھری سعادت کا ہاتھ تھا۔ اس نے اس ریسٹ ہاؤس میں ملنگی اور اس کے ساتھیوں کو باتیں کرتے سنا تھا۔ حاکم خان نے کہا تھا کہ چودھری تو آیا نہیں اور وہ اس کے انتظار میں زیادہ دیر یہاں رک نہیں سکتے۔ اس کی اس بات سے ثابت ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ پلاننگ کے تحت ہوا تھا۔ گاؤں کے لوگ یہ جانتے تھے کہ چودھری سعادت شہر گیا ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ شہر ہی چلا گیا ہو لیکن پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق اسے آج یہاں آنا تھا لیکن وہ کسی وجہ سے نہیں آسکا تھا اور اس کے نہ آنے سے ہی رابعہ کی عزت بھی بچ گئی تھی۔ یہاں ملنگی کی موجودگی بھی یہ ثابت کرتی تھی کہ یہ سب کچھ چودھری سعادت کے اشارے پر ہوا تھا۔ وہ صبح چھ بجے تک تو گاؤں ہی میں رہا تھا لیکن صورتحال کا اندازہ لگانے کے بعد گاؤں سے بھاگ کر اسی ویران ریسٹ ہاؤس میں آگیا تھا۔ اس ٹھکانے کا بندوبست بھی انہوں نے پہلے سے کر رکھا ہوگا۔ انہیں یقین ہوگا کہ وہ یہاں محفوظ رہیں گے۔ یہ ریسٹ ہاؤس ان کے گاؤں سے اتنا دور تھا کہ کسی کو شبہ بھی نہیں ہوسکتا تھا اور پھر چودھری سکندر کی گھوڑی دیکھ کر وہ یہی سمجھے تھے کہ وہ خود ان کی تلاش میں یہاں پہنچ گیا ہے۔ وہ لوگ یہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ نایاب انہیں تلاش کرتی ہوئی یہاں پہنچ جائے گی۔

نایاب یہی سب کچھ سوچتے ہوئے جھکی سے باہر دیکھتی رہی۔ رات کی تاریکی اب دن کے ملگجے اجالے میں تبدیل ہونے لگی تھی۔ نایاب کے قویٰ ڈھیلے پڑ رہے تھے۔ اسے دماغ پر بوجھل پن سا محسوس ہونے لگا۔ اس پر نیند کا غلبہ ہو رہا تھا۔ وہ بار بار سر کو جھٹکتے ہوئے جاگتے رہنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں اور سر سینے پر جھکتا چلا گیا۔ وہ سو گئی تھی۔

نایاب کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر سوئی ہوگی لیکن ایک غراہٹ سن کر اس کی آنکھ کھل گئی اور اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جھونپڑی کے دروازے کے سامنے ایک آدمی بندوق تانے کھڑا تھا۔

مارے خوف کے نایاب کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس نے ایک جھٹکے سے سیدھی ہوکر بیٹھنا چاہا تو رابعہ بھی جاگ گئی اور پھر جھونپڑی کے سامنے ایک آدمی کو بندوق

تانے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بھی خوف ابھر آیا۔

"کون ہو تم لوگ۔ باہر نکلو۔" اس شخص نے گھور کر کہا۔

نایاب نے رابعہ کی طرف دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے سرک کر اس کے سامنے آگئی اور اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہم۔ ہم چور نہیں ہیں۔ رات کو گاؤں جاتے ہوئے راستہ بھٹک گئی تھیں۔ یہ جھگی دیکھی تو رات گزارنے کیلئے یہاں پناہ لے لی۔"

"باہر تو آؤ--- دیکھتا ہوں تم لوگ کون ہو۔" اس شخص نے کہا۔

نایاب نے رابعہ کو کہنی سے ہلکا سا شہو کا دیا اور پیال پر سرکتی ہوئی باہر آگئی۔ رابعہ بھی اس کے پیچھے ہی باہر آئی تھی۔ اگرچہ سورج طلوع نہیں ہوا تھا لیکن دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دونوں جھونپڑی سے باہر آکر اس شخص کی طرف دیکھنے لگیں۔ اس شخص کے قریب ہی گارے میں لتھڑا ہوا ایک پھاوڑا بھی پڑا تھا۔ یہ تو رابعہ نے بھی دیکھ لیا تھا کہ یہ آدمی ملنگی کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا اور اس پھاوڑے کو دیکھ کر نایاب بھی یہ سمجھ گئی تھی کہ وہ کوئی کاشتکار ہے اور شاید یہ زمین اور یہ جھگی اسی کی تھی۔

"کون ہو تم لوگ اور سچ بتاؤ یہاں کیوں چھپی ہوئی تھیں۔ کہاں سے آئی ہو؟" اس شخص نے پوچھا۔ بندوق اب بھی اس نے تان رکھی تھی۔

"میں نے کہا نا کہ ہم گاؤں جاتے ہوئے راستہ بھٹک گئی تھیں اور یہ جھونپڑی دیکھ کر یہاں رک گئی تھیں۔" نایاب نے جواب دیا۔ وہ اپنی اندرونی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پاچکی تھی۔

"راستہ بھٹک گئی تھیں یا کوئی اور معاملہ ہے۔" اس شخص نے باری باری دونوں کو گھورا۔ "تم دونوں کی حالت کسی گڑبڑ کا پتہ دے رہی ہے۔ لگتا ہے گھر سے بھاگی ہوئی ہو۔ کہاں کی رہنے والی ہو۔"

"پیر آباد کی۔" نایاب کے بجائے رابعہ نے جواب دیا۔ "میں نواب دین ماشکی کی بیٹی ہوں اور---"

"نواب دین ماشکی۔" وہ شخص چونک گیا۔ "اسے تو کل کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اس کا گھر بھی جلا دیا ہے۔ ہمارے پنڈ کے تین چار بندے پیر آباد گئے ہوئے ہیں۔ مگر ہم نے تو

سنا تھا کہ ڈاکو نواب دین کی بیٹی کو اٹھا کر لے گئے تھے۔"

"ٹھیک سنا تھا تم نے---" اس مرتبہ نایاب نے جواب دیا۔ "یہ نواب دین کی وہی بیٹی ہے۔ رابعہ--- مجھے کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ ڈاکوؤں نے اسے کہاں چھپایا ہے۔ میں اسے چھڑا کر لا رہی تھی' ان لوگوں کو پتہ چل گیا۔ وہ ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ ان سے بچنے کیلئے ہم یہاں چھپ گئی تھیں۔"

"اوہ!" اس شخص نے بندوق نیچے جھکالی۔ "رابعہ بیٹی! تمہارے باپ کی موت کا بڑا افسوس ہوا۔ میں اس سے کبھی ملا تو نہیں مگر سنا ہے بڑا نیک بندہ تھا۔ اور پتر تم کون ہو؟"

"اس کا نام نایاب ہے۔" رابعہ نایاب سے پہلے بول پڑی۔ "یہ ہمارے پنڈ کے چودھری امانت علی کی بہو ہے۔ اس کا بندہ بھی پانچ سال پہلے قتل ہو گیا تھا۔ ان میں جائیداد کا جھگڑا چل رہا ہے اور یہ اسی سلسلے میں گاؤں آئی ہوئی ہے۔"

"اوہ۔" وہ شخص ایک بار پھر چونک گیا۔ "چودھری کے اس جھگڑے کا تو بڑا چرچا ہے۔ خیر--- خیر--- تم لوگ گھبراؤ نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تم کون ہو چاچا؟" رابعہ نے پوچھا۔

"میں اس پنڈ کے چودھری فرمان کا کارندہ ہوں۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "آج صبح چار بجے ہمارے کھیتوں میں پانی کی باری تھی۔ میں صبح چار بجے کھیتوں میں پانی لگا رہا تھا۔ ابھی ادھر کے کھیت میں پانی لگا کر آیا ہوں۔"

"مگر یہ بندوق؟" نایاب نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس علاقے میں سور بہت ہوتے ہیں۔ اکا دکا آدمی کو دیکھ کر حملہ کر دیتے ہیں اور رات کو تو یہ اور بھی خطرناک ہو جاتے ہیں۔ اس لئے رات کو جب زمینوں پر پانی کی باری ہوتی ہے تو میں بندوق ساتھ لے کر آتا ہوں۔"

"یہ کونسا پنڈ ہے چاچا؟" رابعہ نے پوچھا۔ "یہ خان کوٹ ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "وہ سامنے نظر آ رہا ہے پنڈ۔ اگر تم لوگ کہو تو میں تمہیں چودھری فرمان کے گھر چھوڑ آتا ہوں۔ وہ تمہیں پیر آباد پہنچا دے گا۔"

"پنڈ میں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گی چاچا؟" رابعہ بولی۔ "میرا مطلب ہے وہ ڈاکو ہمیں تلاش کرتے ہوئے وہاں تو نہیں پہنچ گئے ہوں گے۔"

"پتہ نہیں پتر! میں تو سویرے چار بجے پنڈ سے نکل آیا تھا۔ دن چڑھے کوئی آ گیا ہو تو پتہ نہیں۔ تم لوگ ٹھہرو میں پانی دیکھ کر آؤں تو چلتے ہیں۔ پنڈ میں داخل ہونے سے پہلے تم لوگ کسی جگہ رک جانا۔ میں آگے جا کر دیکھ آؤں گا۔"

اس کسان کا نام احمد دین تھا۔ اس نے بندوق کندھے پر ٹانگ لی اور پھاوڑا اٹھا کر کھیتوں کی طرف چلا گیا۔ اس کی واپسی تقریباً" آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ اس نے پھاوڑا جھگی کے اندر رکھ دیا اور ان دونوں کو ساتھ لیکر کھیتوں میں پگڈنڈی پر چلنے لگا۔

سورج طلوع ہو چکا تھا۔ صبح کی نرم دھوپ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ نایاب اور رابعہ احمد دین کے پیچھے پیچھے چلتی گاڑی وہاں سے تقریباً" نصف میل دور تھا۔ رابعہ دل ہی دل میں ڈر رہی تھی کہ اگر منگی اور اس کا ساتھی انہیں تلاش کرتے ہوئے اس گاؤں میں پہنچ گئے تو کیا ہو گا۔ یہ خوف نایاب کے دل میں بھی تھا لیکن وہ زیادہ پریشان نہیں تھی۔

کھیتوں میں کسان اور مزارع اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ احمد دین ان کے ساتھ کھیتوں میں ایسی پگڈنڈیوں پر چل رہا تھا کہ دوسرے لوگوں سے دور ہی رہے۔ ویسے بھی ان کی طرف بہت کم لوگوں نے توجہ دی تھی۔

گاؤں تقریباً" نصف فرلانگ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ گاؤں کے باہر سکول تھا۔ اس پرائمری سکول کی عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی لیکن اس کے سامنے کی طرف چار دیواری میں گھرا ہوا میدان بہت بڑا تھا۔ عمارت کے پچھلی طرف بھی کھلی جگہ تھی جو چار دیواری میں گھری ہوئی تھی۔ چار دیواری کے ساتھ چاروں طرف ٹاہلی کے درخت تھے۔

احمد دین نے انہیں سکول سے دور ہی روک لیا تھا۔ یہاں بھی ٹاہلی کے چند درخت تھے جن کے نیچے زمین میں جگہ جگہ کھونے گڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ دو کھولیاں بھی تھیں اور زمین پر چاروں طرف گوبر بکھرا ہوا تھا۔ اس جگہ یقیناً مویشی باندھے جاتے ہوں گے۔ لیکن اس وقت وہاں نہ کوئی مویشی تھا اور نہ ہی کوئی انسان۔

"تم لوگ یہاں رکو۔ میں چودھری فرمان کے گھر پتہ کر کے آتا ہوں۔ زیادہ دور نہیں ہے۔ بس پہلی گلی میں ہے ان کا گھر۔ مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" احمد دین نے کہا اور انہیں وہیں رکنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

ادھر سے گاؤں کی طرف جانے والا راستہ سکول کی دیوار کے قریب سے ہو کر گزرتا

تھا۔ نایاب اور رابعہ اسے گاؤں کی طرف جاتے ہوئے دیکھتی رہیں اور پھر نایاب متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"نایاب۔" وہ رابعہ کی آواز سن کر اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ رابعہ کہہ رہی تھی۔ "اگر ملنگی وغیرہ گاؤں میں موجود ہوئے اور انہیں ہمارے بارے میں پتہ چل گیا تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"یہی میں بھی سوچ رہی ہو۔" نایاب نے کہا۔ "اس لئے میں کوئی ایسی جگہ تلاش کررہی ہوں جہاں چھپا جاسکے۔"

"اس کھیت کی طرف چلتے ہیں۔ پٹ سن کے پودے ہمیں اپنے اندر چھپا سکتے ہیں۔" رابعہ نے ایک طرف اشارہ کیا۔

نایاب اس طرف دیکھنے لگی۔ تقریباً" دو کھیتوں کے برابر رقبے پر پٹ سن لگی ہوئی تھی۔ پتلے پتلے پودے بالکل سیدھے اور سات آٹھ فٹ بلند تھے۔ وہ پودے اس قدر گنجان تھے کہ ان کے اندر چھپے ہوئے آدمی کو تلاش کرلینا ممکن نہیں تھا۔

"ہاں۔ میرا خیال ہے یہی جگہ مناسب ہوگی۔" نایاب نے کہا۔ اس نے محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر دونوں تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی پٹ سن کے کھیت میں گھس گئیں۔ ان کے پیر ٹخنوں تک کیچڑ میں دھنس گئے تھے۔ وہ دس بارہ فٹ سے زیادہ اندر نہیں گئیں۔ کیچڑ میں بیٹھنا ممکن نہیں تھا اس لئے مجبوراً" کھڑے ہی رہنا پڑا۔

تقریباً" آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ اس دوران اس طرف سے کسی کا گزر نہیں ہوا تھا اور پھر اچانک ہی باتوں کی آواز سنائی دی۔ نایاب نے پودوں میں سے جھانکنا چاہا لیکن پودے اور ان کی پتیاں اس قدر گنجان تھیں کہ کچھ دکھائی نہیں دیا۔ البتہ ایک بھاری آواز ان کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

"کہاں ہیں وہ لڑکیاں احمد دین۔ مجھے تو یہاں کوئی نظر نہیں آرہا۔"

"میں انہیں یہی چھوڑ کر گیا تھا چودھری جی۔" یہ احمد دین کی آواز تھی۔ "وہ بہت ڈری ہوئی تھیں۔ شاید کہیں چھپ گئی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں جی۔"

ایک لمحہ کو خاموشی چھا گئی پھر احمد دین کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ رابعہ کا نام لیکر آوازیں دے رہا تھا۔ نایاب نے رابعہ کی طرف دیکھا اور پھر وہ ہاتھوں سے پودوں کو ہٹاتی

ہوئی کھیت سے باہر آگئیں۔

احمد دین کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس کے سر کے سفید بال قریب سے تراشے ہوئے تھے اور مونچھیں بھی سفید تھیں۔ اس نے لاچہ اور بوسکی کی قمیض پہن رکھی تھی۔ وہ چودھری فرمان تھا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ تم لوگ ڈر کر کہیں چلی گئی ہو۔" احمد دین نے کہا۔ "یہ چودھری فرمان علی ہیں۔ یہ کہیں جانے کو تیار ہورہے تھے۔ میں نے انہیں تم دونوں کے بارے میں بتا دیا ہے اور چودھری جی--- یہ رابعہ ہے۔ نواب دین ماشکی کی بیٹی اور یہ چودھری امانت علی کی بہو ہے۔"

"ان دونوں نے سلام کیا۔

"جیتی رہو بیٹی۔" چودھری فرمان نے کہا اور ان دونوں کو نیچے سے اوپر تک دیکھنے لگا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "گھبراؤ نہیں بیٹی۔ احمد دین نے مجھے بتا دیا ہے۔ میں تمہاری چاچی کے ساتھ نورپور جانے کی تیاری کررہا تھا۔ تم دونوں کو راستے میں پیر آباد چھوڑ دوں گا--- چلو--- گھر چلو۔ پہلے اپنے حلئے درست کرو--- پھر چلیں گے۔"

"شکریہ چودھری جی!" نایاب بولی۔ "ہمارے تلاش میں اس طرف کوئی آیا تو نہیں؟"

"ابھی تک تو کوئی نہیں آیا۔ لیکن ڈرو نہیں۔ اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کوئی آبھی گیا تو ہم دیکھ لیں گے۔" چودھری فرمان نے کہا۔

چودھری فرمان انہیں اپنے گھر لے آیا۔ اس کی بیوی نور فاطمہ بھی زرق برق کپڑے پہنے تیار بیٹھی تھی۔ جبکہ جوان بیٹی عام گھریلو کپڑوں میں تھی۔

"یہ لڑکیاں کون ہیں چودھری جی۔ ان کو گھر کیوں لے آئے ہو۔" چودھرانی نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ پیر آباد کے چودھری امانت علی کی بہو ہے اور یہ نواب دین ماشکی کی بیٹی رابعہ' جس کے بارے میں کل سے چرچا ہورہا ہے۔ ڈاکو اس کے باپ کو قتل کرکے اسے اٹھا کر لے گئے تھے اور یہ لڑکی اسے چھڑا کر لائی ہے۔ ڈاکوؤں کے خوف سے یہ دونوں کھیتوں میں چھپی ہوئی تھیں۔ احمد دین نے انہیں دیکھا تو لے آیا۔ ہم بھی تو نور پور جارہے ہیں۔ پیر آباد کی طرف سے ہوتے ہوئے چلیں گے اور انہیں وہاں چھوڑ دیں گے۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا چودھری جی کہ انہیں گھر لے آئے۔" چودھرانی نے کہا۔ پھر بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "شاداں! انہیں اندر لے جا۔ ان کے حلیے درست کر۔ اپنے کپڑے دے انہیں پہننے کے لئے اور کچھ کھانے کو بھی دے انہیں۔ پتہ نہیں کب سے انہوں نے کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ جا۔ اندر لے جا انہیں۔ ہم ذرا ٹھہر کر چلے جائیں گے۔"

نایاب اور رابعہ' شاداں کے ساتھ حویلی کے اندرونی حصے میں چلی گئیں۔

"اوئے احمد دین۔" چودھری فرمان اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم جاؤ اور مراد کو یہاں بھیج دو۔ اس سے کہہ دو بندے اور بھی تیار کرلے۔ وہ تینوں گھوڑوں پر ہمارے ساتھ نورپور جائیں گے اور ان سے کہنا اسلحہ وغیرہ ساتھ لیکر چلیں۔"

"اچھا جی۔" احمد دین کہتا ہوا باہر چلا گیا۔

حویلی کا اندرونی حصہ بھی کافی کشادہ تھا۔ شاداں نے اپنے کپڑوں کے دو جوڑے نکال دیئے۔ ان دونوں نے منہ ہاتھ دھوکر کپڑے پہن لئے اور بال وغیرہ سنوارنے لگیں۔ اس دوران شاداں ان کے پاس ہی رہی تھی۔ اس نے بڑا شرماتے ہوئے نایاب اور رابعہ کو بتایا کہ اس کے ماں باپ اس لڑکے کو دیکھنے کیلئے نورپور جارہے ہیں جس کا اس کیلئے رشتہ آیا ہوا ہے۔

"پھر تو ہم بڑے غلط وقت پر یہاں آگئی ہیں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہارے والدین کو تو نورپور کا آدھا راستہ طے کر لینا چاہئے تھا۔ ہماری وجہ سے انہیں رکنا پڑا۔ تمہیں برا لگ رہا ہوگا۔"

"کیوں جی۔ برا کیوں لگے گا۔" شاداں نے کہا۔ "اچھا ہوا آپ دونوں یہاں آگئیں۔ ورنہ پتہ نہیں کیا کیا مصیبتیں جھیلنا پڑتیں آپ کو۔"

نایاب کچھ کہنا چاہتی تھی کہ نوکرانی نے آکر بتایا کہ ان دونوں کے لئے ناشتہ تیار ہوچکا ہے۔ شاداں انہیں باورچی خانے سے ملحق کمرے میں لے آئی اور یہاں بیٹھ کر وہ دونوں ناشتہ کرنے لگیں۔ پراٹھوں کے ساتھ مکھن اور رات کا پکا ہوا ساگ تھا۔ نایاب نے خوب جی بھر کر ناشتہ کیا۔

ناشتہ کرنے کے دس منٹ بعد وہ لوگ روانگی کیلئے تیار ہوگئے۔ حویلی کے سامنے چودھری فرمان کا یکہ تیار کھڑا تھا۔ سیٹوں پر سفید پوشش' چمکتا ہوا یکہ اور سفید تندرست

گھوڑا۔ چودھری فرمان اور چوہدرانی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور نایاب اور رابعہ پچھلی سیٹ پر۔ ان دونوں نے بھی سفید چادریں اوڑھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اپنے چہرے بھی چادروں میں چھپا لئے تھے۔

یکے کے ساتھ تین گھڑ سوار تھے۔ ایک یکے کے آگے اور دو پیچھے۔ تینوں نے کندھوں پر بندوقیں لٹکا رکھی تھیں جبکہ چودھری فرمان نے بھی گلے میں پستول کا ہیلٹ سجا رکھا تھا۔ نایاب یا رابعہ میں سے کسی کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ چودھری نے تینوں مسلح گھڑ سوار صرف ان کی حفاظت کے خیال سے ساتھ لئے تھے۔

یکہ کھیتوں کے درمیان کچے راستے پر دوڑتا رہا۔ خان کوٹ نامی اس گاؤں سے نورپور تک جانے کا راستہ اگرچہ دوسرا تھا اور قریب بھی تھا جبکہ پیرآباد کی طرف سے جانیوالا راستہ تقریباً" دو میل زیادہ تھا۔ لیکن ان دونوں کی وجہ سے چودھری کو یہ طویل راستہ اختیار کرنا پڑا تھا۔

تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے تک یکہ کھیتوں کے درمیان اس کچے کچے راستے پر دوڑتا رہا۔ کہیں تو یہ راستہ پکی سڑک کی طرح ہموار تھا اور کہیں اس طرح ٹوٹا پھوٹا کہ یکہ بری طرح اچھل پڑتا۔

یکہ ایک جگہ رک گیا۔ نایاب نے مڑ کر دیکھا۔ بائیں طرف برگد کا وہ درخت تھا جس کے نیچے ٹوٹا پھوٹا چبوترہ تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جسے رانی شیلا کے قصے میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس درخت سے چند گز آگے کھنڈروں والا ٹیلہ شروع ہوجاتا تھا۔

"کیا بات ہے فرمان چاچا۔ یکہ کیوں روک لیا؟" نایاب نے پوچھا۔

"کھیتوں کی طرف سے تین چار آدمی آرہے ہیں۔ انہیں دیکھ لیں تو پھر چلیں۔" چودھری فرمان نے جواب دیا۔

نایاب نے دائیں طرف مڑ کر دیکھا۔ وہ چار آدمی تھے جو کھیتوں میں پگڈنڈی پر چلتے ہوئے اس طرف آرہے تھے۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچے ان میں سے ایک کو دیکھ کر نایاب کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ ہیر تھا جسے گزشتہ رات اس نے ملنگی کے ساتھ دیکھا تھا۔ نایاب نے رابعہ کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔ ان دونوں نے اپنے چہرے کچھ اور بھی چھپا لئے۔ چودھری فرمان کے تینوں گھڑ سوار بندے بھی محتاط ہوگئے تھے۔ انہوں نے بندوقیں

اپنے کندھوں سے اتار لی تھیں۔

نایاب نے ایک بار پھر ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ ان چاروں کے پاس بندوقیں تھیں۔ چودھری فرہان کے تین آدمی بھی مسلح تھے۔ چودھری کے پاس بھی پستول تھا۔ لیکن وہ سوچ یہ رہی تھی کہ اگر فائرنگ شروع ہوگئی تو اچھا خاصا خون خرابہ ہوگا۔ گاؤں اس ٹیلے کے دوسری طرف تھا۔ وہاں تک فائرنگ کی آوازیں تو جاسکتی تھیں لیکن جب تک گاؤں والے یہاں پہنچیں گے اس وقت تک بہت کچھ ہوچکا ہوگا۔

نایاب نے رابعہ کی طرف دیکھا۔ وہ خوف سے تھرتھرکانپ رہی تھیں۔

"ڈرو مت رابعہ۔ کچھ نہیں ہوگا۔" نایاب نے سرگوشی کی۔ "گاؤں یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو گاؤں والے فوراً" پہنچ جائیں گے اور ویسے بھی تم دیکھ رہی ہو ہمارے ساتھ بھی تین مسلح آدمی موجود ہیں۔"

ان دونوں نے چادریں اس طرح اوڑھ رکھی تھیں کہ چہرے تو چھپ گئے تھے' صرف آنکھیں برہنہ تھیں۔ نایاب نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ چاروں ٹیلے کے قریب راستے کے کنارے پر رک گئے تھے۔ ان چاروں نے بندوقیں ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھیں۔ نایاب نے دیکھ لیا تھا کہ گھوڑوں پر سوار چودھری فرہان کے آدمی بھی بندوقیں کندھوں سے اتار چکے تھے۔

"کیا بات ہے جوان۔" چودھری فرہان نے ہیر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ اپنے ساتھیوں میں آگے تھا۔ "تم لوگ اس طرح گھات لگائے کیوں بیٹھے ہو اور ہمیں رکنے کا اشارہ کیوں کیا تھا؟"

"معاف کرنا چودھری جی۔" ہیر نے جواب دیا۔ "ہمارے پنڈ کی ایک کڑی گھر سے بھاگ گئی ہے۔ ہم اس کی تلاش میں ہیں۔"

"تمہارا خیال ہے میں اس لڑکی کو بھگا کر لے جارہا ہوں۔" چودھری فرہان نے اسے گھورا۔ "کس پنڈ سے تعلق ہے تمہارا؟"

"ہم محمد پور سے آئے ہیں جی!" ہیر نے جواب دیا۔ "وہ لڑکی اپنے گھر سے زیور اور نقدی وغیرہ لیکر بھاگی ہے۔ ہم نے اس کی تلاش کے لئے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ آپ کے ساتھ یہ خیاں کون ہیں۔"

"یہ دونوں میری بیٹیاں ہیں۔" چودھری نے جواب دیا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ گھر سے بھاگی ہوئی وہ لڑکی میرے ساتھ ہوگی۔"

"نہیں چودھری جی۔" ہیر نے کہا۔ "لیکن اگر آپ برا نہ مانیں تو ہم اپنی تسلی کے لئے ان کے چہرے دیکھ لیں۔"

"اگر دوسری مرتبہ تمہارے منہ سے یہ بات نکلی تو گولی سے اڑا دوں گا۔" چودھری نے ہولسٹر سے پستول نکال لیا۔ "تمہیں یہ کہنے کی جرات کیسے ہوئی۔ جانتے نہیں میں کون ہوں؟"

"آپ تو گرمی کھا گئے چودھری جی۔" ہیر نے کہا۔ "میں نے یہ بات کسی بری نیت سے نہیں کہی۔ میں تو صرف اپنی تسلی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ نہیں مانیں گے تو پھر۔۔۔"

"تو پھر کیا۔۔؟" چودھری غرایا۔ اس کے آدمیوں نے بھی بندوقیں تان لی تھیں۔

"ہم اپنی تسلی کئے بغیر آپ کو آگے نہیں جانے دیں گے چودھری جی۔" ہیر نے اس دفعہ اکھڑ لہجے میں جواب دیا۔ "یہ ہمارے گاؤں کی عزت کا سوال ہے۔ ہم تسلی کرلینا چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ یہ لڑکیاں کون ہیں۔" اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ ان سب نے رائفلیں تان لیں۔

نایاب نے دیکھا کہ صورتحال بگڑ رہی ہے تو وہ ایک جھٹکے سے سیٹ سے اٹھی اور چھلانگ لگا کر گھوڑے سے نیچے کود گئی۔

"ٹھہرو۔" وہ چہرے سے چادر ہٹا کر بولی۔ "میں جانتی ہوں تم لوگ کون ہو اور تمہیں کس کی تلاش ہے۔ لیکن تم لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ خاموشی سے واپس چلے جاؤ ورنہ کوئی بھی یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جاسکے گا۔"

"اوہو۔" ہیر کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "تو یہ تم ہو۔ پیرآباد کے چودھری کی دھتکاری ہوئی بہو۔ فساد کی اصل جڑ تو تم ہی ہو۔ اس ماشکی کی بیٹی کو تو ہم تلاش کر ہی لیں گے لیکن تم ابھی ہمارے ساتھ چلو گی۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو ورنہ یہاں خون خرابہ ہوجائے گا۔"

"میں کہتی ہوں تم لوگ شرافت سے واپس چلے جاؤ۔ ورنہ تم میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر نہیں جاسکے گا۔" نایاب نے کہتے ہوئے چادر اتار کر ایک طرف پھینک دی اور تن کر

کھڑی ہوگئی۔

"تم تو بڑی بہادر ہو۔" ہبر مسکرایا۔ "لیکن ہمیں بھی چودھری نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ اگر تم ہمارے ہاتھ آجاؤ تو ہم تمہارے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

نایاب کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس کے کان میں ایک سرگوشی سنائی دی۔

"ڈرو نہیں نایاب۔ میں آرہا ہوں۔"

نایاب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔" چودھری فرہان نے ہبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہتر یہ ہے کہ ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ ورنہ میرے یہ آدمی تم لوگوں کو بھون کر رکھ دیں گے۔"

"مقابلہ برابر کا ہوگا چودھری۔" ہبر نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ "میرے ساتھ بھی تیس آدمی ہیں اور تمہارے ساتھ بھی۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ تم اس معاملے سے الگ رہو۔ ہمیں تلاش تو کسی اور لڑکی کی تھی لیکن اتفاق سے یہ ہمیں مل گئی۔ اسے ہمارے حوالے کرکے تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"میں پیرآباد کے چودھری کی طرح بے حیا اور بے غیرت نہیں ہوں جو اپنی عزت خود اپنے پیروں میں روند رہے ہیں۔ اس لڑکی کو میں نے بیٹی کہا ہے اور اگر تم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو گولی سے اڑا دوں گا۔" وہ چھلانگ لگا کر کیبے سے اتر آیا۔ اس نے ہبر پستول تان لیا تھا۔

کیبے میں بیٹھی ہوئی چودھرائی پریشان ہورہی تھی۔ وہ منہ سے تو کچھ نہیں بولی لیکر سیٹ پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کبھی چودھری کی طرف دیکھتی اور کبھی ہبر اور اس کے ساتھیوں کی طرف جو رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ پھر چودھرائی نے مڑکر پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی رابعہ سے کچھ کہا۔ رابعہ اگلی سیٹ پر آگئی۔ چودھرائی نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

"دیکھو چودھری۔" ہبر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم ایک عزت دار آدمی ہو ہمارا یا پیرآباد کے چودھریوں کا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اس لڑکی کو ہمارے حوالے کرکے چلے جاؤ۔۔۔ بات ختم۔۔۔"

"موت تمہارے قریب آرہی ہے۔" نایاب نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے موت کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔ اگر تم مرنا نہیں چاہتے تو چلے جاؤ یہاں سے۔۔۔ وہ دیکھو۔۔۔ موت تمہاری طرف آرہی ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

ہبر نے غیر ارادی طور پر مڑکر اس طرف دیکھا۔ ایک بوڑھا کھیتوں سے نکل کر اسی طرف آرہا تھا۔ ان کے درمیان فاصلہ بیس بائیس گز سے زیادہ نہیں تھا۔ بوڑھے کی عمر ستر سے اوپر رہی ہوگی۔ جھریوں بھرا چہرہ' بہت میلا سا لباس' آنکھوں پر ٹوٹے ہوئے فریم والی عینک' ہاتھ میں لاٹھی اور سر پر میلی سی پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ وہ اس طرح چل رہا تھا جیسے اس کی ناتواں اور کمزور ٹانگوں میں جسم کا بوجھ اٹھانے کی سکت بھی نہ ہو۔

"ہماری موت۔۔۔ یہ بوڑھا!" ہبر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "یہ تو خود اپنی موت کی تلاش میں پھر رہا ہے۔ اس کی اپنی جان تو ہونٹوں پر اٹکی ہوئی ہے۔ یہ کسی دوسرے کو کیا نقصان پہنچائے گا۔"

چودھری فرہان بھی حیرت سے اس بوڑھے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس بوڑھے کو دیکھ کر تو واقعی یہ کہا جاسکتا تھا کہ کسی بھی لمحے وہ گر پڑے گا اور پھر دوبارہ نہیں اٹھ سکے گا۔ چودھری کو اس بات پر بھی حیرت ہورہی تھی کہ نایاب نے اس کمزور اور ناتواں بوڑھے کو ان لوگوں کی موت کیوں کہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں خوف سے نایاب کا دماغ تو نہیں چل گیا۔

وہ بوڑھا قریب آگیا تھا اور پھر وہ ہبر کے سامنے تن کر کھڑا ہوگیا۔ ہبر کو بوڑھے کے اس طرح کھڑے ہونے پر حیرت ہوئی تھی۔

"بابا۔۔۔ کیوں میرے ہاتھوں خرچ ہونا چاہتے ہو۔ ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔" ہبر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں تمہاری موت ہوں۔"

ہبر کے کانوں میں سرگوشی گونجی۔ وہ ایک دم خوفزدہ سا ہوکر دوقدم پیچھے ہٹ گیا۔ بوڑھے کے ہونٹوں کو حرکت نہیں ہوئی تھی لیکن وہ آواز ہبر کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ بوڑھے نے لاٹھی دائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اور بایاں ہاتھ اس طرح آگے بڑھا دیا تھا جیسے ہبر کو گلے سے پکڑنا چاہتا ہو۔ ہبر دو قدم اور پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی نظریں بوڑھے کے

چہرے پر مرکوز تھیں اور پھر اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ بوڑھے کے چہرے کے نقوش بگڑنے لگے تھے۔ اس کی صورت بڑی خوفناک ہوگئی تھی۔

اور پھر وہی ہوا جس کی نایاب کو توقع تھی۔ ببر نے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی آٹومیٹک رائفل کا ٹائیگر دبا دیا۔ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ رائفل سے نکلنے والی گولیاں بوڑھے کے جسم میں پیوست ہوگئیں۔

چودھری اور اس کے آدمیوں نے ببر اور اس کے ساتھیوں پر فائر کھولنے کیلئے اپنی اپنی بندوقیں سیدھی کرلیں مگر نایاب نے چیخ کر انہیں فائرنگ کرنے سے روک دیا۔ "آپ لوگ فائرنگ مت کریں۔" وہ چیخی۔ "یہ بابا ان لوگوں کیلئے کافی ہے۔" سب لوگ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ گولیاں لگنے کے باوجود بوڑھا تن کر اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ ببر کی آنکھیں خوف کی شدت سے پھٹی جارہی تھیں۔ اس جیسے بوڑھے کو موت کے منہ میں پہنچانے کیلئے ایک ہلکا سا دھکا ہی کافی تھا لیکن کئی گولیاں لگنے کے باوجود اسے کچھ نہیں ہوا تھا۔ ببر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر چیخا۔

"گولی چلاؤ۔ دیکھ کیا رہے ہو۔ ختم کردو اس بابے کو۔"

اور پھر ان سب کی رائفلوں کا رخ اسی بوڑھے کی طرف ہوگیا۔ ان چاروں کی رائفلیں گولیاں اگل رہی تھیں اور رائفلوں سے نکلنے والی وہ گولیاں بوڑھے کے جسم سے ٹکرا رہی تھیں لیکن بوڑھے پر ان گولیوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

ببر کی رائفل خالی ہوگئی۔ وہ دہشت زدہ سی نظروں سے بوڑھے کو دیکھ رہا تھا۔ خوف و دہشت سے اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے تھے۔ اس نے خالف رائفل بوڑھے پر کھینچ ماری اور چیختا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے تینوں آدمی بھی بھاگ رہے تھے۔

ببر دوڑتا ہوا بوڑھے سے تقریباً" بیس گز دور جاچکا تھا۔ بوڑھے نے لاٹھی بائیں ہاتھ میں پکڑ لی اور سیدھا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اس کا پنجہ پھیلا ہوا تھا اور پھر حیرت انگیز طور پر اس بوڑھے کا بازو لمبا ہوتا چلا گیا۔ ببر اب تقریباً" بیس گز دور جاچکا تھا لیکن اسے مزید آگے جانے کا موقع نہیں ملا۔ بوڑھے کے استخوانی پنجے نے اس کی گردن دبوچ لی۔

بوڑھا اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ اس کا بازو سمٹنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ نارمل پوزیشن میں آگیا۔ ببر کی گردن اس کے پنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ بوڑھے نے

اسے سر سے اوپر اٹھایا اور ایک طرف پٹخ دیا۔

ببر دھم کی آواز سے زمین پر گرا۔ اس کے منہ سے بڑی خوفناک چیخ نکلی تھی۔ وہ چند لمحے بے حس و حرکت اپنی جگہ پر پڑا رہا پھر اٹھ کر ایک طرف بھاگا مگر اس مرتبہ بھی بوڑھے نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ لیا اور زمین پر پٹخ دیا۔ اس مرتبہ ببر سر کے بل گرا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ پہلے سے زیادہ خوفناک تھی۔ وہ زمین پر بری طرح تڑپ رہا تھا اور پھر بے حس و حرکت ہوگیا۔

ببر کے باقی ساتھی دوڑتے ہوئے کھیتوں میں غائب ہوچکے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی مڑ کر ببر کا انجام دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بوڑھے نے مڑ کر نایاب کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بہت خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے لاٹھی کو پھر دائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اور مڑ کر کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ اب وہ پہلے جیسا لگ رہا تھا۔ نحیف و نزار بوڑھا جو لاٹھی کے سہارے مشکل سے چل رہا تھا اور پھر تقریباً" پچاس گز دور کیکر کے درخت کے قریب پہنچ کر وہ اچانک ہی غائب ہوگیا تھا۔

چودھری فرمان اور اس کے آدمی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں وحشت سی تھی۔ چودھرانی کی حالت تو بہت غیر ہو رہی تھی۔ ایک عجیب سا خوف تھا اس کی آنکھوں میں۔ اس نے رابعہ کو دونوں بانہوں میں سمیٹ کر اپنے ساتھ لپٹا رکھا تھا۔

چودھری فرمان چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا ببر کے قریب پہنچ گیا۔ وہ زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ چودھری فرمان نے اسے ہلا جلا کر دیکھا۔ پھر اس کی نبض اور سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ وہ ختم ہوچکا تھا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

"یہ--- یہ تو مرچکا ہے۔" چودھری فرمان نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ جب وہ ببر سے باتیں کررہا تھا تو اس کی آواز میں کڑک تھی۔ لیکن اس وقت اس کے لہجے میں ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی۔ "اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔"

"اس کا انجام یہی ہونا تھا۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اگر یہ آپ کی بات مان لیتا تو

شاید اس کی جان بچ جاتی۔"

"لیکن ---- وہ کون تھا---" چودھری فرمان نے کہا۔

"وہ بابا۔" نایاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ "میرا محافظ۔" اس نے کہا۔ "چودھری انکل' بات دراصل یہ ہے کہ جب انسان کسی سچائی کے لئے لڑ رہا ہو تو اس کے بیسیوں دشمن تو ہوتے ہیں لیکن ایک آدھ ایسی قوت بھی ہوتی ہے جو سچائی کی سربلندی کیلئے اس کا ساتھ دیتی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ یہ بابا کون ہے۔ اس کی شخصیت پراسرار ضرور ہے لیکن میں جب بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہوتی ہوں' یہ بابا رحمت کا فرشتہ بن کر میری مدد کو پہنچ جاتا ہے۔ بہرحال آپ کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم ہیر کی موت کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم میں سے کسی نے تو اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اب چلئے۔ دیر ہورہی ہے اور چودھری انکل مجھے افسوس ہے کہ ہماری وجہ سے آپ کو بھی پریشان ہونا پڑا۔"

"نہیں بیٹی۔" چودھری فرمان نے کہا۔ "میں پراسرار بابا تو نہیں لیکن ان لوگوں میں سے ضرور ہوں جو سچائی کا ساتھ دیتے ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں خوفزدہ نہیں کرسکتی۔"

"وہ میں دیکھ چکی ہوں چودھری انکل۔" نایاب مسکرائی۔ "آپ نے جس طرح ہمارا ساتھ دیا ہے جس طرح ہیر اور اس کے آدمیوں کی رائفلوں کے سامنے تن کر کھڑے ہوگئے تھے اس سے ثابت ہوگیا ہے کہ آپ سچے اور کھرے آدمی ہیں۔ اب آپ یکے میں بیٹھئے۔ دیر ہورہی ہے۔"

"لیکن یہ لاش! کیا یہ یہیں پڑی رہے گی؟" چودھری فرمان نے ہیر کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"ہم گاؤں پہنچ کر بتا دیں گے۔ وہاں سے کوئی نہ کوئی نورپور جاکر تھانے اطلاع دے دے گا۔" نایاب نے کہا۔

وہ دونوں یکے پر بیٹھ گئے۔ چودھری فرمان نے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ رابعہ پچھلی سیٹ پر آگئی۔ چودھری فرمان گھوڑے کو ہانکنا ہی چاہتا تھا کہ سامنے سے چھ سات گھڑسوار آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

"کچھ اور لوگ آرہے ہیں نایاب بیٹی۔" چودھری فرمان بولا۔

"ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" نایاب بولی۔ "یہ ہمارے گاؤں کے آدمی ہیں اور شاید فائرنگ کی آواز سن کر اسی طرف آرہے ہیں۔"

وہ گھڑسوار جلد ہی ان کے قریب پہنچ گئے۔ ان میں سب سے آگے والے گھوڑے پر ملک سکندر تھا اور اس کے ساتھ والے گھوڑے پر قیوم۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ نایاب انہیں دیکھ کر نیچے اتر آئی۔

"نایاب بہن! تم کہاں غائب ہوگئی تھیں۔ تمہیں ڈھونڈنے کیلئے تو آدمی چاروں طرف گئے ہوئے ہیں۔" سکندر نے نایاب کو دیکھ کر کہا۔

"میں بھی کسی کو ڈھونڈنے نکلی تھی۔" نایاب نے کہتے ہوئے یکے پر بیٹھی ہوئی رابعہ کی طرف دیکھا جو چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ اس کا رخ پچھلی طرف تھا اس لئے وہ سکندر یا قیوم کو نہیں دیکھ سکی تھی' لیکن ملک سکندر کی آواز پہچان کر اس نے چادر دی اور یکے سے نیچے اتر آئی۔ سکندر کے ساتھ دوسرے گھوڑے پر قیوم بیٹھا تھا۔ رابعہ کو دیکھ کر وہ چھلانگ لگا کر گھوڑے سے اتر آیا رابعہ نے قیوم کو دیکھا وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دوڑے۔

اور پھر وہ منظر بہت ہی رقت آمیز تھا۔ رابعہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ اب تک اس نے بہت ضبط سے کام لیا تھا لیکن ماں جائے کو دیکھ کر ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے۔

نایاب نے اسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی۔ اچھا ہے دل کا غبار نکل جانے دیا جائے۔ چودھری فرمان اور چودھرانی بھی اس منظر کو دیکھ کر افسردہ ہوگئے تھے۔ اتفاق سے ملک سکندر اور چودھری فرمان کسی حد تک ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ وہ دونوں بڑی گرمجوشی سے ملے۔

"چودھری صاحب۔" ملک سکندر بولا۔ "یہ آپ کے ساتھ کیسے---؟"

"بس اسے اتفاق سمجھ لو۔" چودھری فرمان نے کہا۔ "یہ لڑکیاں رات کو ان ڈاکوؤں کے چنگل سے بھاگی تھیں اور کھیتوں میں چھپ گئی تھیں۔ صبح سویرے میرے ایک کارندے نے انہیں دیکھ لیا اور مجھے اطلاع دی۔ میں انہیں اپنے گھر لے آیا۔ انہیں تسلی دی۔ ہم وہاں میاں بیوی نورپور جانے والے تھے۔ انہیں بھی ساتھ لے لیا کہ راستے میں انہیں

گاؤں چھوڑتے جائیں گے لیکن یہاں پہنچ کر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔" وہ خاموش ہو کر ء کی لاش کی طرف دیکھنے لگا جسے تین چار آدمیوں نے گھیر رکھا تھا۔ "کچھ آدمیوں نے ہمیں یہاں روکا تھا اور یہ شخص۔" چودھری فرہان نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔ "اس نے بتایا کہ وہ ایک مفرور لڑکی کو تلاش کر رہے ہیں۔ وہ ان دونوں لڑکیوں کے چہرے دیکھنا چاہتا تھا تاکہ اپنی تسلی کرلے۔ لیکن میں نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اسی دوران نایاب کیے سے ا آئی۔ اس شخص نے نایاب کو پہچان لیا اور پھر ایک عجیب واقعہ ہوا۔ ایک بہت بوڑھا با کہیں سے نمودار ہوا۔ ان لوگوں نے اس پر گولیوں کی بارش کردی لیکن بابا پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے لیکن یہ بندہ اس بابا کے قابو آگیا۔ بابا نے اسے اٹھا پھینک دیا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ یہ مرچکا ہے۔"

"اس کی لاش یہیں پڑی رہے گی۔" ملک سکندر نے کہا۔ ہم تھانے اطلاع بھجوا د ہیں۔ پولیس آکر اٹھا لے گی اس لاش کو۔ آپ ہمارے ساتھ پنڈ چلیں۔ بڑی زحمت ہو آپ لوگوں کو۔"

"نہیں بیٹا زحمت کیسی۔" اس مرتبہ چودھرانی بولی۔ "اپنی ہی تو بیٹیاں ہیں۔ اللہ انہیں محفوظ رکھا۔ عزت رہ گئی۔ اللہ سب کی شہراں رکھے۔"

"آپ یکے پر بیٹھیں جی۔" ملک سکندر نے کہا اور اپنے ایک آدمی کو ببر کی لاش پاس رکھنے کا اشارہ کرکے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔

نایاب نے رابعہ کو سہارا دے رکھا تھا۔ رابعہ کے دل کا غبار نکل گیا تھا اور اس بڑی حد تک اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ وہ اسے لے کر یکے پر بیٹھ گئی اور پھر وہ ا گاؤں کی طرف روانہ ہوگئے۔

ان کے گاؤں پہنچتے ہی یہ خبر بھی پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ رابعہ آگئی ہے۔ کی ساری عورتیں ملک صاحب کی حویلی میں جمع ہونے لگیں اور پھر گاؤں والوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ رابعہ کو نایاب چھڑا کر لائی تھی۔

لوگ نایاب کی تعریفیں کرنے لگے۔ اس نے گاؤں کی عزت بچالی تھی اور یہ پہلی ایسا ہوا تھا کہ کسی لڑکی کو اٹھالے جانے کے بعد وہ صحیح سلامت واپس آگئی تھی۔ والوں کو نایاب اور رابعہ سے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ رابعہ کو اٹھا لے جانے والے

ڈاکو ہی تھے لیکن یہ سب کچھ چودھری سعادت اور ملنگی کا کیا دھرا تھا۔ چودھری سعادت اگرچہ سامنے نہیں آیا تھا لیکن وہاں ملنگی کی موجودگی نے سب کچھ ثابت کر دیا تھا۔

ملنگی ہی نے گاؤں کے راستوں کی ناکہ بندی کروا رکھی تھی۔ اسے یہ تو یقین تھا کہ ریسٹ ہاؤس سے فرار ہونے کے بعد رابعہ گاؤں کی طرف ہی آئے گی اس لئے اس نے گاؤں کے راستوں کی نگرانی شروع کرا دی تھی۔ ببر اور اس کے ساتھیوں نے انہیں روکا تھا لیکن اس پراسرار بوڑھے کی وجہ سے ملنگی کا یہ منصوبہ بھی ناکام ہوگیا تھا۔ ببر اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا اور اس کے دوسرے ساتھی خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے تھے اور شاید اب تک ملنگی کو صورتحال کا پتہ چل گیا ہوگا۔

ملک سکندر نے ایک آدمی کو فوراً ہی نورپور تھانے بھیج دیا تھا۔ چودھری فرہان اور اس کی بیوی بھی اسی وقت جانا چاہتے تھے مگر سکندر اور سکینہ نے انہیں دوپہر کے کھانے پر روک لیا تھا۔

"چودھری صاحب!" ملک سکندر نے چودھری فرہان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اس وقت ملک صاحب کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ "نور پور میں کہاں رشتہ ہوا ہے آپ کی بچی کا۔"

"ابھی تو بات کچھ بیچ میں ہی ہے۔" چودھری فرہان نے کہا۔ "وہ لوگ چند روز پہلے آئے تھے۔ لڑکی کو دیکھ گئے ہیں۔ ان کی طرف سے تو ہاں ہوگئی ہے۔ اب ہم ذرا لڑکے کو دیکھ لیں تو بات کچھ آگے بڑھے۔ سنا ہے لڑکا شہر میں انجینئر ہے اور آج کل آیا ہوا ہے۔"

"کون ہیں وہ لوگ؟" سکندر نے پوچھا۔ "لڑکے کے باپ کا کیا نام ہے۔ کیا کرتا ہے وہ؟"

"فضل دین نام ہے اس کا۔ آڑھت کی دکان ہے۔ کبھی کبھی وہ ہم سے بھی اناج کا سودا کرلیتا ہے۔" چودھری نے جواب دیا۔

"تو پھر یہ رشتہ پکا سمجھیں چودھری جی۔" سکندر بولا۔

"میں سمجھا نہیں پتر۔" چودھری نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کمال کی بات کر رہے ہیں نا؟" سکندر نے پوچھا۔

"ہاں پتر۔ یہی نام ہے اس لڑکے کا۔ تم جانتے ہو اسے؟" چودھری بولا۔

"ایسا ویسا۔" سکندر مسکرایا۔ "کمال تو کالج تک میرا کلاس فیلو رہا ہے۔ فرق صرف شعبے کا تھا۔ وہ پری انجینئرنگ میں تھا اور میں آرٹس میں۔ پھر وہ انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے شہر چلا گیا اور میں نے گاؤں میں آکر کھیتی باڑی سنبھال لی اور آپ کو جان کر حیرت ہوگی کہ اباجی اور چاچا فضل بھی کلاس فیلو رہے ہیں۔"

"ہاں بھائی صاحب!" ملک صلاح الدین نے کہا۔ "میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں بلکہ ہم دونوں ایک دوسرے کے خاندان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ بہت شریف اور خاندانی لوگ ہیں۔ کمال کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہمارے ہاتھوں میں پلا ہوا ہے۔ بہت شریف لڑکا ہے۔ ہمارا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ اللہ کا نام لیکر ہاں کردیں۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ آپ کی ان سے واقفیت نکل آئی اور ہماری آپ سے ملاقات ہوگئی۔" چودھری فرمان بولا۔

"بھائی صاحب! اگر آپ کہیں تو میں بھی چلوں آپ کے ساتھ۔" ملک صاحب بولے۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔" چودھری فرمان نے کہا۔

"بہت آرام کرلیا ہے میں نے۔" ملک صاحب نے جواب دیا۔ "بیٹی کے رشتے کیلئے جانا ہے۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ سکندر بیٹے! سکینہ سے کہو میرے کپڑے نکال دے۔ بھائی صاحب!" وہ پھر چودھری کی طرف متوجہ ہوگئے۔ "میں تو ان لڑکیوں کو بھی ساتھ لے جاتا مگر یہاں کے حالات آپ جان چکے ہیں۔ رابعہ بیٹی کو دیکھ کر تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔"

"رب کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں ملک جی۔" چودھری فرمان نے کہا۔ "خدا ان بچوں کو صبر دے اور حیاتی دے۔"

"اوئے سکندر۔" ملک صاحب نے کہا۔ "کسی بندے کو کہو ملک صاحب کا یکہ کھول دے اور گھوڑے کو دانہ پانی ڈالے اور رسول بخش سے کہو گاڑی نکالے۔ وہ ہمارے ساتھ جائے گا۔ ڈرائیونگ وہی کرے گا۔"

"اچھا ابا جی۔" ملک سکندر کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"تقریباً" آدھے گھنٹے بعد چودھری فرمان' اس کی بیوی اور ملک صلاح الدین گاڑی پر

نورپور کیلئے روانہ ہوگئے۔

گاؤں کی عورتوں کی آمدورفت اب بھی جاری تھی۔ رابعہ کا کوئی گھر نہیں رہا تھا۔ ملک سکندر نے اسے اپنی حویلی ہی میں روک لیا تھا۔ جبکہ قیوم' ماسٹر علی محمد کے گھر میں رہ رہا تھا۔

اس رات کھانے کے بعد رابعہ انہیں بتا رہی تھی کہ کس طرح ڈاکو اسے اغوا کرکے گھوڑے پر لاد کر لے گئے تھے۔ وہ پہلے ٹیلے والے کھنڈروں میں تھوڑی دیر کو رکے تھے پھر آگے روانہ ہوگئے اور تقریباً" دو گھنٹے بعد دریا والے سرکاری اور ویران ریسٹ ہاؤس میں پہنچ گئے۔

"ریسٹ ہاؤس پہنچ کر انہوں نے میرے ہاتھ پیر باندھ کر ڈال دیا۔" رابعہ بتا رہی تھی۔ "صبح نو بجے کے قریب ملنگی بھی وہاں پہنچ گیا۔ اسے دیکھ کر میں سمجھ گئی کہ یہ کس کی حرکت ہوسکتی ہے۔ اس نے آکر ان ڈاکوؤں کو بتایا تھا کہ ہمارا مکان جل کر راکھ ہوگیا ہے۔

" ملنگی نے میرے ہاتھ پیر کھول دیئے تھے۔ اس کی باتوں سے مجھے پتہ چلا کہ چودھری سعادت بھی وہاں آنے والا ہے اور میرے بارے میں فیصلہ وہی کرے گا۔ دوپہر کے قریب وہ سب لوگ ریسٹ ہاؤس کے باہر درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ امین نامی ایک آدمی میری نگرانی کیلئے کمرے میں موجود تھا۔ اس نے موقع پاکر مجھ پر دست درازی کی کوشش کی تو میں نے اس کے بازو پر کاٹ لیا۔ اس کے بازو سے خون بہنے لگا۔ اس نے غصے میں آکر میری پٹائی شروع کردی۔ ملنگی وغیرہ بھی اندر آگئے۔ امین نے ان سے جھوٹ بولا کہ میں نے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ ملنگی اور حاکم علی بھی مجھے پیٹنے لگے اور پھر میں بے ہوش ہوگئی۔

میں شام کے قریب ہوش میں آئی تھی۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد میں نے واقعی بھاگنے کی کوشش کی۔ میں کھڑکی سے کود کر باہر آگئی تھی لیکن انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور میری دھنائی شروع کردی۔ میں پھر بے ہوش ہوگئی۔

جب مجھے ہوش آیا تو آدھی رات بیت چکی تھی۔ ملنگی میرے کمرے میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے باقی ساتھی شاید دوسرے کمرے میں تھے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ایک آدمی اس کمرے میں آگیا اور اس نے ملنگی کو بتایا کہ ان کا ایک ساتھی فتح

گڑھ چلا گیا ہے تاکہ چودھری سعادت کے بارے میں معلوم کرسکے کہ وہ ابھی تک کیوں نہیں آیا۔

نذیر نامی آدمی للچائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ملنگی سے کوئی سرگوشی کی اور پھر میرے قریب آگیا۔ وہ مجھ پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا لیکن میں نے اس کے منہ پر زور سے لات مار دی اور اٹھ کر کمرے سے بھاگنے کی کوشش کی مگر ملنگی نے مجھے دروازے میں پکڑ لیا۔ ان دونوں نے ایک بار پھر میری پٹائی شروع کردی اور میں ایک بار پھر بے ہوش ہوگئی۔

آخری مرتبہ جب مجھے ہوش آیا تو میں کھیت میں پڑی تھی اور نایاب میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ وہاں کس طرح پہنچی تھی اور مجھے کس طرح وہاں سے نکال کر لائی تھی۔ وہ رات کا پچھلا پہر تھا اور ملنگی اور اس کے ساتھی مجھے تلاش کررہے تھے۔ وہ بار بار فائرنگ بھی کررہے تھے۔ ہم کھیتوں میں چھپتے ہوئے وہاں سے دور نکل گئے اور پھر ایک خالی جھونپڑی میں چھپ گئے۔ دن چڑھے ہمیں ایک آدمی جھونپڑی سے نکال کر چودھری فرہان کے پاس لے آیا۔ وہ آدمی ہمارے لئے فرشتہ ثابت ہوا تھا۔"

"اس دنیا میں خدا کے نیک بندوں کی بھی کمی نہیں ہے۔" اس کے خاموش ہونے پر سکینہ نے کہا۔ "رب کا شکر ادا کرو رابعہ بہن تمہاری عزت بچ گئی۔ یہ لوگ تو واقعی درندے ہیں۔ اگر نایاب وہاں نہ پہنچتی تو پتہ نہیں وہ تمہارا کیا حشر کرتے۔"

"میں نایاب بہن کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھول سکوں گی۔" رابعہ نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ وہاں نہ پہنچتی تو میں واقعی برباد ہوجاتی۔"

"تم لوگوں پر مصیبتوں کے پہاڑ میری ہی وجہ سے ٹوٹے ہیں۔" نایاب نے کہا۔ "نہ تم لوگ میرا ساتھ دیتے اور نہ یہ مصیبت آتی۔ تمہارا مکان جل گیا۔ پھر بن جائے گا۔ لیکن مجھے چاچا نواب دین کی موت کا افسوس رہے گا۔ میں اپنے آپ کو معاف نہیں کرسکوں گی۔"

"مقدر کا لکھا تو ہو کر ہی رہتا ہے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے نایاب بہن!" رابعہ نے کہا۔ "اور تم یہ مت سمجھنا کہ اس کے بعد ہم تم سے دور ہٹ جائیں گے۔ ہم اب بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ چودھریوں سے تمہارا جائیداد کا جھگڑا تھا۔ وہ تمہارا ذاتی معاملہ تھا لیکن دشمنی میں یہ شدت ہم گاؤں والوں کی وجہ سے آئی ہے۔ تم نے گاؤں کے مظلوم

لوگوں سے ہمدردی کی جس کی وجہ سے چودھری تمہارا دشمن ہوگیا۔ گاؤں والے تمہیں اکیلا تو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"

"اس سے میرا حوصلہ بھی بڑھا ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب چودھری یا اس کا کوئی آدمی گاؤں کی کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ اب انہیں کسی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

"ایک بات تو بتاؤ نایاب۔" سکینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کیسے پتہ چلا تھا کہ رابعہ کہاں ہے اور پھر کل رات جب تم یہاں سے نکل رہی تھیں تو تمہارے بھائی نے تمہیں روکنے کی کوشش کی تھی۔ مگر تم نے کوئی بات نہیں سنی تھی۔ میں خود تمہیں دیکھ رہی تھی۔ لگ رہا تھا جیسے تم نیند میں ہو۔"

"مجھے خود کچھ معلوم نہیں بھابی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ میں باہر برآمدے میں آکر بیٹھ گئی اور رابعہ ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ میرے جسم کو جھٹکا سا لگا اور یوں محسوس ہوا جیسے کوئی ان دیکھی ہستی میرے اندر حلول کررہی ہو۔" نایاب چند لمحوں کو خاموش ہوئی اور پھر انہیں اپنی اس کیفیت کے بارے میں بتانے لگی جس سے وہ گزشتہ رات دوچار ہوئی تھی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "مجھے ہوش تو اس وقت آیا تھا جب میں گھوڑی کو ایک درخت سے باندھ کر اس ویران عمارت کی طرف جارہی تھی اور پھر مجھے خود بھی حیرت ہے کہ میں نے رابعہ کو وہاں سے کیسے نکالا تھا۔"

وہ لوگ دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر سونے کی تیاری کرنے لگے۔

نایاب کو اس رات بھی نیند نہیں آئی۔ وہ رات کا آخری پہر تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آکر بیٹھ گئی اور پھر اچانک ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر حویلی سے باہر آگئی۔ گلی میں بوڑھے چوکیدار کے قریب سے وہ اس طرح گزر گئی جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔ چوکیدار نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے ملک صاحب کی حویلی کی طرف چلنے لگا۔

نایاب کھیتوں میں پہنچ گئی۔ وہ غالباً اپنے ہوش میں نہیں تھی۔ لگتا تھا جیسے کوئی ان دیکھی قوت اسے کشاں کشاں لئے جارہی ہو۔ اس کا رخ پرانی حویلی کی طرف تھا۔

○

پھاٹک دھڑ دھڑائے جانے کی آواز سن کر سکندر کی آنکھ کھل گئی۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر سامنے والی دیوار پر لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھا تین بجکر پینتیس منٹ ہوئے تھے۔ اسی دوران پھاٹک پھر دھڑ دھڑایا گیا۔ سکینہ بھی جاگ گئی۔

"کون ہے۔ دروازہ کون پیٹ رہا ہے؟" وہ بولی۔ اس کی آواز میں نیند کا خمار تھا۔

"پتہ نہیں کون ہے۔ دیکھتا ہوں۔ ساڑھے تین بج رہے ہیں۔ اس وقت کون ہو سکتا ہے۔" سکندر بڑبڑاتے ہوئے مسہری سے اتر آیا۔

"ذرا پوچھ کر دروازہ کھولنا۔ پتہ نہیں کون ہو۔" سکینہ بولی۔

"دیکھ لیتا ہوں کون ہے۔" سکندر نے مسہری کے قریب ہی دیوار کے ساتھ رکھی ہوئی ڈبل بیرل بندوق اٹھا لی اور دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آ گیا۔

سکینہ بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے آئی تھی مگر وہ برآمدے ہی میں رک گئی۔ اس دوران پھاٹک ایک بار پھر دھڑ دھڑایا گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک آواز بھی سنائی دی تھی۔

"ملک جی۔ دروازہ کھولو۔ میں ہوں۔ پنڈ کا چوکیدار غلام محمد۔"

"کھول رہا ہوں دروازہ۔" سکندر کہتے ہوئے آگے بڑھ آیا۔

وہ پھاٹک کے قریب پہنچا تو چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ باہر آ گیا۔

"کیا بات ہے گامے۔ کیا ہو گیا ہے۔ دروازہ کیوں پیٹ رہے ہو؟" وہ بوڑھے چوکیدار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا جو ایک ہاتھ میں لالٹین اور دوسرے ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑا تھا۔

"ملک جی۔ وہ چھوٹی بی بی کہیں چلی گئی ہے۔" چوکیدار نے کہا۔

"چھوٹی بی بی۔" سکندر چونک گیا۔ "وہ کہاں چلی گئی ہے۔ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ وہ تو سو رہی ہے۔"

"نہیں ملک جی۔" چوکیدار بولا۔ "میں نے خود اسے گلی میں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے تو اسے سلام بھی کیا تھا اور پوچھا بھی تھا کہ اس وقت اکیلی کہاں جا رہی ہے مگر نہ تو اس نے میرے سلام کا جواب دیا اور نہ ہی میری طرف دیکھا۔ مجھے تو یوں لگا تھا جیسے اس نے مجھے دیکھا ہی نہیں۔ بس میرے قریب سے گزر گئی۔"

"کس طرف گئی ہے؟" سکندر نے پوچھا۔

"اس طرف جی۔" چوکیدار نے ایک گلی کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا۔ میں دیکھتا ہوں۔"

سکندر واپس آ گیا۔ سکینہ برآمدے میں کھڑی تھی۔ سکندر اس کی طرف توجہ دیئے بغیر نرگس والے کمرے کی طرف آ گیا۔ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو دروازہ کھل گیا۔ سکندر نے اندر جھانک کر دیکھا، مسہری پر نرگس اور عذرا سو رہی تھیں۔ نایاب نہیں تھی۔ اس نے آہستگی سے دروازہ بھیڑ دیا۔

"کیا ہوا جی۔ کیا بات ہے؟" سکینہ نے پوچھا۔

"نایاب کہیں چلی گئی ہے۔" سکندر نے کہا۔ "گاما یہی بتانے آیا تھا۔ وہ کہتا ہے نایاب اس کے قریب سے گزر گئی۔ نہ تو اس کی بات کا جواب دیا اور نہ اس کی طرف دیکھا۔"

"رب خیر کرے۔" سکینہ بولی۔ "یہ لڑکی اپنے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا لے۔ اس طرح آدھی رات کو اکیلے گھر سے نکل جانا۔۔۔"

"وہ اپنے آپ میں نہیں ہے۔" سکندر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یا تو اسے واقعی نیند میں چلنے کی عادت ہے اور یا پھر۔۔۔ خیر میں دیکھتا ہوں۔ تم باہر والا پھاٹک اندر سے بند کر لو۔"

سکندر نے بندوق کندھے پر لٹکائی اور شیڈ میں بندھا ہوا ملک صاحب والا گھوڑا کھول کر باہر آ گیا۔ اس کی اپنی گھوڑی گزشتہ رات نایاب لے گئی تھی جو بعد میں شاید مالکی وغیرہ کے ہاتھ لگ گئی تھی۔

"کس طرف گئی تھی چھوٹی بی بی۔ آؤ ذرا بتاؤ مجھے۔" سکندر نے چوکیدار گامے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر پیدل ہی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ چوکیدار اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ دو تین گلیوں سے گزر کر آخری گلی کے موڑ پر چوکیدار رک

گیا۔

"ادھر کو جی۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "چھوٹی بی بی اس طرف گئی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔" سکندر کہتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔

گاؤں سے نکل کر وہ کھیتوں کے قریب پہنچ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تاریکی میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نایاب کہاں گئی ہوگی۔ دفعتاً اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ پرانی حویلی کا راستہ اس طرف سے قریب تھا۔ وہ یقیناً پرانی حویلی کی طرف گئی ہوگی۔ لیکن اس وقت اکیلے حویلی کی طرف جانا اس کیلئے خطرناک ہوسکتا تھا۔ مگر دوسرے ہی لمحہ سکندر نے خطرے والا خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ نایاب آج کل پراسرار قسم کے حالات سے دو چار تھی۔ بعض ہوائی چیزیں بھی اسے حصار میں لئے ہوئے تھیں۔ اس کے خیال میں ہوائی چیزیں اگرچہ خطرناک ہی ہوتی ہیں لیکن نایاب کو ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ دوسروں کے لئے خطرناک ثابت ہونے والی یہ ہوائی چیزیں نایاب کی محافظ بن گئی تھیں۔

سکندر گزرے ہوئے ان پراسرار واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا جن کی وہ خود کوئی توجیہہ پیش نہیں کرسکتا تھا۔ پچھلے کچھ عرصہ کے دوران حویلی میں جو کچھ ہوا تھا وہ سب کیلئے حیران کن تھا۔ نایاب حویلی میں آزادی سے گھومتی پھرتی تھی۔ وہ خود بھی اس کے ساتھ حویلی میں جا چکا تھا مگر کچھ نہیں ہوا تھا۔ لیکن بگا اور کرامت حویلی میں داخل ہوئے تو دوسرے روز ان کی لاشیں ملیں۔ چودھری سعادت نے نایاب پر ان کے قتل کا الزام لگایا تھا لیکن بعد میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے یہ انکشاف ہوا تھا کہ ان دونوں کی موت شدید خوف کی وجہ سے حرکت قلب بند ہوجانے سے واقع ہوئی تھی۔

نایاب کا ہمدرد وہ پراسرار بوڑھا بھی سب کے لئے حیرت کا باعث بنا ہوا تھا۔ نایاب جب بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہوتی وہ بوڑھا حیرت انگیز طور پر نمودار ہوتا اور اپنا کام دکھا کر غائب ہوجاتا۔

گزشتہ رات کا واقعہ بھی سکندر کے لئے کچھ کم حیرت انگیز نہیں تھا۔ ڈاکوؤں اور رابعہ کی تلاش میں گاؤں کے دسیوں لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ دور و قریب کی بستیوں سے بھی ان کے بارے میں پوچھ گچھ کی گئی تھی لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا اور

نایاب آدھی رات کے بعد حویلی سے نکلی اور گھوڑی پر سوار ہوکر سیدھی وہاں پہنچ گئی جہاں ڈاکو، رابعہ کو لئے چھپے ہوئے تھے اور نایاب، رابعہ کو ان کے شکنجے سے نکال لائی تھی۔ واپسی پر ہمراور اس کے ساتھیوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی تھی مگر پھر وہی پراسرار بوڑھا سامنے آگیا تھا اور ہمراپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

چودھری فرہان بہت نیک اور شریف آدمی ثابت ہوا تھا۔ فضل دین کے بیٹے کے رشتے کے چکر میں ان سے کچھ اور بھی تعلق ہوگیا تھا۔ ملک صاحب خود ان کے ساتھ فضل دین کے گھر گئے تھے اور رشتہ طے کرکے آئے تھے۔ واپسی پر چونکہ شام ہوچکی تھی اس لئے ملک صاحب نے چودھری فرہان اور ان کی بیوی کو روک لیا تھا اور اپنے ایک آدمی کے ہاتھ ان کے گاؤں اطلاع بھجوا دی تھی کہ وہ لوگ اب صبح واپس آئیں گے۔

سکندر یہ سب کچھ سوچتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر گھوڑے کو کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی پر ہانک دیا۔

وہ تقریباً پندرہ منٹ بعد حویلی والے ٹیلے کے سامنے پہنچ گیا۔ تاریکی اور گہرے سناٹے نے ماحول کو خاصا پراسرار بنا دیا تھا۔ وہ تاریکی میں ادھر ادھر گھورتا رہا پھر گھوڑے کو آگے بڑھاتا ہوا حویلی کے پھاٹک کے سامنے لے آیا۔ وہ گھوڑے کو پھاٹک کے اندر لے جانا چاہتا تھا لیکن گھوڑا ایک دم رک گیا اور ہنہناتے ہوئے مچلنے لگا۔

سکندر گھوڑے کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن گھوڑا بری طرح مچلتا رہا۔ وہ ہنہناتا ہوا پچھلے پیروں پر کھڑا ہوگیا۔ سکندر گھوڑے سے اتر گیا اور لگام سے پکڑ کر اسے سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا مگر اس مرتبہ بھی کامیاب نہیں ہوسکا۔ گھوڑا پیچھے ہٹ رہا تھا۔

سکندر گھوڑے کو پیچھے لے آیا۔ تقریباً پچاس گز پیچھے آکر گھوڑا ایک دم پرسکون ہوگیا۔ سکندر نے لگام درخت کی ایک شاخ سے باندھ دی اور کندھے پر لٹکی ہوئی بندوق اتار کر حویلی کے پھاٹک کی طرف چلنے لگا۔

پھاٹک کے سامنے وہ ایک لمحہ کو ٹھٹکا تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کوئی اس کے راستے میں آگیا ہو۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ مگر کوئی نہیں تھا اور پھر پھاٹک میں داخل ہوتے ہوئے بھی اسے کپڑوں کی سرسراہٹ سنائی دی تھی۔ اس نے ایک بار ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی نظر نہیں آرہا تھا لیکن اسے یہ احساس ہورہا تھا جیسے اس کے آس پاس کوئی

موجود ہے۔

سکندر کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ ایک انجانا سا خوف اسے آگے بڑھنے سے روک رہا تھا لیکن اس نے سر جھٹک دیا۔ خوف کس بات کا۔ وہ کسی بری نیت سے تو یہاں نہیں آیا تھا۔ وہ کسی کو نقصان تو نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ نایاب کے ساتھ پہلے بھی یہاں آچکا تھا۔

"نایاب!" اس نے اندر کی طرف دیکھتے ہوئے پکارا۔ "نایاب کہاں ہو تم۔۔۔ میں ہوں سکندر۔۔۔ نایاب۔۔۔ کہاں ہو تم۔۔۔؟"

حویلی کی چار دیواری کے اندر سناٹے میں اس کی آواز گونجتی چلی گئی۔ وہ بار بار آوازیں دیتا رہا لیکن کوئی جواب نہیں ملا اور پھر وہ بھاٹک کے اندر داخل ہوگیا۔ اس روز صحن کے کچھ حصہ کی جھاڑیاں صاف کی جاچکی تھیں لیکن کٹی ہوئی جھاڑیاں وہیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ جھاڑیوں میں چلتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔ سناٹے میں پتا ہلنے کی آواز بھی دل میں ایک عجیب سا خوف پیدا کردیتی۔

ملک سکندر نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔

"نایاب!"

اس نے اندرونی دروازے کی طرف رخ کرکے پکارا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے دو تین آوازیں اور دیں، مگر ہر مرتبہ جواب میں خاموشی ہی رہی۔ سکندر آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے قریب آگیا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ اندر چرچراہٹ کی آواز سنائی دی۔ سناٹے میں اس ہلکی سی آواز نے بھی اسے دہلا کر رکھ دیا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اسی لمحہ دھڑکی آواز سنائی دی۔ جیسے دروازہ کھلنے کے بعد بند ہوگیا ہو۔

"نایاب۔" سکندر نے پھر پکارا۔ "کہاں ہو تم نایاب۔"

مگر اس بار بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ سکندر پھر دروازے کے قریب آگیا اور دروازہ کھولنے کے لئے اس کے پٹ پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ مگر دروازہ نہیں کھلا۔ اس نے ٹارچ نکال لی اور اس کی روشنی میں دروازے کا جائزہ لینے لگا۔ اوپر والے کنڈے کی زنجیر لٹکی ہوئی تھی۔ اس نے دروازے کو ایک بار پھر دھکیلا مگر دروازہ مضبوطی سے اپنی جگہ پر جما رہا۔

"نایاب!" اس نے ایک بار پھر پکارا۔ اس مرتبہ اندر سے ایک نسوانی قہقہے کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ سکندر چونک گیا۔ وہ نایاب کی ہنسی کی یہ آواز کئی مرتبہ سن چکا تھا۔ اس وقت اسے یہ آواز پہچاننے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ نایاب حویلی کے اندر موجود تھی۔ لیکن اس نے شاید سکندر کی آواز نہیں سنی تھی۔ سکندر نے ایک بار پھر نایاب کا نام لیکر پکارا اور ساتھ ہی دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر نہ تو پکار کا جواب ملا اور نہ ہی دروازہ کھلا۔ البتہ وقفے وقفے سے نسوانی قہقہوں کی مدہم سی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

سکندر پریشان ہوکر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ برآمدے کی طرف اس دروازے کے علاوہ کوئی کھڑکی وغیرہ نہیں تھیں۔ وہ برآمدے سے نکل کر دائیں طرف آگیا۔ اسے یاد آگیا تھا کہ دائیں طرف حویلی کی اوپر کی منزل پر جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں۔ سیڑھیوں والی اس ڈیوڑھی میں ایک دروازہ حویلی کے نچلے حصہ میں جانے کے لئے بھی تھا۔

وہ برآمدے سے نکل کر دائیں طرف چلنے لگا۔ زمین پر پڑے ہوئے خشک پتے اس کے پیر کے نیچے آکر چرمرا رہے تھے اور پتوں کی چرمراہٹ کی یہ آواز بھی خاموش فضا میں بڑا پراسرار تاثر پیدا کر رہی تھی۔

وہ ڈیوڑھی والے دروازے کے سامنے آکر رک گیا۔ پہلے ٹارچ کی روشنی میں دروازے کا جائزہ لیا پھر ہاتھ سے دباؤ ڈالا۔ دروازہ چرچراہٹ کی خوفناک آواز کے ساتھ آہستہ آہستہ کھلتا چلا گیا۔ سکندر دروازے کے سامنے کھڑا رہا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے ہاتھ میں بندوق۔ چند سیکنڈ کچھ سوچنے کے بعد اس نے بندوق کندھے پر لٹکالی۔ حویلی کے اندر اسے بندوق کی ضرورت پیش نہیں آسکتی تھی۔ ویسے وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بندوق استعمال کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

وہ ٹارچ کی روشنی میں دروازے کے اندر دیکھنے لگا۔ یہ ڈیوڑھی پانچ فٹ چوڑی اور دس فٹ لمبی تھی۔ سامنے اوپر جانے کیلئے سیڑھیاں تھیں اور بائیں طرف وہ دروازہ تھا جس سے حویلی میں داخل ہوا جاسکتا تھا۔

وہ چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑا رہا پھر ڈیوڑھی میں داخل ہوگیا اور دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ دروازہ آہستگی سے کھل

گیا۔

"نایاب!" اس نے اندر کی طرف رخ کرکے پکارا۔ مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ دروازے میں داخل ہوگیا اور ٹارچ کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر ایک راہداری میں چلنے لگا۔

آگے جاکر راہداری دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ وہ اس جگہ رک گیا۔ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اونچی آواز میں بولا۔

"نایاب! مجھے معلوم ہے تم حویلی کے اندر موجود ہو۔ آواز دو۔ کہاں ہو تم---؟ نایاب---"

جواب میں اس مرتبہ بھی نسوانی قہقہے کی مدہم سی آواز سنائی دی۔ یہ آواز دائیں طرف سے آئی تھی۔ وہ اس طرف کی راہداری میں مڑ گیا۔ تقریباً دس گز آگے جاکر وہ راہداریوں کے ایک اور چوراہے پر پہنچ گیا۔ ہنسی کی آواز پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ یہ آواز بائیں طرف سے آئی تھی۔ سکندر اس طرف مڑ گیا۔

سکندر پوری حویلی میں گھومتا رہا۔ ہنسی کی آواز کبھی ایک طرف سے آتی اور کبھی دوسری طرف سے۔ وہ آواز دیتا حویلی میں چکراتا رہا۔ مگر نایاب اسے کہیں نہیں ملی۔

"نایاب! کہاں ہو تم---؟" سکندر چیخا۔ اس کی آواز سنسان حویلی میں گونجتی رہی۔

جواب میں اس مرتبہ بھی نسوانی قہقہے کی آواز سنائی دی تھی۔

اس مرتبہ سکندر کو یہ اندازہ ہوگیا کہ یہ آواز کہاں سے آئی تھی۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھا۔ وہ کھلے ہوئے ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔ ہنسی کی وہ آواز اسی کمرے سے آئی تھی۔

اس نے ٹارچ کی روشنی کمرے میں ڈالی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کوئی کمرے میں دائیں سے بائیں طرف گیا ہو۔ اس نے کسی عورت کے کپڑوں کی جھلک صاف طور پر دیکھی تھی۔

"نایاب--- کیا تم اس کمرے میں ہو؟" سکندر نے اونچی آواز میں کہا۔ مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ سکندر نے قدم آگے بڑھا دیا۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ نایاب اسی کمرے میں ہے لیکن اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ شاید جان بوجھ کر اسے تنگ کررہی تھی۔

سکندر نے دہلیز کے اندر پہلا قدم رکھا ہی تھا کہ اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسے آگے

بڑھنے سے روک لیا ہو۔ اسے اپنے سینے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ بھی محسوس ہوا تھا۔ سکندر نے اسے اپنا واہمہ سمجھا اور آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر اس مرتبہ ہاتھ کے دباؤ سے اسے پیچھے دھکیل کر دروازے سے باہر نکال دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی دروازہ دھڑ سے بند ہوگیا۔

سکندر کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی۔ یہ اس کا واہمہ نہیں تھا۔ اسے کسی نادیدہ ہستی نے پیچھے دھکیل دیا تھا اور دروازہ بند کردیا تھا۔ ایک بات سکندر کی سمجھ میں آئی تھی۔ وہ نادیدہ ہستی جو کوئی بھی تھی' اس کی دشمن نہیں تھی۔ اسے پیچھے دھکیلنے کا انداز دوستانہ تھا۔ اگر ناراضگی کا اظہار مقصود ہوتا تو اسے آہستگی سے پیچھے دھکیلنے کے بجائے اٹھا کر پٹخ دیا جاتا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ نادیدہ ہستی نہیں چاہتی تھی کہ وہ کمرے میں داخل ہو۔

"نایاب--- نایاب دروازہ کھولو۔ مجھے معلوم ہے تم کمرے کے اندر موجود ہو۔ دروازہ کھولو نایاب۔" وہ نایاب کو پکارتے ہوئے زور زور سے دروازہ دھڑدھڑانے لگا۔

مگر نہ تو دروازہ کھلا اور نہ ہی نایاب کی طرف سے کوئی جواب ملا۔ سکندر ٹارچ کی روشنی میں راہداری میں ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر سامنے والے کمرے میں داخل ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس حویلی میں بیشتر کمرے ایسے تھے جنہیں ایک دوسرے سے ملانے کیلئے اندر بھی دروازے تھے۔ وہ یہی سوچ کر اس کمرے میں داخل ہوا تھا کہ شاید اس کمرے کے اندر بھی کوئی دروازہ ہو۔

اس کا خیال درست نکلا۔ دونوں کمروں کے درمیان ایک دروازہ موجود تھا اور یہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سکندر دروازے کے قریب ایک لمحہ کو رکا۔ پھر اس نے جھجکتے ہوئے ایک پیر دہلیز کی طرف بڑھا دیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کوئی نادیدہ قوت اسے یہاں بھی اندر داخل ہونے سے نہ روک دے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے دوسرا پیر بھی آگے بڑھا دیا۔ اسے نہیں روکا گیا۔ وہ دو قدم آگے بڑھ گیا اور پھر رک کر ٹارچ کی روشنی میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

کمرہ خالی تھا۔ ٹارچ کی روشنی فرش پر رینگتی ہوئی کمرے کے اس کونے کی طرف بڑھ رہی تھی جس طرف اس کے خیال میں اس نے نایاب کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ روشنی گرد

آلود فرش پر آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔ کسی کپڑے کا ایک حصہ روشنی میں آیا اور پھر اچانک ہی ٹارچ بجھ گئی۔

سکندر ٹارچ کا بٹن آن آف کرنے لگا۔ اس نے ٹارچ کو ہلکے ہلکے دو تین جھٹکے بھی دیئے کہ شاید اس کے اندرونی میکنزم میں کوئی گڑبڑ ہو لیکن کوشش کے باوجود ٹارچ روشن نہیں ہو سکی۔

اور پھر اچانک ہی اسے یوں لگا جیسے کوئی اس سے ٹکرایا ہو۔ دھکا اگرچہ ہلکا سا تھا مگر وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔ لیکن جلد ہی سنبھل گیا۔

"کون ہے۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ اس کے لہجے میں ہلکا سا خوف بھی تھا۔

کمرے کے کونے سے ہنسی کی مدہم سی آواز سنائی دی اور کوئی اس کے قریب سے گزر گیا۔ سکندر نے ایک بار پھر ٹارچ روشن کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ اسی لمحہ کمرے کا بیرونی دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھلا۔ صاف پتہ چلا تھا کہ کوئی کمرے سے باہر گیا ہے۔ سکندر تیزی سے اس طرف لپکا۔ اسے پھر محسوس ہوا جیسے کسی سے ٹکرا گیا ہو۔ وہ سنبھل کر دروازے سے باہر آگیا۔ راہداری میں کسی کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی جیسے کوئی تیزی سے اس کی مخالف سمت میں جا رہا ہو۔

سکندر اس طرف دوڑا۔ قدموں کی وہ آواز اگلی راہداری میں دائیں طرف مڑ کر معدوم ہو چکی تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پر ٹارچ کا رخ اس طرف کر دیا۔ انگوٹھے سے بٹن کو دبانا ہی چاہتا تھا کہ ٹارچ خود بخود روشن ہو گئی۔

ٹارچ کی روشنی راہداری کے فرش پر پڑ رہی تھی۔ اس نے ٹارچ کا رخ ذرا سا اوپر کیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ راہداری سنسان تھی۔ وہ واپس مڑا اور تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کمرے کے سامنے آگیا جہاں سے وہ خود باہر نکلا تھا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سکندر جھجکتا ہوا آگے بڑھا۔ اس مرتبہ اسے نہیں روکا گیا۔ وہ اندر داخل ہو گیا اور ٹارچ کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر ٹارچ کی روشنی جیسے ہی دائیں کونے میں پڑی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

ٹارچ کی روشنی کے حلقے میں زنانہ کپڑے پڑے ہوئے تھے اور یہ کپڑے اس نے پہچان لئے تھے۔ نایاب نے شام کو یہی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

سکندر کے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس کا یہ خیال درست نکلا تھا کہ اس کمرے میں نایاب ہی تھی اور اندھیرے میں وہی اسے دھکا دے کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی اور حویلی میں کسی اور جگہ غائب ہو گئی تھی۔ لیکن یہاں اس کے کپڑے--- اس کا کیا مطلب تھا؟ کیا نایاب؟ نہیں نہیں--- نایاب ایسی نہیں ہو سکتی--- وہ اس کی شرافت کی قسم کھا سکتا تھا۔ لیکن اس کمرے کے گرد آلود فرش پر نایاب کے کپڑوں کی موجودگی نے اس کے ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا۔

وہ جھک کر فرش پر پڑے ہوئے کپڑے اٹھانا چاہتا تھا کہ قہقہوں کی آواز سن کر ایک جھٹکے سے سیدھا ہو گیا۔ آواز بلاشبہ نایاب کی تھی اور کمرے کے باہر راہداری سے سنائی دی تھی۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

راہداری سنسان تھی۔ اب مدہم قہقہوں کی وہ آواز راہداری کے آخری سرے سے سنائی دے رہی تھی۔ سکندر اس طرف دوڑا۔ لگتا تھا جیسے نایاب ہلکی آواز میں قہقہے لگاتی ہوئی راہداری میں دوسری طرف مڑ گئی ہو۔ سکندر بھی اس طرف مڑ گیا۔ یہ راہداری بھی سنسان پڑی تھی۔

اس نے واپس مڑنا چاہا مگر کوئی نادیدہ قوت اسے بیرونی دروازے کی طرف دھکیلتی چلی گئی۔ وہ برآمدے والے دروازے کے قریب پہنچا تو دروازہ خود بخود کھل گیا اور وہ غیر ارادی طور پر اس دروازے سے نکل کر برآمدے میں آگیا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ دھڑ سے بند ہو گیا۔

وہ برآمدے میں کھڑا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ رات کی تاریکی رخصت ہو چکی تھی اور دن کا اجالا طلوع ہو رہا تھا۔ اس نے مڑ کر بند دروازے کی طرف دیکھا اور برآمدے سے نکل کر جھاڑیوں میں چلتا ہوا حویلی کے پھاٹک کی طرف بڑھنے لگا۔

پھاٹک سے باہر نکل کر وہ ایک بار پھر رک گیا۔ گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سن کر اس نے اس طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

نایاب گھوڑے کے قریب کھڑی اس کی گردن پر ہولے ہولے تھپکیاں دے رہی تھی۔

سکندر اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا پلکیں جھپک رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ابھی ایک منٹ پہلے وہ حویلی کے اندر تھا جہاں ایک کمرے میں اس

نے نایاب کے کپڑے پڑے ہوئے دیکھے تھے اور حویلی سے باہر نکلتے ہوئے بھی اس نے نایاب کے قہقہوں کی آواز سنی تھی۔ صرف ایک منٹ پہلے کی بات تھی اور اس قلیل وقت میں نایاب کپڑے پہن کر اس سے پہلے حویلی سے باہر نہیں آسکتی تھی۔ وہ چند لمحے بے یقین سی نظروں سے نایاب کی طرف دیکھتا رہا پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا آگے آگیا۔

"تت۔۔۔ تم کب سے یہاں کھڑی ہو؟" اس نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"جب آپ حویلی میں داخل ہورہے تھے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اس وقت میں اس پیپل کے درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ میں نے آپ کو آوازیں بھی دی تھیں مگر آپ نے سنا نہیں تھا اور ڈیوڑھی والے دروازے سے اندر چلے گئے تھے۔"

"سچ کہہ رہی ہو؟" سکندر نے اسے گھورا۔

"مجھے آپ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے سکندر بھائی۔" نایاب بولی۔ "میں یہ بھی بتا سکتی ہوں کہ جب آپ یہاں آئے تھے تو گھوڑا حویلی کے پھاٹک پر اڑ گیا تھا اور کسی قیمت پر اندر جانے کو تیار نہیں تھا۔ پھر آپ گھوڑے کو یہاں باندھ کر اندر چلے گئے۔ میں اس وقت سے یہاں کھڑی ہوں۔ لیکن کیا آپ کو میری بات کا یقین نہیں آرہا؟"

"بات ہی کچھ ایسی ہے نایاب۔" سکندر بولا۔ "میں نے حویلی کے اندر تمہارے قہقہوں کی آوازیں سنی تھیں اور ایک کمرے میں۔۔۔" وہ خاموش ہوگیا۔

"ایک کمرے میں کیا۔۔۔؟" نایاب نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ شاید مجھے وہم ہوگیا تھا۔" سکندر نے بات بنادی۔ "ویسے بھی اس حویلی میں کچھ ایسی پراسرار باتیں ہورہی ہیں جن پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ بہرحال' اب واپس چلو' دن چڑھ رہا ہے۔"

سکندر نے گھوڑا کھول لیا۔ پہلے وہ خود گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایک بڑے سے پتھر کے قریب لے آیا۔

"اس پتھر پر چڑھ کر میرے پیچھے گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔" اس نے نایاب سے کہا۔

نایاب پتھر پر چڑھ کر اس کے پیچھے گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ سکندر نے لگام کو حرکت دیکر گھوڑے کو آگے بڑھادیا۔ گھوڑا ٹیلے سے اتر کر کھیتوں میں ایک پگڈنڈی پر چلنے لگا۔

"نایاب۔" سکندر نے گردن گھما کر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "گزشتہ چند روز

سے کچھ ایسے پراسرار واقعات رونما ہورہے ہیں جن کی بظاہر کوئی توجیہہ نظر نہیں آتی۔ ان چیزوں سے گو کہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن ہمارے لئے پریشانیاں تو پیدا ہورہی ہیں۔ کیا تم نے کبھی سنجیدگی سے ان چیزوں کے بارے میں سوچا ہے؟"

"ہاں۔" نایاب بولی۔ "مجھے احساس ہورہا ہے کہ میں بعض پراسرار قوتوں کے حصار میں پھنس گئی ہوں۔ بعض اوقات مجھ سے کچھ ایسی حرکتیں سرزد ہوجاتی ہیں جن کا مجھے کوئی ادراک نہیں ہوتا لیکن ہے کوئی پراسرار قوت جو مجھے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کررہی ہے۔ اس وقت میں اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ مثلاً" اس رات جب میں رابعہ کی تلاش میں نکلی تھی۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ وہ سب کچھ کیسے ہوا تھا۔ میں تو جیسے اپنے آپ میں نہیں تھی۔ آپ نے کہا کہ آپ مجھے آوازیں دیتے رہے اور میرے پیچھے بھی آئے تھے لیکن مجھے اس کا کوئی علم نہیں اور آج۔۔۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "رات کو میں اور نرگس وغیرہ دیر تک باتیں کرتی رہی تھیں۔ پھر وہ دونوں تو سو گئیں لیکن میں دیر تک جاگتی رہی۔ گھبراہٹ سی محسوس ہوئی تو میں کمرے سے باہر آگئی۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں کمرے سے باہر نکلی تھی۔ اس کے بعد جیسے میں اپنے آپ میں نہیں رہی تھی۔ کسی اور کے اختیار میں تھی۔ کوئی نادیدہ قوت جیسے مجھے دھکیلتی ہوئی لے جارہی ہو اور جب مجھے ہوش آیا تو میں حویلی کے قریب پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔"

"تم حویلی کے اندر نہیں گئیں؟" سکندر نے پوچھا۔

"نہیں۔" نایاب بولی۔ "اگر گئی بھی ہوں گی تو مجھے اس کا شعور نہیں۔"

"لیکن میں نے حویلی میں تمہاری ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں سنی تھیں اور ایک کمرے میں۔۔۔" سکندر ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔

"آپ نے دوسری بار یہ جملہ ادھورا چھوڑا ہے سکندر بھائی۔" نایاب بولی۔ "اس کمرے میں کیا تھا؟"

"میں تمہیں حویلی میں آوازیں دے رہا تھا۔ جواب میں تمہارے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ آخری مرتبہ اس کمرے سے تمہارے ہنسنے کی آواز سنائی دی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ تم اسی کمرے میں ہو۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اندر داخل ہونا چاہا تو یوں

لگا جیسے کسی نادیدہ ہستی نے مجھے روک دیا ہو۔ کسی نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے آہستگی سے پیچھے دھکیل دیا اور دروازہ بند ہوگیا۔ میں دوسرے کمرے میں داخل ہوکر اندر والے دروازے سے اس کمرے میں آگیا۔ ٹارچ خودبخود بجھ گئی اور پھریوں لگا جیسے تم ہنستی ہوئی' تاریکی میں میرے قریب سے گزر گئی ہو۔ میں تمہیں حویلی میں تلاش کرتا رہا۔ تمہارے ہنسنے کی آواز تو سنائی دے رہی تھی مگر تم دکھائی نہیں دیں اور پھر ٹارچ بھی خودبخود روشن ہوگئی۔ میں دوبارہ اس کمرے میں آگیا اور ٹارچ کی روشنی میں' میں نے کمرے کے ایک کونے میں تمہارے کپڑے پڑے ہوئے دیکھے۔ میں وہ کپڑے اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ کمرے کے باہر راہداری میں تمہارے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ میں فوراً" باہر نکل آیا اور تمہاری آواز کے تعاقب میں چلتا رہا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی آہستہ آہستہ مجھے دھکیلتا ہوا باہر کی طرف لارہا ہو۔ پھر مجھے برآمدے والے دروازہ سے باہر نکال دیا گیا اور دروازہ بند ہوگیا۔ میں صرف ایک دو سیکنڈ وہاں رکا اور پھر پھاٹک کی طرف آگیا۔ برآمدے سے نکلنے اور پھاٹک تک آنے میں مجھے زیادہ سے زیادہ ایک منٹ لگا ہوگا۔ لیکن تمہیں گھوڑے کے قریب کھڑے دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی تھی۔ تم مجھ سے پہلے وہاں کیسے پہنچ سکتی تھیں جبکہ تمہارے کپڑے بھی اس کمرے کے فرش پر پڑے تھے۔"

"سکندر بھائی۔" نایاب بولی۔ "آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں حویلی میں بغیر لباس کے پھرتی رہی تھی؟"

"ان کپڑوں کو وہاں دیکھ کر تو یہی تاثر ملتا تھا۔" سکندر نے کہا۔ "اور کپڑے بھی یہی تھے جو اس وقت تم پہنے ہوئے ہو۔ ان واقعات کو پراسرار کہا جاسکتا ہے اور یہ سب کچھ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ گو کہ ان پراسرار باتوں سے ہمیں اب تک کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن پریشانیاں تو بڑھ رہی ہیں۔ اب تک چار آدمی ان پراسرار واقعات کا شکار ہوچکے ہیں۔ بابا نواب دین اور دو تین آدمی ویسے مارے جاچکے ہیں۔ تم بھی چاروں طرف سے خطرات میں گھری ہوئی ہو۔ تمہیں یا ہمیں بھی کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ان باتوں پر ذرا سنجیدگی سے سوچو اور یہ فیصلہ کرو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔"

"میری تو خود سمجھ میں کچھ نہیں آرہا سکندر بھائی۔" نایاب نے کہا۔ اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔ "جب بھی کچھ سوچنے کی کوشش کرتی ہوں' دماغ میں تیز سنسناہٹ سی ہونے

لگتی ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" سکندر بولا۔ "آج کسی وقت گھر میں بیٹھ کر اطمینان سے بات کریں گے۔"

نایاب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ سورج طلوع ہونے میں اگرچہ ابھی بہت دیر تھی لیکن کسانوں کا دن شروع ہوچکا تھا۔ بہت سے کسان کھیتوں میں اپنے کام شروع کرچکے تھے اور کچھ اپنے ڈھور ڈنگروں کو ہانکتے ہوئے کھیتوں کی طرف آرہے تھے۔

نہر کے قریب پہنچ کر وہ دونوں گھوڑے سے اتر گئے۔ سکندر نے گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی اور وہ دونوں پیدل گھر کی طرف چلتے رہے۔

گھر میں سب لوگ بیدار ہوچکے تھے۔ سکینہ نے رابعہ' نرگس اور عذرا کو تو نایاب کے بارے میں بتا دیا تھا لیکن یہ بات بڑے ملک صاحب اور چودھری فرمان اور اس کی بیوی سے پوشیدہ رکھی گئی تھی۔ انہوں نے نایاب اور سکندر کو حویلی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا لیکن کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔

ناشتہ کرنے کے بعد چودھری فرمان اور اس کی بیوی اپنے یکے پر اپنے گاؤں روانہ ہوگئے۔ سکندر کھیتوں پر چلا گیا۔ نایاب ناشتہ کرکے کمرے میں آکر بستر میں لیٹ گئی تھی۔ نرگس اور عذرا تو گھر کے کاموں میں مصروف ہوگئی تھیں اور رابعہ نایاب کے پاس بیٹھی باتیں کررہی تھی۔

نایاب کا دماغ ڈل ہورہا تھا۔ وہ رابعہ کی باتیں تو سن رہی تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ وہ صرف ہوں ہاں کرتی جارہی تھی۔

اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ وہ ان پراسرار واقعات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

بات اس سنہری سانپ سے شروع ہوئی تھی جسے اس نے نیولے سے بچایا تھا۔ پھر چودھری سعادت کے ایک پروردہ غنڈے کی حیرت انگیز موت کا واقعہ رونما ہوا جو نایاب پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن سنہری سانپ نے نایاب کو بچانے کے لئے اس شخص کو ڈس لیا تھا اور اس کی لاش راکھ بن گئی تھی۔ پھر نایاب حیرت انگیز طور پر ٹیلے پر کھنڈروں میں رانی شلپا کے خزانے تک پہنچ گئی اور پھر وہ پراسرار بوڑھا سامنے آیا جسے نایاب نے کار میں

لفٹ دی تھی اور جس کی وجہ سے وہ فائرنگ سے بچ گئی تھی۔

اور پھر وہ پرانی حویلی نایاب کی نظروں میں آئی جو چودھری خاندان کی ملکیت تھی۔ نایاب نے اپنا حق سمجھتے ہوئے اس حویلی کو اپنے استعمال میں لانا چاہا اور جب وہ حویلی میں داخل ہوئی تو پراسرار واقعات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوگیا جو ابھی تک جاری تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ ان پراسرار واقعات میں اس کے دشمن ہی موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے اور نایاب اور اس کے ساتھیوں کو ابھی تک کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ تاہم چودھری کے آدمیوں نے رابعہ اور قیوم کے بوڑھے باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کے مکان کو جلا کر راکھ کردیا تھا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ قیوم اس کا ساتھ دے رہا تھا اور قیوم کو نایاب سے ہمدردی کی سزا دینے کیلئے یہ سب کچھ کیا گیا تھا۔ ہوسکتا ہے نایاب کا ساتھ دینے والے دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی ان کے ایسے ہی ارادے ہوں لیکن نایاب جس طرح رابعہ کو ان کے شکنجے سے نکال لائی تھی اور جس طرح ملنگی کا ساتھی ہیرخوفناک موت کا شکار ہوا تھا اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا تھا کہ اب وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔

چودھری سعادت اور ملنگی ابھی تک واپس نہیں لوٹے تھے۔ چودھری سعادت کے بارے میں سب جانتے تھے کہ وہ شہر گیا ہوا ہے اور لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ قیوم کے گھر کو جلانے اور رابعہ کے اغوا کے منصوبے میں اسی کا ہاتھ تھا لیکن وہ اس پر واضح طور پر الزام نہیں لگا سکتے تھے۔ البتہ ملنگی کا اس کیس میں شامل ہونا ثابت ہوگیا تھا۔ اس لئے اس کی واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

نایاب یہ سب کچھ سوچتی رہی۔ اس کا ذہن الجھتا چلا گیا۔ پہلی مرتب جب وہ حویلی میں گئی تھی تو اس نے وہاں ایک لڑکی کی لاش دیکھی تھی اور پراسرار سرگوشیوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ گاؤں کے موچی کی بیٹی تھی جسے ساٹھ ستر سال پہلے قتل کیا گیا تھا اور بعد میں گاؤں والوں سے تصدیق بھی ہوگئی تھی کہ اتنا عرصہ پہلے اس نام کی ایک لڑکی کو بے آبرو کرکے قتل کردیا گیا تھا اور اس کے بوڑھے باپ نے خودکشی کرلی تھی۔ حاجرہ کے قتل کا الزام چودھری سعادت کے دادا پر عائد کیا گیا تھا۔ لیکن اس کی تصدیق نہیں ہوسکی تھی۔

نایاب نے اس روز سرگوشیوں والی باتوں سے اندازہ لگایا تھا کہ حاجرہ کی روح اس

سے کوئی کام لینا چاہتی تھی اور وہ کام یہی ہوسکتا تھا کہ اس کے قاتل کا سراغ لگا کر اسے سزا دی جائے۔ نایاب نے جب پولیس انسپکٹر سے یہ بات کہی تھی تو اس نے نایاب کا مذاق اڑایا تھا۔ اول تو اتنے پرانے کیس پر کام کرنا ممکن نہیں تھا اور اگر کسی طرح حاجرہ کے قاتل کا نام معلوم ہو بھی جائے تو اسے سزا کس طرح دی جاسکتی تھی۔ اگر چودھری سعادت کا دادا ہی اس کا قاتل تھا تو وہ بھی پچاس سال پہلے مرچکا تھا اور اگر کوئی اور تھا تو وہ بھی زندہ نہیں ہوگا۔ اس گاؤں میں دو چار آدمی ہی ایسے تھے جن کی عمریں ستر کے لگ بھگ تھیں۔ ان سے بھی نایاب نے بات کی تھی اور ان کے کہنے کے مطابق جب وہ قصہ پیش آیا تھا تو وہ بہت چھوٹے تھے اور انہیں اس سلسلے میں کچھ یاد نہیں تھا۔

معاملہ بہرحال کچھ بھی ہو لیکن نایاب اس سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ وہ اس معاملے میں الجھتی جارہی تھی اور ابھی تک کوئی مقصد بھی سامنے نہیں آیا تھا۔

کھنڈروں کے نیچے وہ قیمتی خزانہ موجود تھا۔ اسے اس قیمتی خزانے تک شاید اسی لئے پہنچایا گیا تھا کہ اس سنہری سانپ کی ماں یا وہ جو کوئی بھی تھی' ناگن شیلتا اس کے احسان کا بدلہ چکانا چاہتی تھی۔ وہ اس خزانہ میں سے چند ہیرے نکال کر لائی تھی جن کی قیمت لاکھوں روپے تھی۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے ابھی تک اس خزانے کے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔

نایاب دیر تک یہ سب کچھ سوچتی رہی۔ اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ کچھ عرصہ کے لئے شہر چلی جائے۔ ہوسکتا ہے اس دوران پراسرار واقعات کا یہ سلسلہ ختم ہوجائے۔

نایاب رات بھر جاگی تھی۔ اس کی پلکیں نیند کے بوجھ سے جھکی جارہی تھیں اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

نایاب کی آنکھ کھلی تو دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ اسے عذرا نے جھنجھوڑ کر جگایا تھا۔ اگر اسے جگایا نہ جاتا تو شاید وہ شام تک سوتی رہتی۔

"کیا بات ہے بھئی۔ کیوں جگا دیا۔" وہ مچلتی ہوئی آنکھوں سے عذرا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کے لہجے میں نیند کا خمار تھا۔

"کھانا تو کھا لو نایاب باجی! سب لوگ تمہارا انتظار کررہے ہیں۔ کھانے کے بعد سو

جانا۔" عذرا نے کہا۔

نایاب کے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ نیند کا خمار اب بھی باقی تھا۔ اگر عذرا اسے پکڑ کر مسہری سے نہ اٹھا دیتی تو شاید وہ دوبارہ سو جاتی۔ کمرے سے باہر آ کر وہ باتھ روم میں گھس گئی اور منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ملک صاحب کئی روز بعد آج گھر کے سب افراد کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تھے۔ سکندر کا کھانا پہلے ہی ڈیرے پر بھجوایا جا چکا تھا۔

کھانے کے دوران زیادہ تر چودھری فرمان اور اس کی بیوی کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ ملک صاحب چودھری فرمان سے ملکر بہت خوش ہوئے تھے۔ ان کے خیال میں ایسے شریف اور سیدھے سادے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔

ہاں--- نایاب بیٹی۔" وہ نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "تم سے تو کئی روز سے باتیں نہیں ہو سکی ہیں۔ کہاں تک پہنچا تمہارا معاملہ؟"

"معاملہ تو جوں کا توں ہے انکل!" نایاب نے جواب دیا۔ "چودھری سعادت کی حرکتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ مجھے تو کچھی سیدھی انگلی سے نکلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ لگتا ہے انگلیاں ٹیڑھی کرنی ہی پڑیں گی۔"

"تمہارے مقدمے کی پیشی کب ہے اور فیصلہ ہونے کی توقع کب تک ہے۔" ملک صاحب نے پوچھا۔

"پیشی اگلے مہینے کی تین تاریخ کو ہے یعنی آج سے سات دن بعد۔" نایاب نے جواب دیا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ اس سے اگلی پیشی پر فیصلہ ہو جائے گا۔"

"اللہ کرے فیصلہ تمہارے حق میں ہو جائے۔ ملک صاحب نے کہا "فیصلہ انشاء اللہ میرے ہی حق میں ہوگا۔" نایاب نے کہا۔

"لیکن اس مقدمے کے علاوہ چودھری سعادت جو کچھ کر رہا ہے' اس پر مجھے تشویش ہے۔ اس کی حرکتوں سے مجھے تو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا لیکن گاؤں کے لوگوں کے ساتھ جو زیادتیاں ہو رہی ہیں ان کا مجھے افسوس ہے۔ مگر آپ یقین کیجئے انکل۔ اس گھٹیا انسان کو اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس نے رابعہ کے گھر کو جس طرح برباد کیا ہے اسے

میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ سعادت کو اپنے کرتوتوں کا حساب دینا پڑے گا اور وہ حساب عدالت میں نہیں' یہاں ہوگا۔"

"ان لوگوں کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے اس کا مجھے بھی افسوس ہے۔ سب کو ہی افسوس ہے لیکن بیٹا--- یہ معاملہ پولیس کے ہاتھ میں ہے۔ پولیس تحقیقات کر رہی ہے اور میرا خیال ہے کہ مجھے یا تمہیں اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ مداخلت کی ضرورت نہیں۔ اس طرح معاملہ مزید الجھ جائے گا۔"

"انکل۔" نایاب نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پولیس جو کچھ کر رہی ہے وہ بھی ہم سب جانتے ہیں۔ آج اگر ہم خاموش ہو کر بیٹھ جائیں تو پولیس دو دن میں ہی اس معاملے کو بھول جائے گی۔ پولیس کو اگر کچھ کرنا ہوتا تو اب تک کر چکی ہوتی۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ پولیس بھی واضح طور پر جانبداری سے کام لے رہی ہے۔ اس لئے اس معاملے میں میری مداخلت ضروری ہے۔ میں مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہتی ہوں اور پھر میں اکیلی نہیں' گاؤں والے میرے ساتھ ہیں۔"

"میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ معاملہ سنبھلنے کی بجائے چودھری فیملی سے تمہاری دشمنی زیادہ سنگین ہوتی جا رہی ہے۔" ملک صاحب نے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ یہ معاملات کسی طرح حل ہو جائیں۔"

"میں تو معاملہ سلجھانے کو تیار ہوں مگر چودھری خاندان والے ایسا نہیں چاہتے۔ وہ جیلوں بہانوں سے اس جھگڑے کو زیادہ طول دینا چاہتے ہیں تاکہ جائیداد تقسیم ہونے کا معاملہ ٹلتا رہے۔ لیکن اب میں نے بھی طے کر لیا ہے کہ یہ قصہ آگے نہیں بڑھنے دوں گی۔"

"اگر تم کہو تو میں چودھری امانت علی سے مل کر ایک اور کوشش کر لوں۔" ملک صاحب نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن اس کا فائدہ کوئی نہیں ہوگا۔ صورتحال اس قدر بگڑ چکی ہے کہ انہیں سمجھانے کی ہر کوشش بیکار ثابت ہوگی۔ بہرحال آپ ایک کوشش کر دیکھئے تاکہ کل کو آپ یہ نہ کہہ سکیں کہ میں نے آپ کی بات نہیں مانی۔"

"جیتی رہو بیٹی۔" ملک صاحب نے کہا۔ "میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہوجائے۔"

"میں سوچ رہی ہوں کہ کل شہر چلی جاؤں۔" نایاب نے کہا۔ "ڈیڈی کو بھی دیکھ آؤں گی اور کوٹھی کی آتشزدگی والا معاملہ بھی ابھی کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ میں نے شمار نامی ایک آدمی کو کوٹھی کی دیکھ بھال کے لئے وہاں رکھا ہوا تھا۔ اس کا بھی کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے۔ شہر جاکر ہی صورتحال کا اندازہ ہوگا۔"

"میرا خیال ہے تمہیں تو بہت پہلے شہر چلے جانا چاہئے تھا۔" ملک صاحب نے کہا۔

"سوچا تو میں نے بھی یہی تھا۔" نایاب بولی۔ "لیکن یہاں پیدا ہونے والی گڑبڑ کی وجہ سے ایسا نہ کرسکی۔ بہرحال' دیر آید درست آید۔"

کھانے کے بعد ملک صاحب دیر تک وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ نرگس وغیرہ بھی برتن وغیرہ سمیٹنے لگ گئی تھیں۔ البتہ رابعہ وہاں بیٹھی رہی تھی۔

"کیا تم واقعی شہر چلی جاؤ گی نایاب؟" رابعہ نے پوچھا۔

"ہاں چند روز کے لئے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اگر چاہو تو تم بھی میرے ساتھ چلی چلو۔ آؤٹنگ ہوجائے گی۔ دھیان بٹ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ضرور چلوں گی۔" رابعہ بولی۔ "اگر تم نے کہیں تو میں خود تم سے کہنے والی تھی کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔"

"تو ٹھیک ہے۔ ہم کل صبح ہی یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔" نایاب نے کہا۔ وہ ابھی باتیں کررہی تھیں کہ گھر کا کام کاج کرنے والی عورت نے آکر بتایا کہ نورپور تھانے کا ایک سنتری رابعہ سے ملنے آیا ہے۔

"اسے بیٹھک میں بٹھاؤ۔ میں رابعہ کو لیکر آرہی ہوں۔" نایاب نے کہا۔

"کیا بات ہے۔ یہ سنتری رابعہ سے کیوں ملنے آیا ہے؟" سکینہ نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش نمایاں تھی۔

"کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے بھابی۔" نایاب نے کہا۔ "رابعہ ان دنوں جس صورتحال سے دوچار ہے اس کا آپ کو علم ہے۔ ہوسکتا ہے پولیس اسی سلسلے میں کچھ پوچھنا

چاہتی ہو۔"

تقریباً" دس منٹ بعد نایاب رابعہ کو لیکر بیٹھک میں آگئی۔ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہیڈ کانسٹیبل انہیں دیکھ کر اٹھ گیا۔

"بیٹھو حوالدار جی!" نایاب نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "کیا بات ہے۔ رابعہ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

"بیگم صاحبہ" ہیڈ کانسٹیبل دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "دھن والی سے آج صبح پولیس نے ایک آدمی کو پکڑا ہے۔ اس کا حلیہ اگرچہ ملنگی کے بتائے گئے حلئے سے ملتا جلتا ہے لیکن وہ اپنا نام کچھ اور بتاتا ہے۔ رابعہ بی بی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس کے خلاف رپورٹ میں ملنگی کا نام درج ہے۔ اس لئے تھانیدار صاحب نے رابعہ بی بی کو بلایا ہے تاکہ اس کی شناخت ہوسکے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں رابعہ کو ساتھ لیکر آتی ہوں۔" نایاب بولی۔ "تم کیسے آئے ہو۔ تانگے پر یا سائیکل پر۔"

"میں سب انسپکٹر کی موٹرسائیکل لے کر آیا ہوں جی!" حوالدار نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم چلو۔ ہم بھی آرہی ہیں۔" نایاب نے ہیڈ کانسٹیبل کو گھر کے دروازے سے رخصت کردیا اور دروازہ بند کرکے رابعہ کے ساتھ اندر آگئی۔

ان دونوں کو کپڑے بدلنے میں دس پندرہ منٹ لگے تھے۔ نایاب نے ملک صاحب کو بھی رابعہ کے لئے پولیس کے بلاوے کے بارے میں بتا دیا۔

"میں چلوں تمہارے ساتھ بیٹی!" ملک صاحب بولے۔

"نہیں انکل۔۔ آپ کے جانے کی ضرورت نہیں۔ پولیس سے بات کرنے کے لئے میں کافی ہوں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اس نے نرگس سے گاڑی کی چابی لے لی۔

تقریباً" دس منٹ بعد ان کی گاڑی گاؤں سے باہر جانے والی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ نورپور تھانے پہنچنے میں انہیں آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں لگا۔ گاڑی تھانے کے سامنے روک کر وہ دونوں نیچے اتر آئیں اور جیسے ہی وہ تھانے کے گیٹ میں داخل ہوئیں' دائیں طرف ٹاہلی کے درخت کے نیچے بندھی ہوئی سفید گھوڑی دیکھ کر نایاب چونک گئی۔ اس نے

سکندر کی گھوڑی پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ گھوڑی نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ اور اگلا پیر زمین پر مارنے لگی۔ نایاب تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گھوڑی کے پاس پہنچ گئی اور اس کی گردن تھپتھپانے لگی۔ گیٹ پر کھڑا ہوا سنتری اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نایاب رابعہ کو لیکر اندر آگئی۔ انسپکٹر اپنے کمرے میں موجود تھا۔ ان دونوں کو دیکھ وہ کرسی سے اٹھ گیا۔

"بیٹھیے بی بی!" انسپکٹر نے کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کہتی ہیں کہ ہم جرائم پیشہ لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتے۔ اس واردات کو آج تیسرا ہی دن ہے اور دیکھئے ہم نے ایک آدمی کو پکڑ لیا ہے۔ رابعہ بی بی اسے شناخت کرلیں تو ہم بہت جلد اس کے دوسرے ساتھیوں کو بھی پکڑ لیں گے۔"

"کوئی رزلٹ نکلنا چاہئے انسپکٹر صاحب!" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اسے یہاں بلایئے۔ دیکھیں وہ کون ہے۔"

انسپکٹر نے ہیڈ کانسٹیبل کو اشارہ کیا۔ چند منٹ بعد ہی ہیڈ کانسٹیبل ایک کانسٹیبل کے ساتھ ایک آدمی کو دھکے دیتا ہوا اندر لے آیا۔

"کیوں اوئے۔۔۔ انہیں جانتے ہو؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"اس بی بی کو جانتا ہوں جی!" اس نے نایاب کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ملک صاحب کی پروہنی ہے۔ گاؤں میں دیکھا ہے جی اسے۔۔۔ لیکن اس کو نہیں جانتا جی! پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اب آئے ہو نا راستے پر۔" انسپکٹر بولا۔ "اب تو تم یہ بھی اعتراف کرلو گے کہ تم ملنگی ہو۔"

"آہو جی۔ میرا نام ملنگی ہے جی۔ لیکن میرا کسی معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے جی۔ میں تو ڈر کے مارے گاؤں سے بھاگ گیا تھا جی۔" ملنگی نے کہا۔

"رابعہ بی بی۔ آپ اسے پہچانتی ہیں۔ آپ کے مکان کو آگ لگانے' آپ کے والد کو قتل کرنے' آپ کے بھائی کو زخمی کرنے اور آپ کو اٹھا کر لے جانے والوں میں یہ بھی شامل تھا یا نہیں۔ اسے کسی موقع پر آپ نے دیکھا تھا یا نہیں۔" انسپکٹر نے رابعہ کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔

"جن لوگوں نے ہمارے گھر پر حملہ کیا تھا وہ سب لوگ ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے۔ اس لئے میں اس وقت کسی کا چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی۔ لیکن۔" رابعہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن جو لوگ مجھے اٹھا کر لے گئے تھے انہوں نے گھوڑوں پر طویل مسافت کے بعد مجھے ایک ویران مکان میں لیجا کر ڈال دیا تھا۔ اس دوران ان لوگوں نے اپنے چہروں سے ڈھاٹے ہٹائے تھے۔ وہ چار آدمی تھے۔ یہ ان میں نہیں تھا لیکن چند گھنٹوں بعد یہ بھی وہاں آگیا تھا اور اس نے ان لوگوں کو شاباش دی تھی۔"

"یہ۔۔۔ یہ جھوٹ بولتی ہے تھانیدار جی۔" ملنگی بولا۔ "میں ڈر کر گاؤں سے ضرور بھاگ گیا تھا لیکن یہ مجھ پر جھوٹا الزام لگا رہی ہے۔ میں ان چاروں میں سے کسی کو نہیں جانتا جن کے بارے میں یہ بتا رہی ہے۔"

"میں بتاتی ہوں وہ کون تھے اور تم ان سب کو جانتے ہو۔" نایاب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دو آدمی کا مشہور ڈاکو حاکم علی۔ اس کے ساتھ امین اور ببر بھی تھے۔ ایک اور آدمی تھا جو وہاں سے چلا گیا تھا۔ دریا کے کنارے اس ویران ریسٹ ہاؤس میں تم لوگوں کو چودھری سعادت کا انتظار تھا لیکن وہ نہیں آیا۔ تم لوگوں نے وہ سارا دن اس ویران ریسٹ ہاؤس میں گزارا اور پھر رات کے پچھلے پہر حاکم علی اور امین وہاں سے چلے گئے۔ ببر کو تم نے روک لیا تھا۔ تم حاکم علی اور امین کو رخصت کرنے کے لئے ان کے ساتھ باہر کھڑے باتیں کررہے تھے اور جب اندر واپس آئے تو رابعہ غائب تھی۔" نایاب خاموش ہوکر ملنگی کی طرف دیکھنے لگی۔

ملنگی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ خوفزدہ سی نظروں سے نایاب کو دیکھتے ہوئے باربار خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"تم اپنے آپ کو بے گناہ ثابت نہیں کرسکتے ملنگی!" نایاب نے کہا۔ "تمہیں حیرت ہوگی کہ میں یہ سب کچھ کیسے جانتی ہوں۔ میں بتاتی ہوں۔ رابعہ کو اس ریسٹ ہاؤس سے نکالنے والی میں تھی۔ میں اسے بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر کھڑکی کے راستے کمرے سے باہر لائی اور کھیت میں چھپ گئی۔ تم اور ببر' رابعہ کو تلاش کرتے رہے پھر ببر کو ملک سکندر کی وہ گھوڑی مل گئی جو ریسٹ ہاؤس سے پچاس گز دور درخت سے بندھی ہوئی تھی۔ تم

سمجھے کہ شاید ملک سکندر، رابعہ کو تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا ہے۔ تم دونوں وقتاً فوقتاً فائرنگ بھی کرتے رہے۔" نایاب چند لمحوں کو خاموش ہوئی اور ایک بار پھر ملنگی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "تمہارا ساتھی ہیرا ہمیں گاؤں تک پہنچنے سے روکنے کی کوشش میں پراسرار طور پر خوفناک موت کا شکار ہوچکا ہے۔ تم بھی اپنے انجام سے نہیں بچ سکتے اور نہ ہی تم وہاں اپنی موجودگی سے انکار کرسکتے ہو۔ وہاں تمہاری موجودگی کا ایک ثبوت ملک سکندر کی وہ گھوڑی ہے جو اس وقت تھانے کے کمپاؤنڈ میں بندھی ہوئی ہے۔ میں اسی گھوڑی پر اس ویران ریسٹ ہاؤس تک پہنچی تھی جو بعد میں تمہارے ہاتھ لگ گئی اور اب تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اپنے جرم کا اعتراف کرلو۔ ورنہ جانتے ہو کہ پولیس زبان کھلوانے کے لئے کیسے کیسے خوفناک طریقے اختیار کرتی ہے۔"

"نایاب بی بی!" تھانیدار نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "اب آپ کو مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ باقی باتیں اس سے ہم قبولوا لیں گے۔ معاملہ صرف ڈکیتی اور اغوا کا نہیں قتل کا بھی ہے۔"

"مم۔۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔" ملنگی ایک دم بول پڑا۔ "یہ درست ہے کہ میں اس ریسٹ ہاؤس میں پہنچ گیا تھا لیکن میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

"اس میں شبہ نہیں کہ یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت ہوا تھا۔" نایاب اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "یہ منصوبہ کس نے بنایا تھا؟"

"وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا جی۔" ملنگی گھگیایا۔

"تم پولیس کی حفاظت میں ہو۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر تم نے سب کچھ سچ سچ نہ بتایا تو نواب دین کے قتل سمیت تمام جرائم تمہارے کھاتے میں آئیں گے اور پھر تمہیں پھانسی کے پھندے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ کیوں انسپکٹر صاحب میں نے غلط تو نہیں کہا؟" نایاب انسپکٹر کی طرف دیکھنے لگی۔

"جو باتیں مجھے کہنی چاہئے تھیں وہ آپ کہہ رہی ہیں۔" انسپکٹر مسکرایا۔ "فرق صرف لہجے کا ہے۔ میرا لہجہ آپ سے مختلف ہوگا اور یہ فرفر بولنے لگے گا۔" وہ ملنگی کی طرف دیکھنے لگا پھر ہیڈ کانسٹیبل کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "اسے ذرا ڈرائنگ روم میں لے جاؤ اور اس سے معلوم کرو یہ منصوبہ کس نے بنایا تھا۔ گو کہ میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں لیکن

اس کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

ہیڈ کانسٹیبل نے ملنگی کو سر کے بالوں سے پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا دفتر سے باہر لے گیا۔

نایاب اور رابعہ تقریباً ایک گھنٹے تک تھانے میں بیٹھی رہیں اور پھر ان کی موجودگی ہی میں ملنگی کو دوبارہ انسپکٹر کے سامنے پیش کیا گیا۔ پولیس والوں نے اس کی ٹھیک ٹھاک تواضع کر ڈالی تھی۔ اس مرتبہ سوال کرنے پر وہ واقعی فرفر بولنے لگا تھا۔

ملنگی کے کہنے کے مطابق یہ منصوبہ چودھری سعادت ہی نے تیار کیا تھا۔ لیکن اس منصوبے کے مطابق صرف رابعہ کو اغوا کرنا مقصود تھا۔ سعادت یہ کام گاؤں کے کسی آدمی سے نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس نے یہ کام ملنگی کے سپرد کردیا۔ چار روز پہلے ملنگی نے دو آبے کے علاقے میں حاکم علی سے رابطہ کیا۔ حاکم علی اس علاقے کا ایک بدنام ڈاکو تھا۔ اس کے گروہ میں کئی لوگ شامل تھے جو دو آبے کے جنگل میں پناہ گاہوں میں چھپے رہتے تھے اور آس پاس کی بستیوں اور گاؤں دیہاتوں میں لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔

حاکم علی سے دو لاکھ میں معاملہ طے ہوا تھا۔ اسے صرف لڑکی اغوا کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ لیکن وہ کچھ زیادہ ہی کارکردگی دکھا گیا۔ انہوں نے رابعہ کو اٹھانے کی کوشش کی تھی قیوم اور بوڑھے نواب دین کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جس پر حاکم علی نے نواب دین پر کلہاڑیوں سے وار کئے۔ اس کے ایک آدمی نے مکان کو آگ لگا دی۔ قیوم نے حاکم علی کو روکنے کی کوشش کی تو اس پر بھی حملہ کیا گیا۔ قیوم زخمی ہوکر گر پڑا۔ وہ بے ہوش ہوگیا تھا۔ حاکم علی اور اس کے ساتھی یہی سمجھے کہ وہ بھی ختم ہوگیا ہے۔ وہ لوگ رابعہ کو لیکر فرار ہوگئے۔

ملنگی اس رات گھر میں ہی تھا۔ گاؤں میں شور کی آوازیں سن کر وہ بھی جاگ گیا تھا لیکن وہ صورتحال معلوم کرنے کیلئے گھر سے باہر نہیں نکلا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ آج رات حاکم علی اور اس کے ساتھی رابعہ کو اٹھا کرلے جانے والے ہیں۔

صبح چھ بجے کے قریب ایک پڑوسی نے ملنگی کو بتایا کہ گاؤں میں کیا ہوچکا ہے۔ اس صورتحال سے ملنگی ڈر گیا۔ وہ چودھری سعادت کا کارندہ تھا اور اس کے اشارے پر کچھ بدمعاشی بھی کرتا رہتا تھا۔ گاؤں کے سب ہی لوگ جانتے تھے کہ چودھری سعادت اور

نایاب میں ٹسل چل رہی ہے۔ چودھری کے نام پر ان تمام لوگوں کو دھمکیاں دی گئی تھیں جو نایاب کا ساتھ دے رہے تھے۔ قیوم اور چند آدمی چونکہ نایاب کے لئے حویلی کی صفائی کا کام کررہے تھے اس لئے انہیں بھی دھمکایا گیا تھا کہ وہ نایاب کا ساتھ چھوڑ دیں اور قیوم کی بہن کو اغوا کرنے کا پروگرام بنایا تاکہ دوسرے عبرت حاصل کریں اور نایاب کا ساتھ چھوڑ دیں۔ لیکن معاملہ اس سے بھی زیادہ سنگین ہوگیا تھا اور ملنگی ڈر گیا تھا کہ کہیں گاؤں کے لوگ اسے نہ مار ڈالیں۔

وہ گاؤں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق حاکم اور اس کے ساتھی رابعہ کو لیکر دریا کے کنارے اس ویران ریسٹ ہاؤس میں چلے گئے تھے۔ ملنگی بھی وہاں پہنچ گیا۔ اگلے دن شام کو چودھری سعادت کو بھی وہاں پہنچنا تھا لیکن اسے بھی اس صورتحال کی اطلاع مل گئی تھی اور شاید وہ اسی لئے وہاں نہیں آیا تھا۔

اگلی رات حاکم علی' ہیرا کو ملنگی کے پاس چھوڑ کر چلا گیا اور اس کے فوراً" ہی بعد رابعہ پراسرار طور پر ریسٹ ہاؤس سے غائب ہوگئی تھی۔ وہاں ملک سکندر کی گھوڑی دیکھ کر ملنگی ڈر گیا تھا۔ وہ رات بھر اسی علاقے میں رابعہ اور سکندر کو تلاش کرتے رہے پھر اس نے ہیرا کو گاؤں کی طرف بھیج دیا کہ اگر رابعہ اور سکندر گاؤں کی طرف جاتے ہوئے نظر آئیں تو انہیں ختم کردیا جائے۔

ہیرا نے دو تین آدمیوں کو ساتھ ملا لیا اور گاؤں کے راستے کے قریب چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس نے چودھری فرہان کے بیٹے کو روکا اور پھر وہاں جو کچھ بھی ہوا وہ سب کے لئے حیرت انگیز تھا۔ اس پراسرار بوڑھے کے بارے میں گاؤں کے سب ہی لوگ جان چکے تھے۔ ہیرا اس پراسرار بوڑھے کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے تین ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

ملنگی کو ہیرا کی موت کی اطلاع مل گئی۔ وہ ڈر کر اپنی موجودہ پناہ گاہ سے بھی بھاگ نکلا اور دو آبے کے علاقے میں جنگل کے کنارے اس چھوٹی سی بستی میں پہنچ گیا جہاں اس نے ڈاکو حاکم علی سے رابطہ کیا تھا۔ اس نے حاکم علی کو پیغام بھجوا دیا اور اس بستی میں رک کر انتظار کرنے لگا۔

وہ شام کا وقت تھا۔ اس کا خیال تھا حاکم علی اب صبح ہی آئے گا یا اسے جنگل میں اپنے ٹھکانے پر بلالے گا۔ لیکن صبح سویرے پولیس نے اس بستی کو گھیرے میں لے لیا اور

اس طرح ملنگی' حاکم علی کے ڈیرے پر پہنچنے کے بجائے پولیس کے شکنجے میں آگیا۔

"میں بالکل بے قصور ہوں تھانیدار جی۔" آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تو ایک معمولی سا کارندہ ہوں۔ مجھے جو حکم ملتا ہے وہی کرتا ہوں۔"

"جب تم یہ سب کچھ کررہے تھے' اس وقت تو تم نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ تمہارا کیا انجام ہوگا۔ اب تمہیں پتہ چل جائے گا۔" تھانیدار نے کہا۔ پھر ہیڈ کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بند کردو اسے میں بعد میں دیکھوں گا۔"

"تو ہم چلیں انسپکٹر صاحب!" نایاب بولی۔ "اب ساری بات کھل کر سامنے آگئی ہے۔ میرا خیال ہے آپ کی تفتیش میں اب کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہئے۔"

"آپ فکر نہ کریں نایاب بی بی۔" انسپکٹر بولا۔ "یہ کیس اب کھلی کتاب کی طرح سامنے آگیا ہے۔ اس سے پہلے میرے ذہن میں جو الجھنیں تھیں وہ بھی ختم ہوگئی ہیں۔ مجرم خواہ کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو' قانون کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔"

"شکریہ جناب!" نایاب مسکراتے ہوئے بولی۔ "ملک صاحب کی گھوڑی باہر بندھی ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں۔۔۔"

"گھوڑی شام تک پہنچ جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔" انسپکٹر نے کہا۔ نایاب اور رابعہ تھانے سے باہر آگئیں۔

گاؤں کی طرف جاتے ہوئے نایاب نے کار ایک جگہ روک لی اور کھیتوں کی طرف دیکھنے لگی۔ جہاں تقریباً" پانچ سو گز دور ٹیلے پر وہ پرانی حویلی نظر آرہی تھی۔ ایک راستہ اس طرف سے بھی حویلی تک جاتا تھا لیکن یہ راستہ جھاڑیوں سے پٹا پڑا تھا۔ نایاب کچھ دیر تک حویلی کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے کار آگے بڑھا دی اور رابعہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"حویلی کی صفائی وغیرہ میں کم از کم ایک مہینہ لگے گا۔ اب شہر سے واپس آکر ہی کام شروع کراؤں گی اور اسی وقت تمہارے مکان کا کام بھی شروع کیا جائے گا۔"

"میرے مکان کا کام؟" رابعہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں بھئی۔ تمہارا مکان بھی تو بنوانا ہوگا۔ مکان نہیں ہوگا تو تم لوگ رہو گے کہاں۔" نایاب نے کہا۔

"ہمارا مکان۔۔۔ تم بنواؤ گی!" رابعہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بھئی۔" نایاب گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔ تمہارے ابا کو تو میں واپس نہیں لاسکتی۔ یہ کسی کے بس میں بھی نہیں ہے۔ البتہ دوسرا نقصان پورا کرسکتی ہوں۔ میں آج قیوم سے بھی بات کروں گی۔ ہماری واپسی تک وہ ملبہ وغیرہ ہٹوا دے گا۔ جگہ کی پیمائش کا پتہ چل جائے تو میں شہر میں کسی آرکیٹیکٹ سے کوئی ڈھنگ کا نقشہ بھی بنوا لوں گی۔"

"کیا تمہارے پاس اتنا پیسہ ہے کہ یہ سب کچھ کرسکو۔ تمہیں تو ابھی اس جائیداد میں حصہ بھی نہیں ملا۔" رابعہ نے کہا۔

"جائیداد میں حصہ۔" نایاب نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "میں اس جائیداد کے حصے پر انحصار نہیں کررہی ہوں رابعہ۔ ویسے بھی میں اتنی گئی گزری نہیں ہوں اور پھر اب تو مجھے اتنی دولت مل گئی ہے کہ۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیسی دولت؟" رابعہ نے پوچھا۔

"تم لوگوں کے پیار اور خلوص کی دولت۔" نایاب نے بات بدل دی۔ "ان چیزوں کے سامنے دنیاوی دولت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔"

"تم نے بات بدل دی۔" رابعہ نے اسے گھورا۔ "شاید کچھ چھپانا چاہتی ہو۔ لیکن میں وہ بات جاننے کے لئے اصرار نہیں کروں گی جو تم نہیں بتانا چاہتیں۔"

"ہاں۔ کوئی ایسی ہی بات ہے۔ وقت آنے پر تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔ کچھ نہیں چھپاؤں گی تم سے۔"

رابعہ نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ گاڑی گاؤں میں داخل ہوچکی تھی۔ نایاب اسے مختلف گلیوں میں گھماتی ہوئی حویلی کی طرف لے آئی۔ اس وقت پانچ بج رہے تھے۔ ایک گھنٹے بعد سکندر بھی کھیتوں سے آگیا۔

نایاب ملک صاحب کو تو بتا ہی چکی تھی کہ تھانے میں کیا ہوا تھا اور اب وہ سکندر کو بھی صورتحال سے آگاہ کررہی تھی۔

"اس کا مطلب ہے اب پولیس چودھری سعادت کے پیچھے پڑ جائے گی۔" سکندر اس کے خاموش ہونے پر بولا۔

"ہاں۔ بشرطیکہ پولیس والے اپنی ذمہ داری کا احساس کریں۔" نایاب نے کہا۔ "تھانے میں منگی کے بیان سے اگرچہ یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ یہ ساری کارروائی چودھری سعادت کے کہنے پر ہوئی تھی۔ پولیس اگر چاہے تو اسے قتل، اغوا اور آتشزنی کے الزام میں گرفتار کرسکتی ہے۔"

"پولیس چاہے تو ایسا کرسکتی ہے۔" سکندر بولا۔ "لیکن میرے خیال میں ایسا ہوگا نہیں۔ چودھریوں کی پہنچ بھی بہت اوپر تک ہے۔ وہ اس علاقے کے سب سے بڑے زمیندار ہیں۔ چودھری امانت علی کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ پولیس اس کے بیٹے کو ہتھکڑی لگا کر لے جائے۔ وہ اپنے بیٹے کو بچانے کے لئے وہ سب کچھ کر گزرے گا جو اس کے بس میں ہوگا۔ البتہ یہ ضرور ہوگا کہ وہ اپنے بیٹے کو بچانے کے لئے کچھ بے گناہوں کو آگے کردے۔"

"لیکن اب میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔" نایاب نے کہا۔ "کل میں شہر جا رہی ہوں۔ پاپا کے ذریعے اوپر سے بھی کچھ دباؤ ڈلواؤں گی۔ سزا مجرموں کو ملنی چاہئے، بے گناہوں کو نہیں۔"

"کل تم شہر جارہی ہو!" سکندر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں اور رابعہ بھی میرے ساتھ جائے گی۔ ماحول کی تبدیلی سے شاید اس کے دکھوں کا بوجھ کچھ ہلکا ہوجائے۔" نایاب نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ لے جاؤ اسے بھی۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا سکندر بھائی؟" نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس خزانے کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" سکندر نے پوچھا۔ اس مرتبہ اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

"چند ہیرے میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی جو ہم وہاں سے لائے تھے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "شہر میں ان کی اچھی قیمت مل جائے گی۔ اس رقم سے چھوٹے موٹے کام ہوجائیں گے۔ حویلی کی تعمیر نو کرانے کے علاوہ میں قیوم اور رابعہ کو مکان بھی بنا کر دینا چاہتی ہوں تاکہ انہیں سر چھپانے کی جگہ مل سکے۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ یہ دونوں زندگی بھر تمہیں دعائیں دیتے رہیں گے۔" سکندر نے کہا۔

"اس کے علاوہ آپ بھی سوچئے کہ ہمیں وہ خزانہ کس طرح استعمال کرنا چاہئے۔ آپ بھی کوئی منصوبہ بنائیے۔" نایاب نے کہا۔

"میرے ذہن میں ایک دو منصوبے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے کیس کا فیصلہ ہوجائے تو کوئی پروگرام بنایا جائے۔" سکندر بولا۔

"کیس کا فیصلہ بھی ہوجائے گا۔" نایاب بولی۔ "آپ انکل سے بات کریں۔ گاؤں کے کچھ اور معتبر اور قابل اعتبار لوگوں سے بھی مشورہ کریں اور کوئی پروگرام فائنل کرلیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہاری واپسی تک کوئی نہ کوئی پروگرام بن جائے گا۔" سکندر نے کہا اور پھر اس رات کھانے کے بعد نایاب نے قیوم کو بھی حویلی بلا لیا اور اسے بتا دیا کہ وہ کل شہر جارہی ہے اور رابعہ بھی اس کے ساتھ جائے گی۔ قیوم نے رابعہ کے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

"تم میرے آنے تک مکان کا ملبہ صاف کرا دو اور کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس جگہ کا رقبہ کتنا ہے؟" نایاب نے پوچھا۔

"دو کنال ہے جی۔" قیوم نے جواب دیا۔ "یہ زمین بابا حسین دین نے ابا کو دی تھی۔ ابا نے دو کمرے بنوا لئے تھے اور باقی صحن کھلا رکھا تھا۔"

"میرا خیال ہے زمین کا وہ ٹکڑا مستطیل ہے۔" نایاب بولی۔ "صبح میرے جانے سے پہلے اس کی لمبائی چوڑائی کی پیائش کرکے مجھے بتا دینا تاکہ میں شہر سے مکان کا نقشہ بنوا لاؤں اور واپس آکر کام شروع کروا دوں۔"

"میں سمجھا نہیں' کیسا نقشہ؟ کیسا کام؟" قیوم نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا آپ پرانی حویلی کو تڑوا کر کوئی نقشہ بنوانا چاہتی ہیں؟"

"میں پرانی حویلی کی نہیں' تمہارے مکان کی بات کررہی ہوں۔" نایاب نے کہا۔ "اپنے مکان والی زمین کی لمبائی چوڑائی ناپ کر صبح مجھے بتا دینا۔ میں شہر سے واپس آتے ہی مکان کی تعمیر کا کام شروع کروا دوں گی اور پرانی حویلی کا کام بھی اب واپس آنے کے بعد ہی شروع کراؤں گی اور ہاں اگر میرے بعد کوئی غیر معمولی بات ہو تو فوراً شہر آکر مجھے اطلاع دینا۔"

"ٹھیک ہے چھوٹی بی بی۔" قیوم نے کہا۔ "زمین کی پیائش میں آپ کو صبح دیدوں گا۔ لیکن آپ کب تک واپس آئیں گی۔"

"ایک ہفتہ تو لگ جائے گا۔ ہوسکتا ہے دو چار دن اوپر بھی ہوجائیں۔ تم رابعہ کی طرف سے پریشان مت ہونا۔" نایاب نے کہا۔

"رابعہ آپ کے ساتھ جارہی ہے جی۔ میں پریشان کیوں ہونے لگا۔" قیوم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔" نایاب نے کہا۔ "صبح سات بجے سے پہلے پہلے مجھے زمین کی پیائش بتا دینا۔ میں جلدی نکل جانا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے جی۔ میں صبح سات بجے سے پہلے ہی آجاؤں گا۔" قیوم کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ وہ کچھ دیر رابعہ کے پاس کھڑا باتیں کرتا رہا پھر رخصت ہوگیا۔

قیوم کے جانے کے بعد نایاب اپنا سامان پیک کرنے لگی۔ وہ جب یہاں آئی تھی تو اس کے پاس صرف ایک بریف کیس تھا جس میں دو جوڑے کپڑوں کے علاوہ ضرورت کی چند چیزیں تھیں۔ یہاں آکر تو وہ نرگس ہی کے کپڑے استعمال کرتی رہی تھی اور اب وہ نرگس والے استعمال شدہ کپڑے بھی ساتھ لے جارہی تھی۔ دو تین جوڑے رابعہ کے تھے جو اسے گاؤں کی عورتوں نے دیئے تھے۔ سکینہ نے اسے اپنا ایک سوٹ کیس دیدیا تھا۔ ان چیزوں کے علاوہ گاؤں کی کچھ سوغاتیں بھی تھیں۔ اسی طرح ایک گٹھری بھی تیار ہوگئی تھی۔

تیاری مکمل کرنے کے بعد وہ نرگس وغیرہ کے ساتھ ایک کمرے میں بیٹھ گئی اور باتوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

ان میں سے کوئی بھی رات کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں سویا تھا۔ نرگس صبح چھ بجے باورچی خانے میں گھس گئی اور ناشتہ تیار کرنے لگی۔

وہ لوگ ناشتہ کر رہے تھے کہ قیوم بھی آگیا۔ اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا نایاب کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ مکان والی زمین کی پیائش ہے۔" اس نے کہا پھر رابعہ سے باتیں کرنے لگا۔

سکندر بھی ناشتہ کرکے تیار ہوچکا تھا۔ سوٹ کیس اور گٹھری کار کی ڈگی میں رکھ دی گئی۔ سکندر نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ رابعہ اور نایاب پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ گاؤں کی

بہت سی عورتیں نایاب اور رابعہ کو رخصت کرنے پہنچ گئی تھیں۔ رابعہ اور نایاب نے ان کی طرف دیکھ کر ہاتھ لہرایا اور کار حرکت میں آگئی۔

کار گاؤں سے نکل کر کھیتوں کے درمیان شہر کی طرف جانے والی سڑک پر چلنے لگی۔ سڑک ٹوٹی پھوٹی ہونے کی وجہ سے کار کی رفتار بہت ہلکی تھی۔

نایاب کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ کار اب اس جگہ پہنچ گئی تھی جہاں سے پرانی حویلی نظر آرہی تھی۔

نایاب حویلی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً وہ چونک گئی۔ حویلی کی اوپر والی منزل پر ایک محرابی جھروکہ تھا جہاں بیٹھ کر دور دور تک کھیتوں کا نظارہ کیا جاسکتا تھا اور اس وقت اس جھروکے میں کسی کو کھڑے دیکھ کر نایاب چونکی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا' سفید لباس پہنے ہوئے تھا اور اس میں سنہرے پن کی جھلک بھی نمایاں تھی۔ نایاب غور سے اس طرف دیکھنے لگی۔ پہلے تو وہ اسے اپنا واہمہ سمجھی تھی لیکن وہ واہمہ نہیں تھا۔ اس جھروکے میں واقعی کوئی کھڑا تھا اور وہ کوئی آدمی تھا۔

"سکندر بھائی ذرا گاڑی روکنا۔" نایاب نے کہا۔ سکندر نے گاڑی روک لی اور نایاب گہری نظروں سے حویلی کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے نایاب۔ کیا دیکھ رہی ہو۔" سکندر نے مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سکندر بھائی۔ وہ آدمی آپ کو نظر آرہا ہے۔ وہ جو حویلی کے جھروکے میں کھڑا ہے۔" نایاب نے کہا۔

"کہاں۔۔۔؟ مجھے تو کوئی نظر نہیں آرہا۔" سکندر حویلی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ جھروکے میں۔ سفید لباس پہنے ہوئے۔" نایاب نے کہا۔

"مجھے تو وہاں کوئی نظر نہیں آرہا۔ کیوں رابعہ تمہیں کچھ دکھائی دے رہا ہے؟" سکندر نے رابعہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کوئی وہم ہوگیا ہے نایاب۔ وہاں واقعی کوئی نہیں ہے۔" رابعہ نے کہا۔

نایاب ایک بار پھر گہری نظروں سے حویلی کی طرف دیکھنے لگی۔ دوسری منزل کے جھروکے میں وہ سفید لباس والا انسانی ہیولہ اسے صاف نظر آرہا تھا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی

وجہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ کوئی مرد تھا یا عورت لیکن پھر وہ ہیولہ واضح ہوتا چلا گیا۔ نایاب کو یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں میں دوربین کے لینز فٹ ہوگئے ہوں۔ لینز جیسے آہستہ آہستہ ایڈجسٹ ہورہے تھے اور ہیولہ قریب آتا جارہا تھا اور پھر یوں لگا جیسے وہ نایاب کے بالکل سامنے کھڑا ہو۔

نایاب کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ اس نوجوان کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ ایسا جوان رعنا اس نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لمبا قد' سرخ و سفید رنگت' موٹی موٹی چمکتی ہوئی آنکھیں' نایاب کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اسے اپنی طرف بلا رہا ہو اور پھر نایاب نے دروازہ کھولنے کیلئے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ سکندر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

نایاب کے منہ سے ایک بار پھر گہرا سانس نکل گیا۔ حویلی کے جھروکے میں کھڑا ہوا وہ خوبرو نوجوان اچانک ہی غائب ہوگیا تھا۔ جیسے وہیں کھڑے کھڑے ہوا میں تحلیل ہوگیا ہو۔ نایاب کچھ دیر اسی طرف دیکھتی رہی پھر سیدھی ہوکر بیٹھ گئی اور سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

کیا ہوا نایاب۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" رابعہ نے پوچھا۔

"ہاں۔ ٹھیک ہوں" نایاب نے جواب دیا۔ "سر میں اچانک ہی درد شروع ہوگیا ہے۔"

"اگر طبیعت خراب ہورہی ہے تو آج کا پروگرام کینسل کردو نایاب۔ لمبا سفر ہے۔ راستے میں اگر طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو۔۔۔"

"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔" نایاب نے سکندر کی بات کاٹ دی اور سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔ "نور پور پہنچ کر پونسٹان کی دو گولیاں لے لوں گی۔ سر درد ٹھیک ہوجائے گا۔"

اور پھر نور پور پہنچ کر اس نے سب سے پہلا کام یہی کیا تھا۔ سکندر نے کار ایک میڈیکل سٹور کے سامنے روک لی اور نیچے اتر کر دکان سے پونسٹان کا پورا اسٹرپ اور پانی کا گلاس لے آیا۔ نایاب نے دو گولیاں پانی کے ساتھ حلق سے اتار لیں اور باقی پتہ اپنے بریف کیس میں رکھ لیا۔

سکندر نے انہیں شاہ پور جانے والی ایئر کنڈیشنڈ کوچ میں بٹھا دیا۔ کچھ دیر وہاں کھڑا رہا

پھر رخصت ہوگیا۔

جب وہ گاؤں سے رخصت ہورہے تھے تو رابعہ نے محسوس کیا تھا کہ نایاب کچھ بے چین سی ہورہی تھی اور جب حویلی کے سامنے اس نے سڑک پر گاڑی رکوائی تھی تو اس کی بے چینی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ بقول اس کے اس نے حویلی کے جھروکے میں کسی کو کھڑے دیکھا تھا۔ وہ شاید اس کا واہمہ تھا اور جب سکندر نے گاڑی آگے بڑھائی تھی تو اس کی بے چینی دو چند ہوگئی تھی۔

سکندر انہیں کوچ میں بٹھا کر چلا گیا تھا۔ نایاب اپنی سیٹ پر بیٹھی بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔ وہ کبھی پیچھے مڑ کر دیکھتی اور کبھی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگتی۔ ایک مرتبہ وہ اپنی سیٹ سے اٹھی بھی تھی لیکن پھر دوبارہ بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں مسلنے لگی۔

"نایاب۔ اگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو ہم بس سے اتر جائیں۔ کل یا ایک دو دن بعد چلے جائیں گے۔" رابعہ نے کہا۔

"نن--- نہیں--- میں ٹھیک ہوں۔" نایاب نے جواب دیا۔ حالانکہ وہ ٹھیک نہیں تھی۔ اس کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔ آگ بھر رہی تھی اس کے اندر۔ دماغ سلگ رہا تھا۔ سینے میں غبار سا پھیلتا چلا جارہا تھا۔ آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔

بس میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی بار بار اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ نایاب کو اس طرح بے چین دیکھ کر رابعہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ نایاب کو زبردستی بس سے اتار لے۔ سکندر ابھی قصبے ہی میں کہیں ہوگا' وہ اسے تلاش کر لے گی۔ اگر وہ نہ بھی ملا تو وہ کسی تانگے پر بیٹھ کر گاؤں واپس چلی جائیں گی۔

رابعہ اپنے اس ارادے پر عمل کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ ڈرائیور اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ کنڈیکٹر بھی دروازے میں کھڑا ہوگیا۔ ڈرائیور نے انجن سٹارٹ کر دیا اور کوچ حرکت میں آگئی۔

بسوں کا اڈا شہر کے وسط میں تھا۔ کوچ کو شہر سے نکلنے میں پانچ منٹ لگ گئے اور پھر وہ شاہ پور کی طرف جانے والی ہائی وے پر آگئی۔ اس کے ساتھ ہی کوچ کی رفتار تیز ہوگئی۔

رابعہ نے ایک اور بات خاص طور سے نوٹ کی۔ کوچ جیسے جیسے نورپور سے دور ہوتی

جارہی تھی' نایاب میں بھی تبدیلی آتی جارہی تھی۔ جیسے جیسے فاصلہ طے ہوتا گیا اس کی بے چینی کم ہوتی گئی اور جب کوچ چند میل آگے دریا کا پل پار کرگئی تو نایاب بھی پرسکون ہوگئی۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بھی بتدریج کم ہورہی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟" رابعہ نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اب تو سر میں بھی درد نہیں ہو رہا۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہوگیا تھا۔"

"کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے۔" رابعہ بولی۔ "شکر ہے تمہاری طبیعت سنبھل گئی۔ میں تو پریشان ہوگئی تھی کہ اگر راستے میں تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو میں کیا کروں گی۔"

"اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" نایاب نے کہا اور پھر وہ چہک چہک کر باتیں کرنے لگی۔ بس کے وہ مسافر جو کچھ دیر پہلے نایاب کے لئے پریشان ہورہے تھے' اب اسے چہکتے دیکھ کر حیران ہورہے تھے۔

کوچ تیز رفتاری سے اپنا سفر طے کررہی تھی۔ نایاب کبھی رابعہ سے باتیں کرنے لگتی اور کبھی باہر دیکھنے لگتی۔ سڑک کے دونوں طرف دور دور تک لہلہاتے ہوئے کھیت تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی تھیں۔ نایاب کو یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا اور وہ بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

رابعہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے اونگھ رہی تھی۔ نایاب بھی رات بھر جاگی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے اونگھنے لگی۔

ساڑھے چار بجے کے قریب کوچ شاہ پور پہنچ گئی۔ بس سٹیشن پر کوچ سے اتر کر گھر پہنچنے میں تقریباً" آدھا گھنٹہ اور لگ گیا۔ نایاب کے والد ارشاد صاحب گھر پر موجود نہیں تھے۔ گھر کی دیکھ بھال کے لئے ادھیڑ عمر میاں بیوی ملازم رکھے ہوئے تھے۔ اکرم گیٹ میں ٹیکسی داخل ہوتے دیکھ کر اس طرف لپکا۔ اس نے نایاب کو ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس کی بیوی صغریٰ بھی آواز سن کر آگئی تھی۔

رابعہ بڑی حیرت سے اس کوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔ ہزار مربع گز پر مشتمل یہ کوٹھی بڑی شاندار تھی۔ لگتا تھا یہ کوٹھی اینٹوں سے نہیں ماربل سے بنائی گئی تھی۔ فرش اور دیواروں پر صرف ماربل ہی نظر آرہا تھا۔ پورچ کے سامنے ایک خوبصورت لان تھا۔ وسیع سرسبز گھاس

کے قطعے کے چاروں طرف رنگ برنگے پھولوں کی کیاریاں تھیں۔

رابعہ اندر داخل ہوئی تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ فرش پر بچھے ہوئے دبیز قالین اور شاندار فرنیچر۔

"یہ تمہارا گھر ہے نایاب۔" اس نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے سر چھپانے کو یہ جگہ دے رکھی ہے۔" نایاب نے انکساری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"نایاب! تمہیں اللہ نے اتنا کچھ دیا ہے تو پھر لعنت بھیجو چودھری کی زمین پر۔" رابعہ نے کہا۔

"نہیں رابعہ۔ میں اس پر لعنت نہیں بھیج سکتی۔" نایاب بولی۔ "گاؤں اور آس پاس کی بستیوں کے لوگ ان کے ظلم سہتے رہے۔ کسی نے ان کا ہاتھ روکنے کی کوشش نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا ظلم بڑھتا ہی گیا۔ اگر شروع ہی میں کوئی ان کے سامنے ڈٹ جاتا تو آج یہ صورتحال نہ ہوتی۔ اب یہ لوگ میرا حق مارنا چاہتے ہیں۔ اگر میں خاموش رہی تو ان کے حوصلے بڑھیں گے اور یہ روایت قائم ہوجائے گی۔ اس خاندان کی کوئی بہو یا کوئی اور فرد اپنا حق نہیں مانگ سکے گا۔ میں نے طے کر رکھا ہے کہ اپنا حق لیکر رہوں گی۔ گاؤں میں رہتے ہوئے مجھے یہ بھی پتہ چل گیا ہے کہ ان چودھریوں نے دھوکے اور دھونس دھمکیوں سے کچھ چھوٹے کسانوں کی زمینوں پر بھی قبضہ کر رکھا ہے۔ ان سے اپنا حصہ لیکر میں وہ زمینیں ان چھوٹے کسانوں میں تقسیم کر دوں گی۔ اچھا چھوڑو۔ یہ باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ آؤ۔۔۔۔ میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں۔ تم منہ ہاتھ دھوکر کپڑے بدل لو تو پھر چائے پئیں گے۔ بہت طلب ہورہی ہے۔"

نایاب اسے ایک بیڈ روم میں لے آئی اور ایک الماری کھول کر بولی۔

"یہ میرے کپڑے ہیں۔ تمہیں پورے آجائیں گے۔ جو دل چاہے پہن لینا اور یہ دیکھو۔ یہ باتھ روم ہے۔ اب تم جلدی سے منہ ہاتھ دھوکر تیار ہوجاؤ۔ ڈیڈی بھی آنے والے ہی ہوں گے۔"

نایاب باہر نکل گئی تو رابعہ نے کمرے کا دروازہ بند کرلیا اور الماری میں سے ایک جوڑا نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔

نایاب بھی اپنے کمرے میں آکر باتھ روم میں گھس گئی۔ چھ سات گھنٹوں کے سفر نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے اس کی کسلمندی بڑی حد تک دور ہوگئی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ باہر نکلی تو رابعہ بھی تیار ہوچکی تھی۔

"ڈیڈی ابھی تک نہیں آئے؟" نایاب نے صغریٰ سے پوچھا جو میز پر چائے کے برتن لگا رہی تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے ان کا فون آیا تھا۔" صغریٰ نے کہا۔ "میں نے انہیں بتا دیا ہے کہ آپ آگئی ہیں' وہ آدھے گھنٹے تک آجائیں گے۔"

"ڈیڈی آج کل دفتر سے دیر سے آتے ہیں کیا؟" نایاب نے پوچھا۔

"آپ کے بعد تو دیر سے ہی گھر آنے لگے ہیں۔ دفتر سے چھٹی کرکے کسی دوست کے ہاں چلے جاتے ہیں۔ اب آپ آگئی ہیں تو صاحب بھی جلدی گھر آجایا کریں گے۔" اس نے چائے بنا کر ایک ایک کپ ان کے سامنے رکھ دیا۔

چائے کے ساتھ کچھ لوازمات بھی تھے۔ نایاب نے ایک کیک پیس اٹھا لیا اور پلیٹ رابعہ کی طرف سرکادی۔

"کھاؤ نا تم بھی۔ راستے میں تو کوئی ڈھنگ کی چیز ملی نہیں تھی۔ مجھے تو بہت بھوک لگ رہی ہے۔ لو کھاؤ۔"

رابعہ نے بھی ایک کیک پیس اٹھا لیا۔

چائے پینے کے بعد نایاب برآمدے میں آگئی۔ رابعہ بھی اسی کے ساتھ ہی تھی اور ٹھیک اسی لمحہ سفید رنگ کی شاندار کار کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہوئی اور پورچ میں آکر رک گئی۔ چند سیکنڈ بعد ارشاد صاحب کار سے اترے۔ رابعہ انہیں دیکھ کر بہت متاثر ہوئی۔ بڑی شاندار شخصیت تھی ان کی۔ نایاب دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

"ارے بیٹا۔ تم تو وہاں جاکر مجھے بھول ہی گئی تھیں۔" ارشاد صاحب اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

"میں آپ کو ایک لمحہ کو بھی نہیں بھولی تھی' ڈیڈی' بس وہاں کے حالات ہی کچھ ایسے ہوگئے تھے کہ مجھے ضرورت سے زیادہ وہاں رکھنا پڑا۔" نایاب نے جواب دیا۔

"ہاں۔ مجھے پتہ چلا تھا کہ وہاں کچھ پراسرار قسم کے واقعات پیش آرہے تھے۔ خیر۔ ان

کی تفصیل تو بعد میں سنوں گا۔ پہلے یہ بتاؤ۔ ملک صاحب کی طبیعت اب کیسی ہے؟" ارشاد صاحب نے پوچھا۔

"پہلے سے بہت بہتر ہیں۔ میں نے تو کہا تھا کہ چند روز کے لئے وہ بھی شہر آجائیں مگر وہ نہیں مانے۔" نایاب نے کہا۔

"ہاں بیٹا۔ یہ زمیندار لوگ اپنی زمینوں کی مٹی سے مشکل ہی سے الگ ہوتے ہیں۔ اور ہاں—— یہ کون لڑکی ہے۔ یہ ملک صاحب کی بیٹی تو نہیں ہوسکتی۔ انہیں تو میں پہچانتا ہوں۔"

ارشاد صاحب رابعہ کی طرف دیکھنے لگے۔

"یہ رابعہ ہے۔ اسے آپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔" نایاب نے رابعہ کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ گاؤں کے ایک معتبر شخص چاچا نواب دین کی بیٹی ہے۔ چند روز پہلے انہیں قتل کردیا گیا تھا۔"

"اوہ۔" ارشاد صاحب بولے۔ "مجھے بہت افسوس ہوا بیٹی۔ کسی سے دشمنی تھی کیا؟"

"ان لوگوں کو مجھ سے ہمدردی کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے ڈیڈی!" نایاب نے کہا۔ "ان کے گھر کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ چاچا نواب دین کو قتل کردیا۔ اس کا بھائی زخمی ہوا اور اسے بھی اغوا کرلیا گیا۔ یہ لمبی کہانی ہے ڈیڈی۔ آپ کو تفصیل سے بتاؤں گی۔ یہ چودھری لوگ تو بہت ہی گھٹیا ثابت ہوئے۔ مجھ سے دشمنی کا بدلہ دوسرے بے گناہوں اور معصوم لوگوں سے لے رہے ہیں۔ ان لوگوں کو تو کسی صورت میں بھی معاف نہیں کیا جانا چاہئے۔"

"مجھے پتہ چلا تھا۔" ارشاد صاحب بولے۔ "بلکہ گاؤں کا ایک آدمی میرے پاس آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ چودھری سعادت تم سے دشمنی میں حد سے آگے بڑھ رہا ہے۔ میں تمہیں واپس بلا لوں تاکہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔ میں تو پریشان ہورہا تھا اور سوچا تھا کہ اگر تم ایک دو دن تک نہ آئیں تو ویک اینڈ پر میں خود گاؤں چلا جاؤں گا۔"

"چودھری سعادت نے میرے خلاف کیا تو بہت کچھ مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا۔" نایاب نے کہا۔ "گاؤں کے بیشتر لوگ میرے ساتھ ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ نادیدہ ہستیاں بھی میری مدد کررہی ہیں۔"

"نادیدہ ہستیاں!" ملک صاحب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "میں سمجھا نہیں؟"

"میں آپ کو بتاؤں گی۔ آیئے۔ اندر تو چلیں۔" نایاب بولی۔

وہ اندر آکر لاؤنج میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد صغریٰ نے ارشاد صاحب کے سامنے چائے رکھ دی۔

"ہاں۔ تو وہ نادیدہ ہستیاں کون ہیں اور تمہاری مدد کیسے کررہی ہیں؟" ارشاد صاحب نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو اب تک میں بھی نہیں سمجھ سکی کہ وہ کون ہیں اور میری مدد کیوں کررہی ہیں۔" نایاب نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "بات ایک سنہری سانپ سے شروع ہوئی تھی۔ اس روز میں اور ملک صاحب کی چھوٹی بیٹی عذرا کھیتوں میں گھوم رہی تھیں کہ ایک سانپ اور نیولے کو لڑتے ہوئے دیکھا۔ سانپ سنہری رنگ کا تھا جسے نیولا بری طرح بھنبھوڑ رہا تھا۔ نجانے کیوں مجھے اس سانپ پر ترس آگیا۔ میں نے اسے بچانے کے لئے نیولے کو مار بھگایا۔ وہ سانپ زخمی ہوگیا تھا۔ میں نے بلاخوف اسے ہاتھ میں اٹھا لیا۔ وہ سانپ میرے بازوں سے لپٹ گیا اور پھر زمین پر رینگتا ہوا کھیت میں غائب ہوگیا۔" نایاب چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر تفصیل سے گاؤں میں پیش آنے والے تمام واقعات بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "چودھری سعادت کا خیال تھا کہ میں ان لوگوں سے ڈر کر گاؤں سے بھاگ جاؤں گی۔ اس نے کئی مرتبہ مجھ پر قاتلانہ حملے کروائے۔ لیکن میں ہر مرتبہ بچتی رہی البتہ کچھ بے گناہ موت کے شکار ہوتے رہے۔ گاؤں کے معصوم اور مظلوم لوگوں کی ہمدردیاں اور دعائیں میرے ساتھ ہیں۔ لیکن ایک بات میں نے واضح طور پر نوٹ کی ہے کہ نورپور کا تھانیدار کھل کر جانبداری سے کام لے رہا ہے۔ اگر وہ کوئی فرض شناس آفیسر ہوتا تو چودھری سعادت کو سلاخوں کے پیچھے بند کرچکا ہوتا۔ اب رابعہ والا معاملہ ہی لیجئے۔ ملنگی نے اگرچہ میری موجودگی میں یہ بیان دیا تھا کہ یہ سارا منصوبہ چودھری سعادت نے بنایا تھا اور تھانیدار نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ قانون کے مطابق کارروائی کرے گا لیکن آج صبح تک تو خاموشی ہی تھی مجھے امید نہیں کہ وہ انسپکٹر سعادت کے خلاف کوئی کارروائی کرے گا۔"

"اس سلسلے میں تو میں اس علاقے کے ڈی سی سے فون پر بات کرلوں گا لیکن یہ نادیدہ

ہستیوں کے بارے میں تم جو کچھ بھی بتا رہی ہو' وہ میرے لئے ناقابل یقین اور حیرت انگیز ہے۔" ارشاد صاحب نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"یہ سچ ہے انکل۔" رابعہ نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ پراسرار اور نادیدہ ہستیاں نایاب کی پشت پر نہ ہوتیں تو شاید چودھری اپنے مقصد میں کامیاب ہوچکا ہوتا ہے۔"

"یہ سب کچھ میرے لئے حیرت انگیز ہے۔" ارشاد صاحب بڑبڑائے۔

"گاؤں کے سب لوگ ان پراسرار واقعات کی تصدیق کرسکتے ہیں۔" رابعہ بولی۔ "انہی پراسرار واقعات کو بنیاد بنا کر چودھری سعادت نے نایاب کو بدنام کرنے کی ایک مہم بھی چلائی تھی۔ کبھی کہا گیا یہ ناگن ہے اور کبھی یہ افواہ پھیلائی گئی کہ یہ کوئی بدروح ہے لیکن گاؤں کے لوگ ان کی باتوں میں نہیں آئے۔ سب ہی لوگ سمجھتے ہیں کہ نایاب نہ تو کوئی ناگن ہے اور نہ بدروح۔ وہ ان سب کی طرح جیتی جاگتی انسان ہے۔ بات صرف اتنی ہے انکل کہ نایاب کے دل میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اس کی نیت میں فتور نہیں ہے۔ یہ ایک نیک طینت لڑکی ہے۔ اس کے دل میں دوسروں کے لئے ہمدردی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ سانپ جیسی زہریلی چیز سے کوئی بھی ذی ہوش انسان ہمدردی کا اظہار نہیں کرسکتا لیکن نایاب نے نہ صرف اس سانپ کو نیولے سے بچایا بلکہ اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر اسے ہاتھ میں اٹھا لیا اور اس کے زخم سہلانے لگی۔ انسان تو احسان فراموش اور محسن کش ہوسکتا ہے مگر وہ زہریلا ناگ ایسا نہیں تھا۔ اس نے نایاب کے احسان کا بدلہ چکانے کے لئے اس کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا اور یہ ثابت بھی ہوگیا ہے کہ اس نے ہر موقع پر نایاب کی حفاظت کی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ پراسرار بوڑھا بھی اس ناگ ہی کا کوئی روپ ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی انسان یہ سب کچھ کرسکتا ہے۔"

"اس کے علاوہ۔" نایاب اس کے خاموش ہونے پر بولی۔ "اس زہریلے ناگ نے میری ہمدردی کا ایک ایسا انعام بھی دیا ہے جس کا میں یا کوئی اور تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

"اور وہ انعام کیا ہے؟" ارشاد صاحب نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"ایک منٹ' ابھی دکھاتی ہوں۔" اور بریف کیس میں سے وہ ہیرے نکال لائی۔ "یہ دیکھئے۔" اس نے ہیرے ارشاد صاحب کے ہاتھ میں دے دیئے۔

ان جگمگاتے ہوئے ہیروں کو دیکھ کر ارشاد صاحب کی آنکھوں میں بھی عجیب سی چمک ابھر آئی۔

"یہ --- یہ تو بہت قیمتی ہیرے ہیں۔"

"جی ہاں۔" نایاب نے مسکرا کر رابعہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی حیرت سے ان ہیروں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "وہ سنہری ناگ مجھے ٹیلے والے کھنڈروں میں ایک ایسی جگہ لے گیا تھا جہاں ایک بہت بڑا خزانہ موجود تھا۔ وہ خزانہ اتنا بڑا ہے کہ میں اس شہر کی ساری بڑی عمارتیں خرید سکتی ہوں۔ یہ چند ہیرے میں نے اسی خزانے سے اٹھائے تھے۔ اس خزانے کے بارے میں' میں جانتی ہوں یا سکندر بھائی۔ البتہ ملک انکل کو بھی ہم نے سرسری طور پر بتا دیا تھا۔ ہمارے علاوہ اور کوئی اس خزانے کے بارے میں نہیں جانتا۔"

رابعہ اور ارشاد صاحب پھٹی پھٹی سی نظروں سے نایاب کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کیا واقعی' تم سچ کہہ رہی ہو۔ میرا مطلب ہے' کیا حقیقت میں اس خزانے کا کوئی وجود ہے؟" ارشاد صاحب بولے۔ ان کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں ڈیڈی۔" نایاب مسکرائی۔ "یہ چند ہیرے اس خزانے کا ایک حصہ ہیں۔"

"اگر یہ واقعی سچ ہے تو تم اس شہر کی چند بلڈنگیں تو کیا پورا شہر خرید سکتی ہو۔ صرف یہ ایک ہیرا۔" وہ اپنی ہتھیلی پر سے ایک ہیرا اٹھاتے ہوئے بولے۔ "صرف یہ ایک ہیرا کم سے کم دو لاکھ روپے سے کم کا نہیں ہوگا۔ اس طرح کے کتنے ہیرے ہیں وہاں؟"

"تعداد کا تو مجھے اندازہ نہیں لیکن تین چار بوریاں بھری جاسکتی ہیں۔" نایاب نے جواب دیا۔

"تین چار بوریاں۔" ارشاد صاحب کا منہ مارے حیرت کے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ان ہیروں کے علاوہ وہاں اور بھی بہت کچھ ہے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "سونے کے برتن' زیورات' نوادرات اور بہت کچھ۔ اس خزانے میں ایک خوبصورت تاج بھی ہے جس میں اس قسم کے کئی ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ اگر اس ایک ہیرے کی قیمت دو لاکھ ہوسکتی ہے تو پھر اس تاج کی قیمت دس کروڑ روپے سے کم نہیں ہوگی۔"

"مائی گاڈ!" ارشاد صاحب نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ "میری ایک بات غور

سے سنو بیٹی! یہ کوئی گمشدہ خزانہ ہے جو اتفاق سے تمہیں مل گیا ہے۔ ہمارے ملک کا
دنیا کے ہر ملک کا قانون یہ ہے کہ اگر زمین سے کوئی قیمتی چیز' مثلاً" سونا' چاندی' تیل' گ
یا اسی قسم کی کوئی چیز برآمد ہوتی ہے تو وہ حکومت کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ دفنے بھی ا
زمرے میں آتے ہیں۔ اس لئے قانونی طور پر یہ دفینہ بھی حکومت کی ملکیت ہے۔ اس
تمہیں میرا مشورہ یہ ہے کہ یہ خزانہ حکومت کے حوالے کردو۔ حکومت تمہیں جو حصہ د
گی وہ بھی کروڑوں سے کم نہیں ہوگا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں ڈیڈی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن مسئلہ
ہے کہ میرے علاوہ اور کوئی بھی اس خزانے کو استعمال نہیں کرسکتا۔ اگر کسی نے ا
خزانے کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو وہ راکھ کا ڈھیر بن جائے گا اور ویسے بھی کوئی ا
خزانے تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس کی حفاظت شیلتا نامی ایک ایسی ناگن کررہی ہے
صدیوں پہلے شاید مرگئی تھی اور سنہرا سانپ جسے میں نے نیولے سے بچایا تھا اسی کی ن
سے ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" ارشاد صاحب نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ
"وہ ناگن اگر صدیوں پہلے مرچکی ہے تو اب اس خزانے کی حفاظت کیسے کرسکتی ہے۔"

"یہی تو وہ باتیں ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آسکیں اور شاید کسی اور کی سمجھ میں
نہ آسکیں۔" نایاب نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "صدیوں پہلے وہ علا
ایک ایسی ریاست میں شامل تھا جس پر رانی شپلا نامی ایک عورت کی حکمرانی تھی۔ حسی
ہونے کے علاوہ رانی شپلا بے حد ہمدرد اور نیک عورت تھی۔ حکمران نیک نیت ہوں
عوام بھی خوشحال ہوتے ہیں۔ رانی شپلا کی ریاست میں امن و آشتی تھی' خوشحالی تھی لیکن
رانی شپلا سے ایک غلطی ہوگئی اور وہ غلطی ہی نہ صرف رانی شپلا کو بلکہ پوری ریاست
لے ڈوبی۔ لوگوں نے رانی شپلا کو زندہ جلا دیا اور ریاست تباہ ہوگئی۔ وہ خزانہ اسی رانی
کی ملکیت تھا۔ شیلتا نامی ناگن اس کی محافظ ہے۔ شیلتا کا کہنا ہے کہ رانی شپلا واپس آ
گی۔ اسے رانی شپلا کا انتظار ہے۔"

"عجیب احمقانہ باتیں ہیں۔" ارشاد صاحب بولے۔ "کوئی انسان مرنے کے بعد اس
میں واپس نہیں آتا اور پھر وہ ناگن جو صدیوں پہلے مرگئی تھی وہ تم سے باتیں کیسے کرتی

ہے۔"

"یہ اسرار و رموز میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی ڈیڈی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "لیکن
ڈیڈی۔ پچھلے دنوں گاؤں میں جو پراسرار واقعات پیش آئے ہیں ان کا حقیقت سے کوئی نہ
کوئی تعلق ضرور ہے۔ مثال کے طور پر میں نے حاجرہ نامی ایک لڑکی کی لاش دیکھی تھی
جس کے سینے میں خنجر پیوست تھا۔ لگتا تھا اسے چند منٹ پہلے ہی قتل کیا گیا ہو۔ اس وقت
میرے کانوں میں کچھ پراسرار سی سرگوشیاں سنائی دی تھیں جن سے مجھے اس لڑکی کے
بارے میں پتہ چلا کہ وہ گاؤں کے موچی کی بیٹی ہے۔ میں بعد میں سکندر بھائی کو لیکر حویلی
میں آئی تو لاش غائب تھی۔ لیکن اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ حاجرہ واقعی گاؤں کے موچی
کی بیٹی تھی اور اسے اسی حویلی میں قتل کیا گیا تھا۔ لیکن یہ سانحہ ستر سال پہلے کی بات
تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو بظاہر ناقابل یقین اور پراسرار لگتی
ہیں لیکن ان کا کسی نہ کسی حقیقت سے کوئی تعلق ضرور ہے۔

ناگن شیلتا نے مجھے یہ خزانہ سنہرے ناگ کو بچانے کے عوض انعام کے طور پر دیا تھا
لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر میرے علاوہ کسی اور نے اس خزانے پر قبضہ
جمانے کی کوشش کی تو یہ خزانہ یا تو غائب ہوجائے گا اور یا راکھ کا ڈھیر بن جائے گا۔
ڈیڈی!" وہ چند لمحے خاموش ہوکر باپ کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی پھر بات جاری رکھتے
ہوئے بولی۔ "میں جانتی ہوں آپ ایک فرض شناس آفیسر ہیں ڈیڈی۔ آپ پہلے اس ملک
کے مفاد کا سوچتے ہیں پھر اپنے بارے میں۔ میں بھی آپ ہی کی بیٹی ہوں ڈیڈی۔ میری
رگوں میں بھی آپ کا ہی خون دوڑ رہا ہے۔ یہ خزانہ پاکر میرے دل میں کسی بددیانتی کا
خیال نہیں آیا۔ میرا ایمان متزلزل نہیں ہوا۔ اگر یہ خزانہ مجھے عام حالات میں ملا نہ ہوتا تو
میں آپ کے کہنے سے پہلے اسے حکومت کے حوالے کردیتی۔ لیکن یہ خزانہ جن حالات میں
مجھے ملا ہے وہ میں آپ کو بتا چکی ہوں۔ اس کے ساتھ جو شرطیں وابستہ کی گئی ہیں اگر وہ
پوری نہ کی گئیں تو یہ ضائع ہوجائے گا اور ہم اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

میں نے سکندر بھائی سے بات کی ہے۔ ہم اس خزانے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔
غریبوں اور عام لوگوں کی بھلائی کیلئے کئی فلاحی منصوبے پایہ تکمیل کو پہنچائے جاسکتے ہیں۔
لیکن--- اگر یہ خزانہ کسی کی مداخلت سے ضائع ہوگیا تو میں نے جو سوچا ہے وہ سب

دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ اس لئے ڈیڈی پلیز! میری باتوں پر ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے اور خزانے کے راز کو اپنے سینے تک ہی محدود رکھئے۔ پلیز ڈیڈی۔"

"ٹھیک ہے بیٹی۔" ارشاد صاحب نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن ان ہیروں کو کیسے ڈسپوز آف کرو گی؟"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے ڈیڈی۔" نایاب نے کہا۔ "میں دو چار روز میں خود ہی ان کا بندوبست کرلوں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔"

ان کے قریب بیٹھی ہوئی رابعہ بڑی حیرت سے باپ بیٹی کی باتیں سن رہی تھی۔ نایاب کئی روز گاؤں میں رہی تھی اور اس کے حوالے سے کئی پراسرار واقعات رونما ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ حیرت انگیز تھا۔ لیکن ان سب سے زیادہ حیرت انگیز وہ خزانہ تھا جس کا ذکر اس وقت اس نے پہلی مرتبہ سنا تھا اور وہ جانتی تھی کہ خزانے کے بارے میں بھی نایاب جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ اس کے پاس ثبوت کے طور پر وہ ہیرے موجود تھے جو اس وقت سامنے میز پر رکھے ہوئے تھے۔

وہ لوگ باتیں کررہے تھے کہ ملازمہ صغریٰ نے آکر بتایا کہ کھانا تیار ہوگیا ہے۔ وہ تینوں چونک گئے۔ ان میں سے کسی کو بھی باتوں میں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا تھا۔ نایاب نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ نو بج رہے تھے۔

"چلو بھئی۔ کھانا لگ گیا ہے۔ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔" ارشاد صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

نایاب اور رابعہ بھی اٹھ گئیں اور پھر وہ تینوں میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

"تمہارے بنگلے میں آتشزنی کے سلسلے میں ایک پیش رفت ضرور ہوئی ہے۔" ارشاد صاحب نے کہا۔ وہ تینوں کھانے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھے کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے باتیں کررہے تھے۔ "دو روز پہلے پولیس کو نارتھ کینال کے پل کے قریب کنارے کی جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی ایک آدمی کی لاش ملی ہے۔ لاش گل سڑ چکی ہے۔ اس کی شناخت ممکن نہیں رہی تھی لیکن بائیں کلائی میں پھنسی ہوئی گھڑی کی وجہ سے پولیس نے اسے نثار کی حیثیت سے شناخت کیا ہے۔"

"اوہ۔" نایاب بولی۔ "پولیس یہ کیسے کہہ سکتی ہے کہ وہ گھڑی نثار ہی کی تھی۔ جس

سے نثار کو شناخت کرلیا گیا۔"

"گھڑی کی پشت پر نثار کا نام کندہ ہے۔ ارشاد صاحب نے بتایا۔ "پولیس کو شبہ ہے کہ کوٹھی کو آگ لگانے سے پہلے ان لوگوں نے نثار کو گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ لوگ غالباً اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ چند روز اسے اپنی حراست میں رکھا اور پھر قتل کرکے لاش نہر میں پھینک دی۔ لاش تین چار روز پرانی تھی۔ جسم کا گوشت گل سڑ گیا تھا۔ چہرہ تو بالکل شناخت کے قابل نہیں رہا تھا۔"

"اس کے علاوہ کچھ اور؟" نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" ارشاد صاحب نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "پولیس ابھی تک کسی کا سراغ نہیں لگا سکی۔ کل میں انشورنس والوں سے بھی ملا تھا۔"

"وہ کیا کہتے ہیں؟" نایاب نے پوچھا۔

"جب تک پولیس اپنی تفتیش مکمل نہیں کرلیتی' انشورنس والے کلیم کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے۔" ارشادصاحب نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی۔" نایاب بولی۔ "کل میں خود پولیس کے تفتیشی آفیسر اور انشورنس کمپنی والوں سے ملوں گی۔" اس نے بات کرتے ہوئے رابعہ کی طرف دیکھا۔ وہ صوفے پر بیٹھی جمائیاں لے رہی تھی۔ "تمہیں نیند آرہی ہے رابعہ! سو جاؤ جاکر۔"

رابعہ کو واقعی نیند آرہی تھی۔ اس وقت ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ گزشتہ رات جاگنے اور دن بھر کے سفر نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

نایاب دیر تک اپنے ڈیڈی سے باتیں کرتی رہی اور تقریباً ڈیڑھ بجے کے قریب وہ دونوں اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

شدید تھکن ہونے کے باوجود نایاب کو دیر تک نیند نہیں آسکی تھی۔ وہ بستر پر لیٹی کروٹیں بدلتی رہی اور بالآخر اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ صبح جب وہ بیدار ہوئی تو ارشاد صاحب دفتر جاچکے تھے۔ رابعہ ابھی تک سو رہی تھی۔ نایاب نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ دس بجنے والے تھے۔ اس نے رابعہ کو بھی جگایا اور اپنے کمرے میں آکر باتھ روم میں گھس گئی۔

گیارہ بجے وہ ناشتہ کررہی تھیں۔

"اب تم جلدی سے تیار ہوجاؤ۔" نایاب ناشتے کی میز سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "ایک دو کام ہیں وہ آج ہی نمٹا لئے جائیں۔"

ارشاد صاحب گاڑی چھوڑ گئے تھے۔ بارہ بجے کے قریب نایاب اور رابعہ گاڑی میں سوار کوٹھی سے باہر نکل رہی تھیں۔

"یہ گاڑی بھی تمہاری ہے؟" رابعہ نے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ گاڑی میرے شوہر نے خرید کر دی تھی۔ اب یہی اس کی نشانی رہ گئی ہے۔" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

گاڑی شہر کے مختلف علاقوں سے گھومتی ہوئی اس علاقے میں آگئی جسے شہر کا سب سے پوش علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ یہاں رئیسوں اور دولت مندوں کی رہائش تھی۔ بڑی بڑی عالیشان کوٹھیاں دیکھ کر رابعہ حیرت سے پلکیں جھپکا رہی تھی۔

نایاب نے کار ایک اور سڑک پر موڑ دی۔ بہت چوڑی سڑک تھی۔ کناروں پر پندرہ پندرہ فٹ چوڑی گرین بیلٹس تھیں۔ دبیز سرسبز گھاس کے علاوہ گرین بیلٹ پر پھولوں کے پودے بھی تھے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سرو کے پودے بھی۔ ان گرین بیلٹس کے بعد کشادہ سروس روڈز تھیں اور ان کے ساتھ بنگلے۔ بنگلوں کے سامنے بھی چھوٹے چھوٹے خوبصورت لان بنے ہوئے تھے۔ نایاب گاڑی کو گھما کر دائیں طرف والے سروس روڈ پر لے آئی اور پھر ایک جگہ اس نے گاڑی روک لی۔ بہت بڑا پلاٹ تھا جس پر بنی ہوئی کوٹھی جل چکی تھی۔ چند دیواروں کے علاوہ کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ اس جلے ہوئے کھنڈر کو دیکھ کر رابعہ کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ کوٹھی بھی آس پاس کی دوسری کوٹھیوں کی طرح بہت شاندار رہی ہوگی۔

"یہاں کیوں رک گئیں۔ یہ کس کی کوٹھی ہے؟" رابعہ نے پوچھا۔

"یہ وہ کوٹھی ہے جو میرے شوہر نے انتقال سے پہلے میرے نام ٹرانسفر کردی تھی۔ اس کے گھر والوں نے اس پر بھی میرا حق تسلیم نہیں کیا تھا۔ لیکن عدالت نے اس کار اور کوٹھی پر میرا حق تسلیم کرلیا۔ میرے سسرال والوں کو یہ بھی ناگوار گزرا اور اس کوٹھی کو جلا کر راکھ کر ڈالا۔ گزشتہ رات میں ڈیڈی سے اسی کے بارے میں باتیں کررہی تھی۔ ایک

آدمی کوٹھی کی دیکھ بھال کیلئے رکھا ہوا تھا جس کے بارے میں پولیس کا خیال ہے کہ اسے قتل کرکے لاش نہر میں پھینک دی گئی تھی۔" نایاب نے بتایا اور کار کا انجن بند کرکے نیچے اتر آئی۔

رابعہ بھی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی تھی۔ وہ دونوں کچھ دیر تک جلے ہوئے ملبے کا جائزہ لیتی رہیں پھر نایاب ساتھ والی کوٹھی کے گیٹ پر آگئی۔ آگ سے اس کوٹھی کا بھی کچھ حصہ متاثر ہوا تھا۔ کوٹھی کے گیٹ کے سامنے سٹول پر بیٹھا ہوا چوکیدار شروع ہی سے کار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر نایاب کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور نایاب کو سلام کیا۔

"نسرین باجی گھر پر ہیں یا نہیں؟" نایاب نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

"جی بیگم صاحبہ گھر پہ ہیں۔ آپ آیئے۔ میں بتاتا ہوں انہیں۔" چوکیدار نے گیٹ کا ذیلی دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں اس کے ساتھ گیٹ میں داخل ہوگئیں۔ برآمدے کی طرف چلتے ہوئے چوکیدار نایاب سے کوٹھی کی آتشزدگی پر افسوس کا اظہار کررہا تھا۔

وہ لوگ برآمدے میں پہنچے ہی تھے کہ جالی والا دروازہ کھلا اور نسرین باہر آگئی۔ نایاب کو دیکھ کر وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"ارے نایاب۔ کہاں چلی گئی تھیں تم۔۔۔" وہ نایاب سے لپٹ گئی۔ "تم نے اپنی کوٹھی دیکھی۔"

"ہاں نسرین باجی۔" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ نسرین اس سے تقریباً دس سال بڑی تھی۔ نایاب جب یہاں رہائش پذیر تھی تو اس کا زیادہ آنا جانا اسی کے ہاں تھا اور وہ اسے باجی کہا کرتی تھی۔

"کچھ پتہ چلا آگ کس نے لگائی تھی۔" نسرین بولی۔ "آؤ۔۔۔ اندر آؤ نا تم لوگ۔۔۔"

وہ نسرین کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آگئیں۔ نسرین نے ملازمہ کو چائے کیلئے کہہ دیا تھا۔

"پولیس ابھی تک کچھ معلوم نہیں کرسکی۔ البتہ دو دن پہلے نہر سے نثار کی لاش ملی ہے

جسے قتل کرکے لاش نہر میں پھینک دی گئی تھی۔" نایاب نے کہا۔

"ہائے اللہ۔ بیچارہ شار۔" نسرین متاسفانہ انداز میں ہاتھ ملنے لگی۔

"بہت اچھا لڑکا تھا۔ بیچارہ۔ شام کو اکثر گیٹ کے سامنے بیٹھا ہمارے چوکیدار سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ میں تو کبھی کبھی اسے بازار بھیج کر سودا بھی منگوا لیا کرتی تھی۔ لیکن اس سے کسی کو کیا دشمنی تھی۔ وہ تو بہت شریف لڑکا تھا۔"

"ان لوگوں کا اصل مقصد تو مجھے نقصان پہنچانا تھا۔ شار بھی اس کی لپیٹ میں آگیا۔" نایاب نے کہا۔ "ہوسکتا ہے شار نے انہیں دیکھ لیا ہو اور ان میں سے کسی کو پہچان لیا ہو۔ اس لئے وہ کوٹھی کو آگ لگا کر اسے بھی اٹھا لے گئے اور بعد میں قتل کرکے لاش نہر میں پھینک دی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "میں تو دراصل یہ پوچھنے آئی تھی کہ اگر آپ لوگوں کو اس سلسلے میں کچھ معلوم ہو تو۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ کے چوکیدار نے شاید کسی کو دیکھا ہو۔"

"پولیس نے لالہ کا بیان لیا تھا۔" نسرین نے جواب دیا۔ "اس نے پولیس کو کسی آدمی کا حلیہ بھی بتایا تھا۔ اب پتہ نہیں پولیس نے اس سلسلے میں کچھ کیا یا نہیں۔ میں لالہ کو بلاتی ہوں۔ اسی سے پوچھ لینا۔"

اسی دوران ملازمہ چائے لیکر آگئی۔ نسرین نے اس سے کہہ کر لالہ کو بلوا لیا۔

"لالہ کچھ یاد ہے اس رات کیا ہوا تھا؟" نایاب نے پوچھا۔

"رات کے دو بجے تھے جی! میں گیٹ کے اندر کی طرف بیٹھا اونگھ رہا تھا۔" لالہ نے بتانا شروع کیا۔ "کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر میں اٹھ گیا تھا۔ ویسے تو گاڑیوں کی آمدورفت رات بھر جاری رہتی ہے لیکن اس وقت نجانے میرے دل میں کیا خیال آیا۔ میں نے چھوٹا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ سفید رنگ کی وہ کار آپ کی کوٹھی کے گیٹ سے ذرا پیچھے رکی تھی۔ اسی وقت میں نے ایک آدمی کو کار سے اترتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ آدمی کار سے اتر کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ میں دروازہ بند کرکے اندر آگیا۔ اس کے تقریباً" آدھے گھنٹے بعد ایک چیخ اور فائر کی آواز سنائی دی تھی۔ میں نے باہر نکلنا چاہا تھا مگر اسی وقت دو تین فائر اور ہوئے اور پھر اچانک ہی آپ کی کوٹھی میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ آگ لگانے سے پہلے پٹرول چھڑکا گیا تھا۔ کیونکہ میں نے پٹرول کی بو محسوس کی تھی۔" لالہ چند لمحوں کو

خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "پانچ چھ منٹ تک فائرنگ ہوتی رہی۔ وہ جو کوئی بھی تھے ہوائی فائرنگ کررہے تھے۔ ان کا مقصد غالباً" یہ تھا کہ کوئی گھر سے باہر نہ نکلے۔ اس کے بعد کار سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی کار کے جانے کے بعد میں دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور شور مچا دیا۔ شور کی آواز سن کر لوگ گھروں سے باہر آگئے تھے۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب بھی اٹھ گئے تھے۔ کوٹھی میں آگ ایک دم بھڑک اٹھی تھی۔ غالباً" اندر اور باہر پٹرول اچھی طرح چھڑکا گیا تھا۔ آگ کے شعلے ساتھ والی کوٹھیوں تک پہنچ رہے تھے۔ سب نے فائر بریگیڈ کو فون کردیا۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے بعد پہنچی تھیں۔ اس وقت تک کوٹھی پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آچکی تھی۔ آگ پر قابو پانے میں دو گھنٹے لگے تھے لیکن اس وقت تک سب کچھ جل کر راکھ ہوچکا تھا۔ اگر آگ پر قابو نہ پایا جاتا تو ساتھ والی دونوں کوٹھیاں بھی جل کر راکھ ہوجاتیں۔"

"تم نے پولیس کو اس آدمی کا حلیہ بتایا تھا جسے تم نے کار سے اترتے ہوئے دیکھا تھا؟" نایاب نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"جی بی بی جی!" لالہ نے جواب دیا۔ "پولیس نے وہ حلیہ لکھ بھی لیا تھا۔"

"وہ آدمی کیسا تھا۔" نایاب نے پوچھا۔

"لمبا سا قد تھا جی اور بال پٹوں کی طرح تھے۔" لالہ نے کہا اور پھر پورا حلیہ بتانے لگا۔

لالہ اس آدمی کا حلیہ بتا رہا تھا اور نایاب کی آنکھوں میں چمک سی ابھرتی آرہی تھی۔ اس نے رابعہ کی طرف دیکھا۔ حلیہ سن کر اس کی آنکھوں میں بھی چمک ابھر آئی تھی۔

"وہی ہے۔" رابعہ بولی۔ "اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔"

"کون۔۔۔؟ کیا تم جانتی ہو اسے؟" نسرین نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں نسرین باجی۔" نایاب بولی۔ "اگر پولیس اس آدمی کو یہاں تلاش کررہی ہے تو وہ یقیناً" نہیں ملا ہوگا اور وہ یہاں ملے گا بھی نہیں۔"

"کیا مطلب۔ میں سمجھی نہیں۔" نسرین نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ آدمی اس شہر میں نہیں ہے۔" نایاب بولی۔ "بہرحال' ہمیں اب پولیس سے رابطہ

کرنا ہوگا۔ اب میں چلتی ہوں نسرین باجی۔ پھر آؤں گی۔"

وہ دونوں اٹھ گئیں۔ نسرین انہیں رخصت کرنے گیٹ تک آئی تھی۔

نسرین کے ہاں سے رخصت ہوکر نایاب سیدھا پولیس سٹیشن پہنچی تھی۔ تھانہ انچارج تو اس وقت موجود نہیں تھا البتہ وہ سب انسپکٹر موجود تھا جسے اس کیس کا تفتیشی آفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ نایاب نے اس سے اپنا تعارف کرایا اور اس کیس کے بارے میں دریافت کرنے لگی۔

"ماہرین کے معائنے کے بعد اور لوگوں کے بیانات سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ آگ اتفاقیہ طور پر نہیں لگی تھی بلکہ پٹرول چھڑک کر لگائی گئی تھی۔" سب انسپکٹر بتا رہا تھا۔ "وہ لوگ دیر تک فائرنگ کرتے رہے تھے تاکہ پڑوسیوں میں سے کوئی گھر سے باہر نہ نکل سکے۔ پہلے ہمارا شبہ تھا کہ آپ کا ملازم بھی اس میں شریک ہے لیکن تین دن پہلے نہر سے اس کی لاش ملی ہے جس سے یہ اندازہ ہوا ہے کہ اس نے ملزمان میں سے کسی کو پہچان لیا تھا اور وہ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے۔ بعد میں اسے قتل کرکے لاش نہر میں پھینک دی گئی۔ کیس نے اب نیا رخ اختیار کرلیا ہے۔ اس میں قتل بھی شامل ہوگیا ہے۔"

"ہمارے پڑوس والی کوٹھی میں رہنے والے ڈاکٹر عبدالوہاب کے چوکیدار نے ایک آدمی کو دیکھ لیا تھا اور اس نے آپ کو اس شخص کا حلیہ بھی بتایا تھا اس سلسلے میں۔۔۔۔"

"جی ہاں۔" سب انسپکٹر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس شخص کی تلاش جاری ہے۔ چند مشتبہ لوگوں کو حراست میں بھی لیا گیا تھا۔ لالہ کو کچھ ملزمان کی تصویریں بھی دکھائی گئی تھیں لیکن وہ ان میں نہیں ہے۔ اس کی تلاش جاری ہے۔"

"وہ شخص آپ کو اس شہر میں نہیں ملے گا۔" نایاب نے کہا۔

"کیا مطلب؟" سب انسپکٹر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"لالہ نے مجھے اس آدمی کو جو حلیہ بتایا ہے میں اسے پہچان گئی ہوں۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اس کا نام ملنگی ہے اور وہ قتل، اغوا، ڈکیتی اور آتشزنی کی دیگر وارداتوں میں بھی ملوث ہے اور اس وقت نور پور پولیس کی تحویل میں ہے۔ آپ چاہیں تو نور پور پولیس سے رابطہ کرکے اس کی تصدیق کرسکتے ہیں۔ شناخت کیلئے اس کی تصویر منگوا لیں یا اسے یہاں لے آئیں۔ یہ آپ کا مسئلہ ہے کہ اس کیلئے آپ کونسا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔"

"نور پور میں!" سب انسپکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کیا آپ اسے جانتی ہیں؟"

"جی ہاں۔" نایاب نے جواب دیا۔ ملنگی نامی یہ شخص میرے جیٹھ چودھری سعادت کا کارندہ ہے یا یوں کہئے کہ اس کا پروردہ بدمعاش ہے جس سے اس قسم کے کام لئے جاتے ہیں۔ گاؤں میں بھی وہ ایسے سنگین جرائم کا مرتکب ہوا ہے جس پر دو روز پہلے پولیس نے اسے حراست میں لے لیا ہے۔ جن دنوں میری کوٹھی کو آگ لگائی گئی ان دنوں میں گاؤں میں تھی اور مجھے یقین ہے کہ میری کوٹھی کو آگ لگانے کیلئے ملنگی نامی اس شخص کو خاص طور پر یہاں لایا گیا ہوگا۔ اپنا کام کرنے کے بعد وہ گاؤں واپس چلا گیا۔ اس لئے پولیس شہر میں اسے تلاش نہیں کرسکی۔ اس کیلئے آپ کو نور پور پولیس سے رابطہ کرنا ہوگا۔"

"ایس ایچ او صاحب آتے ہیں تو ان سے بات کرتا ہوں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "بہرحال، آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ لوگ تعاون کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ جرائم پیشہ قانون کی گرفت میں نہ آسکیں۔"

"عوام تو تعاون کرتے ہیں۔ کارکردگی تو آپ کو دکھانی ہے۔" نایاب کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

تھانے سے نکل کر وہ گاڑی کو شہر کی سڑکوں پر دوڑاتی ہوئی ایک اور پوش علاقے میں آگئی۔ یہاں بھی بڑی بڑی اور عالیشان کوٹھیاں تھیں۔ نایاب نے ایک جگہ گاڑی روک لی اور سڑک کے دوسری طرف ایک کوٹھی کی طرف دیکھنے لگی۔

"وہ کوٹھی دیکھ رہی ہو۔ نیلے گیٹ والی۔" اس نے اشارہ کرتے ہوئے رابعہ سے کہا۔ "یہ کوٹھی بھی چودھری کی ہے۔ سعادت نے گاؤں میں یہ کہہ رکھا ہے وہ شہر گیا ہوا ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ وہ شہر آیا بھی ہے یا نہیں۔"

"یہ کیسے معلوم ہوگا؟" رابعہ نے پوچھا۔

"کوٹھی کے کسی ملازم سے۔" نایاب نے کہا اور کار آگے بڑھا دی۔ ایک مختصر سا چکر کاٹ کر وہ سڑک کے دوسری طرف آگئی اور کار کو اس کوٹھی کے سامنے روک دیا اور انجن بند کرتے ہوئے بولی۔ "تم گاڑی میں بیٹھی رہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

نایاب کار سے اتر کر کوٹھی کے گیٹ کے سامنے پہنچ گئی۔ گیٹ بند تھا۔ اس نے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ ذیلی دروازہ کھلنے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ دروازہ کھولنے

والا اسے دیکھ کر کچھ پریشان سا ہوگیا۔ وہ بھی چودھریوں کا ملازم تھا اور گاؤں ہی سے آیا ہوا تھا۔ نایاب اسے پہچانتی تو تھی لیکن نام سے واقف نہیں تھی۔

"چھوٹی بی بی! آپ یہاں' خیریت!" اس نے حیرت سے نایاب کی طرف دیکھا۔

"سعادت سے ملنا ہے۔ اسے جاکر بتاؤ میں آئی ہوں۔" نایاب نے کہا۔

"چودھری جی تو یہاں نہیں ہیں جی۔" ملازم نے جواب دیا۔ "وہ تو گاؤں میں ہی ہیں۔ کئی دنوں سے شہر نہیں آئے۔ آپ کب آئی ہیں جی! شاید گاؤں میں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔"

"گاؤں میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ خیر۔ ٹھیک ہے۔" نایاب گاڑی کی طرف واپس آگئی۔ اس نے سیٹ پر بیٹھ کر انجن سٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھادی۔ کوٹھی کا ملازم گیٹ پر کھڑا حیرت سے گاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو وہ ہے چاچا خیرے کا بیٹا دلا۔" رابعہ نے کہا۔ "یہ بھی بڑا کمینہ آدمی ہے۔ ایک دفعہ ماسی حمیدہ نے اسے گاؤں کے چوک پر جوتوں سے پیٹ دیا تھا۔ اس کی بیٹی کو چھیڑا تھا اس نے۔"

"میں نے اسے پہچان تو لیا مگر نام نہیں جانتی تھی۔" نایاب نے کہا۔ "ویسے چودھری سعادت کے بارے میں میرا شبہ درست نکلا۔"

"کیسا شبہ؟" رابعہ نے پوچھا۔

"وہ شہر میں نہیں ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "یہ تو ملنگی نے بھی بتا دیا تھا کہ تمہارے اغوا کا منصوبہ اسی نے بنایا تھا اور مجھے شبہ تھا کہ شہر جانے کے بہانے وہ آس پاس کی کسی بستی میں موجود ہے۔ پروگرام کے مطابق اسے اسی ریسٹ ہاؤس میں پہنچنا تھا جہاں تمہیں لے جایا گیا تھا۔ لیکن اسے پتہ چل گیا ہوگا کہ چاچا نواب دین کو قتل کرکے گھر بھی نذر آتش کردیا گیا ہے۔ اس لئے وہ وہاں آیا ہی نہیں۔ اگر میں تمہیں وہاں سے نکال کر نہ لے آتی تو ملنگی اور اس کے ساتھی اپنی ہوس پوری کرکے تمہیں بھی قتل کردیتے۔"

"شاید وہ یہی کرتے۔" رابعہ کانپ اٹھی۔

کار مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی شہر کے ایک بارونق علاقے میں آگئی۔ کشادہ سڑک کے دونوں طرف اونچی اونچی عمارتیں تھیں۔ نایاب نے ایک پارکنگ ایریا میں گاڑی روک لی اور وہ دونوں نیچے اتر آئیں۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد وہ رابعہ کو لے کر ایک ایئر

کنڈیشنڈ ریسٹورنٹ میں داخل ہوگئی۔

"یہ کونسی جگہ ہے نایاب۔ تم مجھے کہاں لے آئی ہو۔" رابعہ حیرت سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ مناسب فاصلوں پر میزیں بچھی ہوئی تھیں۔ چند میزوں پر کچھ لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

"یہ ریسٹورنٹ ہے۔ ہم یہاں کھانا کھائیں گے۔ تین بج رہے ہیں اور بھوک لگ رہی ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔

ان کے اندر داخل ہوتے ہی سفید ڈریس میں ملبوس ایک ادھیڑ عمر ویٹر ان کے قریب آگیا۔ اس نے نایاب کو سلام کیا اور رہنمائی کرتا ہوا ایک میز پر لے گیا۔ نایاب اس ریسٹورنٹ میں اکثر آتی رہتی تھی۔ مینجر اور سٹاف اسے پہچانتا تھا۔ ان کے بیٹھنے کے بعد ویٹر نے مینو کی ایک ایک کاپی ان کے سامنے رکھ دی۔

"یہ کتاب ہمیں کیوں دے رہا ہے۔ کچھ پڑھنا پڑے گا ہمیں۔" رابعہ بولی۔

"یہ مینو ہے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کھانوں کی فہرست۔ کیا کھاؤ گی تم۔۔۔؟"

"کئی کی روٹی اور ساگ مل جائے گا یہاں۔" رابعہ بولی۔

"یہ چیزیں صرف گاؤں میں ملتی ہیں۔ اچھا میں منگواتی ہوں تمہارے لئے بھی۔" نایاب مینو دیکھنے لگی۔ اس نے ویٹر کو ایسے کھانے نوٹ کروا دیئے جو رابعہ بھی بے تکلفی سے کھا سکے۔

تقریباً" بیس منٹ بعد ان کی میز پر کھانا سرد کیا گیا۔ رابعہ کھانا کھاتے ہوئے جھجک سی رہی تھی۔ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا اس کیلئے عجوبہ نہیں تھا لیکن اس طرح کسی ہوٹل میں آنا اس کیلئے واقعی عجوبہ تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عورتیں بھی ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھاتی ہیں۔

"اطمینان اور بے تکلفی سے کھاؤ۔" نایاب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر جھجک اور تکلف سے کام لوگی تو بھوکی رہ جاؤ گی۔"

رابعہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ کھانا کھانے لگی۔

جب وہ ریسٹورنٹ سے باہر نکلیں تو چار بج رہے تھے۔ رابعہ کا خیال تھا کہ اب وہ

کاری کی طرف جائیں گی۔ لیکن نایاب مخالف سمت میں جارہی تھی۔ رابعہ اب تک صرف نورپور تک جاتی رہی تھی۔ بڑے شہر میں آنے کا اس کا پہلا موقع تھا۔ بلند و بالا عمارتیں دیکھ کر اس کی حیرت دوچند ہوگئی تھی۔ نایاب اسے لے کر ایک عمارت میں داخل ہوگئی اور پھر لفٹ میں داخل ہوکر اس نے بٹن دبا دیا۔ رابعہ کو بہت ہلکا سا جھٹکا لگا تھا لیکن بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ لفٹ رکی۔ آٹو میٹک دروازہ کھل گیا اور وہ دونوں باہر نکل آئیں۔

"بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" رابعہ بولی۔ "تم اس چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئیں اور پھر باہر نکل آئیں۔"

"آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔ بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔" نایاب اسے لیکر راہداری کے آخری سرے پر آگئی اور بہت بڑی کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "یہاں سے جھانک کر باہر دیکھو۔ بات سمجھ میں آجائے گی۔"

رابعہ نے آگے بڑھ کر باہر جھانکا اور اس کے ساتھ ہی اسے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ بہت نیچے سڑک پر چلتی ہوئی گاڑیاں کھلونوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔

"ہم اس وقت پندرہویں منزل پر ہیں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ "وہ چھوٹا سا کمرہ جس میں ہم داخل ہوکر باہر نکلے تھے' لفٹ کہلاتا ہے۔ اسی نے ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے۔ یہ سب کچھ تمہارے لئے حیرت انگیز ضرور ہے۔ چند روز شہر میں رہو گی تو ایسی چیزوں کی عادی ہوجاؤ گی۔ آؤ--- میرے ساتھ آؤ۔"

یہ لفٹ رابعہ کے لئے واقعی حیرت انگیز ثابت ہوئی تھی جس نے دو منٹ سے بھی کم وقت میں انہیں پندرہویں منزل پر پہنچا دیا تھا۔

دو تین کشادہ راہداریوں میں گھوم کر نایاب ایک کمرے میں داخل ہوگئی۔ یہ شہر کے مشہور آرکیٹکٹ صدیقی کا دفتر تھا۔ صدیقی نایاب کے والد ارشاد صاحب کا دوست بھی تھا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے نایاب کا استقبال کیا تھا۔

"تم تو گاؤں گئی ہوئی تھیں۔ کب واپس آئیں؟" صدیقی نے پوچھا۔

"کل آئی ہوں۔ نایاب نے جواب دیا۔ "ایک کام تھا۔ سوچا سب سے پہلے آپ ہی

سے مل لوں۔"

"کہو--- کیا کام ہے؟" صدیقی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

نایاب نے بیگ میں سے کاغذ کا ایک پرزہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ اس پلاٹ کا رقبہ ہے۔ ایسٹ فیسنگ ہے۔ آپ کو ڈبل سٹوری مکان کا نقشہ تیار کرنا ہے۔"

"یہ پلاٹ کہاں پر ہے۔ اس کے آس پاس کی آبادی کیسی ہے؟" صدیقی نے پوچھا۔

"پلاٹ گاؤں میں ہے۔ دائیں بائیں بیک پر کچے مکان ہیں۔ آپ تصور کرلیں کہ کسی گاؤں میں کیسے مکان ہوسکتے ہیں۔ لیکن آپ جو نقشہ بنائیں گے وہ ماڈرن ہونا چاہئے۔ ڈبل سٹوری۔"

"اور یہ نقشہ چاہئے کب؟" صدیقی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ یہاں رہوں گی اور میری خواہش ہے کہ جب میں جاؤں تو یہ نقشہ میرے بیگ میں ہو اور آپ کا ایک اسسٹنٹ میرے ساتھ جو وہاں پہنچتے ہی اپنی نگرانی میں کام شروع کرادے۔"

"لگتا ہے تم مہلت کے لئے میرا کوئی عذر قبول نہیں کرو گی۔" صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرحال جانے سے دو دن پہلے مجھے فون کردینا۔"

"جی بہتر۔" نایاب اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"ارے بیٹھو تو سہی۔ چائے یا ٹھنڈا---"

"اس وقت کچھ نہیں انکل!" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جب نقشہ لینے آؤں گی تو چائے ضرور پیوں گی۔"

وہ دفتر سے باہر آگئیں۔ اس بلڈنگ میں واقع دفاتر میں چھٹی ہورہی تھی اور راہداری میں رش تھا۔ اگرچہ چار لفٹیں تھیں مگر انہیں اپنی باری کے لئے تقریباً دس منٹ انتظار کرنا پڑا تھا۔

اس عمارت سے باہر آنے کے بعد نایاب نے رابعہ کے ساتھ گھوم پھر کر تھوڑی سی شاپنگ کی اور پھر وہ گھر واپس آگئیں۔ جب ان کی گاڑی کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہوئی تو سورج ڈھل رہا تھا۔ نایاب کے ڈیڈی لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نایاب اور رابعہ بھی گاڑی

سے اتر کر وہیں آگئیں۔

"صغریٰ نے بتایا تھا تم لوگ بارہ بجے گھر سے نکلی تھیں۔ کہاں گھومتی رہیں اتنی دیر۔" ارشاد صاحب نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اتنی دیر گھر سے باہر ضرور رہی ہیں ڈیڈی لیکن ہم نے کچھ کام بھی کیا ہے۔" نایاب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مثلاً؟" ارشاد صاحب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہم نے اس شخص کا پتہ چلا لیا ہے جس نے کوٹھی کو آگ لگائی تھی اور نثار کو بھی وہی اٹھا کر لے گیا تھا۔" نایاب نے کہا۔

"کیا واقعی؟" ارشاد صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔ "یعنی جو کام پولیس اتنے روز میں نہیں کر سکی وہ تم نے چٹکی بجاتے میں کر لیا۔"

"آپ کی دعا سے۔" نایاب مسکرائی۔ "آپ کو یاد ہوگا کہ میری کوٹھی کے پڑوس میں رہنے والے ڈاکٹر عبدالوہاب کے چوکیدار نے پولیس کو بیان دیا تھا کہ اس نے کار میں آنے والے آدمیوں میں سے ایک کو دیکھ لیا تھا جنہوں نے کوٹھی کو آگ لگائی تھی۔ اس نے پولیس کو اس آدمی کا حلیہ بھی بتایا تھا۔"

"ہاں مجھے یاد ہے۔" ارشاد صاحب نے کہا۔ "میں دو دن پہلے ہی پولیس آفیسر سے ملا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ پورے شہر میں اس آدمی کو تلاش کر رہے ہیں لیکن ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔"

"جی ہاں۔ آج یہی بات پولیس نے مجھے بھی بتائی تھی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "وہ آدمی تو اس شہر میں ہے ہی نہیں۔ پولیس کو کیسے ملے گا۔"

"کیا مطلب؟" ارشاد صاحب نے اسے گھورا۔

"میں آج اپنی کوٹھی بلکہ اس کا جلا ہوا کھنڈر دیکھنے گئی تھی۔" نایاب نے کہا۔ "ڈاکٹر عبدالوہاب کے ہاں بھی چلی گئی۔ وہیں نسرین باجی سے باتیں کرتے ہوئے چوکیدار سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس نے ایک آدمی کو دیکھ لیا تھا اور پولیس کو اس کا حلیہ بھی بتا دیا تھا اور جب مجھے لالہ نے وہ حلیہ بتایا تو میں چونک گئی۔ اس آدمی کا نام ملنگی ہے اور وہ چودھری سعادت کا پروردہ غنڈہ ہے۔ رابعہ کے گھر کو جلانے' اس کے باپ کو قتل کرنے اور

اسے اغوا کرنے میں بھی اسی کا ہاتھ تھا۔ وہ تین دن پہلے پکڑا گیا تھا اور نورپور پولیس کے سامنے اعتراف کر لیا تھا کہ یہ منصوبہ چودھری نے بنایا تھا۔ میں نے اپنے کیس کے تفتیشی آفیسر کو اس کے بارے میں بتا دیا ہے۔ میرا خیال ہے وہ ایک دو دن میں نورپور پولیس سے رابطہ کریں گے اور اس کے علاوہ ایک اور خاص بات بھی معلوم ہوئی ہے۔"

"وہ کیا؟" ارشاد صاحب نے پوچھا۔

"رابعہ کے اغوا کا منصوبہ چودھری سعادت نے کئی روز پہلے بنایا تھا اور وہ خود گاؤں سے چلا گیا تھا تاکہ رابعہ کے اغوا کے وقت گاؤں میں اس کی موجودگی ثابت نہ ہو سکے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ شہر جا رہا ہے۔ لیکن مجھے شبہ تھا کہ وہ شہر نہیں گیا اور آج اس کی تصدیق ہو گئی ہے کہ وہ مہینے بھر سے شہر آیا ہی نہیں۔" نایاب نے بتایا۔

"وہ کیسے؟" ارشاد صاحب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں سعادت کی کوٹھی پر گئی تھی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اس کے ملازم دلا نے بتایا کہ سعادت تو ایک مہینے سے شہر نہیں آیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "اب صورت حال یہ ہے کہ چودھری سعادت کے چاروں طرف قانون کا جال مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ وہ لاکھ جتن کرلے' اس جال سے نہیں نکل سکتا۔"

"وہ اس جال سے بچنے کیلئے دوسرے طریقے بھی اختیار کر سکتا ہے۔" ارشاد صاحب نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے صرف تین دن بعد تمہارے مقدمے کی پیشی ہے۔ تمہارے آنے سے ایک روز پہلے میں نے تمہارے وکیل سے ملاقات کی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ اس پیشی پر تمام عدالتی کارروائی مکمل ہو جائے گی اور اگلی پیشی پر فیصلہ سنا دیا جائے گا۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس پیشی پر عدالت میں تمہاری موجودگی ضروری ہے۔"

"جی ہاں۔ مجھے معلوم ہے اسی لیے میں گاؤں سے آئی ہوں۔" نایاب نے کہا۔

"میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس موقع پر تمہیں ذرا محتاط رہنا چاہئے۔ تمہیں عدالت سے دور رکھنے کے لئے سعادت کچھ بھی کر سکتا ہے۔" ارشاد صاحب نے کہا۔

"میں جانتی ہوں ڈیڈی۔" نایاب نے کہا۔ "لیکن آپ مطمئن رہئے۔ یہ گاؤں نہیں ہے جہاں سعادت اپنی من مانی کرتا پھرے گا۔ یہاں کوئی کارروائی کرنے سے پہلے اسے ہزار بار سوچنا پڑے گا۔"

برا تو ہر جگہ برا ہی ہوتا ہے۔" ارشاد صاحب نے کہا۔ "اس کے پاس پیسہ ہے اور وہ پیسے کے زور پر کچھ بھی کرسکتا ہے۔ کرائے کے غنڈے تو کہیں بھی مل جاتے ہیں۔ بہرحال کل صبح میں ڈی آئی جی سے بات کروں گا تاکہ تمہاری حفاظت کا کوئی مناسب بندوبست ہوسکے۔"

نایاب کچھ کہنا چاہتی تھی کہ صغریٰ ان کے لئے چائے لیکر آگئی۔

چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے گفتگو کا موضوع بھی بدل گیا۔ اب نایاب اور رابعہ ارشاد صاحب کو گاؤں کی باتیں سنا رہی تھیں۔ پراسرار واقعات کا تذکرہ ایک بار پھر چل نکلا۔ پھر نایاب اچانک ہی بات بدلتی ہوئی بولی۔

"ڈیڈی۔ آپ کی ریٹائرمنٹ میں شاید ایک سال باقی رہ گیا ہے۔ میں نے تو اب ہمیشہ کیلئے گاؤں میں رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ بھی گاؤں ہی سیٹل ہوجائیں۔ مجھے تو گاؤں بڑا اچھا لگتا ہے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ' کھلی اور تازہ ہوا۔ تازہ سبزیاں اور پھل اور اپنے سامنے پسا ہوا گندم کا خالص آٹا۔ ہر چیز خالص۔ پیار بھی' خلوص بھی اور چاہت بھی۔ کتنے معصوم اور سادہ لوح لوگ ہیں۔ اگر خدا مجھے دس زندگیاں دے تو میں گاؤں ہی میں رہنا پسند کروں گی۔"

"شاید تم بھول گئی ہو کہ گاؤں میں چودھری سعادت جیسے لوگ بھی رہتے ہیں۔" ارشاد صاحب نے کہا۔

"برے لوگ تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔" نایاب نے جواب دیا۔ "لیکن اگر شروع ہی میں ایسے لوگوں کو کچل دیا جائے تو برائی کو پنپنے کا موقع نہیں ملتا۔"

"لیکن تم گاؤں میں کرو گی کیا؟" ارشاد صاحب مسکرائے۔ "تمہارا منصوبہ تو یہ ہے کہ چودھریوں کی جائیداد سے اپنا حصہ لینے کے بعد وہ زمین غریب کسانوں میں بانٹ دو گی۔ تمہارے پاس کیا رہے گا؟"

"سوچا تو میں نے یہی ہے اور انشاء اللہ کروں گی بھی ایسا ہی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "رہی میری اپنی بات تو میرے پاس ہمیں ہے' حوصلہ ہے۔ گاؤں والوں کا خلوص ہے پیار ہے۔ جس کے پاس یہ سب کچھ ہو اسے کسی اور چیز کی ضرورت ہی کب رہتی ہے اور پھر آپ اس خزانے کو بھول گئے ہیں جس کا گزشتہ رات میں نے ذکر کیا تھا۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ وہ خزانہ۔۔۔"

"میں نے ٹھیک کہا تھا ڈیڈی۔" نایاب نے ان کی بات کاٹ دی۔ "وہ خزانہ اگرچہ ناگن شیلتا نے مجھے انعام میں دیا تھا لیکن میں اسے ذاتی استعمال میں نہیں لاؤں گی۔ میں وہاں اور منصوبوں پر کام کروں گی اور ان منصوبوں میں ایک سکول بھی شامل ہوگا۔ گاؤں کے لوگوں کو تعلیم دوں گی۔ یہ لوگ جو صدیوں سے وڈیروں اور زمینداروں کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں' انہیں ناخواندگی کے اندھیروں سے نکال کر زیور تعلیم سے آراستہ کروں گی تاکہ ان میں شعور پیدا ہو اور وہ۔۔۔"

"بس۔۔۔ بس۔۔۔ بس۔۔۔۔" ارشاد صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ "تم گاؤں والوں کے لئے وہ سب کچھ کرنا چاہتی ہو جس کے وعدے ہر نئی حکومت کرتی ہے۔ ووٹ لینے سے پہلے ان معصوم لوگوں کے سامنے ایسی ہی باتیں کی جاتی ہیں۔ الیکشن کے دنوں میں ہر طرف سے ایسی ہی آوازیں کانوں میں پڑتی ہیں جنہیں سن کر یہ خوشگوار احساس ہوتا ہے کہ اب ہمارے سارے دکھ دور ہوجائیں گے۔ ملک میں امن و امان ہوگا۔ خوشحالی ہوگی۔ کوئی غریب رات کو بھوکا نہیں سوئے گا۔ کوئی بچہ تعلیم سے محروم نہیں رہے گا۔ غریبوں کے علاج کے لئے ڈاکٹر ان کے گھروں پر جائیں گے۔ مہنگائی' جس نے غریب عوام کی کمر توڑ رکھی ہے' خود دم توڑ دے گی۔ لیکن الیکشن کے بعد کیا ہوتا ہے' یہ ہم پچاس سال سے دیکھ رہے ہیں۔ الیکشن جیتنے والے تو دولت کے انبار لگانا شروع کردیتے ہیں اور غریب' غریب تر ہوجاتے ہیں اور ان وعدوں کو یاد کرکے ٹھنڈی آہیں بھرتے رہتے ہیں۔"

"ڈیڈی!" نایاب نے ان کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "چونکہ مجھے ووٹ کی ضرورت نہیں ہے اس لئے میں جو وعدہ کروں گی وہ پورا کروں گی۔ میں اس گاؤں کو اور اس علاقے کی ساری بستیوں کو مثالی بستیاں بناؤں گی اور میں اکیلی نہیں ہوں گی۔ میرے ساتھ تمام گاؤں والے ہوں گے۔"

"بیٹی! میری تو دعا ہے تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔" ارشاد صاحب نے کہا۔

"آمین۔" رابعہ نے دعا کیلئے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

"کل آپ کو دفتر کے بعد تو کوئی ضروری کام نہیں ہے۔" نایاب نے پوچھا۔

"نہیں ایسا تو کوئی کام نہیں لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"وہ دراصل میں چاہتی ہوں کہ کسی قابل اعتماد جوہری کو ہیرے دکھا کر سودا کرلیا جائے تاکہ مجھے اپنے منصوبوں پر عمل شروع کرنے کیلئے راستہ مل سکے۔" نایاب نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ارشاد صاحب نے کہا۔ "کل میں دفتر سے سیدھا گھر آجاؤں گا۔ تم لوگ تیار رہنا۔ ہم بازار چلے چلیں گے۔ میں دو چار ایسے جوہریوں کو جانتا ہوں جن کے پاس عرب ریاستوں کے شیخ آتے رہتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہیں نہ کہیں بات بن جائے گی۔"

وہ دیر تک وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور نو بجے کے قریب جب صغریٰ نے بتایا کہ کھانا تیار ہوگیا ہے تو وہ لان سے اٹھ کر اندر آگئے۔

کھانے کے بعد نایاب نے لاؤنج میں رکھا ہوا ٹی وی کھول دیا۔ رابعہ بھی وہیں بیٹھ گئی۔ ارشاد صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے۔

ٹی وی پر فلم آرہی تھی۔ رابعہ بڑی دلچسپی سے فلم دیکھ رہی تھی۔

ایک بجے کے قریب فلم ختم ہوئی۔ رابعہ اور نایاب اس کے بعد بھی دیر تک لاؤنج ہی میں بیٹھی باتیں کرتی رہیں اور جب نایاب کو جمائیاں آنے لگیں تو وہ دونوں اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

اگلے روز جوہریوں کی دو تین دوکانوں پر گھومنے کے بعد ایک جوہری سے پانچ ہیروں کا دس لاکھ میں سودا ہوگیا۔ اس نے ایک دن بعد ادائیگی کا وعدہ کیا تھا اور پھر اس سے اگلے دن نایاب نے ہیرے اس کے حوالے کرکے رقم وصول کرلی۔ جوہری نے باقی ہیرے بھی ایک ہفتے بعد خرید لینے کا وعدہ کیا تھا۔

دوسرے دن ہائیکورٹ میں پیشی تھی۔ رابعہ کو گھر پر ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ نایاب اپنے ڈیڈی کے ساتھ ہائیکورٹ جانے کیلئے روانہ ہوگئی۔

کار ہائیکورٹ والی سڑک پر مڑی ہی تھی کہ پیچھے سے آنے والی ایک کار نے تیزی سے آگے نکل کر ان کا راستہ روک لیا۔ نایاب نے بڑی پھرتی سے بریک لگا کر اپنی کار روک لی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکتی آگے کھڑی ہوئی کار کے دونوں طرف کے دروازے کھلے اور دو آدمی بڑی تیزی سے نیچے اترے۔ ان کے چہروں پر نقاب چڑھے ہوئے تھے۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں آٹو میٹک رائفلیں تھیں۔ وہ دونوں بڑی پھرتی سے آگے بڑھے اور انہوں نے کار میں بیٹھی ہوئی نایاب اور ارشاد صاحب پر رائفلیں تان لیں۔

نایاب کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ ارشاد صاحب کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگیں۔ وہ خوفزدہ سہمی سہمی سی نظروں سے سامنے کھڑے ہوئے نقاب پوشوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

○

سولہویں قسط

وہ دونوں نقاب پوش رائفلیں تانے ایک لمحے کو کار کے سامنے رکے اور پھر بڑی پھرتی سے ان میں سے ایک کار کے دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف آگیا۔ ایک کی رائفل کا رخ نایاب کی طرف تھا اور دوسرے کی رائفل نے ارشاد صاحب کو زد پر لے رکھا تھا۔ جو شخص نایاب کی طرف آیا تھا اس کے چہرے پر گہرے نیلے رنگ کا کپڑا تھا' جس پر سفید پولکا ڈاٹس تھے' بندھا ہوا تھا۔ وہ کار کی کھڑکی سے تین فٹ کے فاصلے پر تھا۔ رائفل کا رخ نایاب کی طرف اور انگلی ٹرائیگر پر تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ نایاب ایک بے خوف' نڈر اور حوصلہ مند لڑکی تھی لیکن موت کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کی حالت بھی غیر ہوگئی تھی۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی اور ٹانگیں ہولے ہولے کانپنے لگی تھیں۔ موت چند فٹ کے فاصلے پر سامنے کھڑی تھی اور بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے کار سے اتر کر بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔

ارشاد صاحب کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ موت اس طرح جھپٹ پڑنے کو تیار کھڑی ہو تو بڑے بڑوں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں۔ وہ سیدھے سادے آدمی تھے۔ صلح جو اور امن پسند۔ لڑائی جھگڑوں سے ہمیشہ دور رہے تھے اور اب ایک نقاب پوش ان پر رائفل تانے کھڑا تھا۔ ان کی زندگی اور موت کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ تھا۔ اس شخص کی انگلی کی معمولی سی حرکت ان کی زندگی کا خاتمہ کر سکتی تھی۔

ان دونوں کاروں کو اس طرح رکتے دیکھ کر ایک دو راہ گیر بھی اس طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ ایک راہ گیر نے دو آدمیوں کو رائفلیں لئے کار سے اترتے دیکھ لیا اور جب وہ نقاب پوش دوسری کار میں بیٹھے ہوئے نایاب اور ارشاد صاحب پر رائفلیں تان کر کھڑے ہوگئے تو وہ شخص چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے آگے والی کار کی طرف دیکھا۔

ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ رکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں بھی آٹومیٹک رائفل تھی۔ ان دونوں کے چہروں پر بھی نقاب بندھے ہوئے تھے۔

یہ صورتحال دیکھ کر وہ راہ گیر فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑی ہوئی ایک کار کی آڑ میں کھڑے ہو کر شور مچانے لگا۔

وہ دونوں نقاب پوش' جنہوں نے نایاب اور ارشاد صاحب کو رائفلوں کی زد پر لے رکھا تھا' چونک گئے۔ کار میں بیٹھے ہوئے نقاب پوش نے صورتحال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اپنی رائفل کی نال کھڑکی سے باہر نکال لی اور اس طرف متوجہ ہونے والے لوگوں کو ہراساں کرنے کے لئے ہوائی فائرنگ کرنے لگا۔

نایاب اور ارشاد صاحب کی کار کو گھیرے ہوئے دونوں نقاب پوشوں نے بھی اپنی اپنی رائفلوں کے ٹرائیگر دبا دیئے۔ نایاب چیختے ہوئے نیچے جھک گئی۔ اس کا خیال تھا کہ رائفل سے نکلنے والی گولیاں اس کا جسم چھلنی کر دیں گی۔ ارشاد صاحب بھی چیختے ہوئے نیچے جھک گئے تھے۔

ایک سیکنڈ گزر گیا۔ دو سیکنڈ گزر گئے۔ لیکن نایاب کا جسم گولیوں سے چھلنی نہیں ہوا۔ فائرنگ کی آواز اس کی سماعت سے نہیں ٹکرائی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا۔ اس کی طرف کھڑا ہوا نقاب پوش بار بار ٹرائیگر دبا رہا تھا لیکن فائر نہیں ہو رہا تھا۔ دوسری طرف کھڑا ہوا نقاب پوش بھی ایسی ہی صورت حال سے دوچار تھا۔

"فائر کرو..... اڑا دو انہیں۔ دیکھ کیا رہے ہو؟" اگلی کار میں بیٹھا ہوا نقاب پوش چیخ اٹھا اور پھر وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اس نے ایک ہوائی برسٹ مارا اور پھر اپنی رائفل کا رخ نایاب کی طرف کرکے ٹرائیگر دبا دیا۔

لیکن اس مرتبہ رائفل سے کوئی گولی نہیں نکلی۔ ٹرائیگر پوری طرح نہیں دبا تھا۔ وہ شخص ٹرائیگر کو پوری قوت سے دبانے لگا۔ لیکن ٹرائیگر جیسے جام ہو کر رہ گیا تھا۔

نایاب کی کار کے دونوں طرف کھڑے ہوئے نقاب پوش بار بار ٹرائیگر دبانے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے رائفلوں کو جھٹکے بھی دیئے۔ نیلے نقاب والے نے بڑی پھرتی سے رائفل کا میگزین نکال کر دوبارہ فٹ کیا اور ایک بار پھر نایاب کو زد پر لے کر ٹرائیگر دبانے لگا لیکن ٹرائیگر نہیں دبا اور رائفل سے کوئی گولی نہیں نکلی۔ اس شخص کی

آنکھوں میں الجھن کے تاثرات نمایاں طور پر نظر آرہے تھے۔ اس نے رائفل کو دو تین جھٹکے دیئے لیکن رائفل چل کر نہیں دی۔ دوسرے نقاب پوش بھی ایسی صورت حال سے دوچار تھے۔

فٹ پاتھ کے قریب کار کی آڑ میں کھڑا ہوا راہ گیر مسلسل شور مچا رہا تھا۔ ہوائی فائرنگ سے ٹریفک رک گیا تھا اور لوگ کاروں سے اتر کر محفوظ مقامات کی طرف بھاگ رہے تھے۔ عجیب بھگدڑ سی مچ گئی تھی اور کہیں سے پولیس کے سائرن کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔

"کمبرے بھاگو۔" یہ چیختی ہوئی آواز اس نقاب پوش کی تھی جو بعد میں اگلی کار سے اترا تھا اور کچھ دیر پہلے ہوائی فائرنگ کرتا رہا تھا۔

تینوں نقاب پوش دوڑ کر اگلی کار میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیور فوراً ہی کار کو حرکت میں لے آیا۔ تینوں نقاب پوش رائفلیں کھڑکیوں سے باہر نکال کر ہوائی فائرنگ کرنے لگے۔ اس مرتبہ ٹرائیگر جام نہیں ہوئے تھے۔ تینوں رائفلیں تڑتڑ گولیاں اگل رہی تھی۔ وہ کار ایک زور دار جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

یہ سب کچھ صرف چند سیکنڈ میں ہوگیا تھا۔ نقاب پوشوں کی کار کافی آگے جاچکی تھی۔ پولیس کی ایک موبائل وین بھی وہاں پہنچ گئی۔ وہ صرف ایک لمحہ کو وہاں رکی۔ دو پولیس والے رائفلیں سنبھالے نیچے اتر آئے اور موبائل تیز رفتاری سے اس کار کے تعاقب میں روانہ ہوگئی۔

نایاب کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اسٹیرنگ پر رکھ کر سر جھکا لیا۔ اس کے دل کی دھڑکن خوفناک حد تک تیز ہو رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور اپنی کیفیت پر قابو پانے کے لئے لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ ارشاد صاحب کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں تھی۔

فٹ پاتھ کے قریب کار کی آڑ میں کھڑا ہوا وہ شخص، جس نے نقاب پوشوں کو دیکھ کر شور مچا دیا تھا، دوڑ کر نایاب کی کار کے قریب آگیا۔

"میڈم۔ آپ ٹھیک ہیں نا....." اس نے کھڑکی پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

نایاب نے اسٹیرنگ پر جھکا ہوا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی حد تک اپنی

کیفیت پر قابو پا چکی تھی۔ اس نے اس شخص کو پہچان لیا تھا جس نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر شور مچا دیا تھا۔

"ہاں بھیا۔ میں ٹھیک ہوں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔" نایاب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

کچھ دوسرے لوگ بھی کار کے گرد جمع ہونا شروع ہوگئے تھے۔ دونوں پولیس والے بھی وہاں پہنچ گئے اور لوگوں کو ادھر ادھر ہٹانے لگے۔ وہ سمجھے تھے کہ شاید اس کار میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر فائرنگ ہوئی تھی۔ لیکن یہاں خیریت دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"آپ ٹھیک ہیں صاحب!" ایک پولیس والا، جو ہیڈ کانسٹیبل تھا، ارشاد صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

فائرنگ کس پر کی گئی تھی۔ کار کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے۔ یہ بی بی بھی ٹھیک ہی ہیں۔"

"میں بتاتا ہوں حوالدار صاحب۔" نایاب کی طرف کھڑے ہوئے شخص نے کہا جس نے شور مچایا تھا۔ "میرا نام انیس احمد ہے۔ میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ ایک اور کار نے اس کا راستہ روک لیا۔ ان میں سے دو نقاب پوش اترے اور ان پر رائفلیں تان لیں۔ میں نے اس کار کی آڑ میں کھڑے ہوکر شور مچایا۔ ان نقاب پوشوں کا تیسرا ساتھی کار میں بیٹھا ہوائی فائرنگ کر رہا تھا۔ وہ لوگ شاید انہیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں دیکھ کر شور مچا دیا۔ میرے شور مچانے پر وہ دونوں نقاب پوش شاید بدحواس ہوگئے تھے۔ ان سے فائرنگ نہیں ہوسکی۔ اسی دوران ان کا تیسرا ساتھی بھی کار سے اتر کر ادھر آگیا۔ اس نے خود انہیں گولیوں کا نشانہ بنانا چاہا مگر وہ بھی ان پر فائرنگ نہیں کرسکا اور وہ کار میں بیٹھ کر ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہوگئے۔"

"بڑے بہادر ہو یار تم۔" حوالدار انیس احمد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ان نقاب پوشوں پر تمہارا اتنا رعب پڑا کہ وہ بدحواس ہوکر ان پر فائر نہیں کھول سکے اور بعد میں فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہوگئے۔"

"یہ سب ٹھیک کہہ رہے ہیں آفیسر۔" نایاب نے ہیڈ کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے

کہا۔ "ان کے شور مچانے سے وہ نقاب پوش شاید واقعی بدحواس ہوگئے تھے اور ان سے فائرنگ نہیں ہوسکی تھی۔"

"آپ کون ہیں بی بی!" ہیڈ کانسٹیبل بولا۔ "آپ کی کار کو گھیر کر آپ پر فائرنگ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کارروائی باقاعدہ پلاننگ کے تحت کی گئی تھی۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ آپ اس طرف آنے والی ہیں اور وہ لوگ پہلے سے گھات لگائے بیٹھے تھے۔"

"وہ لوگ پہلے سے گھات لگائے نہیں بیٹھے تھے۔" نایاب نے کہا۔ "وہ غالباً" ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ راستے میں کہیں انہیں موقع نہیں مل سکا ہوگا اور یہاں پہنچ کر انہیں موقع تو مل گیا لیکن انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوسکی۔"

"رب کا شکر ادا کریں جی۔" ہیڈ کانسٹیبل بولا۔ "اس قسم کے لوگ بڑے پکے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ شاید اناڑی تھے۔ بدحواس ہوکر بھاگ گئے۔"

"ایسا ہی لگتا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "کیا اب ہم جاسکتے ہیں۔"

"کوئی نقصان تو ہوا نہیں۔ آپ کو روکنا بیکار ہے لیکن ہمارے انچارج کے آنے تک تو آپ کو رکنا ہی پڑے گا۔" ہیڈ کانسٹیبل بولا۔

"میری کورٹ میں پیشی ہے۔ میں زیادہ دیر نہیں رک سکتی۔" نایاب نے کہا۔

"مسٹر ہیڈ کانسٹیبل۔" ارشاد صاحب نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ "میرا یہ کارڈ رکھ لو۔ تمہارا آفیسر آجائے تو اس سے کہنا بعد میں کسی وقت مجھ سے رابطہ کرلے۔"

"آپ کون ہیں جناب۔ اس بی بی سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔" ہیڈ کانسٹیبل نے ان کے ہاتھ سے کارڈ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ میری بیٹی ہے اور میں وزارت داخلہ میں ڈپٹی سیکرٹری ہوں۔" ارشاد صاحب نے کہا۔

ڈپٹی سیکریٹری کے الفاظ سنتے ہی ہیڈ کانسٹیبل نے کھٹ سے سلیوٹ جھاڑ دیا۔

"یس سر۔" وہ بولا۔ "آپ تشریف لے جاسکتے ہیں سر۔ میں انچارج صاحب کو بتا دوں گا۔ وہ آپ سے مل لیں گے۔ یہ سنگین معاملہ ہے سر۔ اس کی تحقیقات ہوگی سر۔ پولیس پارٹی ان لوگوں کے پیچھے گئی ہے سر۔ آپ تشریف لے جائیے۔"

ہیڈ کانسٹیبل لوگوں کو ادھر ادھر ہٹانے لگے۔ نایاب نے انجن اسٹارٹ کر دیا اور گاڑی کو سڑک پر لے آئی۔ چند منٹ بعد ہی وہ گاڑی کو ہائی کورٹ کے پارکنگ ایریا میں روک رہی تھی۔

کمرہ عدالت میں صرف پندرہ منٹ لگے۔ چوہدری سعادت حاضر نہیں تھا البتہ اس کا وکیل موجود تھا۔ مختصر سی کارروائی کے بعد مقدمے کا فیصلہ سنانے کے لئے دو ہفتے بعد کی تاریخ دیدی گئی۔

عدالت سے نکلنے کے بعد نایاب اور ارشاد صاحب سیدھے گھر ہی پہنچے تھے۔ صغری نے بتایا کہ دو مرتبہ ایس پی عباس کا فون آچکا ہے۔ ارشاد صاحب فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگے اور نایاب صوفے پر بیٹھ گئی۔ رابعہ بھی اس کے پاس آگئی۔

"کیا ہوا پیشی کا۔ فیصلہ ہوگیا۔" رابعہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ فیصلے کے لئے دو ہفتے بعد کی تاریخ دی گئی ہے۔ سعادت بھی آج عدالت میں نہیں آیا تھا۔ البتہ عدالت جانے سے پہلے ہمیں قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔" نایاب نے بتایا۔

"ہائے ربا۔ کون تھا وہ؟" رابعہ ایک دم پریشان ہوگئی۔ "تین نقاب پوش تھے۔ انہوں نے ہماری گاڑی روک کر ہم پر فائرنگ کرنا چاہی تھی لیکن ان کی رائفلوں نے گولیاں اگلنے سے انکار کر دیا۔" نایاب نے کہا اور پھر اسے تفصیل سے اس واقعہ کے بارے میں بتانے لگی۔

"بزرگوں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ سانچ کو آنچ نہیں۔" رابعہ نے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں، تم حق پر ہو اس لئے قدرت بھی تمہاری مدد کر رہی ہے۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ کچھ دیر پہلے وہ نقاب پوش ہوائی فائرنگ کر رہا تھا۔ اس نے تم پر فائرنگ کرنا چاہی تو رائفل نہیں چلی اور پھر فرار ہوتے ہوئے بھی وہ تینوں ہوائی فائرنگ کر رہے تھے۔ تم پر حملہ کرنے کے لئے تینوں کی رائفلوں نے کام نہیں کیا۔ یہ سب کچھ حیرت انگیز ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت تمہاری مدد کر رہی ہے۔ لیکن وہ حملہ آور کون ہوسکتے تھے؟"

"چوہدری سعادت کے گرگوں کے علاوہ اور کون ہوسکتے ہیں۔" نایاب بولی۔ "وہ مجھے

عدالت پہنچنے سے روکنا چاہتا تھا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا۔"

"خدا غارت کرے اسے۔" رابعہ بولی۔ "تم نے پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کی۔ اسے پکڑوایا کیوں نہیں۔"

نایاب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ "ایسے لوگوں کا پکڑا جانا ذرا مشکل ہی ہوتا ہے۔ لیکن جب پکڑے جاتے ہیں تو پھر بچ نہیں سکتے۔ میں اس پر اس طرح ہاتھ ڈالنا چاہتی ہوں کہ وہ بچ کر نکل نہ سکے۔ ویسے سعادت اتنا بیوقوف نہیں ہے۔ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے۔ بہت پلاننگ کے ساتھ کر رہا تھا۔ تمہارے خلاف جو کارروائی ہوئی تھی اس میں بھی اس نے ایسا بندوبست کرلیا تھا کہ اس کا ملوث ہونا ثابت نہ ہوسکے اور آج بھی جو کچھ ہوا ہے وہ پہلے سے طے شدہ تھا۔ یہ پروگرام کئی دن پہلے بنا ہوگا اور وہ خود اس شہر میں موجود نہیں ہے۔ تاکہ اس کا نام نہ آسکے۔ حالانکہ آج اس کا یہاں موجود ہونا ضروری تھا۔ عدالت میں اس کی پیشی تھی۔"

"ہاں۔ ایسے لوگ واقعی بہت چالاک ہوتے ہیں۔" رابعہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

نایاب نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ آج کا واقعہ اس کے لئے حیرت انگیز ثابت ہوا تھا۔ نقاب پوشوں نے جب اس پر رائفلیں تانی تھیں تو وہ سمجھی تھی کہ زندگی کے آخری لمحات آن پہنچے ہیں۔ بچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ لیکن رابعہ نے شاید ٹھیک کہا تھا کہ قدرت اس کی مدد کر رہی تھی۔ تین خطرناک آدمی' جو اسے قتل کرنے کے ارادے ہی سے آئے تھے' اس پر رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ وہ بار بار ٹرائیگر دبا رہے تھے لیکن رائفلوں نے گولیاں نہیں اگلی تھیں۔ تینوں رائفلیں جام ہوگئی تھیں اور مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ جو شخص پہلے اپنی رائفل سے ہوئی فائرنگ کر رہا تھا اور اس کی رائفل بھی جام ہوگئی تھی اور راہ فرار اختیار کرتے ہوئے ہوائی فائرنگ کے لئے تینوں کی رائفلوں نے گولیاں اگلنا شروع کردی تھیں۔

اس میں شبہ نہیں تھا کہ قدرت اس کی مدد کر رہی تھی۔ لیکن اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھر آیا۔ کیا رائفلوں کو جام کرنا ان پر اسرار اور نادیدہ قوتوں کا کارنامہ ہوسکتا ہے جو گاؤں میں اس کی مدد کرتی رہی ہوں؟ نایاب یہ سب کچھ سوچ رہی

تھی کہ ارشاد صاحب کی آواز سن کر چونک گئی۔

"جی ڈیڈی۔" وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"تم شاید سوگئی تھیں۔" ارشاد صاحب بولے۔

"نہیں ڈیڈی۔ ویسے ہی آنکھیں بند کئے بیٹھی سوچ رہی تھی۔" نایاب نے جواب دیا۔ رابعہ اٹھ کر اپنے کمرے میں جاچکی تھی۔

"میں نے ابھی ٹیلی فون پر ایس پی عباس سے بات کی ہے۔" ارشاد صاحب کہہ رہے تھے۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا ہے۔ پولیس پارٹی حملہ آوروں کے تعاقب میں گئی ہوئی ہے۔ لیکن ابھی تک ان کی طرف سے کوئی رپورٹ نہیں ملی۔ عباس کا کہنا ہے کہ ہمیں پولیس میں باقاعدہ ایف آئی آر ضرور درج کروانی چاہئے۔"

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا ڈیڈی۔" نایاب نے کہا۔ "البتہ یہ ضرور ہوگا کہ میرے رپورٹ لکھوانے کے بعد یہ لوگ دو چار بے گناہوں کو پکڑ کر بند کردیں گے۔ اصل ملزم تو ان کے ہاتھ آئیں گے نہیں۔"

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے بیٹی!" ارشاد صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ "پولیس کوئی کارروائی اسی وقت کرسکے گی جب عوام کی طرف سے انہیں تعاون حاصل ہوگا۔ ہم لوگ تعاون نہیں کریں گے تو پولیس ملزموں کا کھوج کیسے لگائے گی۔"

"پولیس کے ساتھ تعاون کرکے بھی دیکھ لیا ڈیڈی۔" نایاب نے کہا۔ "گاؤں میں ایسے کتنے واقعات ہوئے۔ میں نے ہر مرتبہ تھانے جاکر پولیس کو اطلاع دی لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ چوہدری سعادت ہی کے بارے میں پولیس کے سامنے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ گاؤں میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں چوہدری سعادت کا ہاتھ ہے لیکن اس کے خلاف آج تک کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اس لئے کیا فائدہ پولیس کے پاس جانے کا۔"

ارشاد صاحب کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ چند لمحے فون پر بات کرتے رہے پھر ریسیور رکھ کر نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"انسپکٹر جمال کا فون تھا۔ پولیس موبائل نے شہر کے نواحی علاقے کبیر والا تک ان

لوگوں کا پیچھا کیا تھا جنہوں نے ہمیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ کبیر والا میں مقابلے کے دوران ملزمان کا ایک ساتھی مارا گیا جبکہ باقی فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ ہلاک ہونے والے ملزم کی لاش اس وقت اسپتال میں پڑی ہے۔ اس نے شناخت کے لئے بلایا ہے۔"

"ہم اسے کیسے شناخت کرسکتے ہیں۔ جبکہ حملہ آوروں کے چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔" نایاب نے کہا۔

"اس لاش کو دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ ہو سکتا ہے اس شخص کو پہلے کہیں دیکھا ہو۔" ارشاد صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ چلئے۔" نایاب اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اسی وقت رابعہ بھی کمرے سے نکل آئی۔ نایاب نے اسے بھی ساتھ لے لیا۔

وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اسٹیرنگ اس مرتبہ بھی نایاب ہی نے سنبھالا تھا۔ کوٹھی سے نکل کر ہسپتال پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی۔ انسپکٹر جمال پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا۔ وہ انہیں لے کر ہسپتال کے مردہ خانے میں آگیا۔ مردہ خانے میں اس وقت دو لاشیں رکھی ہوئی تھیں۔ انسپکٹر کے اشارے پر ایک اٹنڈنٹ نے ایک لاش پر سے چادر ہٹا دی۔ وہ چہرہ نایاب اور ارشاد صاحب کے لئے تو اجنبی تھا۔ لیکن رابعہ اسے دیکھ کر اچھل پڑی۔

"یہ ..... یہ ....." وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"کون ہے یہ۔ پہچانتی ہو اسے؟" نایاب نے چونک کر پوچھا۔

"یہ ناجا مسلی کا بیٹا ہے۔" رابعہ نے جواب دیا۔ "تقریباً" ایک مہینہ پہلے اکرم دوکاندار سے اس کی لڑائی ہوئی تھی۔ اس نے برف توڑنے والا سوا اس کے پیٹ میں گھونپ دیا تھا اور پھر گاؤں سے بھاگ گیا تھا پولیس اسے تلاش کرتی رہی تھی لیکن اس کا پتہ نہیں چلا تھا۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمال نے چونک کر اس کی طرف دیکھا "اس کا مطلب ہے یہ پہلے سے پولیس کو مطلوب تھا۔"

"یہ چوہدری سعادت کا کارندہ تھا جی۔" رابعہ نے جواب دیا۔ "چوہدری کی وجہ سے ہی نور پور کے پولیس والوں نے اس کی تلاش پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ حالانکہ وہ کوشش کرتے تو اسے پکڑا جاسکتا تھا۔"

"ٹھیک ہے بی بی!" انسپکٹر بولا۔ "اس کی شناخت کے بعد یہ آسانی ہوگئی ہے کہ اب ہم اس کے دوسرے ساتھیوں کا سراغ بھی لگا لیں گے۔ آیئے ارشاد صاحب آپ لوگوں کو زحمت تو ہوگی لیکن تھوڑی دیر کے لئے آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا تاکہ باقی کارروائی بھی پوری ہوسکے۔"

"چلئے۔ میں ہر طرح کے تعاون کے لئے تیار ہوں۔" ارشاد صاحب نے جواب دیا۔

ہسپتال سے نکل کر انسپکٹر جمال تو اپنی جیپ میں بیٹھ گیا اور نایاب وغیرہ اپنی کار میں آگئے۔

پولیس اسٹیشن پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ پولیس اسٹیشن کا سارا عملہ چوکس ہوگیا تھا۔ انسپکٹر جمال نے راستے میں موبائل فون پر ڈی ایس پی کو بھی صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ ڈی ایس پی بھی اپنی گاڑی پر تقریباً" ان کے ساتھ ہی پولیس اسٹیشن پہنچا تھا۔ ارشاد صاحب حکومت کے ایک اہم محکمہ میں ڈپٹی سیکرٹری تھے۔ ان پر ناکام قاتلانہ حملے کی خبر پر کھلبلی سی مچ گئی تھی۔

پولیس میں رپورٹ ارشاد صاحب کی مدعیت ہی میں لکھی گئی تھی اور پولیس مقابلے میں ہلاک ہونے والے ملزم کی شناخت بھی رابعہ کے حوالے سے درج کرلی گئی تھی۔ ملزم کا نام رمضان تھا اور وہ گاؤں میں واردات کرنے کے بعد فرار ہوا تھا۔ رابعہ ہی کے بیان سے انکشاف ہوا تھا کہ تقریباً" ایک مہینہ پہلے رمضان اور گاؤں کے دکاندار اکرم کا جھگڑا ہوگیا تھا۔ رمضان اکرم کی دکان سے سودا ادھار لیتا رہتا تھا۔ وہ تین سو روپے کا مقروض ہوگیا تھا اور جب اکرم نے یہ قرضہ مانگا تو ان میں جھگڑا ہوگیا۔ بات بڑھ گئی۔ رمضان نے برف توڑنے والا سوا اٹھا کر اکرم کے پیٹ میں گھونپ دیا۔

رمضان پہلے تو گاؤں ہی میں چھپا رہا لیکن جب بات پولیس تک پہنچی تو وہ گاؤں سے بھاگ گیا۔ اکرم بچ گیا تھا۔ چوہدری سعادت نے بیچ میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کرا دیا اور پولیس میں رپورٹ درج نہیں ہونے دی۔ اکرم کو بھی رمضان کے قرضے کی رقم کے علاوہ ایک ہزار روپے دے کر اس کی زبان بند کر دی گئی تھی۔ لیکن رمضان گاؤں واپس نہیں آیا تھا اور اب گاؤں سے سینکڑوں میل دور شہر میں پولیس مقابلے میں مارا گیا تھا۔ وہ نایاب پر حملہ کرنے والوں میں شامل تھا۔

نایاب کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ گاؤں سے فرار ہونے کے بعد رمضان شہر آگیا تھا اور چوہدری سعادت کی کوٹھی میں پناہ لئے ہوئے تھا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی تھی کہ نایاب پر حملہ چوہدری سعادت ہی نے کروایا تھا۔

"ٹھیک ہے سر!" ڈی ایس پی نے ارشاد صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لاش کی شناخت ہوگئی ہے۔ اب ہم دوسرے ملزموں کا سراغ لگا لیں گے اور انشاء اللہ دو تین دن میں آپ کو اطلاع دیں گے۔"

"ایک بات اور جناب!" نایاب نے کہا۔ "کچھ عرصہ پہلے سمن آباد میں میری کوٹھی کو آگ لگا دی گئی تھی۔ پولیس مجرمان کو تلاش نہیں کرسکی۔ لیکن کل ایک ملزم کی شناخت ہوگئی ہے اور میں نے پولیس کو اس کے بارے میں بتا دیا تھا۔ ملنگی نامی وہ شخص اس وقت نور پور پولیس کی تحویل میں ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ مقامی پولیس کی طرف سے اس سلسلے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے۔"

"سمن آباد کا تھانہ بھی میرے ہی انڈر ہے۔ میں معلوم کرکے آپ کو اطلاع دوں گا۔" ڈی ایس پی نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ان تمام باتوں سے میں ایک نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان ساری کارروائیوں کے پیچھے چوہدری سعادت کا ہاتھ ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ شخص کون ہے اور اس سے آپ کی کیا دشمنی ہے؟"

"لمبی داستان ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "چند سال پہلے چوہدری سعادت کے چھوٹے بھائی سرفراز سے میری شادی ہوئی تھی۔ اس شادی میں سرفراز کے گھر والوں کی مرضی شامل نہیں تھی۔ لہٰذا انہوں نے مجھے بہو کی حیثیت سے قبول نہیں کیا۔ شادی کے چند ماہ بعد میرے شوہر کو گاؤں میں قتل کر دیا گیا۔ شبہ ہے کہ اس میں چوہدری سعادت کا ہاتھ تھا لیکن پولیس آج تک کچھ نہیں کرسکی۔ میں سرفراز چوہدری کی جائز وارث ہوں اور میں نے جائیداد میں اپنے حصے کے لئے مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔ بس یہی جھگڑا ہے۔ چند روز پہلے میں گاؤں گئی تھی۔ وہاں بھی مجھ پر بار بار قاتلانہ حملے ہوئے۔ میں نے ہر بار نورپور پولیس کو اطلاع دی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ یہاں شہر میں میری کوٹھی کو آگ لگا دی گئی اور گاؤں میں میرے حمایتیوں کو ہراساں کیا جانے لگا۔ اس کے باپ کو قتل کرکے مکان کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔" اس نے رابعہ کی طرف اشارہ کیا اور بات جاری رکھتے ہوئے

بولی۔" نور پور پولیس نے ملنگی نامی ایک شخص کو حراست میں لیا ہے۔ اس شخص نے میری شہر والی کوٹھی کو بھی آگ لگائی تھی اور میں نے مقامی پولیس کو اس کی اطلاع دے دی ہے۔"

"ٹھیک ہے مس نایاب۔" ڈی ایس پی نے کہا۔ "اب صورت حال میری سمجھ میں آگئی ہے۔ میں جلد ہی اس سلسلے میں آپ کو اطلاع دوں گا۔"

"شکریہ۔ میں انتظار کروں گی۔" نایاب نے کہا۔

ڈی ایس پی نے گرمجوشی سے ارشاد صاحب سے ہاتھ ملا کر انہیں رخصت کردیا اور وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی اس سلسلے میں ضروری کارروائی کرے گا۔

وہ لوگ گھر واپس آگئے۔ نایاب آج کے اس واقعے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ دو دن پہلے اس نے چوہدری سعادت کی کوٹھی پر جاکر معلوم کیا تھا تو کوٹھی کے ملازم نے بتایا تھا کہ چوہدری سعادت تقریباً ایک مہینے سے یہاں نہیں آیا۔ لیکن آج کے اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ وہ شہر میں موجود ہے۔

نایاب کا ذہن الجھ گیا تھا۔ رابعہ کے اغوا میں بھی چوہدری سعادت کا ہاتھ تھا اور اب اس واقعہ میں بھی اسی کا ہاتھ تھا۔ ہوسکتا ہے وہ ایک آدھ دن پہلے ہی شہر آیا ہو اور اسے پتہ چل گیا ہو کہ نایاب اسے تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ اس نے نایاب کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ کسی پراسرار غیبی قوت نے نایاب کو بچا لیا۔ رمضان پولیس مقابلے میں مارا گیا۔ اس کی شناخت کے بعد تو یہ تصدیق ہوگئی تھی کہ نایاب پر اس حملے میں چوہدری سعادت ہی کا ہاتھ ہے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ پولیس اس سلسلے میں کیا کرتی ہے۔

نایاب اس رات بھی دیر تک یہی سب کچھ سوچتی رہی۔ وہ غیبی قوت کون تھی جس نے اسے بچایا تھا۔ وہ اس بات کو ماننے کو تیار نہیں تھی کہ ان تینوں حملہ آوروں کی رائفلیں محض اتفاق سے جام ہوگئی تھیں۔ وہ کوئی نادیدہ قوت ہی تھی جس نے ان کی رائفلوں کو ناکارہ کر دیا تھا۔ وہ نادیدہ قوت کون تھی؟

وہ پراسرار بوڑھا جو گاؤں میں بھی ایسے موقعوں پر اس کی مدد کرتا رہا تھا یا وہ سنہرا سانپ جس نے کہا تھا کہ وہ اس کا محافظ بن کر رہے گا۔ نایاب کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا

تھا۔ دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔

اس روز جب وہ گاؤں سے نکل رہے تھے تو اس نے حویلی کی دوسری منزل کے جھروکے میں کسی نوجوان کو کھڑے دیکھا تھا۔ ایسا حسین اور خوبرو نوجوان اس سے پہلے اس کی نظروں سے نہیں گزرا تھا۔ لیکن وہ کون تھا اور صرف اسے ہی نظر کیوں آیا تھا۔ رابعہ اور ملک سکندر کو دکھائی کیوں نہیں دیا تھا۔ نایاب جانتی تھی کہ وہ حویلی خالی تھی۔ وہاں کسی انسان کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا تو پھر وہ نوجوان کون تھا اور حویلی میں کہاں سے آیا تھا اور صرف اسے ہی دکھائی کیوں دیا تھا۔

رات بیتی جا رہی تھی۔ گھر پر گہرا سکوت اور سناٹا طاری تھا۔ گلی میں کسی وقت چوکیدار کی سیٹی کی آواز سنائی دے جاتی اور اس کے بعد پھر سناٹا طاری ہو جاتا۔

نایاب چشم تصور سے اس حسین و خوبرو جوان کو دیکھ رہی تھی۔ نایاب نے سرفراز چوہدری سے محبت کی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد بھی وہ اسی کی محبت کو دل میں بسائے ہوئے تھی۔ کسی اور کا خیال بھی کبھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ سرفراز کے انتقال کو پانچ سال ہو چکے تھے۔ اس دوران اسے کئی مرتبہ شادی کی پیشکش ہوئی تھی۔ خاندان سے بھی کئی رشتے آئے تھے۔ ڈیڈی نے بھی چند ایک بار اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ دوسری شادی کرلے لیکن نایاب نے ہمیشہ ٹال دیا تھا۔ وہ سرفراز کے تصور کے سہارے ہی باقی زندگی گزار دینا چاہتی تھی لیکن یہ خوبرو نوجوان ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ سجائے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ نایاب اس کے تصوراتی ہیولے کو دیکھتے ہوئے دل میں عجیب سی گدگدی محسوس کر رہی تھی اور پھر اس کی پلکیں نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں۔

نیند میں بھی اس نوجوان کا حسین تصور نایاب کے ذہن پر چھایا رہا اور پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ نوجوان اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ نایاب کے ذہن کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے کا دروازہ اور کھڑکیاں بند تھیں۔ وہ نوجوان اندر کیسے آیا تھا؟ لیکن نایاب کو سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اس کی نظریں نوجوان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں مقناطیسی کشش تھی۔ نایاب کوشش کے باوجود اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکی تھی۔ اس کے دماغ میں عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ وہ نوجوان بیڈ سے چند فٹ کے فاصلے پر

کھڑا مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی اور پھر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا آگے آگیا۔

اس نوجوان نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ نایاب کی نظریں اب بھی اسی کے چہرے پر مرکوز تھیں اور پھر اسے یوں لگا جیسے وہ خوبرو نوجوان اس کیلئے اجنبی نہ ہو۔ وہ سرفراز تھا۔ اس کا اپنا سرفراز..... جس کے لئے اس نے دنیا بھر کی مخالفت مول لی تھی۔ نوجوان کا ہاتھ اب بھی آگے بڑھا ہوا تھا۔ نایاب نے بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور پھر اس نوجوان نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

ہاتھ کے لمس سے یوں لگا جیسے نایاب کے جسم میں ہزاروں وولٹ کا کرنٹ دوڑ گیا ہو۔ اس کے جسم میں عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ اس کا ہاتھ نوجوان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھتی چلی گئی۔ نوجوان اس کا ہاتھ تھامے کھڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔ کھڑکی خودبخود کھل گئی اور پھر نایاب کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پیر زمین سے اوپر اٹھ رہے ہوں وہ اس نوجوان کے ساتھ فرش سے تقریباً" ایک فٹ اوپر ہوا میں معلق تھی اور پھر وہ دونوں ہوا میں تیرتے ہوئے کھڑکی سے باہر نکل گئے۔

وہ بادلوں میں تیر رہے تھے۔ نوجوان نے نایاب کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ لیکن نایاب کو خوف سا محسوس ہو رہا تھا وہ اس نوجوان کے ساتھ لپٹ گئی۔ پھر وہ دونوں آہستہ آہستہ بیڈ روم میں واپس آگئے۔

اور پھر نایاب کو یوں لگا جیسے کوئی اسے بری طرح جھنجوڑ رہا ہو اور پکار رہا ہو۔ یہ آواز اسے گہرائی سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"نایاب ..... نایاب ..... آنکھیں کھولو ..... کیا ہوا ہے تمہیں....."

نایاب کسمائی اور اس نے اس خوبرو نوجوان کو اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا اور اسے بھینچتی چلی گئی۔

"نایاب ..... چھوڑو مجھے ..... میری پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ آنکھیں کھولو نایاب .... کیا ہوا ہے تمہیں....."

نایاب کو بری طرح جھنجوڑ ڈالا گیا اور پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ رابعہ تھی جسے اس نے اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ رابعہ نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو

اس کی گرفت سے چھڑایا۔

نایاب کے دماغ پر نیند کا خمار طاری تھا۔ وہ چند لمحے متوحش سی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی اور پھر اس کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات ابھر آئے۔

نایاب شرگیں نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ نہ وہ سحر انگیز ماحول تھا اور نہ سپنوں کا وہ شہزادہ جو اسے ایک انجانی دنیا کی سیر کروانے کے لئے لے گیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں تھی۔ سب کچھ وہی تھا۔ البتہ کھڑکی کھلی ہوئی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں کس قدر الجھن سی تیر گئی تھی۔ اس کے بیڈ پر رابعہ بیٹھی ہوئی تھی جس نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ رکھا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو بڑی آہستگی سے رابعہ سے الگ کیا۔ اس کا جسم پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ اپنے آپ کو رابعہ سے الگ کرکے وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"کیا ہوا تھا نایاب۔" رابعہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم نیند میں کچھ بڑبڑا رہی تھیں اور مجھ سے لپٹی جا رہی تھیں۔ کوئی خواب دیکھ رہی تھیں کیا.....؟"

"ہاں ..... شاید میں خواب ہی دیکھ رہی تھی۔" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن تم میرے کمرے میں کیسے آگئیں۔ کیا میرے بڑبڑانے کی آواز اتنی اونچی تھی کہ تم جاگ گئیں اور اپنے کمرے سے اٹھ کر یہاں آگئیں؟"

"نہیں۔" رابعہ نے جواب دیا۔ "سوتے میں کوئی آہٹ سن کر میری آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ آواز باہر سے آئی تھی۔ لیکن میری نیند اچاٹ ہو گئی اور پھر نجانے کیوں مجھے ڈر سا لگنے لگا۔ سونے کی بہت کوشش کی مگر نیند نہیں آسکی۔ میں اٹھ کر یہاں آگئی۔ یہ ڈر بھی عجیب چیز ہے۔ بڑے بڑے دل گردے والوں کو سہما دیتا ہے اور پھر میں تو کمزور سی لڑکی ہوں۔ اجنبی جگہ پر اکیلے میں کچھ زیادہ ہی ڈر گئی۔ یہ سوچ کر آئی تھی کہ تمہارے ساتھ لیٹ کر سو جاؤں گی۔ لیکن ....."

"کیا میرے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا؟" نایاب نے پوچھا۔

"بھڑا ہوا تھا۔" رابعہ نے جواب دیا۔ "میں تمہارے ساتھ آکر لیٹ گئی۔ لیکن اس وقت شاید تم کوئی خواب دیکھ رہی تھیں۔ تم نے مجھے اپنی بانہوں میں لپیٹ لیا اور زور سے بھینچنے لگیں۔ تم کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔ جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ تم کوئی خواب دیکھ

رہی ہو۔ لگتا ہے وہ کوئی بہت ہی اچھا خواب تھا۔"

"ہاں۔" نایاب کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "لیکن خواب تو خواب ہی ہوتا ہے۔ حقیقت سے اس کا کیا تعلق؟"

"کون تھا وہ؟" رابعہ نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"کون .....؟" نایاب چونک گئی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

"وہی ..... جس سے تم خواب میں لپٹی جا رہی تھیں؟" رابعہ مسکرائی۔

"بہت بے شرم ہو۔" نایاب کے چہرے پر ندامت کے تاثرات ابھر آئے۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

"تمہیں یاد ہے جب ہم گاؤں سے روانہ ہوئے تھے تو میں نے راستے میں ایک جگہ گاڑی رکوائی تھی۔"

"ہاں ..... اور تم بتا رہی تھی کہ حویلی کی دوسری منزل کے جھروکے میں کوئی نوجوان کھڑا ہے۔ لیکن وہ نوجوان مجھے یا سکندر بھائی کو نظر نہیں آیا تھا۔" رابعہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "کیا وہی نوجوان تمہارے خواب میں آگیا تھا۔"

"ہاں وہی تھا۔" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ مجھے کہیں لے جا رہا تھا۔"

"اور تم اس کے ساتھ جا رہی تھیں!" رابعہ مسکرائی۔

نایاب کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس کی نظر کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ اسے یاد تھا کہ رات کو سونے سے پہلے بھی اس نے کھڑکی کو دیکھا تھا۔ وہ بند تھی اور جب وہ حسین نوجوان اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے لے جا رہا تھا تو کھڑی خود بخود کھل گئی تھی اور اب بھی وہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔

"یہ کھڑکی تم نے کھولی تھی؟" اس نے رابعہ سے پوچھا۔

"نہیں۔" رابعہ نے جواب دیا۔ "جب میں کمرے میں آئی تو کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔"

"تو پھر۔" نایاب وحشت زدہ لہجے میں بولی۔ "وہ خواب نہیں تھا۔"

"کیا .....؟" رابعہ اچھل پڑی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔" نایاب بولی۔ "رات کو سونے سے پہلے میں نے دیکھا تھا۔

یہ کھڑکی بند تھی اور جب وہ نوجوان مجھے ہاتھ سے پکڑ کر لے جانے لگا تو کھڑکی خود بخود ہی کھل گئی تھی اور اب بھی کھلی ہوئی ہے۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا نایاب!" رابعہ نے اسے گھورا۔ "کھڑکی میں لوہے کا جنگلہ لگا ہوا ہے۔ کوئی اندر کیسے آسکتا ہے۔"

"مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہ اندر کیسے آیا تھا لیکن وہ مجھے اس کھڑکی سے لے گیا تھا اور کسی چیز نے ہمارا راستہ نہیں روکا تھا۔"

"نایاب۔" رابعہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "مجھے اب تم سے واقعی ڈر لگنے لگا ہے؟"

"کیوں؟ میری صورت اتنی ڈراؤنی ہو گئی ہے کیا؟" نایاب بولی۔

"نہیں۔ یہ بات نہیں۔" رابعہ نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔ "گاؤں میں جو کچھ ہوتا رہا ہے۔ اس سے میں واقف ہوں۔ چلو مان لیا کہ وہ کوئی ہوائی چیز ہے جو تمہاری مدد کر رہی ہے لیکن وہ نادیدہ آدمی' جو بقول تمہارے پہلے تمہیں حویلی کے جھروکے میں نظر آیا تھا اور اب وہ تمہاری خواب گاہ میں بھی گھس آیا تھا۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ کہیں تم پر بھی تو کسی ہوائی چیز کا اثر نہیں ہو گیا۔ تم نے کہا تھا کہ تم اس شخص کے ساتھ اس کھڑکی کے راستے باہر گئی تھی۔ اور سلاخوں نے تمہارا راستہ نہیں روکا تھا یا تو وہ صرف خواب تھا اور یا....."

"کچھ نہیں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے بات کاٹ دی۔ "نہ تو تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی مجھے کچھ ہوگا۔ چلو۔ اب سو جاؤ اور سنو۔ تم ایسا کوئی خواب مت دیکھنا۔"

نایاب بستر پر لیٹ گئی۔ رابعہ کچھ دیر اسے گھورتی رہی۔ پھر وہ بھی لیٹ گئی۔ نایاب نے مسکراتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں لپیٹ لیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

رابعہ خاموش لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔ نایاب کے بارے میں اسے واقعی تشویش ہو رہی تھی۔ گاؤں سے نکلتے ہوئے کھیتوں میں گاڑی روکوا کر نایاب نے جب بتایا تھا کہ حویلی کے جھروکے میں کوئی نوجوان کھڑا ہے تو وہ اسے نایاب کا واہمہ ہی سمجھی تھی۔ لیکن خواب گاہ میں اس نوجوان کی آمد کا سن کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے نایاب کو بستر پر جس

طرح مچلتے ہوئے دیکھا تھا اس سے تو یہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ بستر پر اس کے ساتھ کوئی اور بھی موجود تھا اور جب اس نے نایاب کو جگانے کی کوشش کی تھی تو نایاب نے اسے بھنبھوڑ لیا تھا۔ اس سے بھی رابعہ پریشان ہو گئی تھی۔

رابعہ دیر تک یہی سوچتی رہی۔ اس نے نایاب کی طرف دیکھا۔ کتنی معصومیت تھی اس کے چہرے پر۔ کیا یہ معصوم لڑکی کسی ہوائی چکر میں پھنس گئی ہے؟ بڑی بوڑھی عورتیں سنیں تو یہی کہیں یا دیہاتی عورتیں ایسی بات سن کر فوراً ہی اس کا یقین کرلیں۔ رابعہ بھی دیہاتی تھی۔ اس نے اگرچہ صرف میٹرک پاس کیا تھا لیکن ذہنی طور پر وہ عام دیہاتی عورتوں سے بہت مختلف تھی۔ اسے ایسی باتوں پر یقین نہیں تھا۔ لیکن پچھلے کچھ عرصہ سے گاؤں میں جو کچھ ہو رہا تھا اور یہاں جو کچھ ہوا تھا' اسے تسلیم کرنے سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بعض باتیں ایسی تھیں جنہیں جھٹلانا ممکن نہیں تھا۔

رابعہ نے ایک بار پھر نایاب کی طرف دیکھا اور پھر اسے جتنی سورتیں یاد تھیں' پڑھ کر نایاب پر اور اپنے آپ پر پھونکا اور آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

صبح رابعہ کی آنکھ جلدی کھل گئی۔ گھر کی ملازمہ صغریٰ جاگ چکی تھی۔ رابعہ کمرے سے نکل کر لان میں آگئی اور پھر ارشاد صاحب کو وہاں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ ارشاد صاحب شبنم سے بھیگی ہوئی گھاس پر ننگے پیر ٹہل رہے تھے۔ رابعہ کو یہاں آئے ہوئے تین چار دن تو ہو چکے تھے۔ وہ ہمیشہ جلدی اٹھ جاتی تھی اور ارشاد صاحب اسے گھاس پر ٹہلتے ہوئے ملتے تھے۔ اس وقت بھی رابعہ نے انہیں سلام کیا اور لان کے کنارے پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"نایاب تو ابھی گہری نیند سو رہی ہوگی۔" ارشاد صاحب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "وہ ہمیشہ رات کو دیر تک جاگنے اور صبح دیر تک سوئے رہنے کی عادی ہے۔ یہ بات آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی کہ رات کو جلدی سو جانا اور صبح جلدی اٹھنا صحت کے لئے کتنا مفید ہے۔"

"گاؤں میں تو وہ جلدی اٹھ جایا کرتی تھی۔" رابعہ نے جواب دیا۔

"اگر ایسی بات ہے تو مجھے واقعی حیرت ہے۔" ارشاد صاحب مسکرائے۔

"دراصل گاؤں کی زندگی شہر کی زندگی سے بہت مختلف ہوتی ہے انکل۔" رابعہ نے

جواب دیا۔ "گاؤں کی صبح تو سورج نکلنے سے پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ گھر کے تمام لوگ جاگ چکے ہوں' خوب گہما گہمی ہو تو کسی ایک فرد کے لئے سوئے رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہاں تو رات کو بھی لوگ جلدی سو جاتے ہیں۔ نایاب چند روز وہاں رہی تو اس ماحول کی عادی ہوگئی تھی۔ یہاں آکر پھر اس کا معمول بدل گیا ہے۔"

"کوئی مصروفیت نہیں ہے نا۔" ارشاد صاحب نے کہا۔ "اسی لئے تو میں نے اسے کئی بار سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ شادی کرلو۔ تاکہ زندگی کا کوئی راستہ تو متعین ہوسکے لیکن وہ میری بات کسی طرح ماننے کو تیار ہی نہیں اور بیٹی۔" وہ رابعہ کے قریب رک گئے۔ "ان دو چار دنوں میں' میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم دونوں آپس میں خاصی بے تکلف ہو۔ ذرا تم ہی اسے ٹٹول کر دیکھو کہ اس کا ارادہ کیا ہے۔ اس وقت بھی دو چار اچھے رشتے موجود ہیں۔ اگر وہ ہاں کر دے تو کسی ایک جگہ بات چلائی جائے۔"

"انکل۔" رابعہ ان کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "مجھے نہیں لگتا کہ نایاب اب کبھی شادی کا خیال دل میں لائے گی۔ ویسے میں باتوں ہی باتوں میں اس سے معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"اگر وہ مان جائے تو میرے سر سے بڑا بوجھ اتر جائے۔ اور۔" وہ صغریٰ کو دیکھ کر خاموش ہوگئے۔ وہ ایک ٹرے میں چائے کے دو کپ لئے برآمدے والے دروازے سے باہر آرہی تھی۔ "لو..... چائے پیو۔" وہ رابعہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "شہر اور گاؤں کی زندگی میں واقعی بہت فرق ہے۔ گاؤں میں صبح سویرے ٹھنڈی لسی پیتے ہیں تو سینے میں ٹھنڈک سی پڑ جاتی ہے اور یہاں شہر میں..... چائے سینہ جلا دیتی ہے۔ لیکن ہم پھر بھی چائے پیتے ہیں اور اپنا سینہ جلاتے ہیں۔" وہ بات کرتے ہوئے رابعہ کے قریب ہی ایک اور کرسی پر بیٹھ گئے۔

صغریٰ انہیں چائے دے کر واپس چلی گئی تھی۔ وہ دونوں چائے پیتے ہوئے بھی باتیں کرتے رہے۔ ارشاد صاحب کی باتوں سے رابعہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ نایاب کے لئے پریشان تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ نایاب شادی کرلے تو ان کے کندھوں کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔

"اب کل کا واقعہ تمہارے سامنے ہے۔" وہ کہہ رہے تھے۔ "اگر یہ شادی کرکے اپنا گھر آباد کرچکی ہوتی تو یہ سب پریشانیاں تو نہ ہوتیں۔ نایاب نے جب سے گاؤں میں پیش

آنے والے پراسرار واقعات کے بارے میں بتایا ہے' میری پریشانی کچھ اور بڑھ گئی ہے۔ لیکن کیا رابعہ بیٹی۔" وہ خاموش ہوکر اس کی طرف دیکھنے لگے اور چند لمحوں کے بدلے۔ "کیا یہ سب کچھ واقعی سچی ہے؟"

"جی انکل۔" رابعہ بولی۔ "اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے۔ نایاب نے جو کچھ بھی بتایا ہے وہ سو فیصد سچ ہے۔ اس کی ایک مثال تو آپ نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لی۔"

"کونسی مثال؟" ارشاد صاحب نے پوچھا۔

"کل عدالت جاتے ہوئے ان لوگوں نے نایاب پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن تینوں حملہ آوروں کی رائفلیں جام ہوگئی تھیں۔ یہ محض اتفاق نہیں ہوسکتا انکل۔ آپ کو یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ کوئی نادیدہ قوت نایاب کی حفاظت کر رہی ہے۔" رابعہ نے کہا۔

"یہی بات تو اب مجھے زیادہ پریشان کر رہی ہے۔" ارشاد صاحب کے لہجے میں تشویش تھی۔ "وہ نادیدہ قوت کون ہوسکتی ہے اور وہ نایاب کی مدد کیوں کر رہی ہے۔ نایاب سے اس کا کیا مفاد وابستہ ہے؟"

"سانپ اور نیولے کی لڑائی کے بارے میں آپ کو بتایا تھا نا۔" رابعہ نے کہا۔ "وہ سانپ ہی دراصل رابعہ کی مدد کر رہا ہے۔"

"کیا کسی سانپ کے پاس اتنی طاقت ہوسکتی ہے؟ نہیں بیٹی۔" ارشاد صاحب بولے۔ "روحوں کے بارے میں اگرچہ میرا یقین نہیں ہے لیکن سنا ضرور ہے۔ ناقابل یقین اور پراسرار قصے کہانیاں..... اور اس سے پہلے کہ نایاب بھی کسی ایسی ہی پراسرار کہانی کا کردار بن جائے' میں اس معاملے کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ اسے یا تو شادی کے لئے ہاں کرنی ہوگی یا میں اسے ملک سے باہر بھیج دوں گا۔ بہرحال' تم اس سے بات ضرور کرنا۔ اچھا بیٹی۔ اب میں دفتر جانے کی تیاری کروں۔ تم بیٹھو..... تازہ ہوا میں۔"

ارشاد صاحب نے خالی کپ کرسی کے قریب گھاس پر رکھ دیا اور اٹھ کر اندر چلے گئے۔

رابعہ کرسی پر بیٹھی سوچتی رہی۔ ارشاد صاحب نایاب کے لئے پریشان تھے اور رابعہ کے خیال میں نایاب ایک ایسے پراسرار چکر میں پھنس چکی تھی جس سے نکلنا اگر ناممکن

نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ بات اگر گاؤں کی پرانی حویلی اور اس بوڑھے تک محدود رہتی تو کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن اب وہ پراسرار نوجوان بیچ میں ٹپک پڑا تھا اور رابعہ کے خیال میں وہ نوجوان محض نایاب کا تصور نہیں تھا۔ اس نے اس قسم کے بہت سے پراسرار قصے سن رکھے تھے۔ کسی مرد یا عورت کے پراسرار تعلقات کے حوالے سے کئی پراسرار داستانیں شہرت پاچکی تھیں۔ نایاب کی زندگی میں بھی ایک ایسا ہی پراسرار نوجوان داخل ہوچکا تھا جو دوسروں کو نظر نہیں آتا تھا۔ وہ نوجوان پہلی مرتبہ نایاب کے بیڈ روم میں پہنچ گیا تھا۔ اسے اگرچہ خواب ہی کہا جاسکتا تھا لیکن اس خواب کے حوالے سے جو صورت حال سامنے آئی تھی اس سے رابعہ اس نتیجہ پر پہنچی تھی کہ وہ کوئی خواب نہیں تھا۔ رابعہ جانتی تھی کہ نایاب جھوٹ نہیں بولتی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ رات کو وہ کمرے کی کھڑکی بند کرکے سوئی تھی۔ لیکن بعد میں وہ کھڑکی کھلی ہوئی ملی تھی۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے رابعہ خود بھی نایاب کے بارے میں پریشان ہورہی تھی۔ وہ پراسرار سنہرا ناگ اسے کھنڈرات کے نیچے ایک بہت بڑے خزانے تک لے گیا تھا۔ سانپوں کے بارے میں اس نے سن رکھا تھا کہ ایک خاص عمر گزرنے کے بعد انہیں کچھ پراسرار قوتیں حاصل ہوجاتی ہیں اور وہ اپنا روپ بدلنے پر بھی قادر ہوجاتے ہیں۔ ایسے ناگوں کو زمین میں چھپے ہوئے خزانوں کا بھی علم ہوتا ہے لیکن کسی انسان کے لئے ان خزانوں تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اگر کوئی انسان کسی طرح کسی دفینے کا پتہ چلا بھی لے تو یہی ناگ اس دفینے کے محافظ بن جاتے ہیں۔ لیکن یہاں صورت حال قطعی مختلف تھی۔ وہ سنہرا سانپ خود نایاب کو اس خزانے تک لے گیا تھا اور نایاب اس خزانے میں سے چند ہیرے بھی نکال لائی تھی جن میں سے چند کو فروخت کر دیا گیا تھا۔

یہ بات سمجھ میں آتی تھی کہ نایاب نے اس سانپ کی جان بچا کر اس پر احسان کیا تھا اور وہ سانپ اس احسان کا بدلہ چکانا چاہتا تھا۔ وہ نایاب کو نہ صرف اس خزانے تک لے گیا تھا بلکہ اس نے کئی مرتبہ نایاب کی جان بھی بچائی تھی۔ چوہدری فرہان کے گاؤں سے آتے ہوئے جب ملنگی کے آدمیوں نے ان پر حملہ کیا تو اس پراسرار بوڑھے نے ان کی جان بچائی تھی۔ پرانی حویلی کے حوالے سے بھی ایسی کئی باتیں سامنے آئی تھیں۔ اس پراسرار بوڑھے نے کئی مرتبہ نایاب کی جان بچائی تھی۔ یہ سوچا جاسکتا تھا کہ وہ پراسرار

بوڑھا سنہری ناگ کا دوسرا روپ ہوسکتا ہے لیکن وہ نوجوان جو صرف نایاب ہی کو دکھائی دیتا تھا' رابعہ کے لئے خطرے کی گھنٹی بن گیا تھا۔ رابعہ نے ارشاد صاحب سے نایاب کے اس "خواب" کا تذکرہ نہیں کیا تھا لیکن وہ خود پریشان ہوگئی تھی۔

"رابعہ بی بی۔" صغریٰ کی آواز سن کر رابعہ کے خیالات منتشر ہوگئے۔ وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "آپ کے لئے بھی ناشتہ لگا دوں یا بعد میں کریں گی۔"

"میں ناشتہ نایاب کے ساتھ کروں گی۔" رابعہ نے جواب دیا۔

صغریٰ کے جانے کے بعد بھی رابعہ چند منٹ وہاں بیٹھی رہی۔ اس وقت دھوپ پھیلنے لگی تھی۔ رابعہ اٹھ کر اندر آگئی۔ ارشاد صاحب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ رابعہ نے نایاب کے کمرے میں جھانک کر دیکھا' وہ سو رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آگئی اور دروازہ اندر سے بند کرکے باتھ روم میں گھس گئی۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد وہ کمرے سے باہر نکلی تو ارشاد صاحب دفتر جانے کے لئے تیار ہوچکے تھے۔

"رابعہ بیٹی۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "میں نے تم سے جو بات کہی ہے اسے ذہن میں رکھنا۔ ایک دو دن میں یا جب بھی موقع ملے' اس سے بات کرکے دیکھنا۔"

"جی بہتر۔ میں بات کروں گی۔" رابعہ نے جواب دیا۔ ارشاد صاحب کے جانے کے بعد رابعہ نایاب کے کمرے میں آگئی۔ نایاب گہری نیند سو رہی تھی۔ بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ نیند میں وہ زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ چہرے پر بے پناہ معصومیت تھی۔

نایاب کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے رابعہ کی نظر اس کی گردن پر پڑ گئی۔ اور دوسرے ہی لمحہ وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ گردن پر تقریباً" نصف انچ چوڑی سنہرے رنگ کی ایک لکیر سی نظر آرہی تھی۔ لگتا تھا جیسے افشاں چھڑک دی گئی ہو۔

رابعہ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ اس نے نایاب کی ٹانگوں کی طرف دیکھا جن پر سے نائٹی سمٹی ہوئی تھی۔ دونوں ٹانگوں پر بھی ایسی سنہری لکیریں نظر آرہی تھیں۔ وہ دوبارہ اس کی گردن کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں تشویش بڑھتی جارہی تھی۔ رابعہ نے ایک لکیر کو انگلی کی پور سے چھو کر دیکھا۔ انگلی کی پور پر بھی ہلکا سا سنہرا پن آگیا

تھا۔ وہ چند لمحے انگلی کو دیکھتی رہی پھر اسے ناگ کے قریب لاکر سونگھا۔ بڑی عجیب سی مسحور کن اور بھینی بھینی سی مہک تھی۔ ایسی خوشبو اس نے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی۔

اس کی انگلی کے لمس سے نایاب ذرا سی کسمسائی تھی۔ رابعہ کے ذہن میں عجیب سے خیالات آ رہے تھے۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ شاید رات کو سونے سے پہلے نایاب نے جسم پر کوئی خوشبو لگائی تھی۔ یہ شہر کی عورتیں بھی اپنے آپ کو بنانے سنوارنے کے لئے عجیب و غریب چیزیں استعمال کرتی ہیں۔ اس نے نایاب کی ڈریسنگ ٹیبل پر بھی ایسی درجنوں چیزیں دیکھی تھیں۔ کئی طرح کی کریمیں اور کئی طرح کے اسپرے تھے۔ ہو سکتا ہے رات کو سونے سے پہلے اس نے ایسا کوئی اسپرے لگایا ہو۔ لیکن پھر یہ خیال اس نے ذہن سے جھٹک دیا۔ کوئی اسپرے ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اس طرح اپنا نشان چھوڑ دے۔

دفعتاً" ایک اور خیال رابعہ کے ذہن میں ابھرا۔ رات کو جب وہ نایاب کے بستر پر آئی تھی اس نے نایاب کو عجیب سے انداز میں مچلتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر وہ اس سے لپٹ گئی تھی۔ یہ خیال آتے ہی رابعہ کانپ اٹھی۔

"نایاب۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلاتے ہوئے بولی۔ "نایاب اٹھ جاؤ اب۔ نو بج رہے ہیں۔"

"کیا ہے بھئی۔ سونے دو نا۔" نایاب کسمسائی۔

"نو بج گئے ہیں۔ اب اٹھ جاؤ۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ ناشتے کے لئے میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" رابعہ نے کہا۔

نایاب نے ایک دو مرتبہ کسمسا کر آنکھیں کھول دیں اور مسکرا کر رابعہ کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے کھنچے ہوئے تھے۔ اس نے اٹھلاتے ہوئے اپنا سر رابعہ کی گود میں رکھ دیا۔

"آج صبح ہی صبح انکل تمہارے حوالے سے مجھے لیکچر دے کر گئے ہیں۔" رابعہ نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"کیسا لیکچر؟" نایاب نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ "یہی کہ رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اٹھنا صحت کے لئے مفید ہوتا ہے۔ لیکن تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ تم رات کو دیر تک جاگتی اور صبح دیر تک سوئی رہتی ہو۔" رابعہ نے کہا۔

"میں ڈیڈی کے ایسے لیکچر سننے کی عادی ہو چکی ہوں۔" نایاب نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا اب اٹھ جاؤ۔" رابعہ بولی۔ "اور یہ دیکھو۔ تمہارے جسم پر یہ نشان کیسے ہیں۔"

"کیسے نشان؟" نایاب چونک گئی۔

"رات کو سونے سے پہلے کوئی کریم لگائی تھی کیا۔" رابعہ نے کہا۔

"نہیں۔ میں نے تو رات کو کوئی کریم وغیرہ نہیں لگائی تھی۔" نایاب نے تعجب سے کہا اور پھر باتھ روم کے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اور پھر اپنے بازوؤں وغیرہ پر سنہری لکیریں دیکھ کر حیران پریشان رہ گئی۔ رابعہ بھی اس کے پیچھے ہی باتھ روم میں آئی تھی۔

نایاب کے پورے جسم پر سنہری لکیروں کا جال سا بنا ہوا تھا۔ لگتا تھا جیسے کسی رسی کو سنہری رنگ میں بھگو کر اسے پورے جسم پر پھیر دیا گیا ہو۔

"یہ .... یہ کیا ہے رابعہ .....؟" نایاب ہکلائی۔

"تمہیں معلوم ہو گا۔" رابعہ بولی۔ "میں تمہیں جگانے کے لئے یہاں بیٹھی تو پہلے گردن پر یہ نشان نظر آیا تھا۔ میں نے اس نشان کو چھو کر دیکھا۔ یہ دیکھو۔ میری انگلی پر بھی سنہری پن آگیا ہے اور بڑی عجیب سی خوشبو ہے اس میں۔"

نایاب نے جسم پر ایک نشان کو انگلی سے چھوا اور اسے سونگھنے لگی۔

"عجیب سی مہک ہے۔" وہ بڑبڑائی۔ "میں نے زندگی میں اتنی سحر انگیز خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔ لیکن ..... میرے جسم پر یہ نشان کیسے لگے۔"

"نایاب۔" رابعہ بولی۔ "رات کو وہ نوجوان خواب میں تمہارے کمرے میں آیا تھا۔ کیا وہ .....؟"

"میں کچھ نہیں جانتی رابعہ۔" نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ اس کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔ "وہ خواب تھا یا حقیقت ..... مجھے اب کچھ احساس نہیں لیکن ..... کھلی ہوئی کھڑکی اور جسم پر یہ نشان اب مجھے کچھ اور سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ وہ .... وہ نوجوان ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "وہ نوجوان مجھ سے لپٹ رہا تھا اور میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کے جسم میں جیسے ہڈی نہ ہو۔ عجیب لجلجا

پن تھا۔"

"اوہ!" رابعہ چونک گئی۔ وہ چند لمحے گھورتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "تمہارے بدن پر یہ سنہری لکیریں اور وہ سنہرا ناگ ....." وہ خاموش ہوگئی۔ اس سے آگے وہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

"نہیں رابعہ۔" نایاب جلدی سے بولی۔ "مجھے اس طرح مت ڈراؤ۔"

"ڈر تو ہمیں لگ رہا ہے۔" رابعہ بولی۔ "تم اس دلدل میں دھنستی جا رہی ہو۔ میرا خیال ہے اب بھی موقع ہے نایاب ..... پیچھا چھڑا لو ان چیزوں سے۔ ورنہ آگے چل کر یہ تمہارے لئے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

نایاب کی آنکھوں میں اور چہرے پر تشویش کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

"ٹھیک ہے۔ تم باہر نکلو۔ میں نہا کر آتی ہوں۔ پھر بات کریں گے۔"

رابعہ باتھ روم سے باہر آگئی۔ نایاب کے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ کیا وہ حسین و خوبرو نوجوان دراصل سنہری ناگ ہی تھا جو اس کے جسم پر اپنا نشان چھوڑ گیا تھا۔ نایاب کانپ اٹھی۔ وہ اس سے آگے نہیں سوچ سکی تھی۔ اس کا دماغ سلگنے لگا۔ اس نے شاور کھول دیا۔

وہ دیر تک شاور کے نیچے کھڑی رہی اور جب اس نے دوبارہ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو جسم پر سے وہ سنہری نشان غائب ہو چکے تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ باتھ روم سے نکلی اور تیار ہو کر کمرے سے باہر آگئی۔ وہ عام طور پر نہانے کے بعد اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتی تھی لیکن آج اس کا دماغ بوجھل سا ہو رہا تھا۔ اسے بار بار یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم پر کوئی سانپ رینگ رہا ہو۔ لیکن تھوڑی دیر بعد یہ کیفیت بتدریج ختم ہوتی چلی گئی اور وہ اپنے آپ کو پرسکون سا محسوس کرنے لگی۔

رابعہ بھی اپنے کمرے سے آگئی تھی۔ صغریٰ نے ان دونوں کے لئے ناشتہ لگا دیا اور وہ دونوں خاموشی سے ناشتہ کرنے لگیں۔ دونوں کن انکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہیں۔ لیکن زبان کسی نے نہیں کھولی تھی۔

ناشتے کے بعد وہ نایاب والے کمرے میں آگئیں۔ نایاب بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی اور رابعہ نے اس کے سامنے کرسی سنبھال لی تھی۔

"بڑی عجیب بات ہے رابعہ۔" نایاب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم نے سنہری ناگ کے بارے میں بات کی تھی۔ میں نے اس پہلو پر بھی سوچا ہے۔ تم نے کہا تھا کہ رات کو میں نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا لیکن میں نے کہا تھا کہ وہ خواب نہیں تھا اور میں اب بھی کہتی ہوں کہ میں کوئی خواب نہیں تھا۔"

"تو کیا وہ پراسرار نوجوان ....."

"ہاں۔" نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ انسان نہیں' سنہری ناگ تھا۔ میرے جسم پر سنہری لکیریں اس کی تصدیق کرتی ہیں۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر نظریں جھکاتے ہوئے بولی۔ "بات تو شرم کی ہے مگر میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ گاؤں سے آتے ہوئے میں نے حویلی کے جھروکے میں جس نوجوان کو دیکھا تھا وہ بے حد حسین اور خوبرو تھا۔ تم اس کو نہیں دیکھ سکی تھیں۔ اگر دیکھ لیتیں تو تمہاری کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہ ہوتی۔ بہرحال' اسے دیکھنے کے بعد میں ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہوگئی تھی۔ میں ہر وقت اسی کے بارے میں سوچتی رہتی۔ کوشش کے باوجود ایک لمحہ کو بھی اس کا خیال ذہن سے نہ نکال سکی۔

گزشتہ رات میں گہری نیند میں تھی کہ اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی اور پھر میں نے اس نوجوان کو اپنے سامنے کھڑے ہوئے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ وہ میرے قریب آگیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس وقت مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔

اس نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ ہم دونوں ہوا میں معلق تھے۔ کھڑکی خودبخود کھل گئی اور وہ مجھے ساتھ لے کر کھڑکی سے باہر نکل گیا۔ ہم دونوں بادلوں میں تیرتے رہے۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ میں اس سے لپٹ گئی اور پھر ہم زمین پر اتر آئے۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا تھا لیکن میں ان لمحات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور پھر تم نے مجھے جگا دیا۔ آنکھ کھل جانے کے بعد بھی میں دیر تک اسی تصور میں گم رہی۔ اب اپنے جسم پر ان سنہری لکیروں کو دیکھنے کے بعد مجھے یاد آرہا ہے

کہ وہ بار بار مجھ سے لپٹتا رہا تھا لیکن اس کے جسم میں ایک عجیب سی نرماہٹ اور گداز پن تھا۔ جیسے اس کے جسم میں ہڈی نہ ہو اور سانپ ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوگئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ "سانپ کے جسم میں بھی ہڈی نہیں ہوتی ..... یہ .... سب کیا ہے رابعہ ..... پہلے میں نے ان کی باتوں پر توجہ نہیں دی تھی لیکن رات کے تجربے کے بعد مجھے خوف آنے لگا ہے۔ کیا وہ سنہرا ناگ ہی اس پراسرار نوجوان کے روپ میں میرے سامنے آیا تھا؟"

"تمہارے جسم پر سنہری نشان تو یہی ثابت کرتے ہیں۔" رابعہ نے کہا۔ "اب تک گاؤں میں اور یہاں جو بھی واقعات پیش آئے ہیں ان سے تو اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ وہ سنہرا سانپ پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔ وہ ہر روپ اپنا سکتا ہے۔ اب میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ پراسرار بوڑھا بھی وہی سنہرا ناگ ہے جو ہر قدم پر تمہاری مدد کرتا رہا ہے اور یہ حسین نوجوان وہی سانپ ہے جو بند کمرے میں تمہارے پاس آگیا اور تمہیں ساتھ لے کر کھڑکی کی سلاخوں سے باہر چلا گیا۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ تمہیں ساتھ لے کر اس کمرے سے باہر گیا تھا اور تم اسی کمرے میں موجود تھیں۔ ہاں نایاب! ایسے کام تو کوئی پراسرار قوت ہی کر سکتی ہے اور وہ سنہرا ناگ پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اب تو وہ تمہارا دوست ہے۔ تمہارا محافظ ہے۔ لیکن ایسی پراسرار چیزوں کا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ کل وہ تمہاری کسی حرکت پر ناراض ہوگیا تو تمہیں کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ وہ مثل تو بہت مشہور ہے کہ سانپ کو دودھ پلاتے رہو تو بھی وہ ڈسنے سے باز نہیں آتا۔"

"مقدمے کا فیصلہ ہونے میں ایک مہینہ باقی ہے۔"

رابعہ نے کہا۔ "اور اگر مقدمے کا فیصلہ ہوگیا تو تم یقیناً گاؤں بھی جاؤ گی اپنی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے اور وہ ناگ، ناگ مہاراج بھی وہیں رہتے ہیں۔ اگر پھر سے کوئی چکر چل گیا تو ....."

"گاؤں تو مجھے جانا ہی پڑے گا اور چکر بھی چل ہی رہا ہے۔" نایاب نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم جانتی ہو کہ اگر مقدمے کا فیصلہ میرے حق میں ہوا اور زمین مجھے مل گئی تو میں اپنے پاس نہیں رکھوں گی۔ ان غریب کسانوں میں تقسیم کروں گی۔ جنہیں

چوہدریوں کے ہاتھ نقصان اٹھانا پڑا ہے اور پھر میں چوہدری سعادت کو کیسے بھول سکتی ہوں۔ اس کی کہانی شروع ہوچکی ہے اور اگر اسے پایہ تکمیل تک نہ پہنچایا گیا تو وہ ایسے غریب اور معصوم لوگوں پر پہلے سے زیادہ ظلم ڈھائے گا۔"

"دوسروں کی بھلائی سوچتے ہوئے تم اپنا نقصان کر بیٹھو گی۔" رابعہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "بھول جاؤ سب کچھ۔ گاؤں دیہاتوں میں تو یہ سب کچھ صدیوں سے ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ تم اکیلی ظلم کی ان داستانوں کو ختم نہیں کر سکتیں۔ ظلم سہنا تو غریبوں کا مقدر بن چکا ہے اور مقدر کو بدلا نہیں جاسکتا۔"

"یہاں میں تم سے اختلاف کروں گی۔" نایاب نے کہا۔ "مقدر بنانا انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ ظلم تو وہ سیلاب ہے جس کے آگے اگر بند نہ باندھا جائے تو وہ بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ یہ درست ہے کہ میں ساری دنیا سے ظلم کو خاتمہ نہیں کر سکتی لیکن کم از کم ایک ایسی مثال قائم ہو جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔"

"تو گویا تم گاؤں ضرور جاؤ گی۔" رابعہ نے اسے گھورا۔

"ہاں۔ میرا گاؤں جانا بہت ضروری ہے۔" نایاب نے کہا۔ "تم یہ بھول رہی ہو کہ وہاں بہت بڑا خزانہ بھی موجود ہے اور مجھے اس خزانے کو کام میں لانا ہے۔"

"بہت مشکل ہے۔" رابعہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"کیا مشکل ہے؟" نایاب بولی۔

"تمہارا ان پراسرار قوتوں سے نجات حاصل کرنا۔" رابعہ نے جواب دیا۔ "وہ خزانہ ان کھنڈرات کے نیچے ہے جہاں سنہرے ناگ کا بھی ڈیرا ہے۔ کیا تم اپنے آپ کو اس سے الگ رکھ سکو گی؟"

"کوشش کروں گی کہ ان معاملات میں اب زیادہ دلچسپی نہ لوں۔" نایاب نے جواب دیا۔ "مقدمے کا فیصلہ ہونے کے بعد زمین حاصل کرنے کے بعد غریب کسانوں میں بانٹنی ہے۔ اور سکندر بھائی سے مل کر وہ خزانہ وہاں سے نکالنا ہے۔ اس کے بعد میرا اس سنہرے ناگ سے تعلق ختم ہو جائے گا۔"

"اور اگر اس دوران کچھ ہوگیا تو؟" رابعہ نے اسے گھورا۔

"کوشش کروں گی کہ کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے۔" نایاب نے جواب دیا۔ وہ مزید

کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ صغریٰ نے دروازے میں آکر کسی کی فون کال کی اطلاع دی۔ نایاب اٹھ کر لاؤنج میں آگئی۔

ٹیلی فون کا ریسیور الگ رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ وہ ڈی ایس پی کی کال تھی۔

"مس نایاب۔" ڈی ایس پی نے اس کی ہیلو کے جواب میں کہا۔ "آج صبح سویرے پولیس نے چھاپہ مار کر دو آدمیوں کو حراست میں لے لیا ہے جنہوں نے یہ اعتراف کرلیا ہے کہ وہ اس پارٹی میں شامل تھے جس نے کل آپ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ کون ہیں وہ لوگ ؟" نایاب نے پوچھا۔

"ان میں ایک تو اسی شہر کا تھرڈ ریٹ غنڈہ ہے اور دوسرا کوئی دیہاتی ہے جو اپنا نام گامی بتاتا ہے۔ ابھی ان سے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ انہوں نے کس کے کہنے پر آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر آپ اسے شناخت کرلیتیں تو پولیس کو اپنی تفتیش میں آسانی ہو جائے گی۔"

"میں اسے کیسے شناخت کرسکتی ہوں۔ مجھے کیا پتہ کہ وہ کون ہے۔" نایاب نے کہا۔

"جو آدمی پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا اسے آپ کی دوست نے شناخت کرلیا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ اسے بھی پہچانتی ہوں۔ اس لئے اگر آپ مناسب سمجھیں تو۔"

"ٹھیک ہے۔ انہیں کہاں رکھا گیا ہے ؟" نایاب نے پوچھا۔

"پولیس اسٹیشن کے لاک اپ میں۔ انسپکٹر جمال وہاں آپ کا انتظار کر رہا ہے۔" ڈی ایس پی نے کہا۔

"میں ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ جاتی ہوں۔ لیکن میں نے اپنی کوٹھی کی آتش زدگی کے سلسلے میں جس شخص کے بارے میں بتایا تھا اس کا آپ نے کیا کیا ؟" نایاب نے پوچھا۔

"پولیس پارٹی آج صبح نور پور کے لئے روانہ ہوچکی ہے۔ کل شام تک وہ لوگ ملزم کو یہاں لے آئیں گے۔" ڈی ایس پی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ایک گھنٹے میں پولیس اسٹیشن پہنچ رہی ہوں۔" نایاب نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

وہ کمرے میں آکر رابعہ کو ڈی ایس پی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگی۔

"کیا نام بتایا ہے اس نے ؟" رابعہ نے پوچھا۔

"گامی۔" رابعہ سوچتے ہوئے بولی۔ "گاؤں میں تو اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے چوہدری کے ڈیرے میں کوئی آدمی رہتا ہو۔ اس نے ڈیرے پر بھی تو بہت سے آدمی رکھے ہوئے ہیں جن کا گاؤں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"چل کر دیکھ لیتے ہیں۔ اگر وہ ڈیرے پر بھی رہتا ہے تو گاؤں میں اس کی آمدورفت تو ہوگی۔ ہوسکتا ہے کبھی تمہاری نظروں میں آیا ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ چلو۔" رابعہ کرسی سے اٹھ گئی۔

"کپڑے تو بدل لو۔ میں بھی ذرا تیار ہو لوں۔ بازار میں کچھ شاپنگ بھی کرلیں گے۔" نایاب نے کہا۔

رابعہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی اور دروازہ بند کرکے تیار ہونے لگی اور پھر تقریباً" چالیس منٹ بعد وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ رہی تھیں۔ پولیس اسٹیشن میں انسپکٹر جمال ان کا منتظر تھا۔

"آپ کو جو زحمت ہو رہی ہے اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔" انسپکٹر جمال نے کہا۔ "عوام اگر پولیس سے تعاون کریں تو جرائم میں نمایاں کمی ہوسکتی ہے۔"

"عوام تو پولیس سے تعاون کرنے کو تیار رہتے ہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بعض اوقات نہیں بلکہ اکثر قانون کی مدد کرنے والوں کو ہی دھر لیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ سامنے آنے سے کتراتے ہیں۔" نایاب نے کہا۔

"آپ بھی ٹھیک ہی کہتی ہیں۔" انسپکٹر جمال نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "غلطیاں کچھ ہماری بھی ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ پولیس میں آنے کے بعد بعض لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ قانون کے محافظ نہیں' مالک بن گئے ہیں۔ وہ اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جس کا خمیازہ پورے محکمہ کو بھگتنا پڑتا ہے۔ بہرحال' میں آپ لوگوں کا شکر گزار ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "آیئے۔ ایک نظر ان دونوں کو دیکھ لیں۔"

وہ دفتر والے کمرے سے باہر آگئے۔ عمارت کے دائیں طرف راہداری میں حوالات تھا۔ تین کوٹھیاں تھیں جن میں لوہے کی سلاخوں والے دروازے لگے ہوئے تھے۔ پہلی کوٹھری میں تین آدمی تھے۔ ان میں ایک تو ادھیڑ عمر تھا اور دو کی عمریں بیس سے پچیس کے درمیان رہی ہوں گی۔ وہ تینوں صورتوں ہی سے جرائم پیشہ لگتے تھے۔ اس سے آگے والی کوٹھری میں دو آدمی تھے۔ ایک فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ دوسری طرف تھا اور دوسرا دیوار سے ٹیک لگائے ٹانگیں پسارے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ شکل ہی سے چھٹا ہوا بدمعاش لگ رہا تھا۔

وہ تینوں اسی کوٹھری کے سامنے رک گیا۔ انسپکٹر جمال نے نایاب اور رابعہ کی طرف دیکھا۔ ان دونوں نے نفی میں سرہلا دیا۔

"اس کو اٹھاؤ ....." انسپکٹر جمال نے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے بدمعاش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اس شخص نے فرش پر لیٹے ہوئے شخص کو جھنجھوڑ دیا۔

"اٹھ اوئے۔ باپ کا گھر سمجھ کر سو رہا ہے۔ پتہ نہیں تجھے یہ تھانہ ہے۔ اٹھ۔ جلدی کر....."

وہ شخص اٹھ کر بیٹھ گیا۔ رابعہ کے لئے تو وہ چہرہ اجنبی تھا لیکن نایاب اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ یہ چہرہ اسے جانا پہچانا سا لگا تھا لیکن اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔

انسپکٹر جمال نے گردن گھما کر رابعہ اور نایاب کی طرف دیکھا۔ رابعہ نے تو نفی میں سرہلا دیا لیکن نایاب کی آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی۔

"لگتا ہے آپ اس شخص کے بارے میں کچھ جانتی ہیں۔" انسپکٹر جمال نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ..... چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے۔ ذرا سوچنے دیں کہ اسے کہاں دیکھا تھا۔" نایاب نے کہا اور پھر چند لمحوں بعد وہ اچھل پڑی۔ اسے یاد آگیا تھا کہ اس شخص کو کہاں دیکھا تھا۔

کئی روز پہلے جب وہ کھیتوں میں اپنے اوپر فائرنگ ہونے کے بعد نور پور تھانے گئی

تھی تو اس شخص کو اس نے تھانے میں دیکھا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس شخص کو کس جرم میں پکڑ کر لایا گیا تھا۔ لیکن اس وقت اس کی پٹائی ہو رہی تھی اور نایاب نے اب اسے پہچان لیا تھا۔

"ہاں۔ میں نے اسے پہچان لیا ہے۔" نایاب نے انسپکٹر جمال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے میں نے نور پور تھانے میں دیکھا تھا۔ مجھے معلوم نہیں اسے کس جرم میں پکڑ کر لایا گیا تھا۔ آپ اس کے بارے میں نور پور پولیس سے معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔ ویسے ایک بات میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں۔ جس طرح پولیس مقابلے میں مارا جانے والا رمضان نائی وہ شخص چوہدری سعادت کا کارندہ تھا' اس کا بھی چوہدری سعادت سے کوئی تعلق ضرور ہوگا۔ اسی نے اس کی خدمات حاصل کی ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم معلوم کرلیں گے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کو جو زحمت ہوئی اس کے لئے میں ایک بار پھر معذرت چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمال نے کہا۔

وہ دفتر میں آکر بیٹھ گئے۔ انسپکٹر جمال نے ان کے لئے چائے منگوا لی۔ چائے کے دوران باتیں بھی ہوتی رہیں اور پھر نایاب اور رابعہ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پولیس اسٹیشن سے باہر آگئیں۔

نایاب تقریباً" آدھے گھنٹے تک گاڑی کو مختلف سڑکوں پر دوڑاتی رہی پھر اس نے گاڑی ایک شاپنگ ایریا میں روک لی اور انجن بند کردیا وہ دونوں گاڑی سے اتر آئیں۔ نایاب نے دروازہ لاک کر دیا اور پھر وہ دونوں مختلف دکانوں میں گھومنے لگیں۔

وہ تقریباً" تین گھنٹوں تک شاپنگ کرتی رہیں۔ نایاب نے اپنے اور رابعہ کے علاوہ کپڑوں کے چند جوڑے اور بھی خریدے تھے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں خریدی گئی تھیں۔

جب وہ گھر پہنچیں تو تین بج رہے تھے۔ بھوک سے دونوں کی بری حالت ہو رہی تھی۔ صغریٰ نے ان کے لئے کھانا لگا دیا اور وہ دونوں اس طرح کھانے پر ٹوٹ پڑیں جیسے کئی دن کی بھوکی ہوں۔

کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں رابعہ والے کمرے میں آگئیں۔ ادھر پلنگ پر بیٹھے باتیں کرتے کرتے دونوں پر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں پلنگ پر

آڑی ترچھی پڑی خراٹے لے رہی تھیں۔

نایاب گاؤں جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس نے آر کیٹیکٹ سے رابعہ کے مکان کا نقشہ بھی لے لیا تھا اور اس کا ایک اسسٹنٹ ریاض بھی ان کے ساتھ جانے کو تیار تھا تاکہ مکان کی تعمیر شروع کرنے کے انتظامات کا جائزہ لے سکے۔

پولیس پارٹی نور پور سے ملنگی کو لے کر آئی تھی۔ نسرین کی کوٹھی کے چوکیدار نے اسے شناخت کرلیا تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جو اس رات نایاب کی کوٹھی کے سامنے سب سے پہلے کار سے اترا تھا اور پھر وہ لوگ کوٹھی کو آگ لگا کر فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہوگئے تھے۔ پولیس نے اس کے خلاف کیس درج کرلیا تھا۔ نور پور میں بھی ملنگی کے خلاف قتل اور دیگر سنگین جرائم کے تحت کئی مقدمات درج تھے۔ اس لئے ملنگی کو دوبارہ نور پور پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔

اس مرتبہ نایاب نے ٹرین یا بس پر سفر کرنے کے بجائے اپنی گاڑی پر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ ارشاد صاحب نے نایاب سے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ گاؤں میں چند روز سے زیادہ نہ ٹھہرے۔ رابعہ کچھ زیادہ پریشان تھی۔ اس نے دبے لفظوں میں نایاب کے گاؤں جانے کی مخالفت کی تھی لیکن نایاب نہیں مانی تھی۔

"تم پریشان مت ہو میری بنو۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میں اپنا خیال رکھوں گی۔"

"ایک بات ذہن میں رکھ لو نایاب!" رابعہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں دو چار روز سے زیادہ وہاں نہیں ٹکنے دوں گی۔ یا تو تمہیں زبردستی واپس بھیج دوں گی یا خود لے کر آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہاری یہ بات ذہن میں رکھوں گی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اور پھر اگلے روز صبح ٹھیک چھ بجے وہ کوٹھی سے روانہ ہوگئیں۔ ریاض کا گھر راستے ہی میں تھا۔ وہ تقریباً" پندرہ منٹ بعد وہاں پہنچ گئیں۔ ریاض بھی تیار ہی تھا۔ رابعہ نایاب

کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ ریاض پیچھے بیٹھ گیا۔ اس کا چھوٹا سا سوٹ کیس ڈگی میں رکھ دیا گیا تھا۔

چھ سات گھنٹے کا راستہ تھا۔ نایاب پوری تیاری کرکے گھر سے روانہ ہوئی تھی۔ شہر کی حدود سے نکل کر ہائی وے پر آتے ہی اس نے رفتار بڑھا دی۔ کشادہ ہائی وے پر اگرچہ ہیوی ٹریفک کی بھرمار تھی لیکن نایاب کو تیز رفتاری سے گاڑی چلانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔

ڈیڑھ بجے کے قریب اس نے ایک چھوٹی سی بستی کے قریب گاڑی روک لی۔ یہاں چند دکانیں تھیں۔ اور تین چار ہوٹل تھے۔ بسیں اور ٹرک وغیرہ عام طور پر یہاں رک جایا کرتے تھے۔ اس اڈے کے قریب ہی ایک نہر بھی تھی۔ دو ہوٹل نہر کی طرف تھے۔ ٹاہلی کے درختوں کے نیچے چارپائیاں بھی بچھی ہوئی تھیں اور میزیں کرسیاں بھی۔

نایاب نے گاڑی نہر کے کنارے ایک درخت کے نیچے روک لی اور وہ تینوں نیچے اتر آئے۔ چارپائیوں اور میزوں پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ یہ ان بسوں کے مسافر تھے جو یہاں رکی ہوئی تھیں۔ دوپہر کے کھانے کے وقت دونوں طرف سے آنے والی بسیں یہاں رک جایا کرتی تھیں اور ہوٹل والوں کی چاندی ہو جاتی تھی۔

نایاب وغیرہ بھی ایک میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہی میلے کچیلے لباس میں ہوٹل کا ملازم لڑکا ان کے پاس آیا۔ نایاب نے کھانا لانے کے لئے کہہ دیا۔

کھانے کے بعد بھی وہ بیس پچیس منٹ تک یہاں رکے رہے۔ پھر آگے روانگی کی تیاری کرنے لگے۔

"میڈم۔ آپ ڈرائیونگ کرتے ہوئے تھک گئی ہوں گی۔ آپ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ جایئے۔ میں ڈرائیو کرتا ہوں۔" ریاض نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے بھی تھوڑا سا ریسٹ مل جائے گا۔" نایاب نے جواب دیا۔

نایاب اور رابعہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں اور ریاض نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور اس طرح ان کا سفر دوبارہ شروع ہوگیا۔

نور پور اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ صرف ڈیڑھ دو گھنٹے کا راستہ تھا۔ نور پور سے چھ سات میل پہلے ہی انہیں گاؤں کی طرف جانے والے راستے پر مڑ جانا تھا۔ ریاض بڑی

مہارت سے ڈرائیونگ کر رہا تھا لیکن وہ نور پور سے ابھی پچاس میل دور تھے۔ کہ اچانک ہی اس کے کندھے میں بہت شدید درد اٹھا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کے کندھے کی ہڈی چیخ رہی ہو۔ اس نے اچانک ہی گاڑی روک دی۔

نایاب اور رابعہ پچھلی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے اونگھ رہی تھیں۔ گاڑی اس طرح اچانک رکی تو جھٹکا لگنے سے ان دونوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ نایاب نے سنبھلتے ہوئے ریاض کی طرف دیکھا۔ وہ بائیں ہاتھ سے دایاں کندھا دبائے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

"کیا ہوا مسٹر ریاض۔ کیا بات ہے؟" نایاب نے آگے جھکتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں کیا ہوا۔ کندھے میں اچانک ہی شدید درد اٹھا ہے۔ لگتا ہے جیسے ہڈی چیخی جا رہی ہو۔" ریاض نے جواب دیا۔

"اوہ۔ آؤ .... تم پیچھے آجاؤ۔ میں گاڑی چلاتی ہوں۔" نایاب کہتے ہوئے دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ ریاض پیچھے آنے کے بجائے سرک کر پسنجرز سیٹ پر چلا گیا۔ نایاب ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی اور اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے بولی۔ "پہلے بھی کبھی ایسا درد ہوا ہے؟"

"نہیں۔ ایسا پہلی مرتبہ ہی ہوا ہے۔" ریاض نے جواب دیا۔

"دیکھتے ہیں راستے میں کسی بستی میں کوئی ڈاکٹر مل جائے تو...." نایاب نے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"کسی ڈاکٹر کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے کوئی نس وغیرہ کھنچ گئی ہوگی۔ ٹھیک ہو جائے گا۔ ویسے اب میں کچھ ریلیف محسوس کر رہا ہوں۔" ریاض نے بازو کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

سڑک پر بسوں اور ٹرکوں کی آمدورفت جاری تھی۔ نایاب نے اپنی گاڑی کو بالکل سائیڈ پر لے رکھا تھا۔ رفتار بھی مناسب تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک چھوٹی سی بستی کے قریب پہنچ گئے۔ نایاب نے گاڑی روک لی اور ایک خوانچے والے کو بلا کر بستی میں کسی ڈاکٹر کے بارے میں دریافت کرنے لگی۔

"یہاں تو کوئی ڈاکٹر نہیں ہے جی۔ ایک حکیم رہتا تھا یہاں وہ بھی چھوڑ کر چلا گیا۔

ڈاکٹر آپ کو نور پور میں ملے گا۔" خوانچے والے نے جواب دیا۔

"میرے خیال میں اب ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔" ریاض نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا کندھا اب بالکل ٹھک ہے۔ جیسے کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ ہو۔ مجھے حیرت ہے' اچانک ہی درد اٹھا اور پھر غائب ہوگیا۔"

"کیا واقعی؟" نایاب بولی۔

"ہاں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اب کوئی تکلیف نہیں ہے مجھے۔" ریاض نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔" نایاب نے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

ان کے گاؤں کی طرف جانے والی سڑک کا موڑ اب دو میل سے زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ نایاب نے گاڑی کی رفتار تیز کردی۔ اس موڑ سے تقریباً" دو سو گز پہلے نایاب کی آنکھوں میں دہشت سی پھیل گئی تھی۔ سامنے سے ایک تیز رفتار بس آرہی تھی اور ایک تیز رفتار ٹرک اسے اوورٹیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بس اور ٹرک کی وجہ سے پوری سڑک گھری ہوئی تھی۔

نایاب کی آنکھوں میں دہشت بڑھتی جا رہی تھی۔ ٹرک بالکل سیدھا آرہا تھا۔ فاصلہ لمحہ بہ لمحہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ ٹرک کسی بھی وقت ان کی گاڑی پر چڑھ جائے گا۔

ریاض کے چہرے پر خوف کے سائے پھیل گئے۔ وہ ٹرک موت کے فرشتے کی طرح ان پر چڑھا آرہا تھا۔

فاصلہ بالکل کم ہوگیا تھا۔ نایاب کے حواس جواب دے چکے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ موت ان کی طرف بڑھتی آرہی تھی۔ ٹرک بالکل سامنے آگیا تھا۔ فاصلہ چند فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ نایاب کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اس نے آنکھیں بند کرکے پوری قوت سے بریک پیڈل دبا دیا۔ ٹرک کسی بھی لمحہ ان کی گاڑی سے ٹکرا سکتا تھا۔ وہ آنکھیں بند کرکے اسٹیئرنگ پر جھکی موت کا دھماکہ سننے کی منتظر تھی۔ دو تین لمحات گزر گئے۔ اس کے خیال میں ٹرک کو اب اس کی گاڑی سے ٹکرا جانا چاہئے تھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر آنکھیں کھول دیں اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

ٹرک ان کی گاڑی کے عین سامنے تھے اور اس کے اگلے پہیے اوپر اٹھ رہے تھے۔

ریاض اور پچھلی سیٹ پر بیٹھی رابعہ بھی پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس ٹرک کو اوپر اٹھتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ٹرک کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا جیسے اس نے گاڑی سے ٹکرانے کا ارادہ ترک کر دیا ہو اور ہائی جمپ لگا کر گاڑی کے اوپر سے گزر جانا چاہتا ہو۔

ٹرک ان کے سامنے گاڑی کے اوپر سے اڑتا ہوا گزر گیا اور پھر ایک زور دار دھماکے کی آواز سنائی دی۔ ان تینوں نے بیک وقت مڑ کر پیچھے دیکھا۔ ٹرک بالکل سیدھا پہیوں کے بل سڑک پر گرا تھا۔ وہ دو تین مرتبہ اچھلا اور پھر الٹ گیا اور دو قلابازیاں کھا کر سڑک سے چند فٹ دور ایک کھیت میں اس طرح گرا کہ اس کے پہیے اوپر کی طرف تھے۔ ٹرک میں اناج کی بوریاں بھری ہوئی تھیں جو بکھر گئیں۔

سڑک کے موڑ کے قریب ہی دو تین چھوٹی دکانیں تھیں۔ ان دکانوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے اور سڑک پر سے گزرتی ہوئی بسوں اور دیگر سواریوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے یہ حیرت انگیز اور خوفناک منظر دیکھا تھا۔ کئی گاڑیاں رک گئی تھیں۔ دکانوں پر بیٹھے ہوئے لوگ نایاب کی کار کی طرف دوڑے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کار کچلی گئی ہوگی اور اس میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی قیمہ بن گئے ہوں گے۔ لیکن کار اور اس کے اندر بیٹھی ہوئی نایاب وغیرہ کو دیکھ کر سب ہی حیران رہ گئے تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ٹرک کار سے ٹکرا کر اوپر سے قلابازی کھاتے ہوئے دوسری طرف سڑک پر گرا تھا لیکن نہ تو کار کو کوئی گزند پہنچی تھی اور نہ ہی اس میں بیٹھے ہوئے مسافروں کو۔

دو بسیں بھی رک گئی تھیں۔ مسافر اتر کر کار کی طرف دوڑے۔ پھر کار اور اس کے مسافروں کو محفوظ دیکھ کر کھیت میں الٹے ہوئے ٹرک کی طرف دوڑے۔ زخمی ڈرائیور اور کلینر کو بوریوں کے نیچے سے نکالا گیا۔

بہت سے لوگ وہاں جمع ہوگئے تھے۔ دونوں طرف کا ٹریفک رک گیا تھا۔ دکان پر بیٹھے ہوئے دو آدمی کار کی طرف بھی دوڑے تھے۔ وہ دونوں اسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے نایاب اور رابعہ کو پہچان لیا۔ وہ چیخ چیخ کر اپنے دوسرے ساتھیوں کو بتا رہے تھے کہ اس کار میں چھوٹی بی بی اور رابعہ بیٹھی ہوئی ہیں۔

نایاب اور رابعہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر وہ ریاض کی طرف دیکھنے لگیں۔ ریاض کے چہرے پر اب بھی خوف و دہشت کے تاثرات نمایاں تھے۔ نایاب اور

رابعہ کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ موت ان کے بہت قریب سے گزری تھی اور ان کا خوفزدہ ہونا فطری بات تھی۔

"چھوٹی بی بی۔" کار کے قریب کھڑے ہوئے گاؤں کے خیر دین نامی شخص نے کہا۔ "آپ لوگ ٹھیک ہیں نا؟ کوئی چوٹ تو نہیں لگی۔"

"ہاں ہم ٹھیک ہیں۔" نایاب نے کھڑکی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کار کے قریب کھڑے ہوئے کچھ اور لوگ بھی ان کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔ ویسے ان سب کو حیرت اس بات پر تھی کہ ٹرک اور کار میں تصادم کیوں نہیں ہوا تھا۔ ٹرک کے ساتھ ساتھ آنے والی بس کے مسافروں نے تو یہ دلچسپ منظر بھی دیکھا تھا کہ کار کے قریب پہنچ کر ٹرک ہوا میں اٹھ گیا تھا اور کار کے اوپر سے ہوتا ہوا دوسری طرف جا کر گرا تھا۔ ان لوگوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

نایاب نے مڑ کر معنی خیز نگاہوں سے رابعہ کی طرف دیکھا۔ ان کے مرنے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی لیکن ٹرک اس طرح اڑتا ہوا کار کے اوپر سے گزر گیا تھا جیسے اس کے پر نکل آئے ہوں۔ ان دونوں کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ یہ اسی نادیدہ قوت کا کام تھا جو پہلے بھی نایاب کو حادثات سے بچاتی رہی ہے۔

"حیرت انگیز اور ناقابل یقین۔" ریاض، نایاب کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔ "میں نے تو کلمہ پڑھ لیا تھا۔ لیکن وہ ٹرک کار سے ٹکرانے کی بجائے ہوا میں اڑتا ہوا اوپر سے گزر گیا۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔"

"ابھی ہمارا وقت نہیں آیا تھا ریاض صاحب! ویسے گاؤں میں رہتے ہوئے کلمہ پڑھنے کے بہت سے مواقع آئیں گے اور بہت سی ایسی باتیں ہوں گی جن پر آپ یقین نہیں کریں گے۔" رابعہ نے کہا اور پھر نایاب کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ "یہاں تو مجمع لگ گیا ہے نایاب! ٹریفک بند ہو رہا ہے۔ گاڑی راستے سے ہٹاؤ۔"

نایاب نے انجن اسٹارٹ کر دیا اور ہارن بجانے لگی۔ لوگ ادھر ادھر ہٹ گئے۔ نایاب نے گاڑی کو سڑک سے اتار کر دکانوں کے سامنے روک کر انجن بند کر دیا اور ریاض کو اشارہ کرتے ہوئے نیچے اتر آئی۔ رابعہ کار ہی میں بیٹھی رہی تھی۔

کچھ لوگ اب بھی کار کے قریب آکر اسے چاروں طرف سے دیکھ رہے تھے اور کچھ

لوگ کھیت میں الٹے ہوئے ٹرک کے قریب جمع تھے۔ زخمی ڈرائیور اور کلینر کو ایک کار میں ڈال کر نور پور بھیج دیا گیا تھا۔

نایاب بڑی گہری نظروں سے صورتحال کا جائزہ لے رہی تھی۔ جن لوگوں نے ٹرک کو کار کے اوپر سے اچھلتے ہوئے دیکھا تھا وہ نایاب اور قریب کھڑے ہوئے ریاض کی طرف دیکھتے ہوئے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

نایاب کچھ دیر وہاں کھڑی رہی پھر اپنی کار کے پاس آگئی۔ اس نے کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ ایک ادھیڑ عمر آدمی کار کے سامنے آگیا۔ اس نے پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس شخص کے چہرے کو دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس کا تعلق پولیس سے ہے۔ نایاب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہارن بجا دیا۔

"پلیز۔ آپ سامنے سے تو ہٹ جایئے۔" نایاب نے کھڑکی سے گردن نکال کر اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیونکہ ہارن بجانے کے باوجود وہ سامنے سے نہیں ہٹا تھا۔

"محترمہ! آپ پولیس کے آنے سے پہلے نہیں جا سکتیں۔ زخمیوں کے ساتھ ایک آدمی گیا ہے۔ وہ پولیس کو اطلاع دیدے گا۔ پولیس کو یہاں آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ نور پور کا یہاں سے فاصلہ ہی کتنا ہے۔ صرف چھ سات میل!"

"آپ کون ہیں اور پولیس کے آنے تک مجھے کیوں روکنا چاہتے ہیں۔" نایاب نے اس شخص کو گھورا۔

"میں شاہ پور پولیس کا سب انسپکٹر ہوں۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "یہ حادثہ آپ کی وجہ سے پیش آیا ہے اس لئے آپ کو پولیس کے آنے تک رکنا پڑے گا۔"

"کیا آپ نے یہ حادثہ ہوتے دیکھا تھا؟" نایاب نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ میں اس بس میں تھا اور بس کے دوسرے مسافروں کی طرح میں بھی اس حادثے کا چشم دید گواہ ہوں۔"

"تو گویا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے اس ٹرک کو اٹھا کر کار کے اوپر سے پھینکا تھا۔ آپ نے یہ تو نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ ٹرک کس قدر تیز رفتاری سے بس کو اوورٹیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر وہ ٹرک ہماری گاڑی سے ٹکرا جاتا تو جانتے ہیں ہمارا کیا حشر ہوتا۔" نایاب نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ واقعی ذمہ دار اور فرض شناس پولیس

آفیسر ہیں۔ راستے سے ہٹ جایئے ورنہ گاڑی اوپر چڑھا دوں گی۔"

"یہ خاتون ٹھیک کہہ رہی ہے۔" ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ وہ بھی اسی بس کا مسافر تھا جس میں وہ پولیس آفیسر سفر کر رہا تھا۔ وہ پولیس آفیسر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں بھی اس حادثے کا چشم دید گواہ ہوں۔ وہ ٹرک خودبخود ہوا میں اچھل گیا تھا۔ یہ کس طرح ہوا لیکن بہرحال اچھا ہی ہوا۔ اگر ٹکر ہو جاتی تو کار اور اس میں بیٹھے ہوئے ان تینوں افراد کا قیمہ بن چکا ہوتا۔ اس خاتون پر حادثے کی ذمہ داری کسی طرح بھی عائد نہیں کی جاسکتی۔ آپ بلاوجہ بات کو الجھانے کی کوشش نہ کریں جناب!"

"ارے بھئی۔ ان کا تعلق پولیس سے ہے۔ یہ چاہے ڈیوٹی پر ہوں یا چھٹی پر۔ ہر معاملے میں ٹانگ تو اڑانی ہی پڑتی ہے نا ان لوگوں کو۔" قریب کھڑے ہوئے ایک اور آدمی نے کہا۔

وہ پولیس آفیسر اسے گھور کر رہ گیا۔ کچھ اور آدمی بھی بولنے لگے تھے۔ اس پولیس آفیسر کو بادل نخواستہ کار کے سامنے سے ہٹنا پڑا۔

"ویسے میں اس قریبی گاؤں میں رہتی ہوں۔" نایاب نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ دکان والے مجھے جانتے ہیں اور نور پور کے پولیس آفیسر بھی میرے نام سے واقف ہیں۔ اگر پولیس یہاں آجائے تو یہ دکان والے انہیں میرا نام اور پتہ بتا دیں گے۔"

"آہو جی۔ ہم چھوٹی بی بی کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ تھانے کے سپاہی آئیں گے تو ہم انہیں بتا دیں گے۔" خیر دین نے آگے بڑھ کر کہا۔

نایاب نے گاڑی آگے بڑھا دی اور پھر دکانوں کے قریب پہنچ کر اسے گاؤں کی طرف جانے والے راستے پر موڑ دیا۔

"یہ میری زندگی کا ناقابل فراموش واقعہ ہے۔" ریاض نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو حیرت اس بات پر ہے کہ وہ ٹرک ہوا میں کس طرح اٹھ گیا تھا۔"

"ریاض صاحب!" رابعہ اسے مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ "آپ چند روز یہاں رہیں گے تو بہت سے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز واقعات دیکھیں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ حیران ہوتے ہوئے پریشان نہ ہو جائیں۔"

"کیا یہ کوئی طلسمی دنیا ہے؟" ریاض بولا۔

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔" رابعہ مسکرائی۔

"رابعہ تم خاموش نہیں رہ سکتیں۔" نایاب نے اسے ہولے سے ڈانٹ دیا۔ "تم ریاض صاحب کو بلاوجہ ڈرا رہی ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارا مکان تعمیر کئے بغیر واپس چلے جائیں اور جہاں تک اس ٹرک کے ہوا میں اچھلنے کی بات ہے تو ایک چیز میری سمجھ میں آتی ہے۔" وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "ٹرک کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس کے پہیے کے نیچے کوئی پتھر وغیرہ آگیا ہوگا جس سے وہ ہوا میں اچھل گیا۔ شکر کرو کہ ٹرک کے اچھلنے کی وجہ سے ہماری جان بچ گئی ورنہ اس وقت ہم اس حادثے پر تبصرہ نہ کر رہے ہوتے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔" رابعہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا اور پھر وہ واقعی خاموش ہوگئی۔

نایاب ہلکی رفتار سے کار چلاتی رہی اور پھر گاؤں کی طرف سے کچھ لوگوں کو آتے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ ان میں چند نوعمر لڑکے بھی تھے۔ نایاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ٹرک کے دھماکے کی آواز گاؤں تک سنی گئی تھی اور لوگ صورتحال معلوم کرنے کے لئے ہائی وے کی طرف آرہے تھے۔ وہ قریب پہنچے تو نایاب نے گاڑی روک لی۔

"السلام علیکم چھوٹی بی بی۔" ان میں سے ایک آدمی نے نایاب کو سلام کرتے ہوئے کہا پھر رابعہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیسی ہو رابعہ بہن۔"

"ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو برکت' چاچی کیسی ہے۔" رابعہ نے کہا۔

"سب ٹھیک ہیں۔" برکت نے کہا۔ "ادھر سے زور دار دھماکے کی آواز آئی تھی۔ ہم دیکھنے جا رہے ہیں کہ وہاں کیا ہوا ہے۔"

"ایک ٹرک الٹ گیا ہے۔" اس مرتبہ رابعہ کے بجائے نایاب نے جواب دیا۔

"کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا چھوٹی بی بی۔" برکت نے کہا۔ "ہم لوگ تو اس لئے جا رہے ہیں کہ شاید کسی کو ہماری مدد کی ضرورت ہو۔"

"ٹرک ڈرائیور اور کلینرز زخمی ہوئے تھے' انہیں ہسپتال بھیج دیا گیا ہے اور سب خیریت ہے۔ وہاں مدد کرنے والے بہت لوگ موجود ہیں۔ تم لوگ محض تماشہ دیکھنے جا رہے ہو تو چلے جاؤ۔"

"ہم ذرا دیکھ کر آتے ہیں۔ شاید کسی کو ہماری مدد کی ضرورت ہو۔" برکت نے کہا اور پھر وہ لوگ ہائی وے کی طرف چل پڑے۔

نایاب نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ تقریباً" دس منٹ بعد اس نے گاڑی ملک صاحب کی حویلی کے سامنے روک لی۔ اس وقت حویلی کے پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھلا اور عذرہ نے جھانک کر دیکھا۔ پہلے تو گاڑی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ پھر نایاب کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ سر پر دوپٹہ درست کرتی ہوئی پھاٹک سے باہر آگئی۔

"آپ آگئیں نایاب باجی!" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "ہم تو اداس ہوگئے تھے .... او ..... رابعہ کی بچی ..... اترو نا۔ یا تم گاڑی میں ہی بیٹھی رہو گی۔" اس نے آخری الفاظ رابعہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

رابعہ مسکراتی ہوئی دروازہ کھول کر نیچے اتر آگئی۔ نایاب اور ریاض بھی اتر آئے تھے۔ عذرہ' ریاض کو دیکھ کر کچھ جھجک سی گئی۔

"یہ کون ہے نایاب باجی۔" اس نے نایاب کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"مہمان ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "تم اندر جاکر بیٹھک کا دروازہ کھولو۔ باقی باتیں بعد میں تفصیل سے ہوں گی۔"

اسی دوران کچھ بچے بھی ان کے گرد جمع ہوگئے تھے۔ نایاب ڈگی کھول کر سامان نکالنے لگی۔ تین سوٹ کیس تھے۔ ایک اس کا' ایک رابعہ کا اور ایک ریاض کا۔ ریاض نے اپنا سوٹ کیس اٹھالیا۔ نایاب نے گاڑی کے دروازے لاک کر دیئے۔ ایک سوٹ کیس اس نے اٹھالیا اور دوسرا رابعہ نے۔

اسی وقت گیٹ سے ذرا ہٹ کر بیٹھک کا دروازہ کھل گیا۔ نایاب' ریاض کو اشارہ کرتی ہوئی اندر داخل ہوگئی جبکہ رابعہ پھاٹک والے دروازے میں داخل ہوگئی تھی۔

"ریاض صاحب! آپ یہاں بیٹھئے۔ میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔" نایاب نے ریاض کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور بیٹھک کے اندرونی دروازے سے حویلی میں چلی گئی۔

سکینہ اور نرگس اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ وہ دونوں اس سے اس طرح ملی تھیں جیسے سگی بہنوں کی برسوں بعد ملاقات ہوئی ہو۔

ملک صاحب اس وقت گھر پر نہیں تھے لیکن پانچ منٹ بعد سکندر آگیا۔ وہ بھی

نایاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔

"سکندر بھائی۔ میرے ساتھ ایک مہمان بھی ہے۔ اس وقت تو وہ بیٹھک میں بیٹھا ہوا ہے لیکن مہمان خانے میں اس کا بندوبست کرنا ہے۔" نایاب نے کہا۔

"ہو جائے گا بندوبست۔ ابھی اسے دو منٹ بیٹھنے تو دو۔ منہ ہاتھ دھوئے' چائے وغیرہ پئے تو مہمان خانے میں بندوبست کر دیں گے۔" سکندر نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "باہر گاڑی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تم لوگ اسی گاڑی پر آئے ہو۔"

"آپ کا اندازہ سو فیصد درست ہے۔" نایاب مسکرائی۔

"اور تم کیسی ہو رابعہ۔" سکندر رابعہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیسا لگا شہر تمہیں؟"

"شہر کی تو دنیا ہی ہم سے الگ ہے سکندر بھائی۔" رابعہ نے جواب دیا۔ "ہر چیز کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔"

"اور یہاں کی صورت حال کیا ہے۔" نایاب نے سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں سب خیریت تو ہے نا؟"

"جہاں سعادت جیسے لوگ ہوں وہاں خیریت کہاں۔" سکندر نے کہا۔ "بہرحال تم لوگ منہ ہاتھ دھو کر آرام کرو۔ رات کو کھانے کے بعد باتیں ہوں گی۔"

شام ہونے میں کچھ ہی دیر باقی تھی۔ رسول بخش بھی ڈھور ڈنگروں کو ہانکتا ہوا آ گیا۔

"اوئے رسول بخش۔" سکندر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹھک میں ایک مہمان بیٹھا ہوا ہے۔ بھینسوں کو باندھ کر اس کا منہ ہاتھ دھلا دو۔"

"اچھا ملک جی۔" رسول بخش نے جواب دیا اور بھینسوں کو کھونٹوں سے باندھ کر بیٹھک کی طرف چلا گیا۔

تقریباً دس منٹ بعد بڑے ملک صاحب بھی آ گئے۔ انہوں نے نایاب اور رابعہ کی خیریت دریافت کی اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔

چائے تیار ہو گئی تھی۔ وہ سب برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ملک سکندر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں بیٹھک میں جا رہا ہوں۔ وہ خدا کا بندہ اکیلا بیٹھا کیا سوچ رہا ہو گا۔ میری چائے

بھی وہیں بھیج دینا۔" اس نے سکینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور بیٹھک میں چلا گیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد رسول بخش بھی ان کے لئے چائے لے کر بیٹھک میں چلا گیا تھا۔

بڑے ملک صاحب بھی چائے کے لئے برآمدے میں آ گئے تھے۔ چائے کے دوران خوش گپیاں ہو رہی تھیں۔ رابعہ بڑے ولولہ انگیز انداز میں اپنے شہر کے تجربات بیان کر رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"وہاں کی بڑی بڑی عمارتوں میں ایسے کمرے میں بھی ہیں جن میں کھڑے ہو تو چند سیکنڈ میں اوپر لے جاتے ہیں اور پھر نیچے لے آتے ہیں۔"

"تم امیوزمنٹ پارک بھی گئی تھیں؟" عذرہ نے پوچھا۔

"نہیں بھئی۔" رابعہ نے نفی میں سرہلایا۔ "دراصل شہر جانے کے دوسرے تیسرے روز ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا تھا کہ ہم نے گھر سے نکلنا کم کر دیا۔ بہت ضروری کام ہوتا تھا تو باہر جاتے تھے ورنہ گھر میں بیٹھے رہتے تھے۔"

"کوئی خاص واقعہ؟" نرگس نے سوالیہ نگاہوں سے نایاب کی طرف دیکھا۔

"ہاں ..... کوئی ایسی ہی بات تھی۔" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "چوہدری سعادت نے شہر میں بھی مجھ پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ بچ گئے۔"

"ہائے میں مرگئی۔" سکینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اس بدبخت نے وہاں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا۔"

"وہ ہر قیمت پر میری موت چاہتا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "اس روز میں ڈیڈی کے ساتھ عدالت میں پیشی کے لئے جا رہی تھی کہ ایک گاڑی نے ہمارا راستہ روک لیا اور تین نقاب پوشوں نے ہم پر فائرنگ کر دی۔" وہ ایک لمحہ کو رکی پھر بولی۔ "لیکن ۔ فائرنگ نہیں ہوئی۔ ان تینوں کی رائفلیں جام ہو گئی تھیں۔ کسی رائفل سے گولی نہیں چل سکی۔ اس طرح ہم بچ گئے۔ پولیس نے ان کا تعاقب کیا تو ان میں سے ایک مقابلے میں مارا گیا۔ وہ رمضان تھا' چوہدری سعادت کا بندہ۔"

"وہی رمضان جس نے دکاندار اکرم کو برف توڑنے والا سوا مار کر زخمی کیا تھا اور بھاگ گیا تھا؟" نرگس بولی۔

"ہاں وہی۔" نایاب نے کہا۔ "وہ چوہدری سعادت کی شہر والی کوٹھی میں پناہ لئے ہوئے تھا۔ ہم پر حملہ کرنے والوں میں سے ایک آدمی کو پولیس نے گرفتار بھی کیا ہے۔ اس کا نام گامی ہے اور شاید وہ نور پور کا رہنے والا ہے۔ شہر جانے سے پہلے ایک روز میں نے اسے نور پور تھانے میں دیکھا تھا۔ پولیس نے اسے کسی جرم میں پکڑا تھا۔"

"اوہ..... گامی۔" ملک صاحب چونک کر بولے۔

"آپ جانتے ہیں اسے انکل؟" نایاب نے پوچھا۔

"وہ پہلے بھائی فضل دین کے پاس ملازم تھے۔ تقریباً چھ مہینے پہلے دکان میں چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا تو اسے نکال دیا تھا۔ چوہدری سعادت نے اسے تاج دین کے پاس رکھوا دیا تھا۔ لیکن سنا تھا کہ تاج دین نے بھی اسے نکال دیا تھا۔" ملک صاحب نے جواب دیا۔ "اس کے بعد وہ پتہ نہیں کیا کرتا رہا۔ اسے چوری کی عادت پڑ گئی تھی۔ دو مرتبہ پہلے بھی پکڑا گیا تھا۔ پولیس اس کے خلاف پرچہ درج کرنے کے بجائے کسی نہ کسی کی سفارش پر اسے چھوڑ دیتی تھی۔"

"اور میرا خیال ہے اس کی سفارش کرنے والا بھی چوہدری سعادت یا اس جیسا ہی کوئی آدمی ہو سکتا ہے۔" نایاب نے کہا۔

"ظاہر ہے۔ ایسے لوگوں کی سرپرستی اسی قسم کے لوگ کرتے ہیں۔" ملک صاحب نے کہا۔ "تم بتاؤ۔ تمہارے بنگلہ کا کیا ہوا۔ کچھ پتہ چلا آگ کس نے لگائی تھی۔"

"جی ہاں۔" نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "اور اتفاق سے اس واردات کے پس پردہ بھی چوہدری سعادت شامل ہے۔"

"ہائے میں مرگئی۔" سکینہ بولی۔ "وہ بدبخت ہر جگہ تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"جی بھابھی۔" نایاب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ "وہ مجھے ہر لحاظ سے تباہ اور ختم کر دینا چاہتا ہے۔ میری کوٹھی کو بھی آگ اسی کے آدمیوں نے لگائی تھی۔ پڑوس کی کوٹھی کے چوکیدار نے ایک آدمی کو دیکھ لیا تھا۔ اس کا بتایا ہوا حلیہ سن کر میں چونکی تھی۔ وہ حلیہ منگی کا تھا۔ میری درخواست پر منگی کو نور پور سے شاہ پور لے جایا گیا۔ جہاں کوٹھی کے چوکیدار نے اسے شناخت کرلیا۔ اس نے اپنے بیان میں چوہدری سعادت کا نام لیا ہے اور اب مجھے معلوم نہیں کہ چوہدری سعادت کہاں ہے اور پولیس اس کے خلاف

کیا کارروائی کر رہی ہے۔"

"اس کے خلاف کارروائی شروع ہو چکی ہے۔" ملک صاحب نے کہا۔

"کیا واقعی؟" نایاب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" ملک صاحب نے جواب دیا۔ "چار دن پہلے وہ گاؤں آیا تھا۔ اس کے ایک گھنٹے بعد پولیس بھی پہنچ گئی تھی۔ پولیس پارٹی تقریباً دو گھنٹے ان کی حویلی میں رہی تھی۔ پھر پولیس والے چلے گئے اور اسی رات سعادت بھی کہیں چلا گیا۔"

"پولیس پارٹی کا انچارج کون تھا۔ انسپکٹر یا سب انسپکٹر؟" نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے ملک صاحب کی طرف دیکھا۔

"انسپکٹر ہی تھا۔" ملک صاحب نے بتایا۔ "بعد میں بہن اللہ رکھی سے معلوم ہوا تھا کہ انسپکٹر اور سعادت میں بڑی گرما گرمی ہوئی تھی۔ چوہدری امانت علی بھی انسپکٹر سے بحث کرتا رہا تھا۔ انسپکٹر تو سعادت کو گرفتار کرکے لے جانا چاہتا تھا لیکن پھر شاید کوئی کمک مکا ہوگیا تھا۔ کیونکہ پولیس اسے گرفتار کئے بغیر چلی گئی تھی اور اسی رات سعادت بھی گاؤں سے چلا گیا تھا۔ اس کے باپ کو شاید معلوم ہو لیکن گاؤں کا کوئی آدمی یا اس کے گھر کا کوئی دوسرا فرد نہیں جانتا کہ وہ کہاں گیا ہے۔"

"خیر ٹھیک ہے۔ نایاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اگر اس انسپکٹر نے رشوت لے کر اسے فرار ہونے کا موقع فراہم کیا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس محکمہ میں ابھی ایسے ذمہ دار اور فرض شناس آفیسر موجود ہیں جو مجرموں کو پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ چوہدری سعادت بھی زیادہ عرصہ تک چھپا نہیں رہ سکے گا۔ بہرحال' چھوڑیئے ان باتوں کو..... ڈیڈی نے آپ کے لئے کچھ چیزیں بھیجی ہیں۔ میں ابھی آپ کو دیتی ہوں۔"

نایاب اٹھ کر کمرے میں آگئی اور اپنا سوٹ کیس کھول کر چیزیں بیڈ پر پھیلانے لگی۔ عذرہ' رابعہ اور نرگس بھی وہیں آگئی تھیں۔ نایاب نے پہلے کچھ چیزیں نکال کر ملک صاحب کو دیں اور پھر نرگس اور عذرہ میں تحائف بانٹنے لگی جو خاصے قیمتی تھے۔ آخر میں وہ کچھ چیزیں لے کر باہر سکینہ کے پاس آگئی جو کام میں مصروف تھی۔

"بھابھی۔ میں آپ کے لئے کچھ چیزیں لائی ہوں۔ یہ سنبھال لیجئے۔"

"ارے۔ ان کی کیا ضرورت تھی؟" سکینہ نے کہا اور وہ چیزیں دیکھنے لگی۔ نایاب

کچھ چیزیں سکندر کے لئے بھی لائی تھی وہ بھی اس نے سکینہ کے حوالے کردیں۔

تھوڑی دیر بعد ملک صاحب بھی اٹھ کر بیٹھک میں چلے گئے جہاں سکندر اور ریاض بیٹھے ہوئے تھے۔

ریاض کے لئے حویلی سے متصل مہمان خانے میں بندوبست کر دیا گیا تھا۔ رسول بخش اسے وہاں چھوڑ آیا تھا۔

نایاب گاؤں کی کچھ اور عورتوں کے لئے بھی شہر سے تحائف لائی تھی۔ وہ عذرہ کو ساتھ لے کر تحائف بانٹنے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد ہی رابعہ ماسٹر محمد علی کے گھر میں ان سے جاکر ملی۔ قیوم ابھی تک ماسٹر محمد علی کے گھر پر ہی رہ رہا تھا اور کچھ دیر پہلے ہی گھر میں داخل ہوا تھا۔ ماسٹر محمد علی کی بیوی نایاب اور رابعہ سے بڑے تپاک سے ملی تھی۔ ماسٹر محمد علی اس وقت گھر پر نہیں تھا۔

نایاب جب حویلی واپس پہنچی تو رات کے نو بج رہے تھے۔ کھانا تیار ہوچکا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ نرگس وغیرہ کے ساتھ کمرے میں آگئی اور رابعہ ایک بار پھر شہر کے قصے سنانے لگی۔

"رابعہ۔ یہ قصے تم بعد میں بھی سنا سکتی ہو۔" نایاب نے کہا۔ "مجھے نرگس سے یہاں کے حالات تو پوچھ لینے دو۔ ہاں تو نرگس' میرے بعد یہاں کیا کیا ہوا ہے؟"

"بہت کچھ۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تو اباجی نے آپ کو بتا ہی دیا تھا کہ پولیس والے چوہدری سعادت کو پکڑنے آئے تھے لیکن رشوت لے کر واپس چلے گئے اور اس رات سے چوہدری سعادت بھی غائب ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہاں ایک اور واقعہ بھی ہوا تھا جس کے بارے میں اباجی نے آپ کو کچھ نہیں بتایا۔"

"اگر کوئی دلچسپ واقعہ ہے تو تفصیل سے بتانا۔" نایاب نے کہا۔

"واقعہ دلچسپ ہے۔ اس کی میں گارنٹی دیتی ہوں۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہنے لگی۔ "رابعہ کا بھائی قیوم تین چار آدمیوں کے ساتھ حویلی کی صفائی کر رہا تھا کہ ایک کار میں دو تین آدمی وہاں آگئے۔ وہ شہر سے آئے تھے۔ انہوں نے قیوم وغیرہ کو کام کرنے سے روک دیا اور کہا کہ یہ حویلی انہوں نے چوہدری سعادت سے خرید لی ہے۔ انہوں نے قیوم کو کچھ کاغذات بھی دکھائے تھے۔ قیوم ان میں

سے ایک آدمی کو ماسٹر محمد علی کے پاس لے آیا تھا۔ ماسٹر محمد علی ان کاغذات سے مطمئن نہیں ہوئے۔ وہ اس آدمی کو سکندر بھائی کے پاس لے گئے۔ سکندر بھائی نے آکر بتایا تھا کہ اس آدمی کے کہنے کے مطابق چوہدری سعادت نے دو سال پہلے اس سے دو لاکھ روپے قرض لئے تھے جسے وہ ادا نہیں کرسکا اور وہ قرضہ چکانے کے لئے اس نے وہ حویلی احمد رضا نامی اس آدمی کے ہاتھ فروخت کر دی۔ اس روز علی رضا حویلی کا قبضہ لینے آیا تھا۔"

"گویا ایک نیا ڈرامہ!" نایاب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"یہی بات سکندر بھائی نے بھی کہی تھی۔" نرگس بولی۔ "ان کے کہنے مطابق احمد رضا کے پاس صرف ایک اسٹامپ پیپر تھا۔ جس پر سعادت کی ہینڈ رائیٹنگ میں لکھا ہوا تھا کہ اس نے حویلی قرضے کے عوض احمد رضا کو دیدی ہے۔ اور اب وہ ہی اس کا مالک ہے۔"

"لگتا ہے احمد رضا بھی کوئی جاہل آدمی ہے اور اس تحریر کی بنیاد پر حویلی پر قبضہ کرنے کے لئے آگیا تھا۔" نایاب بولی۔

"جاہل نہیں فراڈ کہو۔" نرگس نے کہا۔ "سکندر بھائی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ چوہدری فیملی کی ساری جائیداد اس وقت تنازعہ ہے اور تصفیے کے لئے عدالت میں کیس چل رہا ہے۔ اس لئے اس تحریر کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ خود بھی پھنس سکتا ہے اس لئے اس پنگا تحریر پر بات کو بڑھانے کی کوشش نہ کرے۔ ماسٹر محمد علی نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بضد تھا کہ وہ تو حویلی پر قبضہ کرنے آیا ہے۔ البتہ اگر چوہدری سعادت کا قرضہ ہم لوگ ادا کردیں تو وہ خاموشی سے واپس چلا جائے گا۔"

"پھر کیا ہوا؟" نایاب نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"سکندر بھائی نے تنگ آکر کہا کہ ٹھیک ہے۔ وہ حویلی پر قبضہ کرلے' ہم لوگ کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کریں گے۔" نرگس نے کہا۔ "قیوم وغیرہ کو بھی واپس بلالیا گیا تھا۔ وہ آدمی اور اس کے ساتھی دن بھر حویلی کے آس پاس رہے تھے۔ شاید وہ پورا بندوبست کرکے آئے تھے۔ وہ لوگ دن کے وقت حویلی کے اندر کا چکر بھی لگا کر آئے تھے۔ سنا ہے رات کو انہوں نے حویلی کے اوپر والی منزل کے برآمدے میں بستر لگا لئے تھے اور پھر وہاں جو کچھ بھی ہوا وہ تو کسی کو معلوم نہیں البتہ صبح پتہ چلا کہ احمد رضا دوسری منزل سے گر کر

ٹانگ تڑوا بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھی اسے چھوڑ کر کار پر بھاگنے لگے تو کار ٹیلے پر سے قلابازیاں کھاتی ہوئی گری اور وہ دونوں بھی زخمی ہوگئے۔ ان میں سے ایک کا بازو ٹوٹ گیا تھا اور دوسرے کی دو پسلیاں کریک ہوگئی تھیں۔ کار اس طرح ٹوٹ پھوٹ گئی تھی جیسے اسے ہتھوڑوں سے کوٹا گیا ہو۔ صبح ان کی چیخوں کی آواز سن کر قیوم وغیرہ وہاں پہنچ گئے اور ان تینوں کو نور پور ہسپتال میں پہنچا دیا گیا۔ وہ تینوں اب بھی ہسپتال میں ہیں۔"

"انہوں نے الزام لگایا ہوگا کہ گاؤں والوں نے انہیں مارا پیٹا ہے۔" نایاب نے پوچھا۔

"نہیں۔" نرگس نے جواب دیا۔ "ان کے کہنے کے مطابق پٹائی کرنے والے نظر نہیں آرہے تھے۔ احمد رضا کے ساتھی تو اوپر کی منزل سے چھلانگ لگا کر کار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور احمد رضا کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ وہ اسٹامپ پیپر اب پولیس کے قبضہ میں ہے جس کی بناء پر وہ حویلی پر قبضہ کرنے آیا تھا۔"

"قصہ تو واقعی دلچسپ ہے۔" نایاب نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "بہرحال' میں احمد رضا سے ملوں گی۔ دیکھوں گی وہ کون ہے۔"

"وہ ہسپتال میں پڑا ہے۔ جاکر مل لینا۔" نرگس نے کہا۔

نایاب مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سکندر دروازے میں نمودار ہوا۔

"میرا خیال ہے کوئی بات ایسی نہیں بچی ہوگی جو انہوں نے تمہیں نہ بتا دی ہو۔" سکندر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں سکندر بھائی۔" نایاب بھی مسکرا دی۔ "کچھ دلچسپ باتیں تو معلوم ہوئی ہیں۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ احمد رضا والی بات مجھے کسی نے نہیں بتائی۔ حالانکہ کئی گھروں میں جاچکی ہوں۔"

"ہوسکتا ہے کسی کو بات کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔ بہرحال' میں بھی تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے بیٹھک میں آجاؤ۔ وہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" سکندر نے کہا۔

نایاب سکندر کے ساتھ بیٹھک میں آگئی۔ ویسے نایاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ کوئی خاص بات ہی ہوگی جس کیلئے سکندر اسے الگ لے جا رہا تھا۔

"جی سکندر بھائی۔" نایاب اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں کچھ باتیں تو معلوم ہوگئی ہوں گی۔ لیکن ایک بات ایسی ہے جو کسی نے نہیں بتائی ہوگی اور میرا خیال ہے کسی کو اس کا پتہ بھی نہیں ہے۔" سکندر بولا۔

"وہ کیا؟" نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے کچھ اور لوگوں کو بھی کھنڈرات میں اس خزانے کا پتہ چل گیا ہے۔" سکندر بولا۔

"کیا؟" نایاب اچھل پڑی۔

"تمہارے شہر جانے کے دوسرے دن میں کسی کام سے چوہدری فرہان کے گاؤں گیا تھا۔" سکندر کہنے لگا۔ "واپسی پر دیر ہوگئی۔ چوہدری فرہان نے کوشش تو بہت کی تھی کہ میں رات وہیں رک جاؤں لیکن صبح مجھے یہاں کچھ ضروری کام تھا اس لئے میں واپس چلا آیا۔ اس وقت رات کے دس بجے تھے۔ ٹیلے کے قریب پہنچا تو مجھے کھنڈروں میں روشنی دکھائی دی۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے کوئی شخص ٹارچ کی روشنی میں وہاں کچھ تلاش کر رہا ہو۔ پہلے تو میں اسے اپنا وہم سمجھا لیکن وہ روشنی دو تین مرتبہ دکھائی دی تو مجھے یقین ہوگیا کہ وہاں کوئی موجود ہے۔ میں نے گھوڑے کو کھیتوں کے قریب ایک درخت سے باندھ دیا اور محتاط انداز میں چلتا ہوا ٹیلے پر آگیا۔ ٹارچ کی روشنی ایک دو مرتبہ پھر دکھائی دی تھی۔ لیکن بعد میں وہ روشنی نظر نہیں آئی۔ نہ ہی کوئی آدمی دکھائی دیا۔ میں تقریباً ایک گھنٹے تک وہاں گھومتا رہا۔ کبھی کبھی کوئی آہٹ یا پتھر وغیرہ لڑھکنے کی آواز سنائی دے جاتی جس سے پتہ چلتا تھا کہ وہاں کوئی موجود ہے لیکن کوشش کے باوجود میں کسی کو تلاش نہیں کرسکا۔

پہلے تو میں یہ سمجھا تھا کہ چور یا ڈاکو ہوں گے جو کھنڈروں میں چھپے بیٹھے تھے لیکن بعد میں اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ ہوسکتا ہے کسی کو خزانے کی بھنک مل گئی ہو اور وہ اسے تلاش کر رہے ہوں۔ اس وقت میں خالی ہاتھ تھا۔ میرے پاس کوئی اسلحہ وغیرہ نہیں تھا۔ اس لئے میں نے مزید وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا اور واپس آگیا۔

دوسرے دن صبح میں پھر کھنڈروں میں پہنچ گیا۔ وہاں مجھے ایسے آثار نظر آگئے۔ جن سے پتہ چلتا تھا کہ رات کو یہاں کوئی موجود تھا۔ ایک دو جگہ کھدائی بھی کی گئی تھی۔ پہلے بھی خزانے کی تلاش میں کچھ لوگ یہاں آتے رہے ہیں۔ لوگوں نے یہاں کھدائی بھی کی

ہے۔ لیکن اس طرح چھپ کر کبھی کسی نے کوئی کام نہیں کیا۔

میں نے ٹیلے کے آس پاس کا علاقہ بھی دیکھ ڈالا۔ شاید کسی نے کہیں کوئی کیمپ لگا رکھا ہو۔ لیکن ایسے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ البتہ ٹیلے کے شمال میں وہ جگہ جہاں رانی شلپا کے مندر والا چبوترہ ہوا کرتا تھا' وہاں کچھ آثار ملے تھے۔ برگد کے درخت کے نیچے ایک جگہ تین چار سگریٹ کے ٹکڑے ملے تھے۔ دو سگریٹوں کے فلٹر پر معمولی سے سرخ دھبے بھی موجود تھے اور میرا خیال ہے کہ وہ سگریٹ کسی عورت نے پیے تھے جس نے ہونٹوں پر سرخی لگا رکھی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہاں کم از کم دو آدمی موجود رہے تھے۔ جن میں ایک عورت تھی اور دوسرا مرد۔ لیکن سگریٹ کے ان ٹکڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ملی۔"

"ہوسکتا ہے ان کا تعلق گاؤں ہی سے ہو اور وہ ٹہلتے ہوئے اس طرف نکل گئے ہوں۔ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر کہیں اور چلے گئے۔" نایاب نے سکندر کے خاموش ہونے پر کہا۔

"گاؤں کی کوئی عورت سگریٹ نہیں پیتی۔" سکندر نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "بہرحال میں نے ان لوگوں کی تلاش جاری رکھی۔ تیسرے دن رات کو مجھے پھر کھنڈروں میں ٹارچ کی روشنی نظر آئی۔ میں انہیں کھنڈروں میں تلاش کرتا رہا لیکن کوئی ذی روح مجھے نظر نہیں آیا۔ میں ان کھنڈروں میں ایک طرف مڑ رہا تھا کہ فائر کی آواز گونج اٹھی۔ کسی نے مجھ پر گولی چلا دی تھی۔ میں بال بال بچا تھا۔ گولی میرے سر سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی تھی۔ اس وقت میری جیب میں بھی پستول موجود تھا۔ میں نے بھی ایک شکستہ دیوار کی آڑ لیتے ہوئے جوابی فائر کر دیا۔ لیکن دوسری طرف سے خاموشی رہی۔ مجھے تو یہ بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ مجھ پر گولی کہاں سے چلائی گئی تھی۔ میں اپنی جگہ پر چھپا بیٹھا تھا کہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ قدموں کی آواز سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ کم از کم دو آدمی تھے۔ میں اپنی کمین گاہ سے باہر نکل آیا اور انہیں تلاش کرنے لگا لیکن ان کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ وہ لوگ کھنڈروں ہی میں کہیں غائب ہوگئے تھے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کھنڈروں میں کوئی ایسی جگہ موجود ہے جہاں چھپا جاسکتا ہو۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون ہوسکتے ہیں۔" نایاب نے کہا۔ "آپ کا یہ کہنا درست ہے کہ اگر کوئی ان کھنڈروں میں کسی خزانے کے بارے میں سن کر آیا تھا تو وہ یہاں کیمپ

لگاتا اور کھلے عام خزانہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن دن میں کہیں چھپے رہتا اور رات کو چوروں کی طرح تلاش کرتا۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ کون ہیں اور انہیں کیسے پتہ چلا کہ یہاں کوئی خزانہ موجود ہے۔"

"میں نے اس سلسلے میں بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔" سکندر نے کہا۔ "کھنڈروں میں خزانے کی کہانی تو بہت پرانی ہے۔ گاؤں کے سب ہی لوگ واقف ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ لوگ خزانے کی تلاش میں آتے رہے ہیں۔ گاؤں کے بعض منچلے بھی خزانہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ پہلے جب دو آدمی پراسرار طور پر ہلاک ہوگئے تھے تو اس کے بعد کھنڈروں میں ساری سرگرمیاں ختم ہوگئی تھی۔ گاؤں کے لوگوں نے تو اس طرف جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اب جو صورت حال سامنے آئی ہے وہ خاصی تشویشناک ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہ جو کوئی بھی ہیں' انہیں یقین ہے کہ یہاں کوئی خزانہ موجود ہے۔ اسی لئے تو وہ راتوں کو چوری چھپے خزانہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں پتہ کیسے چلا؟"

"میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔" سکندر نے کہا۔ "ہم نے وہ ہیرے نور پور کے ایک جوہری کو دکھائے تھے۔ میں نے اس سے بھی بات کی تھی کہ ان ہیروں کے بارے میں اس نے تو کسی سے کوئی تذکرہ نہیں کیا جس سے کسی مہم جو نے کوئی نتیجہ اخذ کرلیا ہو۔"

"پھر.... کیا معلوم ہوا۔" نایاب نے پوچھا۔

"اس نے یہاں تو کسی سے ذکر نہیں کیا تھا لیکن چند روز پہلے وہ شہر گیا تھا' وہاں دوستوں کی کسی محفل میں ہیروں کا ذکر نکلا تو اس نے ان ہیروں کی بات بھی کی جو ہم نے اسے دکھائے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کھنڈروں میں قدیم دفینے کا بھی قصہ سنا دیا تھا۔ اس جوہری کے کہنے کے مطابق' ہوسکتا ہے اس محفل میں موجود کسی شخص نے باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کرلیا ہو کہ ان کھنڈروں میں واقعی کوئی خزانہ موجود ہے اور وہ قیمتی ہیرے وہیں سے نکالے گئے تھے۔"

"ہوسکتا ہے اس کا یہ تجزیہ درست ہو۔" نایاب نے کہا۔ "بہرحال' ہمیں یہ معلوم

کرنا پڑے گا کہ وہ کون لوگ ہیں اور جہاں تک خزانے کا سوال ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ وہ ہر لحاظ سے محفوظ ہے۔ خزانے کی حفاظت بیجو اور اس کی ماں کر رہی ہے۔ یہ خزانہ صدیوں سے یہاں موجود ہے۔ کوئی اس تک نہیں پہنچ سکا۔ اب کیسے پہنچ سکتا ہے۔"

"یہ بیجو کون ہے؟" سکندر نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی سنہرا ناگ۔" نایاب نے جواب دیا۔ "آپ شاید بھول گئے۔ اس کا نام بیجو ہے اور شیلتا اس ناگن کا نام ہے۔ جس کی مورتی آپ نے کھنڈروں کے تہہ خانے میں دیکھی تھی۔ وہ صدیوں سے اس خزانے کی حفاظت کرتے چلے آرہے ہیں اور اب وہ کسی کو وہاں تک کیسے پہنچنے دیں گے۔ البتہ یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ ہمیں ان کا سراغ لگانا ہوگا۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ اگر خزانے کی بات کسی طرح حکومت تک پہنچ گئی تو گڑبڑ ہو جائے گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش رہی پھر بولی۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں یہ خزانہ اپنے استعمال میں نہیں لانا چاہتی۔ اس سے علاقے کے لوگوں کی بھلائی کے لئے کچھ کام کرنا چاہتی ہوں۔ اگر یہ خزانہ حکومت کے قبضے میں چلا گیا تو ہمارے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ اس لئے یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ وہ کون لوگ ہیں۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" سکندر بولا۔ "ہم انشاء اللہ ان لوگوں کا پتہ چلالیں گے اور اب تم بتاؤ' تمہیں بنگلے کی آتشزدگی والے معاملے کا کیا ہوا؟"

"پتہ چل گیا ہے۔" نایاب نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگی۔

"بڑا خبیث آدمی ہے یہ چوہدری سعادت۔" سکندر بولا۔ "اسے معلوم ہے کہ پولیس اس کے پیچھے لگ گئی ہے۔ اسی لئے وہ غائب ہوگیا ہے۔"

"جائے گا کہاں۔" نایاب مسکرائی۔ "اس کا بھی پتہ چلا لیا جائے گا۔" سکندر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سکینہ اندر داخل ہوگئی اور پھر ان کی گفتگو کا موضوع بدل گیا۔

اٹھارہویں قسط

نایاب' ریاض کے ساتھ گلی میں اس جگہ کھڑی تھی جہاں صرف دو ہفتے پہلے نواب دی ماشکی کا مکان ہوا کرتا تھا۔

قیوم نے جلے ہوئے مکان کا ملبہ ہٹا دیا تھا۔ اس پلاٹ کا رقبہ ہزار مربع گز کے لگ بھگ تھا۔ جہاں داخلی دروازہ ہوا کرتا تھا اس سے ذرا آگے نیم کا ایک درخت بھی تھا جو مکان کو آگ لگنے کی وجہ سے جھلس چکا تھا۔ تنا اور شاخیں سیاہ ہوچکی تھیں۔ کچھ شاخیں جو شعلوں کی لپیٹ میں آگئی تھیں' جل چکی تھیں۔ قیوم نے یہ درخت نہیں کٹوایا تھا۔

وہ دونوں بہن بھائی اسے کٹوانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ نیم کا یہ پودا ان کے باپ نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ اب یہی ان کے باپ کی یادگار تھی جسے وہ برقرار رکھنا چاہتے تھے۔

ریاض اس پلاٹ کی پیمائش کرتا رہا اور اپنی ڈائری میں لکھتا رہا۔ اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے' جب وہ اس کام سے فارغ ہوئے تو گیارہ بج گئے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر گاؤں کے کچھ لوگ اور بچے بھی جمع ہوگئے تھے۔ گاؤں والوں کو پتہ چل گیا تھا کہ نایاب اپنے خرچ پر یعقوب اور رابعہ کو مکان بنا کر دے رہی ہے۔ سب لوگ چھوٹی بی بی کی تعریفیں کر رہے تھے۔

کام ختم کرنے کے بعد نایاب اور ریاض نیم کے درخت کے نیچے ہی بیٹھ گئے۔ قیوم' ماسٹر محمد علی کے گھر سے تین چار کرسیاں لے آیا تھا۔

"ریاض صاحب۔" نایاب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کام کب شروع ہوسکے گا؟"

"جب آپ کہیں۔" ریاض نے جواب دیا۔ "یہاں اگر لیبر دستیاب ہو تو کل ہی کام شروع کراد دوں گا۔ اس کے لئے کچھ سامان کی بھی ضرورت ہوگی۔"

"آپ ابھی میرے ساتھ نور پور چلئے۔ جن چیزوں کی ضرورت ہو وہ خرید لیجئے۔ لیبر آپ کو یہاں مل جائے گی۔ البتہ اچھے مستری آپ کو شہر سے لانے ہوں گے۔ مکان کی تعمیر مکمل ہونے تک وہ یہیں رہیں گے۔ ان کی رہائش اور خوراک کا بندوبست بھی ہماری طرف سے ہوگا۔"

"تو ٹھیک ہے۔ ضرورت کی چند چیزیں لاکر کل قیوم کی نگرانی میں بنیادوں کی کھدائی کا کام شروع کراد دیں۔ سیمنٹ سریا وغیرہ بھی کل ہی ڈلوا دیتے ہیں۔ میں پرسوں ہی شہر چلا جاتا ہوں۔ میری واپسی میں دو تین دن تو لگ ہی جائیں گے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ چلئے ہم یہ کام شروع کر ہی ڈالیں۔" نایاب نے کہتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔ "قیوم۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ تمہیں تو معلوم ہوگا کہ اس قسم کی چیزیں کہاں سے خریدی جائیں گی۔"

"جی چھوٹی بی بی۔ مجھے ساری دکانوں کا پتہ ہے۔" قیوم نے جواب دیا۔

اور پھر اس کے آدھے گھنٹے بعد وہ نایاب کی کار پر نور پور کے لئے روانہ ہوگئے۔

قیوم کے ساتھ ہونے کی وجہ سے انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ چار بجے تک وہ لوگ مختلف دکانوں پر پھرتے رہے۔ سرپا' سینٹ' اینٹیں اور ریت بجری وغیرہ کا بندوبست کرکے وہ چیزیں بھی خرید لی گئیں جن کی کل ضرورت پڑسکتی تھی۔ وہ تمام چیزیں ایک ہی سوزوکی پک اپ میں لدوا کر قیوم کو ساتھ کر دیا گیا اور نایاب' ریاض کے ساتھ اپنی کار میں آگئی۔ اس طرح جب وہ ہسپتال پہنچے تو ساڑھے چار بج رہے تھے۔

"آپ گاڑی میں بیٹھیں۔ میں چند منٹ میں آتی ہوں۔" نایاب کہتے ہوئے کار سے اتر گئی۔ وہ احمد رضا نامی اس شخص سے ملنا چاہتی تھی جو اس کی عدم موجودگی میں حویلی کا قبضہ لینے آیا تھا۔

سرجیکل وارڈ میں احمد رضا اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کرنے میں نایاب کو زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ تینوں لائن میں اپنے اپنے بیڈ پر پڑے تھے۔ ڈیوٹی پر موجود نرس نے اشارے سے بتا دیا کہ ان میں احمد رضا کون ہے۔ وہ درمیان والے بیڈ پر تھا۔

نایاب اس کے بیڈ کے قریب رک گئی اور باری باری ان تینوں کی شکلیں دیکھنے لگی۔ صورتوں سے وہ پڑھے لکھے اور شریف گھرانوں کے لگتے تھے۔ احمد رضا کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ قدرے بھاری بھرکم اور دراز قامت آدمی تھا۔ کلین شیوڈ تھا۔ لیکن اس وقت غالباً" دو دن کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ اس کی ٹانگ پر پلستر چڑھا ہوا تھا اور ٹانگ۔ ایک سلنگ کے سہارے اسٹینڈ پر لٹکی ہوئی تھی۔ سر اور کندھے پر بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

"تم مجھے نہیں جانتے۔" نایاب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن میں تمہارے بارے میں تھوڑا بہت جان چکی ہوں۔ تمہارا نام احمد رضا ہے اور چند روز پہلے تم اس حویلی کا قبضہ لینے کے لئے آئے تھے جو بقول تمہارے' تم نے چوہدری سعادت سے دو لاکھ روپے

قرضے کے عوض خریدی تھی۔"

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں مس۔" احمد رضا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن بڑھ گئی تھی۔

"اس سے پہلے تم نے کبھی مجھے دیکھا ہی نہیں تو پہچانو گے کیسے۔" نایاب نے کہا۔ "ویسے تم کرتے کیا ہو مسٹر احمد رضا۔ میرا مطلب ہے کوئی ملازمت یا کسی قسم کا کاروبار؟"

"آپ کون ہیں اور یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" احمد رضا بولا۔

"میں یہ اندازہ لگانا چاہتی ہوں کہ کیا تم اس حیثیت کے مالک ہو کہ کسی کو دو لاکھ روپے قرض دو سکو۔" نایاب نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔" احمد رضا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں لیکن میں پولیس کو اس سلسلے میں بتا چکا ہوں۔ آپ کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟"

"تعلق یہ ہے کہ میں اس حویلی کی مالکہ ہوں جس پر تم قبضہ کرنے آئے تھے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "پولیس کو تم نے کیا بتایا ہے؟ یہ میں نہیں جانتی۔ میں تو تم سے یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ چوہدری سعادت کہاں ہے اور اس ڈرامے کے لئے تمہیں کتنے پیسے دیئے گئے تھے؟"

"اب میں سمجھ گیا۔" احمد رضا نے جواب دیا۔ "آپ چوہدری سعادت کی بھاوج ہیں جس نے جائیداد کی تقسیم کے لئے مقدمہ دائر کر رکھا ہے اور آپ کا نام شاید نایاب ہے۔"

"ہاں۔ یہ درست ہے۔" نایاب نے کہا۔ "تم نے اس بات کو تو تسلیم کرلیا کہ ہمارا جائیداد کی تقسیم پر مقدمہ چل رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تم وہ ردی کاغذ لے کر حویلی پر قبضہ کرنے چلے آئے۔"

"اور شاید یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی کہ لالچ میں آکر میں نے چوہدری سعادت کی بات مان لی تھی۔ میرا خیال تھا' گاؤں کے لوگ سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ اشامپ پیپر دیکھ کر میری باتوں میں آجائیں گے۔ لیکن گاؤں کے جن دو تین آدمیوں سے میرا واسطہ پڑا۔ ان سے بات کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ بیوقوف وہ نہیں' ہم ہیں۔ اس کے علاوہ حویلی میں ہمارے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی حیرت انگیز اور ناقابل بیان ہے۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا تو تھ تو کیا' اس کے قریب بھی نہ پھٹکتے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا

پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی ہوئی تھی جس کی مجھے سزا مل چکی ہے۔ مجھے معاف کردیں مس نایاب۔" اس نے نایاب کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "میں گریجویٹ ہوں۔ جس کمپنی میں ملازم تھا' وہ بند ہوگئی۔ پچھلے ایک سال سے بے روزگار ہوں۔ میرے چار بچے ہیں۔ میں نے لالچ میں آکر چوہدری سعادت کی بات مان لی تھی۔ مجھے میرے لالچ کی سزا مل گئی ہے۔ اگر مجھ پر پولیس کیس بن گیا تو میں بالکل تباہ ہو جاؤں گا۔ میرے بچے خوار ہو جائیں گے۔ مجھے سب انسپکٹر اشرف نے بتایا تھا کہ آپ ایک نیک اور ہمدرد خاتون ہیں۔ آپ چاہیں تو مجھے پولیس سے بچا سکتی ہیں۔"

"سعادت نے تمہیں کتنے پیسے دیئے تھے اور اس کا مقصد کیا تھا؟" نایاب نے پوچھا۔

"تین ہزار روپے۔" احمد رضا نے جواب دیا۔ "وہ صرف ہنگامہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسٹامپ پیپر بھی اسی نے تیار کیا تھا اور یہ یقین دلایا تھا کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی گڑ بڑ ہوئی تو وہ میری مدد کرے گا۔"

"وہ تو خود پولیس سے چھپتا پھر رہا ہے' تمہاری کیا مدد کرے گا۔" نایاب بولی۔

"مجھے پہلے یہ سب کچھ معلوم نہیں تھا۔ اگر معلوم ہوتا تو اس کی بات کبھی نہ مانتا۔" احمد رضا نے کہا۔ "مجھے پولیس سے بچالیں مس نایاب!"

"چوہدری سعادت سے تمہاری ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟" نایاب نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"تقریباً" دو ہفتے پہلے شکر گڑھ میں۔" احمد رضا نے جواب دیا۔ "اس سے میری ملاقات ایک دوست کے ذریعے ہوئے تھی۔ چوہدری سعادت نے جب مجھے یہ پیشکش کی تو میں فوراً" ہی مان گیا۔ اس وقت میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔ آپ جانتی ہیں جب نوبت فاقوں تک پہنچ گئی ہو اور کسی طرف سے کوئی امید نہ ہو تو مجھ جیسا مجبور آدمی چند روپوں کے لئے جہنم میں چھلانگ لگانے کو بھی تیار ہو جاتا ہے۔"

"شکر گڑھ میں کہاں ملاقات ہوئی تھی؟" نایاب نے پوچھا۔

"گل گشت کے ایک بنگلے میں۔ سنا ہے وہ بنگلہ اسی کا ہے اور وہ کبھی کبھی وہاں آتا رہتا ہے۔ اس بنگلے کا نمبر تو مجھے معلوم نہیں۔ لیکن میں نشانی بتا دیتا ہوں۔ وہ بنگلہ آسانی

سے شناخت کیا جاسکتا ہے۔" احمد رضا چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر اس بنگلے کے بارے میں بتانے لگا۔

یہ نایاب کے لئے ایک نیا انکشاف تھا۔ اس نے بنگلے کا پتہ ذہن نشین کرلیا۔

"مس نایاب۔" احمد رضا بولا۔ "اگر آپ چاہیں تو مجھے پولیس سے بچا سکتی ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کروں گا۔"

"لیکن اگر پولیس نے تمہارے خلاف رپورٹ درج کرلی ہے تو پھر میں کچھ نہیں کرسکوں گی۔" نایاب نے جواب دیا۔

"سب انسپکٹر اشرف نے بتایا تھا کہ میرے خلاف ابھی تک پکی رپورٹ نہیں لکھی گئی۔ اس کی وجہ میں نہیں جانتا لیکن آپ کچھ کرسکتی ہیں تو ضرور کریں مس نایاب۔ پلیز! میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔" احمد رضا نے کہا۔

"یہ اچھی بات ہے کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "بہرحال' میں دیکھوں گی کہ تمہارے لئے کیا کرسکتی ہوں۔"

احمد رضا مزید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن نایاب وارڈ سے نکل کر ہسپتال سے باہر آگئی۔ ریاض کار سے ٹیک لگائے کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"سوری مسٹر ریاض۔" نایاب قریب پہنچ کر بولی۔ "کچھ دیر ہوگئی۔ اب تھوڑی دیر کے لئے پولیس اسٹیشن بھی جانا ہوگا۔ ایک چھوٹا سا کام ہے وہ بھی لگے ہاتھوں ہو ہی جائے۔"

وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ تقریباً" دس منٹ بعد نایاب نے پولیس اسٹیشن کے سامنے گاڑی روک لی اور اس مرتبہ بھی ریاض کو گاڑی ہی میں چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

انسپکٹر تھانے میں موجود نہیں تھا لیکن سب انسپکٹر اشرف موجود تھا۔ چند رسمی باتوں کے تبادلے کے بعد نایاب فوراً" ہی اصل موضوع پر آگئی۔

"میں ابھی احمد رضا سے مل کر آرہی ہوں۔" نایاب نے کہا "اس کے خلاف کیا کیس بن سکتا ہے۔"

"کیس تو بہت بن سکتے ہیں۔ ملک سکندر صاحب نے ہمیں اس کے خلاف کسی کارروائی سے روک دیا تھا۔ وہ حادثے کے دوسرے روز احمد رضا سے ہسپتال میں ملے تھے۔

اس سے کچھ باتیں ہوئی تھیں اور آپ کا انتظار تھا۔" اشرف نے کہا۔

"گویا۔ آپ بھی ایک ملزم کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے بجائے اسے چھوڑ دینے کا سوچ رہے ہیں۔" نایاب نے کہا۔

"ہم بھی انسان ہیں مس نایاب۔" سب انسپکٹر اشرف نے کہا۔ "یہ درست ہے کہ اس سے ایک جرم سرزد ہوا ہے لیکن اس جرم سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا۔ اس نے ایک مجبوری کے تحت لالچ میں آکر یہ حرکت کی تھی۔ میں نے ذاتی طور پر شکر گڑھ جاکر اس کے بارے میں انکوائری کی ہے۔ وہ ایک شریف آدمی ہے۔ کبھی کسی معمولی سے جرم میں بھی ملوث نہیں رہا۔ اس لئے ہم نے یہ سوچا تھا کہ اسے سنبھلنے کا ایک موقع دیا جائے۔ لیکن اگر آپ بضد ہوں تو میں آج ہی اس کے خلاف پرچہ چاک کرسکتا ہوں۔ ویسے انسانی ہمدردی کے ناطے میں آپ سے یہ ضرور کہوں گا کہ اس کے بارے میں ہمدردی سے سوچیں۔"

"لیکن کیا آپ کو اندازہ ہے کہ اس کے خلاف کارروائی نہ کرنے سے مجھے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟" نایاب نے کہا۔ "احمد رضا کو میرے اور سعادت کے کیس میں میرے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے۔"

"ہم نے ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔" سب انسپکٹر اشرف نے کہا۔ "احمد رضا کے قبضے سے اسٹامپ پیپر پر ایک تحریر برآمد ہوئی ہے جس میں لکھا ہے چوہدری سعادت نے دو سال پہلے اس سے دو لاکھ روپے قرض لئے تھے لیکن وہ یہ قرضہ ادا نہیں کرسکتا۔ اس لئے اس نے اپنی حویلی احمد رضا کو دیدی ہے۔ آج سے وہ اس حویلی کا مالک و مختار ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "میں جانتا ہوں جائیداد کی خرید و فروخت کا یہ طریقہ نہیں ہوتا۔ اس کا ایک الگ طریقہ کار ہے جس کے قانونی تقاضے بھی مختلف ہیں اور پھر مقدمے کا فیصلہ ہونے سے پہلے وہ اپنی جائیداد یا اس کا کوئی حصہ فروخت نہیں کرسکتا۔ اس کے خلاف کارروائی ہونا بہت معمولی سی بات ہے۔ لیکن دوسری طرف ہم نے یہ طے کیا ہے کہ احمد رضا سے ایک تحریر لکھوالی جائے گی کہ سعادت نے کچھ رقم دے کر اسے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ اسٹامپ پیپر کی تحریر کو بنیاد بنا کر حویلی پر قبضہ کرلے لیکن احمد رضا نے معاملے میں کچھ گڑبڑ اور چوہدری سعادت کی بدنیتی کو محسوس کرتے ہوئے پولیس

کو اطلاع دیدی۔ اس طرح احمد رضا کا خلیفہ بیان اور اسٹامپ پیپر چوہدری سعادت کے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے۔"

"اور آپ کے انسپکٹر صاحب کا کیا خیال ہے" نایاب نے کہا۔

"انسپکٹر صاحب نے چوہدری فیملی سے جو کچھ لینا تھا وہ لے چکے۔" سب انسپکٹر اشرف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب انہیں چوہدری سعادت سے دلچسپی صرف اس حد تک ہے کہ وہ اس کی تلاش میں ہیں۔"

"کیا انہیں معلوم ہے کہ چوہدری سعادت کہاں چھپا بیٹھا ہے۔" نایاب نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" سب انسپکٹر مسکرایا۔ "وہ شکر گڑھ میں ہے اور ہمارا ایک آدمی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" نایاب اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں احمد رضا کے بارے میں سوچ کر بتاؤں گی کہ کیا کرنا ہے۔"

وہ سب انسپکٹر کا شکریہ ادا کرکے تھانے سے باہر آگئی۔ ریاض کار میں بیٹھا بور ہو رہا تھا۔

اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ نایاب نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور کار آگے بڑھا دی۔

جب وہ گاؤں پہنچے تو سات بج چکے تھے۔ سکینہ وغیرہ پریشان ہو رہی تھیں۔ سکندر اس وقت ماسٹر محمد علی کے گھر گیا ہوا تھا۔ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد وہ بھی آگیا۔

کھانے سے ذرا پہلے اس نے نایاب کو بتایا کہ شام کا اندھیرا پھیلنے سے تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی اور ایک عورت کو کھنڈروں میں گھومتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

"کس نے دیکھا تھا انہیں؟" نایاب نے چونک کر پوچھا۔

"ماسٹر محمد علی نے۔" سکندر نے کہا۔ "وہ کسی کام سے اپنی سائیکل پر پیر آباد ریلوے اسٹیشن گیا ہوا تھا۔ اس نے واپسی پر ان دونوں کو دیکھا تھا۔ وہ عورت بھی پینٹ اور ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھی۔" ماسٹر محمد علی نے یہی بتانے کے لئے مجھے بلایا تھا۔"

"گڈ۔" نایاب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ "کیا خیال ہے آج رات کھنڈروں میں نہ گزاری جائے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" سکندر بولا۔ "تقریباً" گیارہ بجے ہم یہاں سے نکلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" نایاب نے کہا۔

اور پھر رات ٹھیک گیارہ بجے وہ دونوں حویلی سے نکل گئے۔ نایاب نے جینز اور نیلے رنگ کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ سکندر کے کپڑے بھی گہرے رنگ کے تھے۔ گہرے رنگ کے کپڑوں کی وجہ سے وہ تاریکی میں دوسروں کی نظروں سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ ان دونوں کے پاس ٹارچیں تھیں اور سکندر کی جیب میں پستول بھی تھا۔

وہ بہت محتاط انداز میں چلتے ہوئے کھنڈروں میں اس جگہ پہنچ گئے جہاں ایک خفیہ راستے سے وہ تہہ خانے میں داخل ہوئے تھے۔ وہ خاموش بیٹھے تاریکی میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ کچھ دور کسی پتھر کے لڑھکنے کی آواز سن کر چونک گئے۔ ان دونوں نے بیک وقت مڑ کر آواز کی طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحہ ان دونوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کسی طاقتور ٹارچ کی تیز روشنی نے ان دونوں کے چہروں کو اپنے حلقے میں لے رکھا تھا۔

اس نے پستول نکالنے کیلئے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ روشنی کے پیچھے سے ایک غراہٹ سنائی دی۔

"نہیں مسٹر ملک! تم کوئی ایسی حرکت نہیں کرو گے جو تمہارے اور اس لڑکی کیلئے نقصان دہ ثابت ہو سکے۔ تم دونوں اپنے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

سکندر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اسے جانتا تھا۔

"تم ان دونوں کی تلاشی لو ٹیپو۔" روشنی کے پیچھے سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "میں ان کا خیال رکھتی ہوں۔"

قدموں کی آہٹ ہوئی اور پھر ٹیپو' سکندر کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس نے سکندر کا جسم ٹٹول کر اس کی جیب سے پستول نکال لیا اور اس کے ہاتھ سے ٹارچ بھی لے لی اور پھر ٹیپو کا ہاتھ جیسے ہی نایاب کے جسم سے چھوا وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے ہاتھ مت لگانا۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔" وہ غرائی۔

"تمہاری زبان پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ تمہاری تلاشی تو لینی ہو گی۔" وہی نسوانی آواز سنائی دی۔

"تو پھر تلاشی تم خود لو۔" نایاب نے کہا۔

اور پھر وہ عورت نایاب کے پیچھے پہنچ گئی اور اس کے جسم کو ٹٹولنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ مطمئن انداز میں بولی۔ "اب تم دونوں ہمارے ساتھ چلو گے۔ ہم یہاں بیٹھ کر بات نہیں کر سکتے۔"

"کہاں لے جانا چاہتے ہو؟ ہمیں۔" سکندر بولا۔

اس ٹیلے کے اختتام پر برگد کا ایک بہت بڑا درخت ہے۔ وہاں ایک بہت ہی محفوظ جگہ ہے۔ ہم وہیں جا کر بات کریں گے۔ راستہ تمہیں معلوم ہی ہے۔ تم دونوں ہمارے آگے آگے چلو گے اور کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش مت کرنا۔ تم لوگوں کو نقصان

پہنچانے کا فی الحال ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن اگر تم دونوں نے کوئی ہوشیاری دکھانے کوشش کی تو نقصان کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہو گی۔"

سکندر یا نایاب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دونوں خاموشی سے آگے چل پڑے۔ نایاب والی ٹارچ اسی کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی۔ سکندر اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ ٹیپو اور اس کی ساتھی ان سے دو تین قدم پیچھے تھے۔ ان دونوں نے ٹارچیں بھی روشن کر رکھی تھیں اور دونوں کے ہاتھوں میں پستول بھی تھے۔

وہ کھنڈروں میں آڑے ترچھے راستوں پر چلتے ہوئے ٹیلے کے اختتام پر پہنچ گئے۔ آگے ڈھلان تھی۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگے۔ دفعتاً ٹیپو کا پیر کسی پتھر پر رپٹ گیا۔ لڑکھڑا کر گرا۔ اس کی ساتھی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور وہ ایک جھ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

سکندر اور نایاب کیلئے یہ بہترین موقع تھا۔ وہ بڑی آسانی سے اس وقت ان پر قا سکتے تھے لیکن وہ دونوں خاموشی سے کھڑے رہے۔

"تم لوگ کھڑے ہمارا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ چلو آگے بڑھو۔" ٹیپو پستول سے اشا کرتے ہوئے غرایا۔

سکندر کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے نایاب کی طرف دیکھا پھر وہ دونوں آگے چلنے لگے۔

برگد کے درخت کے نیچے چبوترے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔

"اس چبوترے پر بیٹھ کر بات کرو گے یا کہیں اور چلنا ہو گا۔" سکندر نے ٹیپو کی طر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں ہم نے ایک ایسی جگہ تلاش کر لی ہے جہاں کسی دوسرے کی مداخلت کا اند نہیں۔" ٹیپو نے کہا اور پھر اپنی ساتھی کی طرف رخ کر کے بولا۔ "روبی تم انہیں کور میں راستہ کھولتا ہوں۔"

وہ ٹارچ کی روشنی میں دیکھتا ہوا تقریباً دس قدم آگے چلا گیا اور چبوترے کے قر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک اینٹ کو کنارے پر ہاتھ رکھ کر اندر کی طر دھکیلا۔ وہ اینٹ اپنی جگہ پر گھوم گئی۔ اینٹ کے اس طرح گھوم جانے سے دیوار میں آ

چھوٹا سا خلا پیدا ہو گیا تھا۔ ٹیپو نے اس خلا میں ہاتھ ڈال کر اندر لگے ہوئے لوہے کے ایک کڑے کو پکڑ کر باہر کی طرف کھینچ لیا۔

اس چبوترے پر ایک اور چھوٹا چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر کسی زمانے میں کوئی مورتی نصب رہی ہو گی۔ دیوار کے اندر لوہے کا کڑا کھینچنے سے اوپر والا چھوٹا چبوترہ اپنی جگہ سے تقریباً دو انچ اوپر اٹھ گیا اور پھر بائیں طرف سرکتا چلا گیا اور بالآخر ایک جگہ رک گیا۔

سکندر اور نایاب یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اوپر والا چبوترہ ہٹ جانے سے فرش پر چار بائی تین فٹ کا ایک خلا پیدا ہو گیا تھا اور اس کے اندر گہرائی میں کہیں مدہم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔

"اس کے اندر سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ تم لوگ نیچے اترو۔ پہلے تم چلو مسٹر ملک۔" ٹیپو نے سکندر کو اشارہ کیا۔

سکندر نے نایاب کی طرف دیکھا اور اس خلا میں اتر گیا۔ اس کے پیچھے ہی نایاب بھی اتر گئی۔ نیچے تنگ سی سیڑھیاں تھیں۔ ان کے پیچھے ہی روبی اور ٹیپو بھی آ رہے تھے۔ ٹیپو نے چوتھی سیڑھی پر رک کر چھت پر لگے ہوئے لوہے کے ایک کڑے کو کھینچ لیا۔ اوپر والا چھوٹا چبوترہ سرکتا ہوا اپنی جگہ پر آ گیا۔

برگد کے نیچے یہ چبوترہ تقریباً تین فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا تھا مگر اس سے نیچے یہ تہہ خانہ اس سے دوگنا لگ رہا تھا۔ اس میں تین کمرے بھی تھے۔ دو ایک طرف اور ایک سامنے کی طرف۔ ایک کمرہ ایسا تھا جہاں غالباً صفائی کی گئی تھی۔ وہاں فرش پر چٹائی اور اس کے اوپر قالین کا ایک ٹکڑا بچھا ہوا تھا۔ ہال میں ایک پیٹرومیکس جل رہا تھا۔ اس کی روشنی سیڑھیوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔ پیٹرومیکس کے قریب ہی پانی کا ایک بڑا کولر، کیتلی، کیروسین کا چولہا اور کپ وغیرہ پڑے ہوئے تھے۔

"تم لوگوں کو یہ سب کچھ دیکھ کر حیرت ہو رہی ہو گی۔" ٹیپو کی آواز سن کر نایاب اور سکندر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "یہ تہہ خانہ ہم نے تقریباً تین مہینے پہلے دریافت کیا تھا۔ اس وقت بھی ہم دفینے کی تلاش میں یہاں چوری چھپے آئے تھے لیکن کسی وجہ سے ہمیں واپس جانا پڑا۔ اس مرتبہ ہم پورا بندوبست کر کے آئے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ اس مرتبہ بھی کسی کو پتہ نہیں چلے گا لیکن تم لوگوں کی موجودگی نے ہمارا یہ خیال غلط ثابت کر

دیا۔"

"تم لوگ کون ہو؟" سکندر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"میرا نام ٹیپو ہے اور یہ میری دوست روبی ہے۔" ٹیپو نے جواب دیا۔ "ہم نے لوگو سے سنا تھا اور پرانے قصے کہانیوں میں بھی پڑھا تھا کہ ان کھنڈروں کے نیچے کسی جگہ را شیلا کا بہت بڑا خزانہ دفن ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ قسمت آزمائی چکے ہیں۔ بعض لوگ اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ پچھلی مرتبہ ہم یہاں آئے تو ہمیں بھی ناکام لوٹنا پڑا تھا۔ لیکن۔۔۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھ ہوئے کہنے لگا۔ "لیکن چند روز پہلے ایک واقعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہاں واقعی کوئی خزا موجود ہے۔"

"اور وہ واقعہ کیا تھا؟" سکندر نے پوچھا۔

"چند روز پہلے شہر میں چند ہیرے فروخت ہوئے تھے۔" ٹیپو نے جواب دیا۔

"وہ پانچ ہیرے کسی جوہری نے دس لاکھ میں خریدے تھے۔ جوہری نے وہ ہیرے کٹ اور کے ہاتھ پندرہ لاکھ میں فروخت کر دیئے اور پھر وہ ہیرے چند اور ہاتھوں سے ہو۔ ہوئے آخری مرتبہ پچاس لاکھ میں فروخت ہوئے۔ شہر میں ان ہیروں کا بہت چرچا تھا۔ نے تحقیقات کی تو خفیہ طور پر پتہ چلا کہ وہ ہیرے حکومت کے ایک اعلیٰ سرکاری آفیسر مس ارشاد کی بیٹی نایاب نے فروخت کئے تھے۔" وہ خاموش ہو کر نایاب کی طرف دیکھنے لگا "ہم نے نایاب کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو کچھ عجیب اور ناقابل یقین سی باتیں سامنے آئیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نایاب تمہارے ہاں رہ رہی ہے۔ بہرحال' ہ اور روبی اس مرتبہ مکمل تیاری کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ اس تہہ خانے کو ہم نے اپنی پناہ بنا لیا اور راتوں کو چھپ کر خزانے کی تلاش شروع کر دی۔ ہمیں یقین ہے کہ خزانہ یہا موجود ہے۔ جب نایاب اس خزانے تک پہنچ سکتی ہے تو ہم کیوں نہیں پہنچ سکتے۔"

"تم لوگ زندگی بھر اس خزانے تک نہیں پہنچ سکتے۔" اس مرتبہ نایاب نے ٹیپو طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اب ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہو گی۔" ٹیپو نے معنی خیز انداز میں مسکرا ہوئے کہا۔ "ہمارا خیال تھا کہ ہم خاموشی سے وہ خزانہ تلاش کر کے واپس چلے جائیں

لیکن ایک ہفتے کی کوشش کے بعد بھی ہم کوئی سراغ نہیں لگا سکے اور اب۔۔۔" وہ خاموش ہو کر نایاب کی طرف دیکھنے لگا۔ "اور اب مس نایاب اس خزانے تک ہماری رہنمائی کرے گی۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے۔" نایاب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"میرے پاس ایسے بہت سے طریقے ہیں جس سے میں تمہیں اپنا ہر حکم ماننے پر مجبور کر سکتا ہوں۔" ٹیپو نے جواب دیا۔ "یہاں تم لوگوں کو بچانے والا کوئی نہیں ہو گا۔ گاؤں کے لوگ تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ یہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گی تو اس خزانے میں تمہیں بھی حصہ مل سکتا ہے۔ بصورت دیگر تم اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گی۔"

"کوشش کر دیکھو۔" نایاب مسکرائی۔ "تم خزانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہو یا اپنی جان بچانے میں۔"

ٹیپو نے روبی کی طرف دیکھا اور آنکھ سے اشارہ کر دیا۔ روبی سکندر کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس نے اشارہ پاتے ہی بڑی پھرتی سے پستول کا دستہ سکندر کے سر پر رسید کر دیا۔

سکندر کی کھوپڑی پر لگنے والی ضرب خاصی زور دار تھی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ تیورا کر نیچے گر گیا۔ ضرب کھوپڑی کے نازک حصے پر لگی تھی اور سکندر بے ہوش ہو گیا تھا۔ روبی نے کمرے میں پڑی ہوئی رسی سے سکندر کے ہاتھ پیر باندھ دیئے اور پستول لے کر نایاب کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

"ہاں تو مس نایاب۔" ٹیپو اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "میں تمہیں سوچنے کیلئے صرف ایک منٹ دوں گا۔ اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہو تو بڑی اچھی بات ہے بصورت دیگر مجھے اپنے طریقہ پر عمل کرنا پڑے گا۔"

"تم جو چاہو کر لو۔ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی۔" نایاب نے جواب دیا۔

ٹیپو پستول تانے کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ روبی بھی سامنے آگئی تھی۔ اس کے پستول کا رخ نایاب کی طرف تھا۔ نایاب باری باری ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ٹیپو کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ وہ درمیانے قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ شکل و صورت سے وہ پڑھا لکھا اور شریف آدمی لگتا تھا لیکن اس کی حرکتیں شریفانہ

نہیں تھیں۔ روبی کی عمر نایاب کے خیال میں زیادہ سے زیادہ بتیس سال تھی۔ اس نے جینز اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ بال کٹے ہوئے تھے اور کانوں پر طلائی ٹاپس تھے۔ وہ خاصی حسین تھی۔

"ایک منٹ گزر چکا ہے مس نایاب۔" ٹیپو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں مایوسی ہو گی۔" نایاب مسکرائی۔

"یہ ایسے نہیں مانے گی۔" روبی دو قدم آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "میں اس سے پوچھتی ہوں۔ کیسے نہیں بتائے گی۔"

اور پھر اس نے نایاب کو تھپڑ مارنے کیلئے اچانک ہی ہاتھ اٹھا دیا تھا مگر اس کا تھپڑ نایاب کو نہیں لگا۔ روبی کا ہاتھ راستے ہی میں رک گیا تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ہو۔ کلائی پر کسی کی بڑی سخت گرفت محسوس ہو رہی تھی۔

روبی کا ہاتھ ہوا میں ہی رک گیا تھا۔ کلائی پر اب بھی کسی کی گرفت تھی۔ وہ اپنے ہاتھ کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے اپنے ہاتھ کے سوا وہاں کچھ نہیں تھا لیکن کلائی پر گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔ اسے ہڈی چٹخنی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ وہ پیر زمین پر جمائے پیچھے کی طرف جھکتے ہوئے زور لگا رہی تھی اور پھر دفعتاً اس کی کلائی پر گرفت ختم ہو گئی' اسے ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی پشت کے بل گری۔

ٹیپو قریب کھڑا خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی وحشت سی بھر آئی تھی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر سہارا دے کر روبی کو اٹھایا اور نایاب پر پستول تان لیا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس کے حلق سے بھیڑیئے کی سی غراہٹ نکلی۔ "تمہیں خزانے کا راستہ بتانا ہو گا ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے نایاب کے پیر کے قریب گولی چلا دی۔

ملک سکندر ہوش میں آ گیا۔ کھوپڑی پر لگنے والی چوٹ کی وجہ سے اس کے دماغ میں ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور وہ وحشت زدہ سی نظروں سے کبھی نایاب اور کبھی ٹیپو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نایاب کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی۔ اس کے چہرے پر بھی خوف کے سائے

پھیل گئے۔ صرف چند قدم کے فاصلے پر ٹیپو اس پر پستول تانے کھڑا تھا۔

"اگر تم نے خزانے کا راستہ نہیں بتایا تو دوسری گولی تمہاری ٹانگ میں لگے گی اور میں اس وقت تک تمہارے جسم کے مختلف حصوں پر گولیاں چلاتا رہا ہوں گا جب تک تم خزانے کا راستہ نہیں بتاؤ گی۔ ملک کو بھی تمہارے پیچھے ہی اگلے جہاں روانہ کر دیا جائے گا اور پھر ہم اطمینان سے وہ خزانہ تلاش کر لیں گے۔ بتاؤ خزانے کا راستہ کس طرف سے ہے۔" ٹیپو نے پستول کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

اور پھر دفعتاً" وہ چھنکار کی ہلکی آواز سن کر چونک گئی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ سنہری ناگ دائیں طرف دیوار کے قریب کنڈلی مارے بیٹھا تھا' اس کا پھن پھیلا ہوا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ تیزی سے رینگتا ہوا ٹیپو کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ نایاب کچھ بولتی سنہری ناک اپنی جگہ سے اچھلا اور ہوا میں اڑتا ہوا ٹیپو کے پستول والے ہاتھ سے ٹکرایا۔

پستول ٹیپو کے ہاتھ سے نکل کر گر گیا۔ پستول گرنے کے ساتھ دھب کی ایک اور آواز سنائی دی تھی۔ اس نے گردن گھما کر آواز کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔ سنہرے رنگ کا سانپ بڑی تیزی سے اس کی طرف رینگ رہا تھا۔ روبی نے بھی اس سنہری ناگ کو دیکھ لیا اور چیختی ہوئی پیچھے دیوار کے ساتھ جا لگی۔ سنہری ناگ بڑی تیزی سے ٹیپو کی طرف رینگ رہا تھا اور پھر چند فٹ کے فاصلے پر وہ رک گیا۔ اس کا پھن پھیل گیا۔ وہ ٹیپو پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔

"ہیجو نہیں۔" نایاب چیخی۔ "تم ایسا نہیں کرو گے۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔"

سنہری ناگ کا پھن سمٹ گیا اور پھر وہ رینگتا ہوا نایاب کی طرف آنے لگا۔ قریب پہنچ کر وہ نایاب کی ٹانگ سے لپٹ گیا اور پھر پیر سے ہوتا ہوا چند فٹ دور جا کر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ پھن کو آہستہ آہستہ حرکت دیتے ہوئے کبھی نایاب کی طرف، کبھی اور کبھی ٹیپو کی طرف۔

"دیکھ لیا تم نے۔" نایاب نے ٹیپو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر میں سے نہ روکتی تو تمہاری لاش اب تک کوئلہ بن چکی ہوتی۔ اب تم دونوں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے۔ آرام سے کھڑے رہو۔"

اس نے آگے بڑھ کر سکندر کو کھول دیا۔ وہ اٹھ کر اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"مجھے افسوس ہے سکندر بھائی۔" نایاب بولی۔ "اس لڑکی نے آپ پر اچانک ہی وار کیا تھا اور مجھے افسوس ہے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔" سکندر کھوپڑی سہلاتے ہوئے بولا۔ "افسوس تو مجھے ان جیسے لوگوں پر ہوتا ہے جو دولت کے لالچ میں اندھے ہو جاتے ہیں اور کسی انسان کی زندگی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

"میرا خیال ہے انہیں خزانے کا راستہ بتا دینا چاہئے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ اپنی زندگیاں خطرے میں ڈال کر یہاں آئے ہیں۔ میں انہیں مایوس نہیں کرنا چاہتی۔" وہ خاموش ہو کر ٹیپو کی طرف دیکھنے لگی۔ روبی بھی اس سے لپٹی ہوئی تھی۔

"میں تمہیں خزانے کا راستہ ضرور بتاؤں گی مگر ایک بات ذہن میں رکھ لو۔ اس جیسے درجنوں زہریلے ناگ اس خزانے کی حفاظت کر رہے ہیں اور وہ سانپ ایسے زہریلے ہیں کہ کسی کو ڈس لیں تو اس کی لاش چند سیکنڈ میں راکھ کا ڈھیر بن جاتی ہے۔"

"نن۔۔۔ نہیں۔ ہمیں خزانہ نہیں چاہئے۔" ٹیپو ہکلایا۔ "میں نے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں مگر مجھے ان باتوں کا یقین نہیں آیا تھا لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ان میں کچھ بھی غلط نہیں تھا۔۔۔ خدا کے لئے ہمیں معاف کر دو مس نایاب۔ لالچ نے ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ اس طرف کا رخ بھی نہیں کریں گے۔"

"اور تمہیں یہ وعدہ بھی کرنا ہو گا کہ واپس جانے کے بعد کسی سے ان واقعات کا ذکر نہیں کرو گے۔" نایاب بولی۔

"وو۔۔۔ وعدہ کرتے ہیں۔" ٹیپو ہکلایا۔

"تو پھر۔۔۔ اپنا سامان اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔" نایاب نے کہا اور پھر سنہری ناگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "بجو۔ اب تم جاؤ کوئی خطرہ نہیں ہے مجھے۔"

سنہری ناگ رینگتا ہوا دیوار میں ایک بل میں غائب ہو گیا۔ ٹیپو اور روبی وحشت زدہ سی نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

چلو۔ اپنا سامان سمیٹو۔" نایاب نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"رات گاؤں میں گزار کر صبح نور پور اور وہاں سے شہر چلے جانا۔"

"یہیں یہیں رہنے دو تو بہتر ہے۔" ٹیپو نے کہا۔ رات یہیں گزار کر صبح سویرے ہم ریلوے سٹیشن چلے جائیں گے۔ وہاں سے ہمیں ٹرین مل جائے گی۔"

"اب رات یہاں رہنا تم لوگوں کیلئے ٹھیک نہیں۔" اس مرتبہ سکندر نے ان کی باتوں میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "بجو یعنی وہ سنہری ناگ تو واپس چلا گیا ہے لیکن دوسرے سانپ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ یہاں تم لوگ سانپوں سے اب تک کیسے بچے ہوئے ہو۔ اپنا سامان اٹھاؤ اور چلو۔"

"ہمارا سامان اتنا قیمتی نہیں ہے۔" روبی نے کہا۔ "یہ سب کچھ یہیں چھوڑ دیں گے تو ہمیں کوئی افسوس نہیں ہو گا۔ چلو ہم تمہارے ساتھ چل رہے ہیں۔"

اس نے کمرے میں پڑا ہوا براؤن رنگ کا ایک بریف کیس کھول لیا اور بستر پر بکھرے ہوئے اپنے اور ٹیپو کے کپڑے سمیٹ کر بریف کیس میں ڈال لئے اور بریف کیس بند کر کے اٹھا لیا۔

ان دونوں کے پستول فرش پر پڑے ہوئے تھے لیکن پستولوں کی طرف ان دونوں میں سے کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ بالآخر وہ پستول سکندر نے اٹھا لئے۔ ان کی ٹارچیں بھی فرش پر پڑی ہوئی تھیں۔ نایاب نے ایک ٹارچ اٹھا کر ٹیپو کے ہاتھ میں تھما دی' دوسری خود سنبھال لی اور پھر ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے وہ تہہ خانے سے باہر آ گئے۔

"یہ تہہ خانہ کیسے بند ہو گا۔" سکندر نے ٹیپو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ٹیپو بڑے چبوترے کی اس دیوار کے قریب چلا گیا۔ اس نے اینٹ گھما کر اندر لگے ہوئے کنڈے کو کھینچ دیا۔ اوپر والا چھوٹا چبوترہ سرکتا ہوا اپنی جگہ پر آ گیا۔

وہ لوگ ٹیلے پر چڑھ کر کھنڈروں میں چلتے رہے۔ سب سے آگے سکندر تھا جس نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی۔ اس کے پیچھے ٹیپو' اس کے ہاتھ میں بھی ٹارچ تھی اور آخر میں نایاب اور روبی پہلو بہ پہلو چل رہی تھیں۔ نایاب کے ہاتھ میں بھی ٹارچ تھی۔

وہ ٹیلے کے دوسری طرف ڈھلان پر اتر کر گاؤں کی طرف جانے والے راستے پر آ گئے۔

ان کے آگے آگے چلتے ہوئے سکندر بار بار ایک ہاتھ سے کھوپڑی سہلا رہا تھا جہاں

پستول کی ضرب سے گومڑہ سا بن گیا تھا اور اس میں ہلکی سی تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ چلتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ یہ دونوں کون تھے اور انہیں چبوترے کے نیچے اس تہہ خانے کا پتہ کیسے چلا تھا؟

سکندر کی پوری زندگی اسی گاؤں میں گزری تھی۔ لڑکپن میں وہ لوگ کھیلنے کیلئے انہی کھنڈروں میں آیا کرتے تھے۔ پھر جب جوان ہوئے تو انہوں نے کھنڈروں میں چھپے ہوئے خزانے کے بارے میں باتیں سنیں۔ وہ گاؤں کے دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھنڈروں میں خزانہ تلاش کرنے آیا کرتا تھا۔ بیسیوں مرتبہ برگد کے اس بوڑھے درخت اور چبوترے کی طرف بھی آیا تھا۔ یہاں انہوں نے چبوترے کی ایک ایک اینٹ کو ٹھونک بجا کر دیکھا تھا لیکن انہیں تہہ خانے کا سراغ نہیں ملا تھا اور ان دونوں نے آتے ہی وہ تہہ خانہ تلاش کر لیا تھا۔ سکندر نے اپنی رفتار کم کر دی اور ٹیپو کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے تمہیں ان کھنڈروں میں آئے ہوئے چند ہی روز ہوئے ہیں۔ اس چبوترے کے نیچے تہہ خانے کا پتہ کیسے چلا؟"

"دراصل۔" ٹیپو بولا۔ "شہر میں جب ان قیمتی ہیروں کے بارے میں پتہ چلا تو تحقیقات کے دوران ہماری ملاقات ایک ایسے آدمی سے ہوئی جو چند سال پہلے خزانے کی تلاش میں ایک پارٹی کے ساتھ یہاں آ چکا تھا۔ یہاں ان کے دو آدمی پراسرار طور پر ہلاک ہو گئے تھے اور ان کے باقی ساتھی ڈر کر بھاگ گئے تھے۔ سراج بھی ان میں سے ایک تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "سراج کو جب یہ پتہ چلا کہ میں خزانے کے چکر میں ہوں تو اس نے میرا بڑا مذاق اڑایا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہاں کوئی خزانہ نہیں ہے۔ میں نے اسے ہیروں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اس نے مجھے باتوں ہی باتوں میں اس تہہ خانے کے بارے میں بتایا۔ یہ تہہ خانہ انہی لوگوں نے تلاش کیا تھا۔

سراج نے ہمیں گاؤں کے لوگوں کے بارے میں بھی بتا دیا تھا کہ وہ لوگ ہمارے لئے مزاحمت پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے یہاں آکر سب سے پہلے ہم نے یہ تہہ خانہ تلاش کیا۔ یہاں اپنے رہنے اور کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ دن میں ہم اس تہہ خانے میں پڑے رہتے اور رات کو باہر نکل کر خزانے کا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے لیکن

ہماری بدقسمتی کہ تم لوگوں سے آمنا سامنا ہو گیا۔"

"بدقسمتی نہیں۔ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھو۔" سکندر نے کہا۔ "ان ٹیلوں میں بے شمار زہریلے سانپ ہیں۔ تم دونوں کی قسمت اچھی تھی جو بچ گئے۔"

"ایک بات بتاؤ مسٹر ملک۔" ٹیپو نے کہا۔ "شہر میں فروخت ہونے والے دو ہیرے میں نے دیکھے تو نہیں لیکن سنا یہی ہے کہ وہ ہیرے بہت ہی یونیک ہیں اور اسی لئے تو وہ اب تک پچاس لاکھ میں فروخت ہو چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے قیمت اس سے بھی آگے بڑھے لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی ان کھنڈروں میں کوئی خزانہ موجود ہے؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" سکندر بولا۔

"ان ہیروں کے بارے میں تحقیقات کرنے کے بعد پتہ چلا تھا کہ وہ مس نایاب نے فروخت کئے تھے اور مس نایاب کے بارے میں پتہ چلا کہ اس گاؤں میں اس کے ساتھ کچھ پراسرار اور ناقابل یقین قسم کے واقعات بھی پیش آ رہے ہیں۔ ان کھنڈروں کے حوالے سے بھی کچھ پراسرار قسم کی باتیں سنی تھیں۔ ان سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہاں کوئی خزانہ موجود ہے اور مس نایاب کو وہ خزانہ مل گیا ہے۔ اس لئے ہم یہاں آئے تھے۔ لیکن۔۔ یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور نکلا۔"

سکندر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس وقت گاؤں کی پہلی گلی میں داخل ہو چکے تھے۔ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ گاؤں پر سناٹا چھایا ہوا تھا لیکن اچانک ہی کتوں کے بھونکنے کی آواز نے سناٹا توڑ دیا۔ تین چار کتے اچانک ہی کسی گلی سے نکل کر بھونکتے ہوئے ان کی طرف لپکے تھے۔ سکندر نے کتوں کو ڈانٹ دیا۔ وہ اس کی آواز پہچان کر پیچھے ہٹ گئے۔ روبی اور ٹیپو کتوں کو دیکھ کر سہم گئے تھے۔

وہ تین گلیوں میں سے گزر کر وہ حویلی کے سامنے آ گئے۔

"تم لوگ یہاں رکو۔ میں اندر سے دروازہ کھلواتا ہوں۔" سکندر کہتے ہوئے حویلی کے بڑے پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔

دستک کے جواب میں پھاٹک کا ذیلی دروازہ رسول بخش نے ہی کھولا تھا۔ وہ آج کل حویلی ہی میں رہ رہا تھا۔ سکندر اندر داخل ہو کر بیٹھک کی طرف مڑ گیا۔ بیٹھک میں داخل ہو کر اس نے گلی والا دروازہ کھول دیا اور نایاب اور ٹیپو وغیرہ اندر آ گئے۔

"تم لوگوں نے کھانا وغیرہ کھایا ہے یا نہیں؟" سکندر نے باری باری روبی اور ٹیپو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کھانا تو ہم نے کھا لیا تھا لیکن اس وقت اگر ایک کپ چائے مل جائے تو۔۔۔"

"میں ابھی بنواتا ہوں۔" سکندر نے کہا۔ "اس وقت تو میں بھی بڑی شدت سے چائے کی طلب محسوس کر رہا ہوں۔ اس لڑکی نے میرے سر پر جو چوٹ لگائی تھی اس سے میرا دماغ اب تک گھوم رہا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے ملک صاحب!" روبی نے کہا۔ اس کے کہنے میں ندامت تھی۔

سکندر نے آواز دے کر رسول بخش کو بلایا اور اسے چائے بنانے کیلئے کہہ دیا۔ رسول بخش تقریباً بیس منٹ بعد چائے بنا کر لے آیا۔ اس نے ایک ایک کپ ان سب کے سامنے رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جا کر سو جاؤ صبح جلدی اٹھنا ہے۔" سکندر نے کہا اور رسول بخش باہر چلا گیا۔

"تم لوگ کون ہو اور اس خزانے کے چکر میں کیسے پڑ گئے۔" سکندر نے ٹیپو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں شہر کے ایک پرائیویٹ کالج میں لیکچرار ہوں۔" ٹیپو نے جواب دیا۔ "اور یہ میری دوست روبی ہے۔ ایک پرائیویٹ کمپنی میں ایگزیکٹو ہے۔"

"مجھے حیرت ہو رہی ہے۔" نایاب نے کہا۔ "تم ایک لیکچرار اور یہ ایک کمپنی میں ایگزیکٹو۔ دونوں پڑھے لکھے ہو۔ ان لغویات میں کیسے پھنس گئے۔"

"لالچ۔" ٹیپو نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "دراصل میں نے کسی کتاب میں ان کھنڈرات کے بارے میں پڑھا تھا۔ رانی شلپا کی ریاست کے بارے میں بڑی تفصیل سے لکھا گیا تھا۔ یہ بھی لکھا تھا کہ رانی شلپا کو اس کے اپنے ہی لوگوں نے زندہ جلا دیا تھا اور یہ بھی کہ رانی شلپا کا خزانہ اب بھی کھنڈرات میں کہیں موجود ہے۔ میں نے پہلے خزانے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا لیکن بعد میں وقتاً فوقتاً اخبارات میں کچھ ایسی خبریں پڑھتا رہا کہ بعض لوگ اس خزانے کی تلاش میں ہیں اور پھر جب وہ ہیرے فروخت ہوئے تو ان کے بارے میں سنا گیا کہ ایسے ہیروں کے بارے میں آج تک کچھ نہیں سنا گیا

تھا۔ یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ وہ ہیرے کسی قدیم خزانے کا حصہ ہو سکتے ہیں۔ اس وقت میرے ذہن میں اس خزانے کا خیال آیا تھا۔ میں نے وہ کتاب تلاش کی اور ایک بار پھر توجہ سے وہ سب کچھ پڑھا اور جب میں تحقیقات کرتا ہوا اس گاؤں تک پہنچا تو یہاں کے حالات اور واقعات کے بارے میں جاننے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ یہاں کوئی خزانہ موجود ہے۔ ہمیں پناہ کیلئے ایک اچھی جگہ بھی مل گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ ہمارے بارے میں کسی کو پتہ نہیں چلے گا اور ہم وہ خزانہ تلاش کر لیں گے لیکن میں پھر وہی سوال کروں گا۔ کیا واقعی یہاں کوئی خزانہ موجود ہے یا یہ محض قصے ہیں۔"

"خزانہ موجود ہے۔" نایاب نے کہا۔ "اور شہر میں فروخت کئے جانے والے ہیرے اسی خزانے سے حاصل کئے گئے تھے اور وہ خزانہ میرے قبضے میں ہے۔"

"لیکن حیرت ہے۔ آپ اس خزانے تک کیسے پہنچیں۔ میرا مطلب ہے وہ زہریلے ناگ؟" ٹیپو خاموش ہو کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ ناگ میرے دوست ہیں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نے دیکھ ہی لیا تھا کہ وہ سنہری ناگ میرا کہنا مان کر رک گیا تھا۔ اگر وہ تمہیں ڈس لیتا تو تمہاری لاش چند سیکنڈ کے اندر اندر جل کر راکھ کا ڈھیر بن جاتی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "بات ساری نیت کی ہے۔ ہمارے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ ہم اس خزانے کا کوئی حصہ ذاتی تصرف میں لائیں گے۔ اس خزانے کے حوالے سے ہم نے لوگوں کی بھلائی کیلئے بہت کچھ سوچ رکھا ہے۔"

"وہ تو درست ہے۔" ٹیپو بولا۔ "لیکن ان زہریلے سانپوں نے آپ کو خزانے تک پہنچنے سے نہیں روکا؟"

"یہ بہت لمبا قصہ ہے ٹیپو۔" اس مرتبہ سکندر نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بات احساس کی ہے۔ نایاب نے اس سنہری سانپ کی ایک نیولے سے جان بچائی تھی۔ اس نے نایاب کا یہ احسان مانا اور اسے خزانے تک لے گیا لیکن نایاب نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ اس خزانے کو لوگوں کی بھلائی کیلئے استعمال کرے گی۔"

"ملک صاحب!" ٹیپو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لالچ انسان سے پتہ نہیں کیا کچھ کروا دیتا ہے۔ خزانے کے لالچ نے ہمیں بھی اندھا کر دیا تھا لیکن اس تہہ خانے میں جو کچھ

بھی ہوا' اسے دیکھ کر ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ روپے پیسے کی ہمارے پاس بھی کمی نہیں ہے۔ اب کم از کم میں نے تو یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ رہوں گا۔ بغیر کسی طمع اور لالچ کے' خدمت خلق میں آپ لوگوں کا ساتھ دوں گا۔"

"میں بھی۔" روبی نے کہا۔

"اس کے بارے میں بعد میں فیصلہ کریں گے۔" سکندر نے کہا۔ "اب رات زیادہ ہو چکی ہے۔ تم لوگ آرام کرو صبح بات کریں گے۔"

اس نے نایاب کو اشارہ کیا اور وہ دونوں اٹھ کر بیٹھک سے باہر آگئے۔ نایاب اور سکندر کچھ دیر تک برآمدے میں کھڑے باتیں کرتے رہے پھر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

سیون ○ فور

نایاب کے اس اچانک فیصلے نے سب ہی کو چونکا دیا تھا۔

نایاب نے صبح ناشتہ کے فوراً بعد ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ آج ہی پرانی حویلی میں منتقل ہو جائے گی۔ بڑے ملک صاحب نے بھی اس کی مخالفت کی تھی کہ جب تک عدالت سے فیصلہ نہ ہو جائے اسے وہاں منتقل نہیں ہونا چاہئے لیکن نایاب اڑ گئی کہ اپنے شوہر کی زمینوں پر رہنے کا اسے بھی حق حاصل ہے۔ عدالت اس پر یہ پابندی تو نہیں لگا سکتی کہ کوئی فیصلہ ہونے تک وہ اپنے گھر میں بھی نہیں رہ سکتی۔ البتہ اگر عدالت کا فیصلہ اس کیخلاف ہوا تو وہ بلا تاخیر حویلی خالی کر دے گی۔

"تمہاری منطق مان لیتے ہیں کہ تمہیں اپنے گھر میں رہنے کا حق حاصل ہے۔" ملک سکندر نے کہا۔ "لیکن اتنی بڑی حویلی میں تم اکیلی کیسے رہو گی۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو۔۔۔"

"مجھے کچھ نہیں ہو گا سکندر بھائی۔" نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اور پھر میں وہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔ ٹیپو اور روبی بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ انہوں نے یہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میری حد تک تو ٹھیک تھا لیکن اب اس گھر میں اتنے لوگ کیسے رہ سکتے ہیں۔ رابعہ بھی ہے اور رابعہ کے مکان کی تعمیر مکمل ہونے تک ریاض بھی یہیں رہے گا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" سکندر نے کہا۔ "ہم مہمانوں سے گھبرانے والے نہیں

ہیں۔ مہمان تو خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔ اتنا بڑا مہمان خانہ ہے۔ سب لوگ وہاں رہ سکتے ہیں۔"

"نہیں سکندر بھائی۔" نایاب نے کہا۔ "دو چار دن کی بات ہوتی تو کوئی پروا نہیں تھی۔ یہ مسئلہ تو اب پتہ نہیں کب تک چلے گا۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ آپ لوگوں پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔"

سکینہ نے بھی نایاب کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہیں مانی اور کچھ ہی دیر بعد وہ رابعہ کے بھائی اور چند اور آدمیوں کو لے کر پرانی حویلی پہنچ گئی۔ نایاب کی عدم موجودگی میں حویلی میں بہت سا کام ہو چکا تھا۔ گراؤنڈ فلور کے تین چار کمرے تو بالکل صاف کر دیئے گئے تھے۔

روبی اور ٹیپو اس حویلی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے تھے۔ انہیں یہ تو پتہ چل گیا تھا کہ نایاب کا اپنے سسرال والوں سے جائیداد کے مسئلہ پر تنازعہ چل رہا تھا اور نایاب نے اس حویلی کو اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے یہاں رہنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن انہیں ابھی تک یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ یہ حویلی آسیب زدہ ہے اور یہاں کچھ پراسرار قسم کے واقعات رونما ہو چکے ہیں۔

قیوم اور اس کے ساتھی حویلی میں کام میں مصروف ہوگئے۔ نایاب نے انہیں ہدایت کر دی تھی کہ پہلے وہ اوپر کا ایک کمرہ صاف کر دیں کیونکہ اس نے خود اوپر رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پھر وہ ٹیپو اور روبی کو لے کر اپنی گاڑی پر نور پور چلی گئی۔

وہ تینوں چار بجے تک نور پور میں مصروف رہے اور پھر شام کو مختلف اشیاء سے لدا ہوا ایک ٹرک پرانی حویلی پہنچ گیا۔ اس وقت ملک سکندر بھی وہاں موجود تھا۔ قیوم اور اس کے ساتھی ٹرک سے سامان اتار کر حویلی میں پہنچا رہے تھے اور سکندر خاموش کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

اس سامان میں چارپائیاں بھی تھیں' بستر بھی' راشن کا ہر قسم کا سامان' کئی پیٹرومیکس' کیروسین آئل کے چولہے اور ہر وہ چیز موجود تھی جس کی گھر میں ضرورت پڑ سکتی تھی۔

سب سے پہلے پیٹرومیکس روشن کر کے انہیں مختلف جگہوں پر رکھ دیا گیا تھا۔ دو پیٹرومیکس اوپر پہنچا دیئے گئے۔ ایک جھروکے میں اور دوسرا نایاب کیلئے صاف کئے جانے

والے کمرے میں رکھوا دیا گیا۔ ایک پیٹرومیکس حویلی کے گیٹ کی دیوار پر رکھ دیا گیا تھا۔

رات کے اندھیرے میں حویلی کے گیٹ پر اور جھروکوں میں رکھے ہوئے پیٹرومیکس بڑا پراسرار منظر پیش کر رہے تھے۔ جنگل میں منگل کا سماں تھا۔ سکندر نے تو کہا تھا کہ سامان آرام سے سیٹ ہوتا رہے گا' وہ لوگ گاؤں چلیں۔ رات کا کھانا گھر پر کھا لیں اور رات بھی وہیں رہیں لیکن نایاب نے گویا طے کر لیا تھا کہ آج رات کا کھانا بھی یہیں کھایا جائے گا اور رات بھی یہیں بسر ہو گی۔

کچن میں فرش پر ہی چولہا رکھ کر روبی نے سالن پکنے کو چڑھا دیا تھا۔ نایاب شہر سے ہر چیز لے کر آئی تھی۔

قیوم اور اس کے ساتھی بڑے جوش و خروش سے کام کر رہے تھے۔ وہ سب لوگ گویا پکنک منا رہے تھے۔ وہ سب ہی جانتے تھے کہ یہ حویلی آسیب زدہ ہے اور پچھلے چند روز کے دوران یہاں دو آدمی بھی پراسرار طور پر ہلاک ہو چکے ہیں۔ چوہدری سعادت اور ملنگی کا حشر بھی ان سب نے دیکھا تھا کہ کسی نادیدہ قوت نے کس طرح انہیں مار مار کر حویلی سے باہر پھینک دیا تھا لیکن اس کے باوجود ان کے دلوں میں کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ وہ وہ جانتے تھے کہ اس حویلی کے آسیب نایاب بی بی کے دوست تھے۔ وہ کئی روز تک نایاب کی عدم موجودگی میں بھی کام کرتے رہے تھے لیکن کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔

رات گیارہ بجے کھانا تیار ہوا۔ برآمدے میں دسترخوان بچھا لیا گیا تھا۔ روبی نے سالن تیار کیا تھا اور روٹیاں بھی اسی نے پکائی تھیں۔ سالن بہت لذیذ تھا۔

ساڑھے بارہ بج گئے۔ سکندر اور قیوم وغیرہ واپس جانے لگے تو نایاب نے گاڑی سکندر کے حوالے کر دی۔

"آپ صبح ہماری خیریت دریافت کرنے تو آئیں گے۔ اس لئے یہ گاڑی لے جایئے۔ صبح یہاں آنے میں آسانی رہے گی۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے گاڑی کی چابیاں اس کی طرف بڑھا دیں۔

سکندر کی آنکھوں میں تشویش تھی۔ اس نے کچھ کہے بغیر چابیاں لے لیں اور قیوم وغیرہ کے ساتھ حویلی سے باہر آ گیا۔ نایاب' روبی اور ٹیپو حویلی کے پھاٹک تک ان کے ساتھ آئے تھے۔

"آپ نے سب کو واپس بھیج دیا۔" روبی نے واپس آتے ہوئے نایاب کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اتنی بڑی حویلی میں ہم تینوں اکیلے رہیں گے۔ میرا مطلب ہے چاروں طرف ویرانہ ہے۔ سنا ہے اس علاقے میں ڈاکو وغیرہ بھی بہت ہوتے ہیں۔"

"یہ تو تم نے ٹھیک سنا ہے لیکن ڈاکو اس حویلی کا رخ نہیں کر سکتے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

نایاب انہیں لے کر اوپر آ گئی تھی۔ برآمدے میں پانچ چھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ایک طرف پیٹرومیکس بھی روشن تھا۔ روبی برآمدے کی محراب کے قریب کھڑی ہو کر باہر دیکھنے لگی۔ دور دور تک تاریکی اور سناٹا تھا۔ دفعتاً ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا روبی کے جسم سے ٹکرایا اور وہ کپکپا کر رہ گئی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ موسم میں ہلکی سی خنکی ضرور تھی لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ ہوا کے جھونکے سے کپکپی چڑھ جاتی۔ وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

"سنا ہے آپ کا چوہدری فیملی سے جائیداد کا کوئی تنازعہ ہے۔" ٹیپو نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تنازعہ کس وجہ سے ہے۔"

"میں چوہدری خاندان کی بہو ہوں۔ میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے۔ لیکن میرے سسرال والے میرے شوہر کا حصہ مجھے دینے کو تیار نہیں ہیں اور میں نے اپنا حصہ وصول کرنے کیلئے عدالت میں مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔" نایاب نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد تفصیل سے سب کچھ بتانے لگی۔ پھر ٹیپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ تو پروفیسر ہیں۔ خزانے وغیرہ کے چکر میں کیسے پڑ گئے تھے۔"

"انسان کے پاس دولت کے انبار ہی کیوں نہ لگے ہوں لیکن اس کی فطرت میں شامل لالچ ختم نہیں ہوتا۔" ٹیپو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اللہ کا شکر ہے میرے پاس بہت کچھ ہے۔ شہر میں تین بنگلے ہیں۔ ایک میں' میں خود رہتا ہوں اور دو کرائے پر دے رکھے ہیں۔ میں نے بیوی کے انتقال کے بعد شادی بھی نہیں کی۔ کوئی اولاد بھی نہیں۔ لیکن وہی فطرت۔ میں لالچ میں آ گیا لیکن اب ایک بات آپ کو بھی ماننی پڑے گی کہ خزانے کے بارے میں میرا اندازہ درست نکلا۔"

"ہاں۔" نایاب بولی۔ "اس حد تک تو تمہارا اندازہ درست نکلا کہ کھنڈرات میں کوئی

خزانہ موجود ہے لیکن تم اس خزانے تک کبھی نہیں پہنچ سکتے تھے بلکہ عین ممکن ہے کہ کسی نہ کسی مرحلے پر بھیانک موت کا شکار ہو جاتے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "یہاں کئی طالع آزما خزانے کی تلاش میں آئے۔ کچھ موت کا شکار ہوئے اور کچھ خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے۔"

"حیرت ہے کہ آپ اس خزانے تک کیسے پہنچ گئیں۔" روبی نے کہا۔

"یہ ایک لمبی داستان ہے۔ پھر کسی وقت سناؤں گی۔ لیکن ایک بات تم دونوں ذہن میں رکھنا۔ اس خزانے کے بارے میں صرف میں جانتی ہوں یا سکندر بھائی۔ اب تم دونوں اس راز سے واقف ہوئے ہو۔ وہ بھی اس طرح کہ تم دونوں بھی اسی چکر میں تھے لیکن تمہیں بھی صرف اتنا بتایا ہے کہ ان کھنڈروں کے نیچے کوئی خزانہ موجود ہے۔ اس کا راستہ تمہیں بھی معلوم نہیں۔ گاؤں والوں میں سے کوئی بھی اس خزانے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اس لئے تم دونوں اس سلسلے میں اپنی زبانیں بند رکھو گے۔ یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہی کہ کسی کو پتہ چل گیا تو وہ خزانے تک پہنچ جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس خزانے تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ خزانے کا چرچا نہ ہو۔"

"مطمئن رہئے۔ ہماری زبانیں بند رہیں گی۔" ٹیپو نے کہا۔

"اور روبی تم نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں۔" روبی کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "میرا تعلق شہر کے ایک معزز گھرانے سے ہے۔ میں اپنے باپ اور بھائیوں کا نام نہیں بتانا چاہتی کیوں بقول ان کے وہ عزت والے لوگ ہیں اور میرا ان سے تعلق ان کی رسوائی کا باعث بن سکتا ہے۔ میں نے اپنے باپ اور بھائیوں کی مرضی کے خلاف افضال سے شادی کی تھی۔ افضال مجھے بہت چاہتا تھا۔ وہ میرے لئے اپنی جان تک دینے کو تیار تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میرے گھر والوں کی ناراضگی عارضی ہو گی لیکن شادی کے بعد جب اسے پتہ چلا کہ گھر والوں نے مجھ سے ناطہ توڑ لیا ہے اور والد نے مجھے عاق کر دیا ہے تو اسے بڑا صدمہ ہوا۔ وہ بھی بدل گیا۔ اس نے شادی کے صرف سات مہینے بعد مجھے طلاق دیدی اور اس طرح لاپتہ ہوا کہ تلاش کے باوجود میں اس کا سراغ نہیں لگا سکی۔ اس نے دولت کے لالچ میں مجھ سے شادی کی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ مجھ سے شادی کے بعد میرے باپ کی دولت پر عیش کرے گا لیکن اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا اور وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "میرے والد اور بھائیوں کی وجہ سے خاندان کے تمام لوگوں نے بھی مجھ سے قطع تعلق کر لیا۔ کوئی مجھے اپنے گھر میں پناہ دینے کو تیار نہیں تھا۔ میں بالکل اکیلی رہ گئی تھی لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری۔ میں نے گریجویشن کیا تھا اور خوش قسمتی سے شادی سے دو سال پہلے ایم بی اے بھی کر لیا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ ایم بی اے کرنے کے بعد کوئی ملازمت کروں گی لیکن یہ ڈگری میرے کام آگئی۔

مجھے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازمت مل گئی اور پھر میں اپنی ذہانت اور صلاحیتوں کے بل بوتے پر ترقی کرتے ہوئے اس کمپنی میں ایگزیکٹو بن گئی۔ میری تنخواہ بھی بہت معقول ہے۔ کمپنی کی طرف سے بنگلہ، کار اور ہر سہولت ملی ہوئی ہے۔ کمپنی نے مجھے جو بنگلہ لے کر دیا، اس کے پڑوس میں یہ پروفیسر صاحب رہائش پذیر ہیں۔ شروع میں تو سرسری علیک سلیک ہوتی رہی پھر فارغ وقت میں کبھی میں ان کے ہاں چلی جاتی اور کبھی یہ میرے ہاں آ جاتے اور پھر ایک روز انہوں نے مجھے خزانے کے بارے میں بتایا تو میں فوراً ہی ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئی کیونکہ مجھے دولت کی ضرورت تھی اور میں اپنے باپ اور بھائیوں کو نیچا دکھانا چاہتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میرے پاس دولت کے انبار دیکھ کر میرا باپ اور بھائی نہ صرف مجھے معاف کر دیں گے بلکہ مجھے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔"

"بھیونی غلط سوچ تھی تمہاری۔" نایاب نے کہا۔ "والدین کبھی اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتے۔ وہ ہمیشہ بھلائی کی بات سوچتے ہیں۔ اگر تم شروع ہی میں اپنے باپ اور بھائیوں کا کہا مان لیتیں تو تمہیں زندگی کی یہ تمام اذیتیں تو نہ اٹھانا پڑتیں لیکن۔۔ دل کی لگی بھی بری ہوتی ہے۔ چین نہیں لینے دیتی۔ میں جانتی ہوں جب کسی سے پیار ہوتا ہے تو دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ میرے پیار نے مجھے دھوکا نہیں دیا۔ زندگی کے آخری لمحوں تک اس نے میرا ساتھ دیا اور تمہیں تو میں یہ مشورہ دوں گی کہ اب بھی اگر تم والد اور بھائیوں سے معافی مانگ لو تو وہ تمہیں قبول کر لیں گے۔"

"میں کوشش کر چکی ہوں۔" روبی نے جواب دیا۔ "کئی لوگوں کو بیچ میں ڈالا۔ خود ان

کے دروازے پر گئی لیکن وہ کسی طرح میری بات سننے کو تیار نہیں ہوئے۔"

"ایک بار میں بھی کوشش کر کے دیکھوں گی۔ ذرا یہاں کے کاموں سے نمٹ لوں" نایاب نے کہا۔ پھر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔ "اب ڈھائی بج چکے ہیں باقی باتیں کل دن میں ہوں گی۔ میرا خیال ہے اب سو جانا چاہئے۔ میں تم لوگوں کو چھوڑ آؤں۔"

وہ تینوں کرسیوں سے اٹھ گئے۔

سیڑھیوں پر بھی ایک پیڑومیکس جل رہا تھا۔ نیچے آکر نایاب نے سیڑھیوں والا باہر گیٹ بند کر دیا اور انہیں ساتھ لے کر حویلی کے اندرونی حصے میں آگئی۔ ان دونوں کو الگ الگ کمروں میں بستر لگائے گئے تھے لیکن روبی الگ کمرے میں سونے کو تیار نہیں تھی بھائیں بھائیں کرتی ہوئی اتنی بڑی حویلی میں اسے پہلے ہی ڈر لگ رہا تھا۔ نایاب کے جانے کے بعد روبی اپنا بستر اٹھا کر ٹیپو کے کمرے میں آگئی۔ ٹیپو اس کی چارپائی اٹھا لایا تھا

"لگتا ہے یہ حویلی بہت پرانی ہے۔ میرا خیال ہے کم از کم سو سال پہلے تعمیر ہوئی ہو گی۔" ٹیپو نے اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔

"سنا ہے اس طرح کی پرانی حویلیوں میں آسیب وغیرہ ڈیرے جما لیتے ہیں لیکن یہاں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ اس کے باوجود ایک انجانا سا خوف محسوس ہو رہا ہے۔" نے کہا۔

"آج سارا دن حویلی میں بڑی رونق رہی ہے۔ ابھی تک تو میں نے ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی۔ ویسے میں آسیب وغیرہ پر یقین نہیں رکھتا۔ سب کچھ واہمہ ہوتا ہے۔ تم بھی آرام سے سو جاؤ۔" ٹیپو نے کہا اور پھر بستر سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "پیڑومیکس دروازے کے عین سامنے راہداری میں رکھا ہوا ہے۔ آنکھوں پر روشنی پڑ رہی ہے۔ اسے راہداری میں ایک طرف رکھ دیتا ہوں۔"

"نہیں۔" روبی جلدی سے بولی۔ "پیڑومیکس اندر لے آؤ اور دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دو۔ مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔"

ٹیپو نے راہداری میں رکھا ہوا پیڑومیکس اٹھا کر کمرے کے ایک کونے میں رکھ دیا دروازہ بند کر کے کنڈا چڑھا دیا۔ کمرے میں تیز روشنی تھی۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی

روشنی میں سونے کا عادی نہیں تھا مگر مجبوری تھی۔ کچھ دیر تک وہ دونوں اس حویلی ہی کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتے رہے پھر روبی کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس کے کچھ دیر بعد ٹیپو بھی سو گیا۔

روبی کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر سوئی ہو گی لیکن دفعتاً اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں گہری تاریکی تھیں پیڑومیکس شاید تیل ختم ہونے کی وجہ سے بجھ گیا تھا۔ اندھیرے میں روبی کو گھٹن سی محسوس ہونے لگی اور پھر دفعتاً اسے یوں لگا جیسے شدید سردی کی لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہوں وہ کانپ اٹھی بند کمرے میں سردی کی ایسی لہر۔۔۔ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی اور پھر ایک اور خیال ذہن میں آتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے شاید کسی پراسرار قسم کی کہانی میں پڑھا تھا کہ جس کمرے میں آسیب ہوں' وہاں اچانک ہی اس طرح کی خنکی پیدا ہو جاتی ہے۔

روبی ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ جیسے راہداری میں کوئی دروازہ کھل رہا ہو اور پھر راہداری میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ اس کے ذہن میں نایاب کا خیال آیا پھر اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ یہ نایاب کے قدموں کی آواز نہیں تھی۔ اس نے تو بڑی نازک سی چپل پہن رکھی تھی اور یہ کسی مرد کے بھاری جوتوں کی آواز تھی۔ بھاری قدموں کی وہ آواز دروازے کے سامنے آکر رک گئی اور پھر یوں لگا جیسے کسی نے دروازے پر ہاتھ سے دباؤ ڈالا ہو۔

روبی کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ خوفزدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ کمرے کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ وہ چارپائی سے اتر کر اندھیرے میں ٹٹولتی ہوئی اس طرف بڑھنے لگی جہاں ٹیپو کی چارپائی تھی۔ خوف اس کے دل میں بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے ایک دو مرتبہ لرزتی ہوئی خوفزدہ سی آواز میں ٹیپو کو پکارا بھی تھا لیکن ٹیپو شاید گہری نیند میں تھا۔

روبی دونوں ہاتھ آگے کو پھیلائے آگے بڑھتی رہی دونوں بستروں کے درمیان پانچ چھ فٹ کا فاصلہ تھا لیکن یہ فاصلہ کسی طرح ختم ہونے ہی میں نہیں آ رہا تھا۔ خوف سے روبی کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ دروازہ ایک بار پھر ہولے سے چرچرایا باہر سے کسی نے دروازے پر دباؤ ڈالا تھا۔ روبی کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی اس کی ٹانگیں کپکپانے

گئیں۔ اس نے ایک بار پھر ٹیپو کو پکارا مگر آواز اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ وہ اگ
دم آگے کو دوڑی اور پھر اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ دیوار سے ٹکرا گئی تھ
اس کی پیشانی پر چوٹ لگی۔ وہ ایک ہاتھ سے پیشانی سہلاتے ہوئے کراہنے لگی۔

روبی کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ ٹیپو کس قدر غفلت کی نیند سو رہا ہے۔ بار
پکارنے اور اس کی چیخ کے باوجود اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ دیوار سے ٹکرانے کے ب
روبی سمجھ گئی کہ ٹیپو کی چارپائی کی طرف جانے کے بجائے وہ دوسری طرف چلی گئی تھی ا
دیوار سے ٹکرا گئی تھی لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ چارپائی کس طرف تھی۔

راہداری میں بھاری قدموں کی آواز پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ وہ آواز دور ہٹتی ہو
محسوس ہو رہی تھی۔ روبی کے منہ سے ایک گہرا سانس نکل گیا' وہ جو کوئی بھی تھا واپس
رہا تھا۔

روبی ایک بار پھر ٹٹولتی ہوئی چارپائی کی طرف بڑھنے لگی اور پھر دھب کی آواز سن
اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کوئی اس کے قریب ہی اوپر سے
کودا ہو۔ وہ چیختی ہوئی آگے دوڑی۔ اس مرتبہ وہ چارپائی سے ٹکرا کر گری۔ اس کے من
سے ایک بار پھر ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

اس مرتبہ چیخ کی آواز سن کر ٹیپو کی آنکھ کھل گئی۔

"کون ہے-- کیا ہوا--؟" اس کی خوابیدہ سی آواز روبی کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میں ہوں ٹیپو۔" روبی کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔ "کمرے میں کوئی
ہے۔ وہ-- وہ--"

"اندھیرا کیوں ہے۔ تم نے لیمپ کیوں بجھا دیا۔" ٹیپو بولا۔

"لیمپ میں نے نہیں بجھایا۔" روبی ہکلائی۔ "میری آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیر
تھا-- تم کہاں ہو-- مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"میں یہاں ہوں-- اس طرف--" ٹیپو نے کہا۔

روبی دونوں ہاتھ آگے کو پھیلائے آواز کی طرف بڑھنے لگی اور دو تین قدم اٹھانے
کے بعد ہی اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ہو۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی
کہ وہ ٹیپو تھا۔ وہ خوفزدہ تھی۔ والہانہ انداز میں اس سے لپٹ گئی۔

اور پھر ٹھیک اسی لمحہ اچانک ہی کمرہ ایک دم روشنی سے بھر گیا۔ تیز روشنی سے ایک
لمحہ کو اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اور جب روشنی سے مانوس ہوئیں تو اس کی آنکھیں
خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔

ٹیپو اپنی چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا تو پھر وہ کس سے لپٹی ہوئی تھیں اس کے منہ سے ایک
خوفناک چیخ نکل اور وہ ایک جھٹکے سے لگ ہٹ گئی اور پھر اس کے منہ سے ایک اور
خوفناک چیخ نکل گئی۔ وہ جسے ٹیپو سمجھ کر لپٹی تھی' وہ کوئی انسان نہیں بلکہ انسانی ڈھانچہ تھا جو
اس کے سامنے کھڑا تھا۔

ٹیپو بھی یہ منظر دیکھ کر دہشت زدہ سا ہو گیا۔ وہ چارپائی سے اٹھ کر روبی کی طرف
لپکا۔ روبی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

وہ انسانی ڈھانچہ چند لمحے ان کے سامنے کھڑا رہا پھر اس طرح اچھلا جیسے اس کے پیروں
کے نیچے اسپرنگ لگے ہوئے ہوں۔

اس کمرے میں دروازے کے دونوں طرف اوپر دو بڑے بڑے روشن دان تھے۔ جن
کے آگے تقریباً ایک ایک فٹ چوڑے کارنس بنے ہوئے تھے۔ وہ ڈھانچہ اچک کر ایک
روشن دان کے کارنس پر بیٹھ گیا اور پھر اس کی ہڈیاں بٹنوں کی طرح فولڈ ہو گئیں اور وہ
روشن دان سے باہر نکل گیا۔

روبی دہشت زدہ سی ہو کر ٹیپو سے لپٹی ہوئی تھی۔ ٹیپو کی حالت بھی اس سے مختلف
نہیں تھی۔ ان دونوں کے جسم خوف سے لرز رہے تھے۔

"وہ-- وہ چلا گیا--" ٹیپو نے کہا۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ نمایاں تھی اور وہ روشن
دان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

روبی بڑی مشکل سے اس سے الگ ہوئی تھی۔ وہ اب بھی کانپ رہی تھی اور اس کا
چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ وہ دہشت زدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور پھر
اس کی نظریں دوسرے روشن دان کی طرف اٹھ گئیں۔

"وہ---وہ پیٹرومیکس وہاں کس نے رکھا تھا۔" وہ روشن دان کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے ہکلائی۔

ٹیپو بھی اس طرف دیکھنے لگا۔ پیٹرومیکس روشن دان کے سامنے کارنس پر رکھا ہوا تھا۔

"ہم— میں نے تو پیٹرو میکس وہاں نہیں رکھا تھا۔" ٹیپو ہکلا کر رہ گیا۔

اس سے پہلے کہ روبی کوئی جواب دیتی' روشندان کے کارنس پر رکھا ہوا پیٹرو میکس ا جگہ سے چند انچ اوپر اٹھا اور ہوا میں تیرتا ہوا نیچے آنے لگا۔ پیٹرو میکس کو اپنی طرف آ دیکھ کر روبی ایک بار پھر چیخ کر ٹیپو سے لپٹ گئی۔

رات کو سونے سے پہلے باتیں کرتے ہوئے ٹیپو نے کہا تھا کہ بھوت آسیب واہ ہوتے ہیں' ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے کبھی ایسی باتوں پر یقین نہیں تھا۔ دوسروں سے اس قسم کی باتیں سنتا تو ان کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ ایسی صورتحال سے دو چار تھا کہ خوف سے اس کی جان نکل جا رہی تھی۔

ہوا میں تیرتا ہوا پیٹرو میکس ان کی طرف آ رہا تھا پھر دفعتاً" اس کا رخ مڑ گیا اور کمرے کے کونے میں اسی جگہ فرش پر ٹک گیا جہاں شروع میں رکھا ہوا تھا۔

"ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔" روبی نے خوفزدہ آواز میں ہکلاتے ہ ئے کہا۔ "چلو بھاگ چلیں یہاں سے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں" ٹیپو نے کہا۔ "اوپر نایاب کے ساتھ پتہ نہیں کیا صورتحال پیش آ رہی ہو گی۔ اس کمرے سے نکلو۔ کوشش کریں گے کہ اسے بھی آواز دے کر بلا لیں۔"

وہ دونوں چارپائی سے اتر آئے۔ روبی بڑی مشکل سے اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکی تھی۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔ ٹیپو اسے چھوڑ کر پیٹرو میکس کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پیٹرو میکس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس کا خیال تھا کہ پیٹرو میکس اپنی جگہ سے بھاگ جائے گا مگر اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ ٹیپو نے پیٹرو میکس کا کنڈا اس قدر مضبوطی سے پکڑ لیا جیسے اس کے بھاگ جانے کا اندیشہ ہو۔

دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ دروازے کا اوپر والا کنڈا خاصا اونچا تھا روبی بچوں کے بل اچک کر اسے کھولنے کی کوشش کرتی رہی لیکن اس کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ رہا تھا۔

"تم پیٹرو میکس سنبھالو میں کھولتا ہوں۔"

ٹیپو نے پیٹرو میکس اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور کنڈا کھولنے لگا۔ کنڈا ہٹا کر اس نے

بڑی آہستگی سے دروازہ کھولا تھا۔ دروازے کی چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز بھی سناٹے میں پھیل گئی تھی اور پھر ان دونوں نے اکٹھے ہی دروازے کے باہر قدم رکھا تھا لیکن دوسرے ہی لمحہ روبی کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی۔

دروازے کے عین سامنے وہی انسانی ڈھانچہ کھڑا تھا۔ روبی کے ہاتھ سے پیٹرو میکس گر گیا اور وہ چیختی ہوئی ایک بار پھر ٹیپو سے لپٹ گئی۔

پیٹرو میکس زمین پر گرتے ہی اس کا تیل فرش پر بکھر گیا اور اس میں آگ لگ گئی۔ ٹیپو روبی کو اپنے ساتھ لپٹائے دیوار کے ساتھ سرکتا ہوا راہداری میں ایک طرف کو ہٹنے لگا۔ تیل راہداری میں پھیلا تھا اور شعلے زیادہ بلند نہیں تھے۔ شعلوں کے دوسری طرف راہداری کے آخری سرے پر وہ ڈھانچہ اس طرح کھڑا تھا جیسے ان کا مذاق اڑا رہا ہو۔

"بھ— بھاگو— ٹیپو بھاگو—" روبی ایک بار پھر چیخی۔

ٹیپو اسے اپنے ساتھ لپٹائے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ اس نئی صورتحال نے اسے بھی بری طرح بدحواس کر دیا تھا۔ ڈھانچے کو راہداری میں کھڑے دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ شاید یہ ڈھانچہ انہیں حویلی سے باہر نہیں نکلنے دے گا۔

اسی دوران سیڑھیوں پر ہلکے قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر نایاب کی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

"کیا ہوا روبی کیوں چیخ رہی ہوں کیا ہوا؟"

"نا— نایاب— بھو— بھوت—" روبی خوفزدہ سے انداز میں چیخی۔

چند سیکنڈ بعد ہی نایاب جلتی ہوئی ٹارچ ہاتھ میں لئے دوسری راہداری میں نمودار ہوئی اور پھر اس راہداری میں آتے ہی فرش پر لگی ہوئی آگ دیکھ کر چونک گئی۔

"یہ— یہ کیا ہوا؟ آگ کیسے لگی—" نایاب نے پوچھا۔

"یہ— یہاں بھوت ہیں—" روبی ہکلائی "وہ سامنے ایک ڈھانچہ کھڑا ہے— ہم یہاں نہیں رہ سکتے— بھاگو یہاں سے—"

"اوہ—" نایاب آگے بڑھتے ہوئے بولی اس نے ان دونوں کو جس طرح خوفزدہ انداز میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے دیکھا تھا' وہ سمجھ گئی تھی کہ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہو گا۔ اس نے سامنے دیکھا لیکن اسے کوئی ڈھانچہ نظر نہیں آیا۔ "تم لوگوں کو شاید وہم ہو

گیا ہے۔ یہاں کوئی بھوت وغیرہ نہیں ہے۔"

"ہم سچ کہہ رہے ہیں مس نایاب۔" ٹیپو نے بھی ہکلاتے ہوئے کہا۔ "اس حویلی میں واقعی بھوت ہے۔ وہ ڈھانچہ بند کمرے میں آکر روبی سے لپٹ گیا تھا اور جب ہم باہر نکلنے لگے تو اس نے ہمارا راستہ روک لیا۔ روبی کے ہاتھ سے پیٹرومیکس گر کر ٹوٹ گیا اور آگ لگ گئی۔ وہ ڈھانچہ وہاں کھڑا تھا۔ اس طرف۔" اس نے اشارے سے بتایا۔

"لیکن۔۔۔ مجھے تو وہاں کچھ نظر نہیں آ رہا۔" نایاب نے کہا۔ وہ مزید کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ دائیں راہداری میں ٹارچ کی روشنی میں ایک سنہری لکیر سی فرش پر رینگتی ہوئی نظر آئی۔ نایاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سب کچھ کیسے ہوا تھا۔

"بیجو۔۔" وہ اس راہداری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ رینگتی ہوئی وہ سنہری لکیر رک گئی۔ "یہ کیا مذاق تھا بیجو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ دونوں اب ہمارے مہمان ہیں اور تم نے انہیں ڈرانا شروع کر دیا۔"

وہ سنہری ناگ بیجو تھا۔ وہ رینگتا ہوا نایاب کے قریب آگیا اور اس کے پیروں سے لپٹتا ہوا راہداری میں جا کر غائب ہو گیا۔

"یہ ساری شرارت اسی بیجو کی تھی۔" نایاب نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ بس کوئی شرارت سوجھی ہو گی۔ اب یہ تم لوگوں کو تنگ نہیں کرے گا۔ اپنے کمرے میں جا کر آرام سے سو جاؤ۔"

"نہیں مس نایاب۔" ٹیپو بولا۔ "یہ حویلی آسیب زدہ ہے اور ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔"

"یقین کرو یہاں کوئی آسیب نہیں ہے۔ یہ بیجو کی شرارت تھی۔ اب وہ کچھ نہیں کرے گا۔ اگر تمہیں یہاں ڈر لگ رہا ہے تو اوپر میرے کمرے میں آ جاؤ۔ آج کی رات وہیں گزار لو۔" نایاب نے کہا۔

وہ دونوں اس بات پر تو آمادہ ہو گئے لیکن ٹیپو نے کہہ دیا کہ وہ صبح ہوتے ہی حویلی سے چلے جائیں گے۔

وہ تینوں اوپر آ گئے۔ نایاب کے کمرے میں ایک بہت بڑی دری بھی بچھی ہوئی تھی۔ ایک طرف چارپائی تھی جس پر نایاب کا بستر بچھا ہوا تھا۔ وہ تینوں دری پر ہی بیٹھ گئے۔ روبی ڈرے ڈرے لہجے میں نایاب کو سب کچھ بتا رہی تھی۔ وہ اب بھی مصر تھی کہ حویلی آسیب

زدہ ہے اور نایاب انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کوئی آسیب وغیرہ نہیں ہے وہ محض بیجو کی شرارت تھی۔

اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے۔ نایاب اٹھنے لگی تھی اور پھر وہ دری پر ہی لیٹ کر سو گئی۔ ٹیپو اور روبی اس کے بعد بھی دیر تک جاگتے رہے اور پھر وہ دونوں بھی اونگھنے لگے۔

اکیسویں ○ قسط

چوہدری سعادت واقعی پریشان ہو گیا تھا۔ اس کے تمام آدمی ایک ایک کر کے ٹوٹتے جا رہے تھے۔ یہ بظاہر تو اس کے مزارع تھے اور اس کے ایک اشارے پر جان دینے کو تیار رہتے تھے اور ایسا ہوا بھی تھا۔ اس کے دو تین آدمی تو مارے بھی جا چکے تھے لیکن ان کی جانیں بھی رائیگاں گئی تھیں۔ سعادت کو ان کی موت کا کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کے مزارع اس کی نظروں میں زر خرید غلام تھے اور غلام اپنے آقاؤں کیلئے جانیں دیا ہی کرتے ہیں۔

چوہدری سعادت کو افسوس تو اس بات کا تھا کہ وہ ابھی تک نایاب کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔ اس پر ہر حملہ ناکام رہا تھا۔ اسے نقصان پہنچانے کی ہر کوشش رائیگاں گئی تھی۔ ایسی ہر کوشش میں چوہدری سعادت کو تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا لیکن نایاب کے حما۔تیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں اس کیلئے ہمدردی بڑھ رہی تھی۔

نواب دین ماشکی کا بیٹا اس کا سب سے بڑا حمایتی بن گیا تھا۔ اسی کی نگرانی میں پرانی حویلی کی صفائی کا کام ہو رہا تھا۔ چوہدری سعادت نے ایک نیا پروگرام بنایا تھا۔ وہ نایاب کے حما۔تیوں کو سزا دے کر انہیں نایاب سے الگ کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک دو آدمیوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک کیا جائے تو دوسرے خود بخود پیچھے ہٹتے جائیں گے اور اس مقصد کیلئے اس نے سب سے پہلے نواب دین ماشکی کے بیٹے قیوم کا انتخاب کیا تھا۔

نواب دین ماشکی کی بیٹی رابعہ بھرپور جوان اور بے حد حسین تھیں چوہدری سعادت کئی روز سے اس پر نظریں گاڑے ہوئے تھا لیکن اسی دوران نایاب آ گئی اور اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اگر نایاب نہ آتی تو وہ رابعہ کا گھونٹ بھر چکا ہوتا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق چوہدری سعادت دو دن پہلے ہی گاؤں سے چلا گیا تھا اس نے سارا کام ملنگی کو سونپ دیا تھا اور یہ طے ہوا تھا کہ ایک مقررہ وقت پر وہ دریا والے ریسٹ ہاؤس پہنچ جائے گا۔

ملنگی نے دو آدمیوں کے مشورہ ڈاکو حاکم علی سے رابطہ کر کے پروگرام بنایا اور حاکم اپنے ساتھیوں کو لے کر نواب دین ماشکی کے گھر پر چڑھائی کر دی اور رابعہ کو اٹھا کر لے گئے۔ رابعہ کو گاؤں سے دور دریا والے ویران ریسٹ ہاؤس میں پہنچا دیا گیا اور ملنگی بھی گاؤں سے فرار ہو کر وہاں پہنچ گیا۔

چوہدری سعادت اس روز دریا کے دوسری طرف چند میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی میں موجود تھا۔ اسے پتہ چل گیا تھا کہ رابعہ کو ریسٹ ہاؤس میں پہنچا دیا گیا ہے۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ گاؤں پر حملے میں نواب دین ماشکی تو مارا گیا تھا لیکن قوم بچ گئی اور ملک سکندر اور گاؤں کے دوسرے لوگ پورے علاقے میں رابعہ کو اغواء کرنے والوں کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ پولیس بھی حرکت میں آ گئی تھیں آس پاس کی بستیوں میں چھاپے مارے جا رہے تھے اور کئی لوگوں کو شبہے کی بنا پر پکڑا بھی گیا تھا۔ پولیس کی سرگرمیاں دریا کے دوسری طرف بھی دیکھنے میں آئی تھیں۔

اس صورتحال میں چوہدری سعادت نے اپنی پناہ گاہ میں دبکے رہنا ہی مناسب سمجھا اور پھر اگلے روز صبح سویرے ہی اسے یہ اطلاع ملی کہ نایاب، رابعہ کو ریسٹ ہاؤس سے چھڑا کر لے گئی تھی۔

چوہدری سعادت سارا دن بستی کے اس مکان میں بند رہا اور پھر شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ دو آدمیوں کے ہمراہ اس بستی سے نکل کھڑا ہوا۔

شہر پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ یہاں بھی پولیس اس کے بارے میں پوچھ گچھ کے لئے آئی تھی۔ وہ اپنے بنگلے کا رخ کرنے کے بجائے آصف کے ہاں چلا گیا۔ آصف شہر کا نامی گرامی بدمعاش تھا اور چوہدری سعادت نے ایسے ہی آدمیوں سے دوستی گانٹھ رکھی تھیں وہ آصف کو وقتاً فوقتاً لمبی لمبی رقمیں دیتا رہا تھا اور اب اس کے خیال میں آصف سے کام لینے کا وقت آ گیا تھا۔

آصف لمبا تڑنگا، مضبوط ڈیل ڈول کا آدمی تھا۔ اس کی گردن اور چہرے پر زخموں کے

پرانے نشان بتا رہے تھے کہ وہ لڑائی بھڑائی کا عادی ہے۔ اس کی رہائش شہر کے سب سے گھٹیا علاقے میں تھی۔ وہ مکان دو سو گز سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ آس پاس کے مکان تو بہت چھوٹے تھے۔ آصف نے یہ مکان کئی سال پہلے کرائے پر لیا تھا۔ شروع کے چند مہینے تو اس نے کرایہ دیا تھا لیکن پھر کرایہ دینا بند کر دیا۔ مالک مکان نے لاکھ جتن کئے لیکن آج تک نہ تو کرایہ ملا اور نہ ہی مکان خالی ہوا۔

چوہدری سعادت کو آصف کے مکان میں رہتے ہوئے کئی روز ہو چکے تھے۔ اس دوران وہ گھر سے باہر نہیں نکلا تھا اور پھر اسے گاؤں کے ایک آدمی کے ذریعے اطلاع ملی کہ نایاب اور رابعہ شہر آئی ہوئی ہیں۔ چوہدری سعادت کو یاد آ گیا کہ دو دن بعد عدالت میں پیشی ہے۔

چوہدری سعادت کو اگرچہ قدم قدم پر ناکامی کا سامنا ہو رہا تھا لیکن اس جیسے لوگ آسانی سے شکست تسلیم کرنے والے نہیں ہوتے۔ اس نے نایاب کو ٹھکانے لگانے کے لئے ایک اور منصوبہ بنا لیا اور یہ ذمہ داری آصف کے سپرد کر دی۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ نایاب جب پیشی پر حاضر ہونے کیلئے عدالت جائے تو اسے راستے ہی میں ختم کر دیا جائے۔

لیکن دوسرے روز جو صورتحال سامنے آئی اس نے چوہدری سعادت کو بری طرح بدحواس کر دیا تھا۔ نایاب پر حملہ ناکام رہا تھا اور پولیس نے آصف اور اس کے ساتھیوں کا پیچھا کر کے اس کے دو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ آصف بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگ سکا تھا۔

چوہدری سعادت کو اب آصف کے ٹھکانے پر بھی خطرہ محسوس ہونے لگا۔ اسے یقین تھا کہ پولیس کسی نہ کسی وقت یہاں بھی پہنچ جائے گی اور وہ چوہے کی طرح پکڑا جائے گا۔ وہ اسی رات آصف کو بتائے بغیر وہاں سے نکل گیا۔

چوہدری سعادت نے شہر ہی میں ایک اور ٹھکانہ تلاش کر لیا تھا۔ اس نے اپنے ایک آدمی کو بھی خفیہ طور پر وہاں بلا لیا اور اس نے جو انکشاف کئے وہ سعادت کیلئے خاصے سنسنی خیز تھے۔

نور پور پولیس نے ملنگی کو گرفتار کر لیا تھا اور شہر میں بھی نایاب نے اپنے بنگلے کی آتشزدگی کے بارے میں بڑی تیزی سے تحقیقات کرائی تھی اور یہ ثابت ہو گیا تھا کہ بنگلے کو

آگ ملکی نے لگائی تھی۔ ملکی کی شناخت بھی ہو گئی تھی۔ چوہدری سعادت کا خیال تھا کہ ملکی بڑے مضبوط اعصاب کا مالک ہے لیکن وہ بڑا بھسیڑا نکلا۔ اس نے پولیس کے سامنے سب کچھ اگل دیا۔ نہ صرف یہ کہ نایاب پر اب تک ہونے والے تمام قاتلانہ حملے چوہدری سعادت نے کرائے تھے بلکہ بنگلے کو آگ بھی اسی کے کہنے پر لگائی گئی تھی۔

پولیس نے بڑی شدومد کے ساتھ چوہدری سعادت کی تلاش شروع کر دی تھی۔ سعادت اب تک پیسہ کھلا کر اپنے خلاف پولیس کی کارروائی روکے ہوئے تھا لیکن حالات کچھ ایسا رخ اختیار کر گئے تھے کہ پولیس پر اوپر سے دباؤ پڑا ہوا تھا اور جو پولیس آفیسر اس کے سامنے دست بدست کھڑے رہتے تھے وہ اب اسے گرفتار کرنے کیلئے ہتھکڑیاں لئے گھوم رہے تھے۔

اور پھر اسی رات پولیس نے اس کے شہر والے بنگلے پر چھاپہ مارا تھا اور اس کے دو نوکروں کو پکڑ کر لے گئی تھیں اس کارروائی نے چوہدری سعادت کو مزید بدحواس کر دیا۔ پولیس کو گویا یقین تھا کہ وہ شہر میں ہی موجود ہے اور اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ پولیس کسی نہ کسی وقت اس کے اس خفیہ ٹھکانے پر بھی پہنچ جائے گی۔ اس لئے چوہدری سعادت نے شہر سے فرار ہی میں عافیت سمجھی تھی۔

وہ اسی رات شہر سے نکل گیا اور رات بھر سفر کرتا ہوا صبح سویرے اپنے گاؤں سے چند میل دور خیر آباد نامی ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچ گیا۔ یہ بستی دریا کے پاس سرحد کے قریب تھی۔ کئی سال پہلے اس کے باپ نے یہاں بھی کچھ زمین خریدی تھی لیکن ہر سال دریا میں سیلاب کی وجہ سے کھڑی فصلیں بہہ جاتی تھیں اس کے باپ نے یہ زمین بیچ دی۔

جن دنوں یہ زمین ان کے پاس تھی' چوہدری سعادت اکثر یہاں آیا کرتا تھا۔ سرحد کے قریب ہونے کی وجہ سے اس علاقے میں سمگلنگ بھی زور و شور سے ہوتی تھیں سرحد پار سے ڈاکوؤں کے گروہ بھی اس علاقے میں آ کر لوٹ مار کرتے اور سرحد کے دوسری طرف چلے جاتے۔

سرحد کے دوسری طرف کا ایک نامی گرامی ڈاکو ہیر سنگھ انہی دنوں ایک مرتبہ چوہدری سعادت کا مہمان بھی بنا تھا۔ ان دونوں میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ چوہدری اور اس کے آدمی اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنیں گے اور وہ انہیں بھی کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

اور آج اس کا اس بستی میں آنے کا مقصد یہی تھا کہ چوہدری ہیر سنگھ سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ بستی چند گھروں پر مشتمل تھیں یہاں رہنے والوں کو چوہدری کا خیر خواہ تو نہیں کہا جا سکتا تھا البتہ وہ کسی نہ کسی طرح اس کے دباؤ میں تھے اور چوہدری کو یقین تھا کہ وہ اس کے بارے میں کسی کو اطلاع نہیں دیں گے۔

سعادت نے اس روز ہیر سنگھ کے نام پیغام دے کر ایک آدمی کو سرحد پار بھیج دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کا پیغام ملنے کے بعد ایک دو روز میں ہیر سنگھ یہاں پہنچ جائے گا۔

اسے بستی میں آئے ہوئے تیسرا دن تھا۔ چوہدری سعادت صبح دس بجے کے قریب بستی سے نکلا اور کھیتوں میں ٹہلتا ہوا نہر کی طرف نکل گیا۔ نہر کے دونوں طرف ٹاہلی کے درخت تھے۔ چوہدری سعادت نہر کے کنارے پر چلتا رہا۔ تقریباً نصف میل آگے جا کر وہ رک گیا۔ یہاں نہر کے ساتھ ٹاہلی کے درختوں کا بہت بڑا جھنڈ تھا اور اس سے ذرا آگے دور تک سرکنڈے کا جنگل سا پھیلا ہوا تھا۔

چوہدری سعادت کا اس طرف آنے کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے بیزار ہو گیا تھا اور محض وقت گزارنے کیلئے اس طرف چلا آیا تھا۔ ٹاہلی کے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ وہ نہر کے کنارے پر بیٹھ گیا اور جوتے اتار کر پیر پانی میں ڈال دیئے۔

اسے وہاں بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ سرسراہٹ کی آواز سن کر چونک گیا۔ یہ آواز درختوں کے جھنڈ سے آگے سرکنڈے کے پودوں کی طرف سے آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی ان پودوں میں چل رہا ہو۔ شاید کوئی جانور ان پودوں میں گھس گیا تھا۔

چوہدری سعادت سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور صورتحال کا جائزہ لینے لگا۔ نایاب کی وجہ سے اسے یہ ساری مصیبتیں اٹھانا پڑ رہی تھیں۔ نہ وہ کم بخت گاؤں میں آتی اور نہ یہ سارے مسئلے سر اٹھاتے۔ اب وہ اپنے گھر بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس پر کئی لوگوں کے قتل کا الزام تھا۔ اگر بات صرف مقامی پولیس تک محدود رہتی تو معاملہ ختم ہو سکتا تھا لیکن اب پولیس پر اوپر سے دباؤ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر مقامی پولیس چاہے تو اب بھی کیس مکا ہو سکتا تھا لیکن اس کے لئے خطیر رقم اور کچھ ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو اس کی حمایت میں بات

کر سکیں۔ رقم کا اس کیلئے کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن ایسے لوگ کہاں سے لائے جو اس کے حق میں بیان دے سکیں۔ گاؤں کے سب لوگ اس کے خلاف تھے۔ کوئی بھی اس کے حق میں بیان دینے کو تیار نہیں ہو گا۔ البتہ گاؤں کی پوری آبادی نایاب کے حق میں بیان دینے کو تیار ہو جاتی۔

اس نے بہرحال یہ طے کر لیا تھا کہ وہ نایاب کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اسے ہیر سنگھ کا انتظار تھا۔ ہیر سنگھ کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بڑا جیدار ڈاکو تھا۔ سرحد کے دونوں طرف اس کا ٹبکا تھا۔ سعادت کو یقین تھا کہ ہیر سنگھ اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کر لے گا۔

وہ یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ سرسراہٹ کی آواز پھر سنائی دی۔ یہ آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی اور اس مرتبہ یوں لگا جیسے کوئی سرکنڈوں کے پودے کاٹ رہا ہو۔ وہ گردن گھما کر اس طرف دیکھنے لگا۔ بیچ میں ٹاہلی کے درخت حائل تھے اس لئے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر جوتے پہنے اور درختوں کے جھنڈ کی طرف چل پڑا۔

درختوں کے جھنڈ میں چلتے ہوئے بھی اسے سرکنڈے کے پودے کاٹنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کچھ اور آگے بڑھا تو ایک جگہ اسے پودے زور زور سے ہلتے ہوئے نظر آئے۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ کوئی شخص اندر گھسا ہوا پودے کاٹ رہا تھا۔

اس علاقے میں جا بجا سرکنڈے کے پودوں کے اس طرح کے لمبے چوڑے ذخیرے تھے۔ یہ پودے کاٹ کر شہر بھیج دیئے جاتے تھے جہاں چٹیں اور مختلف چیزیں تیار ہوتی تھیں۔ سرکنڈے کی خود رو پیداوار سے اس علاقے کے کسانوں کو بھی کچھ اضافی آمدنی ہو جاتی تھی۔

سعادت سمجھ گیا کہ بستی ہی کا کوئی آدمی سرکنڈے کاٹ رہا تھا۔ وہ درختوں کے جھنڈ سے نکل کر اور آگے بڑھ گیا۔

"کون ہے بھئی۔۔۔ یہاں پودے کون کاٹ رہا ہے۔" وہ پودوں کے قریب پہنچ کر اونچی آواز میں بولا۔

پودے کاٹنے کی آواز بند ہو گئی۔ ایک لمحہ کو خاموشی چھائی رہی اور پھر سرسراہٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ جو کوئی بھی تھا باہر آ رہا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحہ چوہدری سعادت

چونک گیا۔

وہ کوئی آدمی نہیں تھا' لڑکی تھی۔ سعادت کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس کی عمر بائیس تیئیس سال رہی ہو گی۔ لمبا قد' بھرا جسم' دوپٹہ اس نے سر پر باندھا ہوا تھا۔ مختصر سی چولی اور گھاگھرا پہنے ہوئے تھیں گوری رنگت اور چہرے کے نقوش بڑے دلفریب تھے۔

وہ بستی کے ایک کسان جویرے کی بیٹی شادو تھی۔ چوہدری سعادت نے اس لڑکی کو ایک دو مرتبہ بستی میں بھی دیکھا تھا۔ یوں تو بستی میں کئی جوان لڑکیاں تھیں مگر شادو سب سے حسین تھی۔ اسے دیکھ کر وہ ٹھنڈی سانسیں ہی بھر کر رہ جاتا تھا۔ وہ جس صورتحال سے دو چار تھا اس بستی میں اس کے پیش نظر وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے اس بستی کے لوگ بھی اس کے خلاف ہو جائیں لیکن اس وقت شادو کو دیکھ کر اس کے اندر کا شیطان جاگ اٹھا تھا۔

شادو کے ایک ہاتھ میں درانتی تھی اور دوسرے ہاتھ میں اس نے من بھر کٹے ہوئے سرکنڈے اٹھا رکھے تھے۔ اس کا جسم پسینے میں تر ہو رہا تھا۔ سعادت کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کے ہلکے سے تاثرات ابھر آئے۔ سعادت اس کے راستے میں کھڑا تھا۔ شادو نے ہٹ کر نکل جانا چاہا مگر سعادت نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

"کہاں نکل کر جا رہی ہو۔" وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "میں تو جب سے بستی میں آیا ہوں تمہیں دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں بھر رہا ہوں۔ آج تو قسمت نے یہ موقع دیا ہے۔ کہاں جا رہی ہو۔"

"مجھے جانے دو چوہدری جی۔" شادو خوفزدہ سے لہجے میں بولی۔ "کسی نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو قیامت ٹوٹ پڑے گی۔"

"قیامت تو میرے دل پر ٹوٹ رہی ہے۔" چوہدری سعادت نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں ہمیں کون دیکھے گا۔ بستی بہت دور ہے اور دور دور تک کسی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ یہ موقع میں کیسے گنوا سکتا ہوں۔ آؤ۔۔۔ میرے قریب آؤ۔"

شادو کی آنکھوں میں وحشت سی تیرنے لگی۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہی تھی۔ اس نے سرکنڈوں کا گٹھا پھینک دیا تھا لیکن درانتی ہاتھ میں ہی رکھی تھی۔ چوہدری سعادت نے اچانک ہی چھلانگ لگا کر اسے دبوچ لیا۔ شادو نے اپنے بچاؤ کیلئے درانتی استعمال کرنے کی

کوشش کی مگر موقع نہیں مل سکا۔ سعادت نے اس کے ہاتھ سے درانتی چھین کر دور پھینک دی۔ شاود نے چیخنا چاہا تو اس نے ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبا دیا اور اسے سرکنڈوں طرف گھسیٹنے لگا۔

شاود بھرپور مزاحمت کر رہی تھی مگر چوہدری سعادت اس سے زیادہ طاقتور تھا۔ وہ ا گھسیٹتا ہوا سرکنڈوں کے اندر دور تک لے گیا۔ آگے ایک تالاب سا تھا۔ سعادت نے ا تالاب کے کنارے زمین پر پٹخ دیا اور کسی خونخوار بھیڑیئے کی طرح اسے بھنبھوڑنے لگا۔

شاود مزاحمت کرتی رہی مگر وہ اپنے آپ کو اس بھیڑیئے سے نہیں بچا سکی وہ بے حر و حرکت پڑی تھی اور سعادت اس کے پاس بیٹھا اپنی کامیابی پر مسکرا رہا تھا۔

شاود کی نظر اس کے پستول پر پڑ گئی وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی اور پھر اس نے ب تیزی سے پستول کھینچ لیا۔ چوہدری سعادت اچھل پڑا۔ وہ بڑی پھرتی سے شاود پر جھپٹا۔ ش کے ہاتھ سے پستول کا ٹریگر دب گیا۔ گولی چوہدری سعادت کے سر کے قریب سے گ گئی۔

سعادت نے اس کے منہ پر زور دار گھونسہ رسید کر دیا۔ شاود کے منہ سے ہلکی سی نکل گئی۔ چوہدری نے اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔ شاود جونک کی طرح اس سے لپ گئی تھی۔ وہ دانتوں سے اسے بھنبھوڑ رہی تھی۔ چوہدری سعادت نے بڑی مشکل سے ا اپنے آپ سے الگ کیا اور رگیدتا ہوا تالاب کے کنارے پر لے گیا۔ شاود اب مزاحمت کر رہی تھی۔ چوہدری اسے رگیدتا رہا۔ شاود کا سر تالاب کے کنارے پر لٹک گ سعادت نے اسے زور دار جھٹکا دیا۔ شاود کا سر پانی میں ڈوب گیا۔ وہ بری طرح ہاتھ مارنے لگی۔ سعادت اس کے سینے پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے سر کو پانی ڈبوئے رکھا۔

شاود ہاتھ پیر مارتی رہی اور پھر اس کی مزاحمت بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ وہ بے حر حرکت ہو چکی تھی لیکن چوہدری سعادت نے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کی موت کا یقین نہیں ہو گیا۔

چوہدری سعادت تالاب کے کنارے پر کھڑا لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ شاود ختم ہو تھی۔ سعادت چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے اپنا پستول اٹھایا اور سرکنڈوں

ذخیرہ سے نکل کر درختوں کے جھنڈ میں سے ہوتا ہوا نہر کی طرف آ گیا۔ دائیں طرف تقریباً پچاس گز دور درخت کا موٹا سا تنا نہر پر ڈال کر پل سا بنا لیا گیا تھا۔

سعادت اس تنے پر سے نہر پار کر کے دوسری طرف آ گیا اور ایک طویل چکر کاٹتا ہوا ہوا ایک اور جگہ نہر عبور کر کے بستی کے دوسری طرف آ گیا۔ اس طرف کھیتوں میں کام کرتے ہوئے دو تین آدمی بھی نظر آئے۔ چوہدری سعادت چند لمحے ان لوگوں سے باتیں کرتا رہا۔ ان کے پاس رکنے کا مقصد یہ تھا کہ بوقت ضرورت وہ اس بات کی گواہی دے سکیں کہ انہوں نے چوہدری کو کس طرف سے آتے ہوئے دیکھا تھا۔

وہ بستی میں پہنچا تو وہاں خاموشی تھی۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ گویا ابھی تک کسی کو پتہ نہیں چل سکا تھا کہ شاود پر کیا بیت چکی تھی۔

چوہدری سعادت اس مکان پر آ گیا جہاں وہ رہائش پذیر تھا۔ چھوٹے سے آنگن میں نیم کے درخت کے نیچے چارپائی پر اکبر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ اکبر زمیندار کا مزارع تھا۔ اس کی عمر پچاس سے کچھ اوپر ہی ہو گی۔ اس عمر میں بھی وہ دن رات محنت مشقت کرتا تھا۔ آج وہ کسی وجہ سے کھیتوں پر نہیں گیا تھا۔ چوہدری سعادت بھی اس کے قریب ہی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اکبر جلدی سے اٹھ کر زمین پر بیٹھ گیا۔

"تم وہاں کیوں بیٹھ گئے۔ چارپائی پر بیٹھو نا۔" سعادت نے کہا۔

"اپنی یہ مجال نہیں چوہدری جی کہ آپ کے برابر بیٹھ سکیں۔" اکبر نے جواب دیا۔ "ہماری جگہ تو آپ جیسے چوہدریوں کے قدموں میں ہے۔ ہم یہیں اچھے لگتے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تھوڑا سا پانی پلا دو۔ بہت پیاس لگ رہی ہے۔" چوہدری سعادت نے کہا۔

اکبر جلدی سے اٹھ کر اندر چلا گیا اور سلور کے ایک گلاس میں مٹکے سے پانی لے آیا۔ چوہدری سعادت واقعی پیاسا تھا۔ اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"بستی میں کوئی آیا تو نہیں۔ میرا مطلب ہے کوئی اجنبی۔" چوہدری سعادت نے خالی گلاس چارپائی پر ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں چوہدری جی۔" اکبر نے جواب دیا۔ "چھوٹی سی بستی ہے کسی کے گھر میں کوئی مہمان آتا ہے تو سب کو پتہ چل جاتا ہے۔"

سعادت کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اٹھارہ بیس سال کی ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔

"چاچی کہاں ہے اکبر چاچا؟" اس لڑکی نے دور ہی رک کر پوچھا۔

"وہ تو جمالے کے گھر گئی ہوئی ہے۔ کیا بات ہے۔ تم گھبرائی ہوئی کیوں ہو پتر۔" اکبر نے پوچھا۔

"سویرے شادو اس کے ساتھ گئی تھی نا۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آئی۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"تمہاری چاچی تو راستے سے ہی واپس آ گئی تھی۔ شادو' جیراں کے ساتھ گئی تھی۔' اکبر نے کہا۔

"جیراں بھی گھر میں ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ بھی تھوڑی دیر بعد واپس آ گئی تھی۔ اچھا میں دیکھتی ہوں۔" لڑکی کہتے ہوئے واپس چل گئی۔

چوہدری سعادت کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اب شادو کی تلاش شروع ہو گئی تھی۔ جلد یا بدیر اس کا پتہ چل جائے گا لیکن اس کے خیال میں اسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ شادو کی لاش سرکنڈے کے جنگل میں تالاب کے کنارے ملے گی جبکہ وہ مخالف سمت سے بستی میں آیا تھا اور دو تین آدمیوں نے اسے دیکھا بھی تھا۔ اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکے گا۔

ایک گھنٹے بعد سرکنڈے کے جنگل میں شادو کی برہنہ لاش مل گئی۔ اس کی حالت دیکھ کر کسی کو بھی یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ اس کے ساتھ کیا بیتی تھی۔ لوگ لاش کو اٹھا کر بستی میں لے آئے۔ پوری بستی میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ بستی کی تاریخ میں ایسا خوفناک واقعہ پہلی مرتبہ رونما ہوا تھا۔ فضا میں خوف و ہراس کی سی کیفیت طاری تھی۔ بستی کے لوگ سوالیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے پوچھ رہے ہوں کہ وہ بھیڑیا کون ہو سکتا ہے؟

بعض لوگوں نے مشتبہ نگاہوں سے چوہدری سعادت کی طرف بھی دیکھا تھا۔ بستی کے بہت سے لوگ جانتے تھے کہ چوہدری سعادت کون ہے اور وہ یہاں کیوں آیا ہوا ہے۔ وہ شخص قتل اور اسی قسم کی وارداتوں میں ملوث رہا ہو' اس سے کسی بھی قسم کی توقع کی جا سکتی تھی۔

بستی کا سرپنچ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورے کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ تھانے جا کر اس واقعے کی اطلاع دی جائے مگر چوہدری نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔

"پولیس کو اطلاع دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔" اس نے سرپنچ کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "پولیس آئے گی اور لڑکی کی لاش کو اٹھا کر نور پور لے جائے گی۔ جہاں اس کا پوسٹ مارٹم ہو گا اور یہ پتہ چل جائے گا کہ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ لوگ ہسپتال میں جمع ہو جائیں گے۔ پورے قصبے کو پتہ چل جائے گا کہ اس بستی کی ایک لڑکی کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ یہ بات دور دور تک پھیل جائے گی۔ کتنی بے عزتی ہو گی۔ ابھی تو یہ بات اسی بستی تک محدود ہے۔ اسے یہیں تک رہنے دو۔ ویسے بھی پولیس پتہ نہیں چلا سکے گی کہ وہ درندہ صفت آدمی کون تھا۔ مزید رسوائی سے بچنے کیلئے بہتر یہ ہے کہ اس لڑکی کو خاموشی سے دفنا دیا جائے۔"

"کیا کہہ رہے ہو چوہدری۔" سرپنچ نے اسے گھورا۔ "یہ قتل کی واردات ہے۔ پولیس کو اطلاع دینا اور اس بھیڑیئے کو تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔"

"میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" چوہدری سعادت نے کہا۔ "پولیس یہاں آئے گی تو وہ خاموشی سے واپس نہیں چلی جائے گی۔ لڑکی کے ماں باپ سے طرح طرح کے سوالات کئے جائیں گے۔ وہ کس سے ملتی تھی۔ اس کے تعلقات کس سے تھے۔ وہ لڑکی ہی کو آوارہ اور بدچلن ثابت کرنے کی کوشش کرے گی اور پھر بستی کے دو چار آدمیوں کو پکڑ کر لے جائے گی۔ پھر تم لوگ انہیں چھڑانے کیلئے بھاگتے پھرو گے۔ مزید ذلت و رسوائی ہو گی۔ میرا مشورہ مانو تو بات کو یہیں تک رہنے دو اور لڑکی کو خاموشی سے دفن کر دو۔ میری ہمدردیاں آپ لوگوں کے ساتھ اور لڑکی کے گھر والوں کے ساتھ ہیں۔ میں آپ سب کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ ویسے ایک بات میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ کام بستی کے کسی نوجوان کا نہیں ہے۔ وہ یقیناً باہر کا کوئی آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی اجنبی اس طرف سے گزرا ہو اور لڑکی کو اکیلے دیکھ کر اس کی نیت میں فتور آ گیا ہو۔ ایسے لوگوں کو تلاش کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ویسے میں آپ لوگوں کے ساتھ ہوں۔ اس درندے کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ اگر وہ مل گیا تو اسی درخت کے ساتھ الٹا لٹکا کر

اس کی کھال کھینچ لوں گا۔"

سرپنچ اپنے آدمیوں سے سرگوشیوں میں مشورہ کرنے لگا۔ انہوں نے شادو کے بوڑھے باپ سے بھی مشورہ کیا۔ وہ بیچارہ شدت غم سے نڈھال ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے بھائی۔" وہ روتے ہوئے بولا۔ "جو تم لوگوں کے جی میں آئے وہ کرو۔ میرا تو کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔ میں اس سے زیادہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا۔"

سرپنچ نے ایک بار پھر اپنے آدمیوں سے مشورہ کیا اور پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ چوہدری سعادت ٹھیک ہی کہتا ہے۔ پولیس کو اطلاع دینے سے مزید ذلت و رسوائی ہو گی اس لئے خاموشی سے شادو کی تجہیز و تکفین کر دی جائے۔ وہ معصوم اور سادہ لوح لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی جرم چھپانا بھی جرم ہوتا ہے۔ چوہدری سعادت کو اپنا ہمدرد سمجھ کر وہ اس کی باتوں میں آ گئے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ تجہیز و تکفین کا بندوبست کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" چوہدری سعادت کہتے ہوئے اپنے مکان میں آ گیا۔

اس نے اپنے سوٹ کیس میں سے کچھ رقم نکالی۔ اس کا خیال تھا کہ مزید ہمدردی جتانے کیلئے وہ یہ رقم شادو کے باپ کے ہاتھ پر رکھ دے گا۔

وہ رقم جیب میں رکھ کر مکان سے نکل آیا اور پھر ایک گلی کا موڑ مڑنا ہی چاہتا تھا کہ ایک آواز سن کر ٹھٹھک گیا۔ وہ ایک نو عمر لڑکے کی آواز تھی جو کسی سے کہہ رہا تھا۔

"میں سچ کہتا ہوں چاچا۔ یہ گھڑی مجھے وہاں سے ملی ہے جہاں سے شادو کی لاش اٹھائی گئی تھی۔ میں اور دو اور لڑکے وہ جگہ دیکھنے گئے تھے۔ یہ گھڑی مجھے تالاب کے کنارے سرکنڈوں کے پودوں میں پڑی ہوئی ملی تھی۔ تم مانے اور رمجو سے پوچھ لو۔"

چوہدری سعادت کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کا دایاں ہاتھ فوراً ہی بائیں کلائی پر پہنچ گیا۔ کلائی میں گھڑی نہیں تھی۔

"یہ تو چوہدری سعادت کی گھڑی ہے۔" ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔ "اب سمجھ گیا' وہ پولیس کو اطلاع دینے سے کیوں منع کر رہا تھا۔ شادو کو اسی نے مارا ہے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔"

چوہدری سعادت چند لمحے ان کے دور ہوتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنتا رہا پھر پلٹ

کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اسی مکان میں واپس آ گیا۔ اس نے اپنے بکھرے ہوئے کپڑے اٹھا کر سوٹ کیس میں ٹھونسے اور سوٹ کیس اٹھا کر مکان سے باہر نکل آیا۔

گلی سنسان تھی۔ سب لوگ شادو کے گھر کے سامنے جمع تھے۔ سعادت سوٹ کیس اٹھائے تیز تیز چلتا ہوا دوسری طرف سے بستی سے نکل گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر بستی کے لوگوں کے ہاتھ لگ گیا تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

اس وقت شام کے پانچ بج رہے تھے۔ سائے لمبے ہو رہے تھے۔ چوہدری سعادت کھیتوں میں گھس گیا اور پھر چھپتا ہوا بستی سے بہت دور نہر پر پہنچ گیا۔ ایک چھوٹی سی پلیا سے اس نے نہر عبور کی اور دوسری طرف کے کھیتوں میں گھس کر دوڑنے لگا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

دوسرے دن بھی پرانی حویلی میں بڑے زور و شور سے کام جاری رہا۔ ٹیپو اور روبی نے وہاں سے جانے کا ارادہ بدل دیا تھا لیکن یہ طے پایا تھا کہ رات کو وہ بھی اوپر ہی کے کسی کمرے میں رہیں گے۔

گاؤں میں رابعہ کے مکان کی تعمیر کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ گاؤں کے لوگ بڑی خوشی سے مزدوروں کی طرح مکان کی تعمیر میں حصہ لے رہے تھے۔ گاؤں کے سب ہی لوگ نایاب سے بہت خوش تھے۔ اگر تاؤ آ رہا تھا تو چوہدری فیملی کے افراد کو۔

سعادت کئی روز سے لاپتہ تھا۔ پولیس اس کی تلاش میں کئی مرتبہ گاؤں آ چکی تھی۔ چوہدری امانت عجیب مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ ایک طرف سعادت کے لاپتہ ہونے کے سلسلہ میں اسے پولیس کے سوالوں کا جواب دینا پڑتا اور دوسری طرف بیوی کی کڑوی کسیلی باتیں سننا پڑتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب سے سعادت نے زمینداری سنبھالی تھی' چوہدری امانت بڑی حد تک گوشہ نشیں ہو گیا تھا لیکن جب نایاب کا جائیداد میں حصے کا سوال اٹھا تو اسے آگے آنا پڑا تھا۔ ممکن ہے وہ معاملے کو کسی حد تک سنبھال لیتا لیکن سعادت کی گرمجوشی نے معاملے کو اس حد تک بگاڑ دیا تھا کہ اب وہ خود روپوش ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔

گاؤں کا کوئی بھی شخص اب چوہدری فیملی کا ساتھ دینے کو تیار نہیں تھا۔ گاؤں کے

بڑے لوگوں سے بھی چوہدری امانت کے تعلقات بگڑ چکے تھے۔ دوسری طرف وہ دیکھ رہا
کہ گاؤں کا ہر شخص نایاب کیلئے جان دینے کے لئے تیار نظر آتا تھا۔

نایاب نے جب شروع میں پرانی حویلی پر قبضے کا اعلان کیا تھا تو چوہدری امانت
اسے پیغام بھیج کر سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس طرح جھگڑا نہ بڑھائے اور پھر بع
میں چوہدری سعادت نے اسے طاقت کے زور پر پرانی حویلی سے دور رکھنے کی کوشش
تھی لیکن اس کا انجام سب ہی دیکھ چکے تھے۔ اس کے دو آدمی حویلی میں پراسرار طور
مارے گئے تھے اور خود سعادت اور اس کے ایک آدمی کو کسی نادیدہ قوت نے مار مار کر
حویلی سے باہر پھینک دیا تھا اور پھر بعد میں کچھ ایسے پراسرار واقعات رونما ہوئے تھے
بظاہر ناقابل یقین تھے لیکن انہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

چوہدری امانت خود بھی کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ اس کا شمار بھی ظالم اور سفاک
زمینداروں میں ہوتا تھا۔ اس نے بھی ہمیشہ طاقت کے زور پر اپنے مزارعین پر حکومت
تھی۔ وہ تو فرعون کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے نام سے بھی ظلم و بربریت کی بہت
داستانیں لوگوں کو اب تک یاد تھیں لیکن نایاب والے معاملے میں وہ ذرا مختلف ثابت
ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے سعادت کو بھی کئی مرتبہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ
وہ کم از کم گاؤں کے لوگوں کو اپنا مخالف نہ بنائے۔ اس کے برعکس اگر وہ گاؤں کے لوگوں
کو اپنا حمایتی بنا لے تو وہ نایاب کے خلاف ہر سطح پر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں لیکن سعادت
کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ طاقت کے زور پر ہر شخص کو قدموں
جھکایا جا سکتا ہے اور پھر اس نے نواب دین ماشکی کے گھر کو نذر آتش کر کے اسے قتل کر
دیا اور اس کی بیٹی کو اغوا کر لیا۔ اس واقعے نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور گاؤں کے سب ہی
لوگ اس کے خلاف ہو گئے۔

چوہدری امانت علی اچھی طرح جان گیا تھا کہ گاؤں کے لوگوں کو اس سے شدید نفرت
ہو گئی ہے۔ اب کسی معاملے میں کوئی بھی اس کا ساتھ دینے کو تیار نہیں ہو گا لیکن وہ سمجھ
تھا کہ اگر کسی طرح نایاب کو راضی کر لیا جائے تو اس کے بیٹے کی جان بچ سکتی ہے۔ اگر
نایاب، چوہدری سعادت کے خلاف اپنے لگائے ہوئے الزامات واپس لے لے تو دوسرے
معاملوں میں پولیس سے کیا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن چوہدری امانت یہ بھی جانتا تھا کہ برا

راست نایاب سے بات کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ اس لئے اس نے ملک صلاح الدین کو پیغام
بھجوا دیا، اب وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔

ملک صلاح الدین ایک خوش اخلاق، صلح جو اور امن پسند آدمی تھا۔ اس نے ہمیشہ یہ
کوشش کی تھی کہ نایاب اور چوہدری فیملی کا معاملہ بڑھنے نہ پائے۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ گھر کا
معاملہ ہے گھر ہی میں طے ہو جانا چاہئے لیکن اس وقت نہ تو چوہدری امانت علی مانا تھا اور نہ
ہی اس کا بیٹا چوہدری سعادت اور اب جو چوہدری امانت کا پیغام ملا تو وہ فوراً ہی اس سے
ملنے کو تیار ہو گیا۔

ملک صلاح الدین، چوہدری امانت کی حویلی میں داخل ہوا تو رات کے نو بج رہے تھے۔
اطلاع پا کر چوہدری امانت خود ہی گیٹ پر آ گیا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے ملک صاحب کا
استقبال کیا اور انہیں مہمان خانے میں لے آیا۔ کچھ دیر آپس کے گلے شکوے ہوتے رہے
پھر چوہدری اصل موضوع پر آ گیا۔

"ملک صاحب!" وہ بولا۔ اس وقت جو حالات ہیں انہیں آپ مجھ سے زیادہ بہتر جانتے
ہیں۔ اس کا کوئی حل بھی ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی ایسا طریقہ ہے کہ صورت حال کو مزید
بگڑنے سے روکا جا سکے۔"

"بگاڑ تو تم لوگوں نے خود پیدا کیا ہے۔" ملک صاحب نے کہا۔ "شروع میں، میں نے
کتنی کوشش کی تھی کہ اس جھگڑے کو ختم کر دیا جائے مگر تم باپ بیٹوں نے تو میری کسی
بات پر کان ہی نہیں دھرا تھا۔ تمہارے بیٹے نے جو کچھ کیا ہے وہ تمہارے سامنے ہے۔ وہ
تو کئی مرتبہ نایاب کو قتل کروانے کی کوشش کر چکا ہے۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ ہر
مرتبہ بچتی رہی اور پھر نواب دین ماشکی کو قتل اور اس کی بیٹی کو اغوا کر کے بھی اس نے
کوئی اچھا کام نہیں کیا تھا۔ گاؤں کا ایک ایک شخص تم لوگوں سے نفرت کرنے لگا ہے۔ یہ
وہی لوگ ہیں جنہوں نے کبھی تمہارے سامنے زبان نہیں کھولی تھی اور آج وہ تمہارے
سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو رہے ہیں۔ اس کے برعکس نایاب کو دیکھ لو۔ دو تین مہینے پہلے
وہ اس گاؤں والوں کیلئے اجنبی تھی لیکن اس کے حسن سلوک کی وجہ سے آج اس گاؤں کا
ہر شخص اس کیلئے جان دینے کو تیار ہے اور۔۔۔"

"میں مانتا ہوں ملک صاحب!" چوہدری امانت نے اس کی بات کاٹ دی۔ "غلطیاں ہم

سے بھی ہوئی ہیں۔ میں نے سعادت کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ میرے کنٹرول میں نہیں رہا۔"

"کنٹرول میں نہیں رہا تو چھوڑ دو۔" ملک صاحب بولے۔ "جو اولاد ماں باپ کی ذلت و رسوائی کا باعث بنے' اس کا تو نہ ہونا ہی بہتر ہے۔"

"کیسے چھوڑ دوں ملک صاحب!" چوہدری امانت نے کہا۔ "تم بھی اولاد والے ہو۔ اولاد کے دکھ کو سمجھ سکتے ہو۔"

"اب تم کیا چاہتے ہو؟" ملک صاحب نے پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ یہ قصہ اب ختم ہو جائے۔" چوہدری امانت نے کہا۔ "نایاب اگر اپنے لگائے ہوئے الزامات واپس لے لے تو یہ معاملہ ختم ہو سکتا ہے۔"

"کیسے ختم ہو سکتا ہے۔" ملک صاحب نے اسے گھورا۔ "سعادت پر کوئی ایک الزام ہو تو بات ہے۔ اس کے خلاف تو جرائم کی ایک لمبی فہرست ہے۔ کس کس الزام کو ختم کرو گے۔"

"یہ تو صرف ملنگی وغیرہ کے بیان ہیں نا کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا سعادت کے کہنے پر کیا۔ سعادت براہ راست تو کسی معاملے میں ملوث نہیں ہے۔ پولیس اگر چاہے تو اس کا نام نکالا جا سکتا ہے۔ رہا نواب دین ماشکی والا معاملہ تو میں اس کی بیٹی اور بیٹے سے معافی مانگ لوں گا۔ ان کا نقصان پورا کر دوں گا اور یہ بھی یقین دہانی کراتا ہوں کہ آئندہ گاؤں والوں کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ تم بس نایاب بیٹی سے بات کر لو۔ میں اس کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔ اسے وہ سب کچھ دینے کو تیار ہوں جو وہ چاہتی ہے۔"

"بہت دیر بعد بات تمہاری سمجھ میں آئی ہے۔" ملک صاحب نے کہا۔ "اب اگر تم نے نایاب کو بیٹی کہہ ہی دیا ہے تو خود کیوں نہیں بات کر لیتے اس سے؟"

"میں خود اس کے پاس جا کر معافی مانگنے کو تیار ہوں لیکن کس منہ سے اس کا سامنا کروں گا۔" چوہدری امانت نے کہا۔

"تمہیں اس کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔" ملک صاحب نے کہا۔ "تم نایاب کو نہیں سمجھ سکے۔ وہ بہت مختلف لڑکی ہے۔ میں اسے یہیں بلا لیتا ہوں۔"

"کیا یہ سب کچھ ہونے کے بعد وہ یہاں آئے گی۔" چوہدری نے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ تم نایاب کو نہیں سمجھ سکے۔" ملک صاحب نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولے۔ "کسی نوکر کو بھیج کر سکندر کو بلاؤ۔"

چوہدری امانت علی نے اپنے ایک نوکر کو ملک صاحب کے گھر بھیج دیا۔ سکندر کو وہاں آنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

"سکندر۔" ملک صاحب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پرانی حویلی سے نایاب کو بلا کر لاؤ۔"

"وہ گھر آئی ہوئی ہے۔ میں اسے بلا کر لاتا ہوں۔" سکندر کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔

تقریباً بیس منٹ بعد نایاب بھی وہاں موجود تھی۔ کچھ دیر تک گرما گرمی ہوتی رہی پھر نایاب نرم پڑ گئی۔

"میرے بیان سے کیا ہو گا۔" وہ بولی۔ "میں ذاتی طور پر تو اسے معاف کر دوں گی مگر ان لوگوں کا کیا ہو گا جن کے گھر اس نے برباد کیے ہیں۔ کیا وہ لوگ بھی اسے معاف کر دیں گے اور کیا قانون اسے نظر انداز کر دے گا۔"

"میں ایک ایک کے پیروں پر گر کر معافی مانگ لوں گا۔" چوہدری امانت علی نے کہا۔ "تم اپنے الزامات واپس لے لو تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔"

"میں کل آپ کو جواب دوں گی۔" نایاب کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

ملک صاحب اور سکندر بھی اٹھ گئے۔ جب وہ چوہدری کی حویلی سے نکل کر اپنی حویلی پہنچے تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس وقت پرانی حویلی جانا مناسب نہیں تھا' وہ رات ملک صاحب کی حویلی میں رہ گئی۔

قسط 23 نمبر 0

دریا پار اس چھوٹی سی بستی میں رونما ہونے والے افسوسناک واقعہ کی خبر یہاں بھی پہنچ گئی تھی۔ چوہدری سعادت اس بستی سے فرار ہو گیا تھا۔ سرکنڈے کے پودوں میں شاداں کی لاش کے قریب ملنے والی سعادت کی گھڑی اور اس کے فرار سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ شاداں کے ساتھ زیادتی اور اس کی موت کا ذمہ دار وہی ہے۔ بستی کے لوگوں نے پولیس کو بھی اس واقعے کی اطلاع دے دی تھی اور پولیس کی ایک پارٹی چوہدری سعادت کی تلاش میں

گاؤں پہنچ گئی تھی۔ حالانکہ پولیس والے جانتے تھے کہ سعادت اس گاؤں میں نہیں ہے لیکن محض خانہ پری کے لئے پولیس یہاں آئی تھی۔

گاؤں والوں کو گفتگو کیلئے ایک نیا موضوع مل گیا تھا۔ چوہدری سعادت ان کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ وہ اسے بچپن سے جانتے تھے۔ جوانی میں اس نے جو گل کھلائے تھے' ان سے بھی واقف تھے۔ کتنے ہی گھروں کو اس نے برباد کیا تھا۔ وہ اب پولیس کے خوف سے چھپتا پھر رہا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنی گھناؤنی حرکتوں سے باز نہیں آیا تھا۔

نایاب کو بھی پرانی حویلی میں یہ خبر پہنچ گئی تھی اور پھر اگلے روز یہ خبر بھی پہنچ گئی کہ چوہدری سعادت سرحد پار کر کے ہیر سنگھ ڈاکو کے گروہ سے جا ملا تھا۔

"اس کا یہی انجام ہونا تھا۔" سکندر نے اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ دن پہلے ہی کھیتوں پر اپنے ڈیرے سے پرانی حویلی پہنچا تھا۔

"یہ تو انجام نہیں۔" نایاب نے کہا۔ "البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اب ایک ایسے راستے پر چل نکلا ہے جس کا انجام بہت ہی بھیانک ہو گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اس کے باپ کو اب کچھ عقل آئی ہے تو وہ خود نئے گل کھلا رہا ہے۔"

"تم نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے۔" سکندر نے پوچھا۔

"میرے سوچنے کا اب کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔" نایاب نے کہا۔ "پہلے تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ براہ راست کسی جرم میں ملوث نہیں ہے اس لئے اسے بچایا جا سکتا ہے لیکن اب۔۔۔ اب اسے بچانا بہت مشکل ہے۔ اس کے خلاف پولیس کو ایسے ثبوت مل گئے ہیں جو اسے مجرم ثابت کرتے ہیں اور پھر اس کا چوروں کی طرح اس بستی سے بھاگنا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ واقعی مجرم ہے۔ ایسی صورت میں اس کا بچنا بہت ہی مشکل ہے۔ میں اگر اپنے الزامات واپس لے لوں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے۔" سکندر نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کا ہیر سنگھ ڈاکو کے گروہ میں شامل ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ تمہارے خلاف کچھ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔"

"میرا خیال ہے وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اسے بھی پتہ چل گیا ہو گا کہ اب وہ موسٹ وانٹڈ ہے۔ اب وہ کبھی سرحد پار کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"ایسے لوگ ویزہ پاسپورٹ کے محتاج نہیں ہوتے۔ انہیں سرحد پار کرنے کیلئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمیں بہرحال محتاط رہنا چاہئے۔" ملک سکندر نے کہا۔

"غیر محتاط تو میں کبھی نہیں رہی سکندر بھائی۔" نایاب نے جواب دیا۔

"ملک صاحب!" ٹیپو نے ان کی باتوں میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں یہاں رہتے ہوئے کئی روز ہو چکے ہیں اور ہم مس نایاب کے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہیں۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ بدی کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی مس نایاب کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور پھر یہ اکیلی تو نہیں ہیں۔ آپ ہیں' میں ہوں' گاؤں کا بچہ بچہ ان کے ساتھ ہے اور پھر ان کا وہ پراسرار محافظ بھی ہے جو ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔"

"اس محافظ سے زیادہ مجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے۔" نایاب نے کہا۔

"یہ بات تو ٹھیک ہے مگر احتیاط بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" ملک سکندر نے کہا۔

وہ لوگ ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک موٹر سائیکل سوار کو حویلی کی طرف آتے دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ وہ لوگ اس وقت حویلی کی اوپری منزل پر جھروکے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سے گاؤں کی طرف جانے والی سڑک صاف نظر آتی تھی اور وہ موٹر سائیکل سوار اس طرف آ رہا تھا۔

موٹر سائیکل نیلے کے ساتھ گھوم کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اب موٹر سائیکل کی آواز حویلی کے پھاٹک کی طرف سے آ رہی تھی اور پھر وہ آواز بھی بند ہو گئی۔ اس کے تقریباً پانچ منٹ بعد قیوم نے آ کر بتایا کہ اسلام نام کا ایک شخص نایاب سے ملنا چاہتا ہے۔ نایاب نے اسے اوپر ہی بلا لیا اور پھر چند منٹ بعد ایک اجنبی ان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تقریباً چالیس سال کا درمیانے قد و قامت کا آدمی تھا۔

"میں دریا پار سے آیا ہوں۔" اسلام نامی اجنبی نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اطلاع ملی ہے کہ چوہدری سعادت دو دن بعد ہیر سنگھ ڈاکو کے گروہ کے ساتھ سرحد پار کر کے اس طرف آنے والا ہے۔ اس کا ارادہ آپ کو اٹھا لے جانے یا ختم کر دینے کا ہے۔"

"بڑی دلچسپ اطلاع ہے۔" نایاب نے کہا۔ "لیکن تم کون ہو' تمہیں کیسے پتہ چلا اور پھر تم مجھے یہ اطلاع دینے اتنی دور کیوں آئے ہو۔ تمہیں تو تھانے جانا چاہئے تھا۔"

"میں سرحد کے بالکل قریب ایک چھوٹی سی بستی کا رہنے والا ہوں۔" اسلام نے جواب دیا۔ "آپ کے گاؤں کا جمال نام کا ایک آدمی پہلے سے ہیر سنگھ کے گروہ میں شامل ہے۔ جمال پہلے چوہدریوں کا مزارع ہوا کرتا تھا۔ دو سال پہلے ملک سکندر نے اس کی بہن کو اغواء کرا کر اسے اپنی ورندگی کی بھینٹ چڑھانا چاہا تھا لیکن جمال عین وقت پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنی بہن کو بچا لیا اور چوہدری پر بھی حملہ کر دیا۔ چوہدری سعادت کی ٹانگ پر اس کے خنجر کے زخم کا نشان اب بھی موجود ہے۔ چوہدری اس وقت تو خاموش ہو گیا تھا لیکن اس نے جمال کو دھمکی دی تھی کہ اسے اور اس کے گھر والوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کے چند روز بعد ہی جمال اپنے گھر والوں کو لے کر گاؤں سے فرار ہو گیا۔ وہ طویل عرصہ تک روپوش رہا لیکن اس کے دل میں انتقام کی آگ لگی ہوئی تھی اور پھر اس سے حسن آباد میں ایک واردات ہو گئی۔ ایک آدمی اس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ فرار ہو کر سرحد پار چلا گیا اور کسی طرح ہیر سنگھ تک پہنچ گیا۔ اس نے ہیر سنگھ کو چوہدری سعادت کے بارے میں بتایا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ دونوں پرانے دوست ہیں اور پھر چند روز پہلے چوہدری سعادت بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے خیر آباد میں ایک لڑکی کی عزت لوٹ کر اسے ہلاک کر دیا تھا۔ ہیر سنگھ نے جمال اور چوہدری میں صلح کرا دی مگر جمال کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ موقع کی تلاش میں رہا۔ اسے ایسا کوئی موقع تو نہیں مل سکا مگر اس نے ہیر سنگھ اور چوہدری سعادت کی باتیں سن لیں۔ چوہدری سعادت نے ہیر سنگھ کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ اس گاؤں پر حملہ کر کے نایاب کو یا تو اٹھا لیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ کل رات جمال کسی طرح سرحد پار کر کے ہماری بستی میں آ گیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں گاؤں جا کر نایاب کو صورتحال سے آگاہ کر دوں۔ میں نے تو کہا تھا کہ پولیس کو اطلاع دے دینی چاہئے لیکن اس نے ایسا کرنے سے منع کر دیا کیونکہ پولیس ڈاکوؤں کا مخبر ہونے کے شبہے میں مجھے ہی دھر لیتی۔ اسی لئے میں یہاں آیا ہوں۔"

اسلام کے خاموش ہونے پر نایاب سکندر کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ جمال کے بارے میں ٹھیک کہہ رہا ہے۔" ملک سکندر بولا۔ "دو سال پہلے گاؤں

میں کوئی بات ہوئی تھی اور جمال اپنی ماں اور بہن کو لے کر گاؤں سے چلا گیا تھا لیکن تم جمال کو کیسے جانتے ہو؟"

"جمال میرا دور کا رشتہ دار ہے جی۔" اسلام نے جواب دیا۔ "وہ کل رات میرے پاس آیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں ملک سکندر یا نایاب کو اطلاع دے دوں۔ میں پہلے گاؤں گیا تھا۔ وہاں سے مجھے پتہ چلا کہ آپ دونوں اس حویلی میں ہیں۔ اسی لئے میں یہاں آ گیا۔"

"اس اطلاع کے لئے بہت شکریہ۔" نایاب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

چوہدری سعادت اور اس کے بندے جب یہاں آئیں گے تو ہم ان کے استقبال کو تیار ہوں گے۔"

اسلام کچھ دیر وہاں رہا اور پھر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ لوگ تبصرے کرتے رہے کہ اس اطلاع میں واقعی کوئی صداقت ہے یا وہ آدمی یہاں کے حالات جاننے کیلئے آیا تھا۔

"وہ کوئی بھی ہو۔" ملک سکندر نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ چوہدری سعادت جیسے آدمیوں کے بارے میں یقین سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ ہمیں اپنا بندوبست کر لینا چاہئے۔"

اور پھر وہ بندوبست اگلے ہی روز شروع ہو گیا اور پھر اس رات گاؤں کے چاروں طرف پہرے بٹھا دئے گئے۔ نوجوان رائفلیں' کلہاڑیاں اور لاٹھیاں لے کر ایسی جگہوں پر بیٹھ گئے کہ خود تو کسی کو نظر نہ آ سکیں لیکن دوسرے ان کی نظروں سے نہ بچ سکیں۔

رات گزر گئی مگر کچھ نہیں ہوا۔ دوسری رات بھی احتیاطاً پہرہ رکھا گیا لیکن کسی نے گاؤں پر حملہ نہیں کیا۔

تین دن بعد عدالت میں نایاب کی پیشی تھی۔ اس روز اس مقدمے کا فیصلہ سنایا جانے والا تھا۔ نایاب ایک دن پہلے ہی شہر چلی گئی۔ اس کے ساتھ ملک سکندر بھی تھا۔

اور اگلے روز جب وہ عدالت میں پیش ہوئے تو وہاں چوہدری امانت کو دیکھ کر چونک گئے۔ جج کے فیصلہ سنانے سے پہلے ہی چوہدری امانت نے ایک درخواست پیش کر دی اور پھر جج نے جو فیصلہ سنایا اس سے نایاب اور اس کے ساتھیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

عدالت نے نایاب کو سرفراز چوہدری کا جائز وارث قرار دیتے ہوئے جائیداد میں اس کے حصے کا حقدار قرار دیا تھا۔ چوہدری امانت علی نے آخری لمحات میں پیش کی جا والی درخواست میں عدالت سے استدعا کی تھی کہ وہ نایاب کا حق تسلیم کرتا ہے۔ عدالت کے فیصلے کے ساتھ یہ کاغذ بھی لگا دیا گیا تھا۔

قسط نمبر 24

ملک سکندر وغیرہ تو اگلے ہی روز گاؤں واپس آ گئے البتہ نایاب دو دن شہر میں رہی ا لوگوں کی مبارکباد وصول کرتی رہی اور جب وہ گاؤں پہنچی تو ایک چونکا دینے والی خبر اس منتظر تھی۔

دو دن سے ٹیلے والے کھنڈرات میں کچھ پراسرار سرگرمیاں دیکھی جا رہی تھیں سکندر وغیرہ نے سراغ لگانے کی کوشش کی تھی کہ وہ کون لوگ تھے لیکن پتہ نہیں چلا تھ البتہ آج صبح سویرے کھنڈروں کی طرف سے فائرنگ کی آواز سنائی دی تھی۔ سکندر دو آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا تو کسی آدمی کا سراغ نہیں ملا البتہ تین ناگ مختلف جگہوں مرے ہوئے ملے تھے۔ ان تینوں کو گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔

یہ اطلاع نایاب کیلئے خاصی تشویشناک تھی۔ سانپ کھنڈروں میں چھپے ہوئے خزا کے محافظ تھے۔ ان میں سے تین کو اس طرح ہلاک کر دیا جانا معمولی بات نہیں تھی۔ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟ اس کے ذہن میں یہی خیال آیا تھا کہ ممکن ہے کوئی اور پا خزانے کی تلاش میں وہاں پہنچ گیا ہو اور انہوں نے ہی سانپوں کو ہلاک کیا ہو۔

ایک مرتبہ سنہرے ناگ نے نایاب سے کہا تھا کہ وہ جب بھی اسے بلائے گی وہ جائے گا۔ نایاب کو کبھی اسے بلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی لیکن آج ضرورت پڑ تھی۔

نایاب اس وقت پرانی حویلی میں اپنے کمرے میں تھی۔ اس نے دل ہی دل سنہرے ناگ کو پکارا۔

"بیجو۔۔ کہاں ہو تم۔۔ میرے پاس آؤ۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" نا نے کئی مرتبہ بیجو کو پکارا لیکن وہ سنہرا ناگ کسی طرف سے بھی نمودار نہیں ہوا۔ نایاب

تشویش بڑھ گئی۔ کہیں اسے بھی تو نہیں مار دیا گیا۔ اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہو گا۔

وہ سکندر کو لے کر کھنڈرات میں پہنچ گئی۔ وہ دونوں دو تین گھنٹوں تک کھنڈروں میں تلاش کرتے رہے لیکن سنہرا ناگ کہیں نظر نہیں آیا۔ وہ اس جگہ بھی آئے جہاں تہہ خانے میں اترنے کا راستہ تھا۔ وہ راستہ بالکل محفوظ تھا۔ نایاب تہہ خانے میں داخل ہونا چاہتی تھی لیکن سکندر نے منع کر دیا۔ دن کے وقت وہ راستہ کھولنا مناسب نہیں تھا۔

اور پھر اس رات نایاب پرانی حویلی میں اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کوئی اس سے لپٹا جا رہا ہو۔ وہ بدحواس سی ہو کر اٹھ گئی۔ اسے ایک بہت ہی مدھم سا ہیولہ کھڑکی سے باہر جاتا ہوا نظر آیا۔

نایاب نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔ وہ ہیولہ جھروکے کی منڈیر پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کون ہو تم۔۔؟" نایاب چیخی۔

ایسا لگا جیسے اس ہیولے نے پیچھے مڑ کر دیکھا ہو اور پھر اس نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ نایاب دوڑ کر منڈیر کے قریب پہنچ گئی۔ وہ ہیولہ سیدھا نیچے گرنے کے بجائے بہت آہستہ آہستہ آگے کی طرف ہوا میں تیر رہا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضا میں تحلیل ہو گیا۔

نایاب چند لمحے وہاں کھڑی تاریکی میں گھورتی رہی اور پھر کمرے میں آ گئی۔ کارنس پر رکھا ہوا لیمپ روشن تھا۔ ایک آئینہ بھی کارنس پر رکھا ہوا تھا۔ سامنے سے گزرتے ہوئے محض اتفاقاً اس کی نظریں آئینے کی طرف اٹھ گئیں اور وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔

نایاب آئینے کے سامنے کھڑی اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی۔ گردن سے نیچے ایک سنہری لکیر نظر آ رہی تھی اور وہ نائی اتار کر اپنے جسم کا جائزہ لینے لگی۔ جسم پر کئی جگہوں پر سنہری لکیریں نظر آ رہی تھیں۔

نایاب بدحواس سی ہو گئی۔ ایسا ایک مرتبہ اس وقت بھی ہوا تھا جب وہ شہر گئی ہوئی تھی اور اب اس نے ایک ہیولے کو اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ کوئی انسان نہیں تھا۔ انسان ہوتا تو جھروکے کی منڈیر سے چھلانگ لگانے کے بعد سیدھا نیچے گرتا لیکن وہ تو ہوا میں تیرتا ہوا فضا میں تحلیل ہو گیا تھا۔

سوتے میں اس نے محسوس کیا تھا جیسے کوئی اس سے لپٹا ہوا ہو اور پھر یہ سنہ لکیریں۔۔۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا اور اس کے ساتھ ہی اس کا شرم سے سرخ ہو گیا۔ اس نے نائٹی پہن لی اور پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ سوچ رہی تھی کہ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے؟

نایاب یہ سب سوچ رہی تھی کہ ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز سن کر چونک گئی۔ ا نے مڑ کر آواز کی طرف دیکھا اور اچھل پڑی۔ وہ بچو تھا۔ سنہری ناگ جو کمرے کے اُ کونے میں دیوار کے ساتھ رینگتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کے رینگنے کا انداز ایسا تھا جیسے بے سا ہو رہا ہو۔

"تو یہ تم تھے بچو۔" نایاب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں شرم چاہئے۔ تمہاری یہ حرکت میری ذلت اور رسوائی کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔" نایاب کے کان میں سرگوشی ابھری۔ "تم مجھے اچھی لگتی کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ تمہارے بہت قریب آ جاؤں۔"

"بچو۔" نایاب چیخی۔ "اگر کوئی انسان ایسی بات کہتا تو اس کا گلا گھونٹ دیتی۔ تم مجھ سے دوستی کی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس قسم کی غیر اخلاقی حرکتیں کر رہو جو مجھے ذلیل و رسوا کر دیں۔"

اس مرتبہ نایاب کو کوئی سرگوشی سنائی نہیں دی۔ بچو پھن کو ادھر ادھر پٹخ رہا تھا ندامت اور شرمندگی کا اظہار کر رہا ہو۔

"آئندہ ایسی کوئی حرکت نہ ہو گی۔" نایاب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "او نے سنا ہے کہ کھنڈروں میں تین ناگ مارے گئے ہیں۔ کون ہیں وہ لوگ جو اس کھنڈروں میں گھوم رہے ہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم۔" نایاب کے کان میں سرگوشی سنائی دی۔ "مجھے تو اپنی جان کا ہے۔ اس لئے میں تہہ خانہ سے کم ہی باہر نکلتا ہوں۔ آج صبح جب تم نے مجھے پکارا اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ تم تک آ سکتا۔"

"تم تو بے پناہ قوتوں کے مالک ہو۔" نایاب بولی۔

"پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔" بچو نے جواب دیا۔ "بعض اوقات تو محسوس ہوتا ہے

میری تمام قوتیں سلب ہو گئی ہوں۔ اس وقت میں موقع پا کر یہاں آ گیا تھا اور اب یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میری قوت سلب ہو رہی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" نایاب نے کہا۔ "اب تم جلدی سے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ راستے میں کسی دشمن کے ہاتھوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو۔"

اس مرتبہ نایاب کو کوئی سرگوشی سنائی نہیں دی۔ سنہری ناگ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا کھڑکی پر چڑھ کر باہر نکل گیا۔

نایاب بہت دیر تک بیٹھی بچو کی باتوں پر سوچتی رہی اور پھر نیند کے بوجھ سے اس کی پلکیں جھکنے لگیں۔

قسط نمبر 25

نایاب اور سکندر تقریباً دو گھنٹوں سے ٹیلے کے کھنڈرات میں گھوم رہے تھے۔ آج انہیں چار سانپ مردہ ملے تھے۔ انہیں گولیوں سے نہیں مارا گیا تھا۔ دو کے پھن کچلے ہوئے تھے اور دو کے ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔

ان دونوں نے کھنڈرات میں ہر اس جگہ کو تلاش کر لیا تھا جہاں کسی کے چھپنے کا امکان ہو سکتا تھا لیکن ایسی کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ البتہ کئی جگہوں پر قدموں کے نشان ضرور نظر آئے تھے۔ قدموں کے ان نشانات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کم از کم تین آدمی تھے جو ان کھنڈروں میں گھوم رہے تھے اور ظاہر ہے ان کا مقصد خزانے کی تلاش کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا لیکن وہ کون لوگ تھے اور کہاں چھپے ہوئے تھے؟ ان کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ کھنڈرات میں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ نایاب نے برگد کے بوڑھے درخت کے نیچے چبوترے والے تہہ خانے میں بھی دیکھ لیا تھا۔ وہاں روبی اور ٹیپو کا سامان اب بھی بکھرا ہوا تھا لیکن اس قسم کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیئے تھے جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ یہاں کوئی رہ رہا ہے۔

"سانپوں کا قتل عام اور قدموں کے نشانات تو یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہاں کوئی موجود ہے۔" ملک سکندر نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ان کھنڈروں کے نیچے انہوں نے کوئی تہہ خانہ دریافت کر لیا ہو جہاں انہوں نے پناہ لے رکھی ہو۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ
انہیں تلاش کیسے کیا جائے۔ اگر انہیں جلد ہی تلاش نہ کیا گیا تو وہ ان کھنڈروں کے تما
سانپوں کو ختم کر دیں گے اور اس طرح وہ خزانہ بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔"

"انہیں تلاش کرنے کا ایک طریقہ ہے۔" سکندر نے کہا۔ "رات کو چھپ کر ا
کھنڈروں کی نگرانی کی جائے۔ دن میں تو وہ لوگ اپنی پناہ گاہ سے باہر نہیں نکلتے۔ رات
باہر نکلیں تو انہیں گھیرنے کی کوشش کی جائے۔"

"مناسب خیال ہے۔" نایاب نے کہا۔ "تو پھر آج ہی رات سے نگرانی شروع کر د
جائے۔"

"ہاں۔۔ آج رات میں' ٹیپو' قیوم اور دلاور یہاں پہنچ جائیں گے اور دیکھیں گے کہ
کون لوگ ہیں۔" ملک سکندر نے کہا۔

"میں بھی ساتھ آؤں گی۔" نایاب نے کہا۔

وہ باتیں کرتے ہوئے گاؤں واپس آ گئے۔ پہلی گلی میں داخل ہوتے ہی انہیں اطلا
مل گئی کہ دو پٹواری آئے ہوئے ہیں اور ملک صاحب کی حویلی میں بیٹھے انتظار کر ر
ہیں۔

زمین کے بٹوارے کا وقت آ گیا تھا۔ یہ دونوں پٹواری چوہدری امانت علی سے مل
آئے تھے۔ چوہدری نے انہیں لکھ کر دیدیا تھا کہ نایاب زمین کا جو حصہ چاہے لے لے
اسے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔

چوہدری امانت علی میں جو تبدیلی آئی تھی اس پر نایاب اور ملک صاحب ہی کو نہیں
گاؤں کے تمام لوگوں کو حیرت ہو رہی تھی۔ کہاں تو یہ کہ وہ زمین کے ایک انچ ٹکڑے
بھی دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا اور کہاں یہ کہ اس نے لکھ کر دے دیا کہ نایاب زمین
جو حصہ چاہے اپنے نام منتقل کروا سکتی ہے۔

پٹواری تقریباً دو گھنٹے تک وہاں رہے اور پھر یہ کہہ کر چلے گئے کہ ایک دو دن
زمینوں کا سروے شروع کر دیا جائے گا اور اس کے بعد منتقلی کا کام شروع ہو جائے گا۔

گاؤں کے لوگ بہت خوش تھے۔ جس روز عدالت سے نایاب کے حق میں فیصلہ
گیا تھا اس روز تو گاؤں میں جشن منایا گیا تھا اور آج پٹواریوں کی آمد سے وہ اور بھی خو

ہوئے تھے۔ لوگ نایاب کو مبارکباد دینے آ رہے تھے۔ ملک صاحب کی حویلی کے سامنے
ہجوم لگ گیا تھا۔ حویلی کے اندر بھی بہت سی عورتیں جمع تھیں۔

روبی اور ٹیپو بھی گاؤں میں آ گئے تھے۔ نایاب شام تک لوگوں کی مبارکباد وصول کرتی
رہی اور پھر رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ کھنڈرات کی نگرانی کا پروگرام بنانے لگی۔ روبی
اور ٹیپو بھی ان کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے تھے۔

رات گیارہ بجے کے قریب وہ گاؤں سے نکل کھڑے ہوئے۔ ٹیپو' روبی' نایاب اور
سکندر کے علاوہ قیوم اور دلاور بھی ان کے ساتھ تھے۔ سب لوگ مسلح تھے اور پہلے کی طرح
دو دو کی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر کھنڈروں میں مختلف جگہوں پر گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے۔

نایاب اور سکندر اس جگہ کے قریب ہی تھے جہاں کھنڈروں کے نیچے خزانے والے
تہہ خانے میں جانے والا راستہ تھا۔ جب وہ لوگ کھنڈروں میں داخل ہوئے تو گہری تاریکی
تھی لیکن اب چاند طلوع ہو رہا تھا اور فضا میں مدھم سی چاندنی پھیل رہی تھی۔ چاندنی کی
وجہ سے وہ کچھ اور بھی محتاط ہو گئے تھے تاکہ دیکھ نہ لئے جائیں۔

تقریباً ایک بجے کے قریب فضا اچانک ہی فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ یہ آواز اس
طرف سے آ رہی تھی جہاں ٹیپو اور روبی چھپے بیٹھے تھے۔ سکندر اور نایاب نے ایک
دوسرے کی طرف دیکھا اور کھنڈروں کی شکستہ دیواروں کی آڑ لیتے ہوئے تیزی سے اس کی
طرف چلنے لگے۔

نایاب کے پاس سکندر کا ریوالور تھا اور سکندر کے پاس ڈبل بیرل بندوق تھی۔ وہ تیزی
سے آگے بڑھ رہے تھے کہ قریب ہی گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ گولی سکندر کے سر کے
قریب سے گزرتی ہوئی ایک دیوار میں جا لگی تھی۔ وہ دونوں بڑی پھرتی سے نیچے گر گئے۔
سکندر نے نیچے گرتے ہی آواز کی سمت فائر کر دی تھی۔ جواب میں خاموشی رہی۔

کئی لمحات گزر گئے۔ دوسری طرف سے فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن اس
طرف خاموشی ہی تھی۔ نایاب پتھروں کی آڑ لیتی ہوئی ایک طرف بڑھنے لگی۔ ایک جگہ وہ
اٹھ کر ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کی آڑ میں جانا چاہتی تھی کہ اچانک ہی ایک فائر ہوا۔ اس کے
ساتھ ہی نایاب چیختی ہوئی نیچے گر گئی۔ اس کے بازو میں گولی لگی تھی۔

سکندر نے ایک دم اس طرف فائر کر دیا جہاں سے نایاب پر گولی چلائی گئی تھی۔ ایک

چیخ اور پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ سکندر اپنی جگہ سے اٹھ کر نایاب کی طرف دوڑا۔

گولی نایاب کے بائیں بازو پر کندھے سے ذرا نیچے بازو کا گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ نایاب دوسرے ہاتھ سے زخمی بازو کو دبائے بیٹھی تھی۔

"تم ٹھیک ہو نا۔" سکندر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں سکندر بھائی۔" نایاب نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ ان لوگوں پر توجہ دیں۔ انہیں بچ کر نہیں جانا چاہئے۔"

سکندر اپنی گن لوڈ کرنے لگا اور پھر وہ بے تحاشہ فائر کرتا چلا گیا۔ کارتوسوں کی بیلٹ اس کی کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ اس نے کئی کارتوس فائر کر دیئے۔ اس دوران کھنڈروں میں بھاگ دوڑ کی آوازیں بھی آتی رہیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔

"بھاگ گئے وہ لوگ۔" ٹیپو نے کہا۔ "لیکن وہ کھنڈروں ہی میں کسی جگہ موجود ہیں مجھے یقین ہے کہ انہوں نے یہاں کوئی پناہ گاہ بنا رکھی ہے۔"

"ہاں— اور اب انہیں تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔" سکندر نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "نایاب زخمی ہو گئی ہے۔ قیوم! تم اور روبی اسے لے کر گاؤں چلے جاؤں۔ ڈاکٹر سو گیا ہو گا۔ اسے جگا کر اس کی ڈریسنگ کراؤ۔ ہم یہاں ان لوگوں کی تلاش کرتے ہیں۔"

"نہیں سکندر بھائی!" نایاب نے کہا۔ "وہ لوگ پوری طرح مسلح ہیں۔ اس وقت انہیں تلاش کرنا خطرناک ہو گا۔ آپ لوگ بھی گاؤں چلئے۔ صبح یہاں آ کر دیکھا جائے گا۔"

"مس نایاب ٹھیک کہتی ہیں ملک صاحب!" ٹیپو نے کہا۔ "اب ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ لوگ یہاں موجود ہیں اور مسلح ہیں۔ عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اس وقت واپس چلے جائیں اور صبح آ کر انہیں تلاش کریں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر چلو۔ اگر خون زیادہ بہہ گیا تو نایاب کی حالت بگڑ جائے گی۔" سکندر بولا۔

"میں ٹھیک ہوں سکندر بھائی۔ آپ زیادہ پریشان نہ ہوں۔" نایاب نے کہا۔ "گولی گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی ہے۔ روبی نے زخم پر پٹی باندھ دی ہے۔ زیادہ پریشانی کی بات

نہیں ہے۔"

وہ لوگ کھنڈروں سے نکل کر ٹیلے کی ڈھلان اتر رہے تھے کہ نایاب ٹھٹک کر رک گئی۔ ایک پتھر کے قریب کوئی چیز رینگتی ہوئی نظر آئی تھی۔ وہ ایک سانپ تھا۔ وہ جیسے ہی پتھر کی آڑ سے نکل کر چاندنی میں آیا' نایاب اچھل پڑی وہ سنہری ناگ بیجو تھا۔

بیجو اس طرح رینگ رہا تھا جیسے اس میں جان نہ رہی ہو۔ نایاب نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔ ٹیپو اور روبی کانپ کر رہ گئے۔ انہوں نے سنہری ناگ کے حوالے سے پراسرار باتیں تو سنی تھیں لیکن اپنی آنکھوں سے پہلی مرتبہ دیکھا تھا کہ نایاب نے کس طرح زہریلے ناگ کو اٹھا لیا تھا اور اب وہ ناگ اس کے بازو سے لپٹا جا رہا تھا۔

"کیا ہوا بیجو۔ تمہاری یہ کیا حالت ہو رہی ہے۔" نایاب بازو پر لپٹے ہوئے بیجو کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"پتہ نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔" نایاب کے کان میں سرگوشی سنائی دی۔

نایاب تیز تیز قدموں سے چلنے لگی۔ سکندر وغیرہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ نایاب کو یاد آ گیا کہ ایک دو دن پہلے ہی تو بیجو نے اسے بتایا تھا کہ کبھی کبھی تو اسے لگتا ہے جیسے اس کی ساری قوتیں سلب ہو رہی ہوں اور وہ بے جان سا ہو جاتا ہے اور اس وقت شاید اس پر ایسی ہی کیفیت طاری تھی۔

وہ لوگ ملک صاحب کی حویلی پہنچ گئے۔ قیوم ڈاکٹر کو بلانے کیلئے چلا گیا تھا۔ حویلی میں داخل ہوتے ہی نایاب کے بازو سے لپٹا ہوا ناگ بل کھاتا ہوا نیچے لٹک گیا۔ نایاب نیچے جھک گئی اور سنہری سانپ رینگتا ہوا وسیع آنگن میں ایک طرف لکڑیوں کے ڈھیر میں غائب ہو گیا۔

وہ لوگ بیٹھک میں آ گئے۔ اس وقت رات کے تین بج چکے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد قیوم ڈاکٹر کو لے کر آ گیا۔ اس نے نایاب کا زخم دیکھا اور ڈریسنگ شروع کر دی۔

اتنے میں آوازیں سن کر سکینہ بھی بیدار ہو گئی اور وہ بھی بیٹھک میں چلی آئی۔ جب اسے پتہ چلا کہ نایاب کو گولی لگی ہے تو وہ ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔

"یہ پین کلر ہے۔" ڈاکٹر نے اپنے بیگ میں سے دو گولیاں نکال کر نایاب کی طرف

بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ایک گولی ابھی کھا لو اور ایک صبح کھا لینا۔ میں صبح آؤں گا دیکھنے کیلئے۔"

"میں دودھ گرم کر کے لاتی ہوں۔ اس کے ساتھ گولی کھا لینا۔" سکینہ نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں بھابھی۔" نایاب جلدی سے بولی۔ "صرف ایک گلاس پانی لا دیں۔ دودھ کی ضرورت نہیں ہے۔"

سکینہ اسے گھورتی ہوئی باہر نکل گئی اور تقریباً دس منٹ بعد وہ دودھ ہی گرم کر کے لائی تھی۔

"لو۔۔۔ یہ گولی کھا لو اور اندر چل کر سو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو' جاگتے رہنے سے تمہاری طبیعت خراب ہو جائے۔" سکینہ نے دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اور پھر نایاب کو اس کے ساتھ جانا ہی پڑا تھا۔

عذرہ اور نرگس ایک ہی بیڈ پر سو رہی تھیں۔ دوسرا بیڈ خالی تھا' نایاب اس پر لیٹ گئی۔ سکینہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ نایاب بستر پر لیٹی آج کے واقعہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ کون لوگ تھے جو نیلے کے کھنڈروں میں پراسرار سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے اور کھنڈروں میں بسنے والے سانپوں کو ختم کر رہے تھے۔ وہ لوگ جس طرح کھنڈروں میں غائب ہو گئے تھے اس سے نایاب کو یقین ہو گیا تھا کہ انہوں نے کھنڈروں ہی میں کوئی پناہ گاہ تلاش کر لی تھی۔ ان کی پراسرار سرگرمیوں سے خزانے کو بھی خطرہ ہو سکتا تھا۔

وہ بنجو کے بارے میں سوچنے لگی۔ بنجو ان دنوں خاصا پریشان لگ رہا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ کبھی کبھی اس کی ساری قوتیں سلب ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو نیم مردہ سا محسوس کرنے لگتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

بستر پر لیٹے ہوئے نایاب کی نظر اچانک ہی کھڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ بہت ہی مدہم روشنی کا ایک ہیولہ کھڑکی سے اندر داخل ہوا تھا۔ کمرے میں جلنے والے سبز بلب کی روشنی میں وہ ہیولہ واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا اور پھر وہ کچھ اور بھی نمایاں ہو گیا۔ نایاب ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"مجھے افسوس ہے۔" نایاب کے کان میں سرگوشی سنائی دی۔ "تمہارے زخمی ہونے کا

مجھے افسوس ہے۔ اس وقت میری حالت تم نے دیکھ ہی لی تھی۔ اگر تم مجھے وہاں سے اٹھا کر نہ لاتیں تو شاید میں ختم ہو جاتا۔"

وہ بنجو تھا' جو ایک روشن انسانی ہیولے کی صورت میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"بنجو۔" نایاب کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "یہ سب کیا ہے۔ تمہارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

"پہلی ملاقات پر دیوی ماں نے تمہیں بتایا تھا کہ رانی شلپا ایک ایسی ناپاک قوت کے سحر میں پھنس گئی تھی جو اپنے آپ کو ہنومان کہتا تھا۔ اس کی وجہ سے رانی شلپا کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اس روز دیوی ماں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ ہنومان زندہ ہے۔ وہ ہنومان کے روپ میں راکھشش ہے۔ وہ یہاں آ گیا ہے اور سامنے آئے بغیر ان لوگوں کی مدد کر رہا ہے جو رانی شلپا کا خزانہ تلاش کرنے آئے ہوئے ہیں۔ وہ شیطان جب یہاں موجود ہوتا ہے تو ہماری قوتیں وقتی طور پر سلب ہو جاتی ہیں۔ ہم اس کے سحر سے نکلنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جس میں زیادہ قوت مدافعت نہیں ہوتی وہ مارا جاتا ہے۔ آج میری قوت مدافعت تقریباً جواب دے چکی تھی۔ اگر تم بروقت مجھے وہاں سے نہ اٹھا لاتیں تو شاید میں یہ سب کچھ بتانے کیلئے زندہ نہ رہتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ نایاب کو اس کی سانسوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"وہ کون لوگ ہیں جو خزانہ تلاش کر رہے ہیں۔ کیا تم لوگ انہیں روک نہیں سکتے؟" نایاب نے پوچھا۔

"وہ تمہارے دشمنوں میں سے ہیں۔" بنجو نے جواب دیا۔ "ہماری کوششوں سے وہ لوگ اب تک خزانے سے دور ہیں۔ وہ لوگ اس شیطان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ بدی کی کوئی قوت ان کی مدد کر رہی ہے۔ میرے بیشتر ساتھیوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں وہ خود مارے گئے۔ اب تک میرے سات ساتھی ان کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو اس راکھشش کی غیبی حمایت حاصل نہ ہوتی تو وہ اب تک راکھ ہو چکے ہوتے۔"

"لیکن تم تو بے پناہ قوتوں کے مالک ہو۔ کیا تم اس راکھشش کا مقابلہ نہیں کر سکتے؟" نایاب نے پوچھا۔

"وہ مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔" بجو نے جواب دیا۔ "وہ مجھے ختم کرنا چاہتا ہے۔ میرے ختم ہو جانے سے خزانے کی حفاظت کے سارے بند ٹوٹ جائیں گے اور پھر ان لوگوں کو خزانے تک پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا لیکن مطمئن رہو۔ دیوی ماں خزانے کے پاس موجود ہے۔ وہ کسی کو قریب نہیں پھٹکنے دے گی۔"

"یہ تو بڑی تشویشناک صورتحال ہے۔" نایاب نے کہا۔ "اگر کسی وقت تمہاری بھی قوت مدافعت جواب دے گئی تو۔۔۔"

"دیوی ماں کا سایہ میرے ساتھ ہے۔" بجو نے جواب دیا۔ "میں جب بھی ایسی صورتحال سے دوچار ہوتا ہوں دیوی ماں کسی نہ کسی کو میری مدد کیلئے بھیج دیتی ہے۔ جیسے آج اس نے تمہیں وہاں بھیج دیا تھا اور تم مجھے وہاں سے اٹھا لائیں۔ یہاں آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد میری قوت آہستہ آہستہ بحال ہونے لگی اور اس وقت میں پہلے جیسی قوتوں کا مالک ہوں اور اس وقت تو میں تمہیں ایک بات بتانے کے لئے خاص طور پر یہاں آیا ہوں۔"

"کیا بات ہے؟" نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے ہیولے کی طرف دیکھا۔

"تمہارے دشمن تمہارے گرد گھیرا تنگ کرتے جا رہے ہیں۔" بجو نے جواب دیا۔ "میں اپنے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی آڑے وقت میں' میں تمہاری مدد کو نہ آسکوں اس لئے تمہیں پہلے سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ تمہیں چوکس رہنا ہو گا اور اپنی حفاظت خود کرنی ہو گی۔"

"کیا وہ لوگ مجھے ختم کر دیں گے؟" نایاب نے پوچھا۔

"وہ تمہیں ختم نہیں کر سکیں گے لیکن نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ البتہ ایک موقع ایسا آئے گا کہ وہ لوگ خود ختم ہو جائیں گے۔ میں ان کی موت اسی حویلی میں دیکھ رہا ہوں۔"

"اوہ۔" نایاب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"اب میں چلتا ہوں۔" نایاب کے کان میں سرگوشی سنائی دی۔ "میں نے جو باتیں کی ہیں ان پر دھیان دینا اور اپنا خیال رکھنا۔"

نایاب سر ہلا کر رہ گئی۔ مدھم سی روشنی کا وہ ہیولہ اپنی جگہ سے حرکت کرتا ہوا کھڑکی

کی طرف بڑھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کھڑکی سے باہر نکل کر فضا میں تحلیل ہو گیا۔

نایاب بے حس و حرکت بیٹھی کھڑکی کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اس نے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

خطرناک 26

سکندر' نایاب اور ٹیپو صبح نو بجے کے قریب پھر کھنڈروں میں پہنچ گئے۔ وہ اسی جگہ رک گئے جہاں رات کو نایاب پر گولی چلائی گئی تھی۔ وہاں پتھروں پر نایاب کے بازو سے بہنے والے خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔

"میں نے بھی اس طرف گولی چلائی تھی اور وہاں سے کسی کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔" سکندر نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے وہ زخمی ہوا ہو گا۔ چلو اس طرف چل کر دیکھتے ہیں۔"

وہ شکستہ دیواروں سے نکل کر ایک طرف چل پڑے۔ ٹیپو کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ محتاط انداز میں چاروں دیکھ رہا تھا۔ تقریباً بیس قدم کے بعد وہ رک گئے۔ یہاں زمین پر خون کے دھبے دیکھ کر سکندر کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

وہ خون کے نشانات کو دیکھتے ہوئے چلتے رہے اور بالآخر ایک جگہ رک گئے۔ یہاں خون کے نشان ختم ہو گئے۔ ملک سکندر اور نایاب گہری نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ اس جگہ کے آس پاس کہیں اور خون کے دھبے نظر نہیں آ رہے تھے۔ لگتا تھا وہ زخمی شخص یہاں آ کر یا تو ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا یا اسے زمین نے نگل لیا تھا۔

زمین کے نگل جانے والا خیال قرین قیاس تھا۔ وہ گہری نظروں سے آس پاس کی جگہ کا جائزہ لینے لگے لیکن ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی جس سے شبہ ہوتا کہ یہاں کوئی تہہ خانہ موجود ہے۔

دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ ہر طرف بکھرے ہوئے پتھر اور کھنڈروں کی شکستہ دیواریں تپنے لگی تھیں۔ وہ تینوں پسینے سے شرابور ہو رہے تھے۔

"ہو سکتا ہے اس جگہ کے بارے میں ہمارا شبہ غلط ہو۔" بالآخر نایاب نے کہا۔ "یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ یہاں تک اس شخص کے زخم سے خون ٹپک رہا تھا لیکن ہو سکتا ہے

یہاں پہنچ کر اس نے اپنے زخم پر پٹی باندھ لی ہو اور وہ یہاں سے کسی اور طرف چلا گیا ہو۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔" ٹیپو نے کہا۔ "اس طرح ان لوگوں کو تلاش کرنا ممکن نہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ ان کھنڈروں کی مستقل طور پر نگرانی کی جانی چاہئے۔ ایک دو آدمی یہاں سے دور کسی ایسی جگہ چھپ کر بیٹھے رہیں کہ یہ کھنڈر ان کی نگاہوں میں رہیں۔ اگر یہاں کوئی آدمی نظر آئے تو وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ کہاں سے نمودار ہوا اور کہاں غائب ہوا۔ اس طرح ان کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" سکندر نے جواب دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔ "ابھی ہم یہ بھی دیکھ لیں گے کہ نگرانی کیلئے کونسی جگہ مناسب رہے گی اور میرا خیال ہے اب ہمیں ان کھنڈروں سے باہر نکلنا چاہئے تاکہ ہم آس پاس کا جائزہ لے سکیں۔"

"چلو۔" سکندر نے کہا اور وہ تینوں کھنڈروں میں ہوتے ہوئے اس طرف چل پڑے جہاں سے برگد کے درخت کی طرف راستہ جاتا تھا۔ وہ ابھی ڈھلان اتر رہے تھے کہ آخری کھنڈروں میں ایک بندر کو دیکھ کر چونک گئے۔ وہ بندر عام بندروں سے خاصا بڑا تھا اور کھنڈروں میں اس طرح چل رہا تھا جیسے کسی سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہو لیکن جس جگہ وہ پہنچ گیا تھا اس سے آگے کھنڈر نہیں تھے۔ اس لئے وہ ان کی نظروں میں آ گیا تھا۔

"اس علاقے میں تو بندر نہیں ہوتے۔ یہ کم بخت کہاں سے آ گیا۔" ملک سکندر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"کل ایک مداری گاؤں میں آیا ہوا تھا۔" ٹیپو نے کہا۔ "ہو سکتا ہے یہ اسی کا بندر ہو اور کسی طرح بھاگ نکلا ہو۔"

وہ بندر ایک پتھر کے قریب پچھلے دو پیروں پر کھڑا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے اس طرح کھڑے ہونے کے انداز نے نایاب کو چونکا دیا اور پھر وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"سکندر بھائی۔" وہ چیخی۔ "یہ بندر نہیں شیطان ہے۔ مارو اسے بچ کر جانے نہ پائے۔"

سکندر تو اس کی بات پر الجھ کر رہ گیا مگر ٹیپو نے فوراً ہی گولی چلا دی تھی۔ وہ بندر اپنی

جگہ سے اچھلا اور ڈھلان پر دوڑنے لگا۔ وہ کئی کئی لمبی چھلانگ لگا رہا تھا۔ سکندر اور ٹیپو وغیرہ اس کے پیچھے دوڑے۔ ٹیپو دوڑتے ہوئے فائرنگ بھی کر رہا تھا لیکن کوئی گولی اس بندر کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔

وہ بندر برگد کے درخت پر چڑھ کر غائب ہو گیا تھا۔ وہ تینوں بھی چبوترے کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ اس طرح بے تحاشہ دوڑتے ہوئے ان کی سانس پھول گئے تھے۔

"اب یہ بچ کر نہیں جائے گا۔" ٹیپو کہتے ہوئے برگد کے درخت کی طرف بڑھنے لگا۔

نایاب اور سکندر بھی اس کے ساتھ چل رہے تھے۔ سکندر نے بھی اپنی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔

برگد کا وہ بوڑھا درخت بہت پھیلا ہوا تھا اور اس کی شاخیں بہت گنجان تھیں۔ اس کی گنجان جٹاؤں نے شاخوں میں ایک جال سا بن رکھا تھا۔ اس طرح شاخوں میں چھپی ہوئی کسی چیز کو دیکھ لینا ممکن نہیں تھا۔

ٹیپو نے گنجان شاخوں میں ایک دو گولیاں بھی چلائی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بندر ڈر کر درخت سے اتر جائے گا اور کسی طرف بھاگنے کی کوشش کرے گا لیکن لگتا تھا جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہ رہا ہو۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک اس بندر کو تلاش کرتے رہے لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

"یہ تو واقعی شیطان کی طرح غائب ہو گیا ہے۔" سکندر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"لیکن تم نے کیا کہا تھا کہ وہ بندر نہیں' شیطان ہے۔" وہ مڑ کر نایاب کی طرف دیکھنے لگا۔

"گزشتہ رات بجو نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا۔ ہمارے دشمن ان کھنڈروں میں چھپے ہوئے ہیں اور یہ شیطان ان کی مدد کر رہا ہے۔" نایاب نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے سب کچھ تفصیل سے بتانے لگی۔

"اوہ۔" سکندر چونک گیا۔ "ہمارے وہ دشمن کون ہو سکتے ہیں؟"

"چوہدری سعادت کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔" نایاب بولی۔ "آپ کو یاد ہے' اسلام نامی شخص نے بتایا تھا کہ چوہدری سعادت ہرسنگھ کے ساتھ اس طرف آنے والا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کا منصوبہ کچھ اور رہا ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ انہیں کسی طرح اس

خزانے کے بارے میں پتہ چل گیا ہو۔ وہ سامنے آنے کے بجائے ان کھنڈروں کے بارے میں کسی جگہ چھپے ہوئے ہیں اور یہ شیطان ان کی مدد کر رہا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ صورتحال واقعی سنگین ہو گئی ہے۔" سکندر بولا۔

"ہاں۔" نایاب بولی۔ "صورتحال اس طرح بھی سنگین ہو گئی ہے کہ بیجو کی قوتیں سلب ہوتی جارہی ہیں۔ اس راکھشش کی وجہ سے خزانہ کے محافظ ایک ایک کر کے مارے جا رہے ہیں۔ بیجو بھی اپنے لئے خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ اس نے تو رات کو مجھے کہہ دیا تھا کہ ہمیں اپنی حفاظت کا خود بندوست کرنا پڑے گا۔"

"وہ تو ہم کر ہی لیں گے۔" سکندر بولا۔ "اگر چوہدری سعادت ان کھنڈروں میں چھپا ہوا ہے تو میں اسے بچ کر جانے نہیں دوں گا۔ خیر چلو۔ اب واپس چلیں۔"

وہ لوگ دوبارہ ٹیلے پر آ گئے اور کھنڈروں میں ہوتے ہوئے ٹیلے کے دوسری طرف جانے لگے۔

کھنڈروں سے باہر نکل کر چند گز آگے پہنچے تھے کہ نایاب ٹھٹک کر رک گئی۔ سامنے ایک پتھر کے قریب سنہری ناگ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ نایاب جلدی سے آگے بڑھ کر جھک گئی اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ناگ کا سر کچلا ہوا تھا۔

سکندر اور ٹیپو بھی جھک کر اسے دیکھنے لگے اور دوسرے ہی لمحہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ کھنڈروں کی طرف سے چلائی جانے والی گولی نایاب کے سر کے قریب سے ہوتی ہوئی سامنے ایک بڑے پتھر پر لگی تھی۔ وہ تینوں اچھل پڑے۔ ایک فائر اور ہوا۔ یہ گولی بھی پتھر پر لگی۔ ان تینوں نے بیک وقت چھلانگ لگا دی اور پتھر کے پیچھے دبک گئے۔

○

وہ پتھر اگرچہ اتنا بڑا تھا کہ وہ تینوں اس کے پیچھے آسانی سے چھپ گئے تھے لیکن اس کے علاوہ آس پاس ایسی کوئی جگہ نہیں تھی جہاں وہ پناہ لے سکتے۔ وہاں سے دس فٹ دور ایک اور پتھر تھا لیکن کھنڈروں کی طرف سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی اور برستی ہوئی گولیوں میں یہاں سے نکل کر دوسرے پتھر تک پہنچنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

وہ تینوں پتھر کے پیچھے اس طرح سمٹے ہوئے تھے کہ درمیان میں نایاب تھی۔ دائیں طرف ملک سکندر اور بائیں طرف ٹیپو۔ ان پر فائرنگ تقریباً سو گز کے فاصلے سے ہو رہی تھی۔ فائرنگ کرنے والے دو آدمی تھے اور دونوں کھنڈروں کی شکستہ دیواروں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ اندیشہ اس بات کا تھا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کھنڈروں میں چھپتا ہوا دوسری طرف سے سامنے آگیا تو ان کے لیے اپنا دفاع مشکل ہو جائے گا۔

ان تینوں میں سے پستول صرف ملک سکندر کے پاس تھا۔ نایاب کے پاس ظاہر ہے کسی اسلحہ کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ٹیپو اپنا پستول ساتھ لے کر نہیں آیا تھا۔

"ان لوگوں سے بچنے کے لیے ایک ترکیب میری سمجھ میں آئی ہے۔" ملک سکندر نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس پستول موجود ہے لیکن ہم زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان سے نمٹنے کا ایک طریقہ میرے ذہن میں آیا ہے۔"

"وہ کیا؟" نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں یہاں سے نکل کر اس پتھر کے پیچھے پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔" سکندر نے دس فٹ دور دوسرے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ "وہاں سے دوسرے پتھروں کی آڑ لیتا ہوا میں ان لوگوں کے دوسری طرف پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ اس طرح یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ

کون لوگ ہیں؟"

"وہ چودھری سعادت کے آدمیوں کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔" نایاب نے کہا۔

"لیکن آپ اس طرف کیسے جائیں گے۔" وہ دوسرا پتھر کم از کم دس فٹ کے فاصلے پر ہے۔ وہاں تک پہنچنے میں کسی گولی نے آپ کو تاک لیا تو....."

"یہ رسک تو لینا ہی پڑے گا۔" سکندر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اگر ہم یہاں بیٹھے رہے تو وہ لوگ ویسے ہی ہمیں گھیر کر ختم کر دیں گے۔"

"سکندر بھائی آپ پستول مجھے دیں۔ میں اس طرف جانے کی کوشش کرتا ہوں۔" ٹیپو نے کہا۔

"نہیں۔" سکندر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "تم دوسری طرف سے کسی طرح انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرو۔ میں موقع پا کر اس طرف سے نکل جاؤں گا۔"

"فائرنگ کی آوازیں گاؤں تک پہنچ رہی ہوں گی۔" نایاب بولی۔ "مجھے حیرت ہے کہ گاؤں کے لوگ صورتحال معلوم کرنے کے لیے اس طرف کیوں نہیں آئے۔ کیا وہ سب بزدل ہیں؟"

"بات بزدلی کی نہیں ہے نایاب۔" ملک سکندر نے کہا۔ "صورتحال سے تم پوری طرح واقف ہو۔ جو لوگ ان معاملات میں براہ راست ملوث ہیں' وہ تو پرانی حویلی میں جمع ہیں۔ گاؤں میں جو لوگ موجود ہیں' ان میں زیادہ تر نہتے ہیں اور ظاہر ہے کوئی بھی اپنے آپ کو موت کے منہ میں دھکیلنا پسند نہیں کرے گا۔ بہرحال ٹیپو! تم اس طرف سے ان لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کی کوشش کرو۔"

ان لوگوں کی توجہ ہٹانے کی ترکیب فوراً ہی ٹیپو کے ذہن میں آگئی۔ اس نے دھوپ سے بچنے کے لیے گولف کیپ پہن رکھی تھی۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس نے قریب کی ایک جھاڑی سے لمبی سی شاخ توڑی اور ٹوپی سر سے اتار کر شاخ پر ٹانگ لی اور شاخ کو آہستہ آہستہ پتھر سے باہر نکالنے لگا۔ دور سے دیکھ کر یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ٹوپی پہنے ہوئے کوئی شخص پتھر کی آڑ سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔

ٹیپو کی یہ چال کامیاب رہی۔ کھنڈروں میں چھپے ہوئے حملہ آوروں نے وہ ٹوپی دیکھی تو وہ یہی سمجھے کہ کوئی شخص اس پتھر کی آڑ سے نکل رہا ہے۔ دو آٹومیٹک رائفلیں یکبارگی

تڑتڑا اٹھیں۔ فائرنگ کا رخ اسی ٹوپی کی طرف تھا۔

سکندر نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پتھر کے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ دس فٹ فاصلہ اس نے پلک جھپکنے کی دیر میں طے کر لیا لیکن حملہ آور بھی غالباً اس چال کو سمجھ گئے تھے کیونکہ دوسرے ہی لمحہ رائفلوں کا رخ دوسرے پتھر کی طرف ہو گیا تھا مگر سکندر کوئی نقصان اٹھائے بغیر دوسرے پتھر کے پیچھے پہنچ چکا تھا۔ اس سے آگے ایسے لاتعداد پتھر تھے جو اسے گولیوں کا نشانہ بننے سے بچا سکتے تھے۔ وہ سینے کے بل پتھروں کے پیچھے تیزی سے رینگتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

تقریباً پچاس گز آگے نکل کر وہ رکا اور محتاط انداز میں سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ حملہ آوروں میں سے ایک آدمی ایک شکستہ دیوار کی آڑ سے نکل کر دوسری طرف جا رہا تھا۔ سکندر نے گولی چلا دی۔ وہ شخص اچھل کر دیوار کی آڑ میں چلا گیا اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس نے سکندر پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ سکندر نے بھی یکے بعد دیگر دو فائر کر دیئے تھے۔

وہ آدمی ایک بار پھر اپنی جگہ سے نکل کر فائرنگ کرتا ہوا ایک طرف کو بھاگا۔ اس مرتبہ سکندر نے اس کا چہرہ دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کے لیے اجنبی تھا۔ کھنڈروں میں دوڑنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ غالباً وہ دونوں آدمی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

سکندر پتھروں کی آڑ سے نکل آیا اور کھنڈروں کی طرف دوڑنے لگا۔ اسے دیکھ کر نایاب اور ٹیپو بھی پتھر کی آڑ سے نکل کر دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے تھے۔

"بھاگ گئے۔" نایاب ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ بھاگ گئے لیکن پتہ نہیں وہ کون تھے۔" سکندر نے کہا۔

"ملک صاحب!" ٹیپو بولا۔ "وہ جو کوئی بھی تھے' انہوں نے انہی کھنڈروں میں کوئی پناہ گاہ بنا رکھی ہے۔ انہیں کھنڈروں سے باہر جاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا گیا۔"

"تم دیکھ رہے ہو' یہ کھنڈر کتنے لمبے چوڑے رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں ان کی پناہ گاہ تلاش کر لینا آسان نہیں ہوگا۔" سکندر بولا۔

"لیکن کوشش تو کی جا سکتی ہے۔" ٹیپو بولا۔

"ہم پہلے بھی دو گھنٹے تک کھنڈروں میں گھومتے رہے ہیں لیکن ہم کوئی سراغ نہیں لگا سکے تھے اور اب بھی کوئی ایسی کوشش کرنا بیکار ہے۔ اس کے لیے ہمیں کوئی دوسرا طریقہ

اختیار کرنا پڑے گا اور اب یہاں سے چلنا چاہیے۔ گرمی سے دماغ پلپلا ہو رہا ہے۔"

وہ لوگ پھر اسی طرف سے گزرے جہاں نایاب نے سنہرے سانپ کو پڑے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت اس نے مردہ سانپ کو اٹھا لیا تھا لیکن فائرنگ سے بچنے کے لیے وہ پناہ کے لیے پتھر کی طرف دوڑے تھے تو سانپ اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔ وہ اس جگہ رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ اچھل پڑی۔ ٹیپو اور ملک سکندر نے بھی وہ حیرت انگیز منظر دیکھ لیا تھا۔

سیاہ رنگ کا ایک کوبرا مردہ سنہرے سانپ کی گردن کو منہ میں دبوچے اسے گھسیٹتا ہوا ایک طرف لے جا رہا تھا۔ ٹیپو اور سکندر تو وہیں رک گئے مگر نایاب تیزی سے آگے بڑھی۔

"یہ کیا حماقت کر رہی ہو؟ پیچھے ہٹ جاؤ۔ کوبرے نے اگر تمہیں ڈس لیا تو....."

"کوبرا مجھے نہیں ڈسے گا سکندر بھائی۔" نایاب اس کی بات کاٹ کر آگے بڑھتی رہی۔

وہ کوبرے سے دو قدم کے فاصلے پر رک گئی۔ کوبرے نے سنہری سانپ کو چھوڑ دیا اور سر اوپر اٹھا کر پھن پھیلا لیا۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک پھنکار سی نکلی تھی لیکن وہ نایاب پر حملہ آور ہونے کے بجائے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ سکندر چند گز دور پستول تانے تیار کھڑا تھا کہ اگر کوبرا نایاب پر حملہ کرنے کی کوشش کرے تو گولی سے اس کا سر اڑا دے۔

نایاب گھٹنوں کے بل جھک گئی اور پھر جھکتے ہوئے آہستہ آہستہ ہاتھ بڑھا مردہ سنہرے سانپ کو اٹھا لیا۔ کوبرا اپنی جگہ پر بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ سنہرے سانپ کا سر کچلا ہوا تھا۔ یا اسے گولی سے اڑایا گیا تھا یا کسی بھاری پتھر سے کچل دیا گیا تھا۔ نایاب سانپ کے جسم کو ہاتھ سے سہلا رہی تھی۔ دفعتاً پھنکار کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔

سیاہ کوبرا پھنکارتے ہوئے پھن کو زمین پر مار رہا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ سنہرے سانپ کو نیچے رکھ دو۔

"اسے تہہ خانے میں ناگ ماتا کے پاس لے جانا چاہتے ہو۔" نایاب نے کوبرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کوبرا ایک بار پھر پھنکارا۔ "چلو۔ میں تھوڑی دور تک تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ کس طرف جانا ہے۔"

کوبرا ایک طرف رینگنے لگا۔ نایاب سنہری سانپ کو اٹھائے اس کے پیچھے پیچھے چلنے

لگی۔ ٹیپو اور ملک سکندر اپنی جگہ پر خاموش کھڑے دیکھتے رہے۔ سیاہ کوبرا تقریباً بیس گز آگے ایک بڑے پتھر کے پاس رک گیا۔ پتھر کے نیچے ایک بل نظر آ رہا تھا۔ کوبرے نے پھن پھیلا لیا اور ایک بار پھر پھنکارتے ہوئے زمین پر سر مارنے لگا۔ نایاب نے سنہرے سانپ کو زمین پر رکھ دیا۔ کوبرے نے نایاب کی طرف دیکھا اور سنہرے سانپ کی گردن اپنے منہ میں دبوچ لی اور اسے لے کر بل میں گھسنے لگا۔ وہ اس وقت تک وہاں گھٹنوں کے بل بیٹھی رہی، جب تک سنہرے سانپ کی دم بھی مکمل طور پر بل میں غائب نہیں ہو گئی اور جب وہ سیدھی ہوئی تو سکندر اور ٹیپو اس کے قریب کھڑے تھے۔

"مجھے بچو کی موت کا بہت افسوس ہے نایاب۔" سکندر نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ مجھے اس کی موت کا زندگی بھر افسوس رہے گا۔" نایاب نے افسردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ "اور میں جانتی ہوں اس کی موت کا ذمہ دار کون ہے۔ وہ اگر میرے ہاتھ لگ گیا تو میں اسے کچا چبا جاؤں گی۔"

"ہاں۔ اسے واقعی ایسی سزا دی جانی چاہیے کہ دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو۔ بہرحال اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔ گرمی بہت زیادہ ہو رہی ہے۔" ملک سکندر نے کہا۔

وہ تینوں ٹیلے سے اترنے لگے۔ ٹیپو نے صرف باتیں سنی تھیں کہ دنیا کے زہریلے ترین سانپ نایاب کے دوست ہیں۔ آج اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ سنہرا سانپ تو مر چکا تھا مگر وہ سیاہ کوبرا لگتا تھا جیسے وہ نایاب کا پالتو ہو۔

جب وہ ٹیلے سے اترے تو گاؤں کی طرف سے تین چار آدمی آتے ہوئے دکھائی دیے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں دو نالی بندوق تھی اور باقی آدمیوں نے لاٹھیاں اٹھا رکھی تھیں۔

"ملک جی۔ آپ لوگ ٹھیک تو ہیں نا؟" بندوق والے نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہم لوگ ٹھیک ہیں مگر تم لوگوں کو کیسے پتہ چلا کہ ہم لوگ ادھر آئے ہوئے ہیں؟" ملک سکندر نے پوچھا۔

"وہ جی بھائی شریف اس طرف کھیتوں میں کام کر رہا تھا۔ اس نے آپ لوگوں کو

کھنڈروں میں گھومتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور پھر فائرنگ ہونے لگی تو وہ کھیتوں میں چھپتا ہوا گاؤں پہنچ گئے۔ گولیاں چلنے کی آواز ہم لوگوں نے بھی سنی تھی لیکن توجہ نہیں دی تھی مگر جب شریف نے بتایا تو ہم اس طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ دوسرے لوگ بھی آرہے ہیں مگر وہ کون لوگ تھے ملک جی؟ گولیاں کیوں چلا رہے تھے؟"

"پتہ نہیں کون لوگ تھے۔ بھاگ گئے۔" ملک سکندر نے جواب دیا۔

وہ لوگ گاؤں کی طرف چلتے رہے۔ نہر کے قریب پہنچے تو انہیں کچھ اور لوگ نظر آگئے۔ ان میں بھی صرف ایک کے پاس بندوق تھی' باقیوں نے لاٹھیاں اٹھا رکھی تھیں۔

گاؤں میں داخل ہوئے تو کچھ اور لوگوں نے انہیں گھیر لیا۔ یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی تھی کہ بعض نامعلوم لوگوں نے کھنڈروں میں ملک سکندر اور نایاب کو فائرنگ کرکے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔

نایاب' ٹیپو اور سکندر ملک حویلی میں آگئے۔ گاؤں کی عورتیں ان کی خیریت معلوم کرنے کے لیے آرہی تھیں۔

حویلی میں کچھ دیر رکنے کے بعد نایاب اور ٹیپو حویلی سے نکل کر رابعہ کے مکان پر آگئے جہاں بڑے زور و شور سے کام ہو رہا تھا۔ نایاب کچھ دیر تک وہاں کھڑی کام کا جائزہ لیتی رہی' پھر گاؤں میں گھوم پھر کر مختلف لوگوں سے ملاقاتیں کرتی رہی۔ یعقوب اور رابعہ پرانی حویلی میں تھیں۔ اطلاع پا کر وہ بھی گاؤں آگئے۔ ان کے ساتھ روبی بھی تھی۔

وہ سب لوگ ملک صاحب کی حویلی کی بیٹھک میں جمع تھے۔ دوپہر کا کھانا بھی انہوں نے وہیں پر کھایا تھا اور پھر شام تک وہ لوگ حویلی ہی میں آرام کرتے رہے۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے کچھ دیر بعد ملک سکندر نے گاؤں کے پانچ چھ نوجوانوں کو بلا لیا۔ یہ سب کے سب کڑیل جوان تھے اور بڑے دل گردے والے تھے۔

"تم لوگ جانتے ہو کہ چند روز سے کھنڈرات میں کچھ پراسرار قسم کی سرگرمیاں دکھائی دے رہی ہیں۔" ملک سکندر نے ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آج صبح ہم لوگ ان کی تلاش میں کھنڈرات میں گئے تھے۔ فائرنگ کی آوازیں تم لوگوں نے بھی سنی ہوں گی لیکن وہ لوگ غائب ہو گئے۔ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے کھنڈروں ہی میں کوئی خفیہ پناہ گاہ بنا رکھی ہے۔ اب وہ لوگ دن کے وقت اس پناہ گاہ سے نکلنے کی حماقت نہیں کریں گے۔

البتہ وہ رات کے اندھیرے میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں گے۔"

"پر وہ ہیں کون لوگ ملک جی؟" ایک نوجوان نے پوچھا۔

"اگر یہ معلوم ہوتا تو رونا کس بات کا تھا۔" ملک سکندر نے جواب دیا۔ "ویسے سب لوگ جانتے ہیں کہ خزانے کی تلاش میں لوگ یہاں آتے رہے ہیں لیکن یہ لوگ جو کوئی بھی ہیں' انہیں صرف خزانے کی تلاش نہیں ہے۔ وہ ہمیں بھی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اگر انہیں صرف خزانے کی تلاش ہوتی تو ہمارے سامنے آنے کی کوشش نہ کرتے۔ انہوں نے ہم پر فائرنگ کرکے ہمیں ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ رات کے وقت ان کھنڈروں کی نگرانی کرکے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ کون لوگ ہیں اور ان کی خفیہ پناہ گاہ کہاں ہے؟"

"ویسے آپ کے خیال میں وہ کون ہو سکتے ہیں ملک جی؟" ایک اور نوجوان نے پوچھا۔

"مجھے شبہ ہے کہ وہ چودھری سعادت کے آدمی ہیں۔" سکندر نے جواب دیا۔

"اس کے بارے میں سنا تھا کہ وہ سرحد پار چلا گیا ہے۔ پھر یہ پتہ چلا کہ وہ ڈاکو ہیر سنگھ کے ساتھ ہمارے گاؤں پر حملہ کرنے والا ہے۔ تم سب لوگ اس رات گاؤں کی حفاظت کے لیے جاگتے رہے ہو لیکن وہ لوگ نہیں آئے۔ مجھے شبہ ہے کہ ہیر سنگھ نے کسی وجہ سے سعادت کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہوگا اور وہ اپنے ایک دو آدمیوں کو لے کر کھنڈروں میں چھپا ہوا ہے اور شاید کسی موقع کی تلاش میں ہے۔ سعادت اور ہمارا لڑکپن انہیں کھنڈروں میں کھیلتے ہوئے گزرا ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے کھنڈروں میں کوئی خفیہ ٹھکانہ تلاش کر لیا ہو جسے دوسروں سے پوشیدہ رکھا اور اب وہی جگہ اس کے کام آرہی ہو۔"

"ان کھنڈروں میں ہم بھی بہت گھومے ہیں ملک جی۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ وہاں کوئی ایسی جگہ ہوگی۔" اس نوجوان نے کہا۔

"ٹیلے پر پھیلے ہوئے کھنڈر اپنے اندر بہت سے اسرار چھپائے ہوئے ہیں۔" ملک سکندر نے جواب دیا۔ "یہاں صدیوں سے لوگ آتے جاتے رہے ہیں۔ کسی وقت کوئی چیز دریافت ہو جاتی ہے جو ہم سب لوگوں کے لیے حیرت انگیز ثابت ہوتی ہے۔ کیا تم میں سے کوئی سوچ سکتا ہے کہ برگد کے درخت کے پاس مندر والے چبوترے کے نیچے کوئی تہہ خانہ ہو سکتا ہے؟"

"ہم نے تو ایک بار نہیں کئی بار چبوترے کا ایک ایک انچ حصہ خوب ٹھونک بجا کر دیکھا ہے ملک جی۔ وہاں کوئی تہہ خانہ نہیں ہے۔" اس نوجوان نے کہا۔

"مگر اس چبوترے کے نیچے ایک بہت بڑا تہہ خانہ ہے۔" ملک سکندر نے کہا۔ "یہ نیچے اپنی دوست روبینہ کے ساتھ خزانہ تلاش کرنے ان کھنڈروں میں آیا تھا اور یہ کئی روز تک اسی چبوترے کے نیچے تہہ خانے میں چھپے رہے تھے اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ان کھنڈروں کے نیچے ایسے اور بھی خفیہ ٹھکانے موجود ہوں گے جن کے بارے میں ہم لوگ ابھی تک کچھ نہیں جان سکے۔"

"ایک بات کہوں ملک جی!" ایک اور نوجوان بولا۔ "وہ خوفناک سنہرا سانپ بھی انہی کھنڈروں میں کسی جگہ رہتا ہے اور وہ سنہرا سانپ چھوٹی بی بی کا دوست ہے۔ وہ بہت کچھ جانتا ہے اور چھوٹی بی بی کی باتوں کو سمجھتا ہے۔ چھوٹی بی بی اس سنہرے ناگ کے ذریعے یہ کیوں نہیں معلوم کر لیتیں کہ چودھری سعادت اور اس کے ساتھ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"ہیجو!" سکندر کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "وہ سنہرا سانپ مر گیا ہے۔"

"مر گیا ہے!" کئی آدمیوں کے منہ سے بیک وقت یہ الفاظ نکلے تھے۔

"ہاں۔" سکندر بولا۔ "آج صبح ہم کھنڈروں سے واپس آ رہے تھے تو ٹیلے پر وہ مردہ حالت میں پڑا ہوا ملا تھا۔ اس کا سر کچلا ہوا تھا۔ مجھے شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ وہ سنہری سانپ چودھری سعادت یا اس کے کسی آدمی کے ہاتھوں ہی موت کا شکار ہوا ہے۔ اس کی موت کے ساتھ ہی صرف نایاب ہی نہیں پورا گاؤں ایک بہت ہی اچھے اور قابل اعتماد حمایتی سے محروم ہو گیا ہے۔ اس لیے اب ہمیں پہلے سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"ہمیں کیا کرنا ہے ملک جی؟" ایک اور نوجوان نے پوچھا۔

"رات کو چھپ کر ان کھنڈرات کی نگرانی۔" ملک سکندر نے کہا۔ "تم لوگ کچھ اور آدمیوں کو ساتھ لے لو اور ٹیلے کے چاروں طرف پھیل کر کھنڈرات کی نگرانی کرو۔ وہ لوگ رات کو اپنی پناہ گاہ سے ضرور باہر نکلیں گے لیکن ایک بات یاد رکھنا' ہمارا مقصد انہیں مارنا نہیں ہے۔ وہ قانون کے مجرم ہیں لیکن ہم قانون کو ہاتھ میں نہیں لیں گے۔ ہمیں صرف اتنا کرنا ہے کہ کھنڈروں کی نگرانی کر کے ان کے ٹھکانے کا پتہ چلائیں اور اگر ممکن ہو تو

انہیں زندہ پکڑنے کی کوشش کریں۔"

"ٹھیک ہے ملک جی!" اس نوجوان نے کہا۔ "ہم آج رات ہی سے ان کھنڈروں کی نگرانی شروع کر دیتے ہیں۔ کیا ہم ابھی چلے جائیں؟"

"میرا خیال ہے دس بجے کے بعد جاؤ تو بہتر ہو گا۔ ابھی تو شام ہوئی ہے۔ وہ اتنی جلدی باہر آنے کی حماقت نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے ملک جی۔" اس نوجوان نے کہا۔ "ٹیلا بہت لمبا چوڑا ہے اور کھنڈرات بھی بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم چار چھ آدمی اور لے لیتے ہیں اور دس بجے کے قریب کھنڈروں کی طرف چل پڑیں گے۔"

"محتاط رہنا۔" ملک سکندر نے کہا۔ "وہ لوگ مسلح ہیں' کسی کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں ملک جی۔" اس نوجوان نے کہا۔ "ان کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہو گا کہ ہم کھنڈروں کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا کر باقی آدمیوں کو بھی جمع کر لو اور اپنی ڈیوٹی پر پہنچ جاؤ۔ میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"اچھا ملک جی۔ اب ہم چلتے ہیں۔" وہ نوجوان کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھی بھی اٹھ گئے۔

ان کے جانے کے بعد ملک سکندر اور ٹیپو بیٹھک میں اکیلے رہ گئے۔ رابعہ' نایاب اور رومی حویلی کے اندرونی حصے میں تھیں۔

"میں دیکھوں کھانا تیار ہوا ہے کہ نہیں۔ بھوک لگ رہی ہے۔" ملک سکندر کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

نایاب وغیرہ برآمدے ہی میں کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ سکینہ بھی وہیں تھی۔

"کیوں بھئی۔ آج کھانا وغیرہ نہیں کھانا کیا؟" ملک سکندر نے سکینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کھانا تو تیار ہے۔ آپ ہی گاؤں کے لوگوں کو جمع کیے بیٹھے تھے۔" سکینہ نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ کا کھانا بیٹھک ہی میں بھجوا دوں یا یہاں کھائیں گے؟"

"بیٹھک ہی میں بھجوا دو۔ میں اور ٹیپو وہیں کھانا کھائیں گے۔" سکندر کہتے ہوئے دوبارہ بیٹھک میں آگیا۔

تقریباً دس منٹ بعد رابعہ انہیں کھانا دے کر چلی گئی اور وہ دونوں کھانا کھانے لگے۔

"ملک صاحب۔" ٹیپو لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔

"ایک مرتبہ آپ نے کہا تھا کہ ان کھنڈروں کے نیچے واقعی کوئی خزانہ موجود ہے۔"

"اگر تمہیں خزانے کے بارے میں یقین نہ ہوتا تو تم یہاں کیوں آتے؟" ملک سکندر نے جواب دیا۔ "میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کھنڈروں کے نیچے ایک جگہ واقعی خزانہ موجود ہے اور وہ چند ہیرے جن کے بارے میں تم سن کر آئے تھے' اسی خزانے کا حصہ ہیں۔"

"یہی سب کچھ سوچتے ہوئے ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔" ٹیپو نے کہا۔ "چودھری سعادت اور اس کے ساتھی یا وہ جو کوئی بھی ہیں' ان کھنڈروں میں موجود ہیں۔ اگر وہ لوگ کسی طرح خزانے تک پہنچ گئے تو....."

"ایسا نہیں ہوگا۔" ملک سکندر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ ان کھنڈروں کے نیچے اندر ہی اندر کئی خفیہ سرنگیں ہیں۔ وہ لوگ چونکہ کھنڈروں کے نیچے کسی تہہ خانے میں چھپے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اندر ہی اندر کوئی راستہ بھی تلاش کر رہے ہوں اور عین ممکن ہے کوئی سرنگ انہیں خزانے والے تہہ خانے تک بھی لے جائے لیکن اس کے باوجود وہ خزانے تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ خزانے کی حفاظت کے لیے لاتعداد زہریلے ناگ موجود ہیں۔ وہ کسی کو خزانے کے قریب پھٹکنے بھی نہیں دیں گے۔"

"میری نظروں میں صورتحال پھر بھی مخدوش رہتی ہے۔" ٹیپو نے کہا۔ "سنہرے ناگ کا حشر آپ نے دیکھ لیا۔ اس کا سر کسی پتھر سے کچلا گیا ہے یا اسے گولی ماری گئی ہے۔ خزانے کے محافظ زہریلے ناگوں کو بھی دور ہی سے گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" ملک سکندر نے اسے گھورا۔

"میرا خیال ہے کہ خزانے کو وہاں سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دیا جائے۔" ٹیپو نے کہا۔

"تمہاری نیت تو ٹھیک ہے نا؟" ملک سکندر نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"میری نیت میں کوئی فتور نہیں آیا ملک صاحب۔" ٹیپو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ خزانے کی ہوس ہی مجھے یہاں لے کر آئی تھی لیکن یہاں آکر جو کچھ دیکھا' اس سے میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ مس نایاب کو اس خزانے سے صرف اس حد تک دلچسپی ہے کہ وہ اسے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہیں۔ آپ نے بھی اس کے ساتھ مل کر بہت سے منصوبے بنائے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کو لالچ ہوتا تو اب تک اس خزانے کا بہت سا حصہ نکال چکے ہوتے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ خزانہ ایسے لوگوں کی نظروں میں نہ آسکے جو....."

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔" سکندر نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن خزانہ وہاں سے نہیں نکالا جا سکتا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ کہ جب تک وہ لوگ کھنڈروں میں موجود ہیں' اس وقت تک ہم بھی اس طرف کا رخ نہیں کر سکتے۔ دوسری وجہ یہ کہ وہ خزانہ ایک دن میں نہیں نکالا جا سکتا۔ کئی دن لگ سکتے ہیں اور کئی آدمیوں کی ضرورت پڑے گی اور جب خزانہ وہاں سے نکالا جائے گا تو اس کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائے گی اور اس خزانے کی حفاظت ممکن نہیں رہے گی۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" ٹیپو کو اس کی تائید کرنی پڑی۔

"ویسے ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔" سکندر نے کہا اور پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے بولا۔ "تم وہ خزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہو؟"

"یہ بھی سچ ہے ملک صاحب!" ٹیپو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ لوگ کھنڈروں سے نکل جائیں تو تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دی جائے گی۔" ملک سکندر نے کہا۔

"آپ ٹیپو کی کونسی خواہش پوری کر رہے ہیں ملک جی؟" ان دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ روبی دروازے میں داخل ہو رہی تھی۔

"انسان کی خواہشیں تو بے شمار ہوتی ہیں لیکن ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔ ٹیپو نے بھی ایک ایسی خواہش کا اظہار کیا ہے جو فی الحال پوری نہیں ہو سکتی۔ بہرحال میں نے وعدہ تو کر لیا ہے۔ اب دیکھیں کیا ہوتا ہے۔" ملک سکندر نے جواب دیا۔

وہ دونوں کھانا کھا چکے تھے۔ روبی برتن اٹھا کر لے گئی۔ ٹیپو اور سکندر کچھ دیر باتیں

کرتے رہے اور پھر سکندر بیٹھک سے نکل کر برآمدے میں آگیا۔ نایاب وغیرہ بھی کھانا کھا چکی تھیں اور نایاب تو پرانی حویلی جانے کی تیاری کر رہی تھی۔

"اس وقت تم لوگ کہاں جاؤ گے۔ رات یہیں رہ جاؤ نا۔" سکندر نے کہا۔

"نہیں سکندر بھائی۔" نایاب نے جواب دیا۔ "ہمیں کونسا میلوں دور جانا ہے۔ پرانی حویلی چار قدم پر تو ہے اور پھر ہمارے پاس گاڑی بھی ہے۔ ہمیں وہاں پہنچنے میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہاری مرضی۔" سکندر نے کندھے اچکا دیئے۔

نایاب بڑے ملک صاحب سے ملنے ان کے کمرے میں گئی تو وہ سو چکے تھے۔ وہ واپس آئی اور پھر تقریباً دس منٹ بعد وہ لوگ حویلی سے نکل کر گلی میں کھڑی ہوئی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ رابعہ بھی ان کے ساتھ تھی۔

گاؤں کے کتوں نے کچھ دور تک گاڑی کا پیچھا کیا' پھر مایوس ہو کر رک گئے۔ گاڑی گاؤں سے باہر نکلی تو ہر طرف سناٹا تھا۔ روبی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"گاؤں کے لوگ کیسے زندگی گزارتے ہیں۔" وہ نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "کوئی دلچسپی نہیں ہے یہاں۔ نہ کوئی سینما' نہ ریسٹورنٹ' نہ کوئی اور تفریح۔ سرشام سناٹا چھا جاتا ہے۔"

"ان کی کھیتوں میں مصروفیت ہی ان کی زندگی کی سب سے بڑی تفریح ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "ان کے پاس شہر والوں کی طرح فالتو وقت نہیں ہوتا جسے سینما ہاؤسز اور ریستورانوں میں بیٹھ کر ضائع کریں۔ یہ اپنے حال میں خوش ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں اپنے کام کے علاوہ کسی اور بات سے دلچسپی نہیں ہے۔ یہ لوگ سرشام ہی گھروں میں آجاتے ہیں اور کھانا کھا کر جلد سو جاتے ہیں لیکن ان کی صبح اس وقت شروع ہو جاتی ہے جب شہر والے گہری نیند سو رہے ہوتے ہیں۔ ان کی محنت شہر والوں کی آسائشوں کا ذریعہ بنتی ہے۔"

"ہاں۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔" روبی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

نایاب خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہی۔ کچے راستے پر گاڑی ہچکولے کھا رہی تھی۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ پرانی حویلی کے سامنے پہنچ گئے۔

حویلی کا پھاٹک ابھی ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ اس کے لیے بہت وقت چاہیے تھا۔ البتہ راستے کی صفائی کر دی گئی تھی تاکہ آمد و رفت میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ ہاشم نام کا ایک آدمی لاٹھی لیے گیٹ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ نایاب گاڑی اندر لیتی چلی گئی۔ کمپاؤنڈ میں سے تمام جھاڑیاں وغیرہ صاف کر دی گئی تھیں۔ نایاب نے گاڑی برآمدے کے سامنے روک لی اور وہ سب نیچے اتر آئے۔ ہاشم بھی وہاں آگیا تھا۔

"ہاشم۔ تمہیں اکیلے میں ڈر تو نہیں لگ رہا تھا؟" نایاب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اکیلا کب تھا چھوٹی بی بی۔" ہاشم نے جواب دیا۔ "بابا کمال دین میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ باتوں میں وقت گزر گیا۔"

"بابا کمال دین۔" نایاب کے لہجے میں حیرت تھی۔ "یہ کون ہے۔ میں نے پہلی مرتبہ یہ نام سنا ہے۔"

"جانتا تو میں بھی نہیں اسے۔" ہاشم نے جواب دیا۔ "وہ ہمارے پنڈ کا ہے بھی نہیں۔ شام سے ذرا پہلے ادھر آیا تھا۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "کہتا تھا' عمرکوٹ کا رہنے والا ہوں۔ شاہ پور جا رہا ہوں۔ تھک کر یہاں میرے پاس بیٹھ گیا۔"

"عمرکوٹ یہاں سے بیس کوس پر ہے۔ کیا وہ پیدل آرہا تھا؟" نایاب نے پوچھا۔

"آہو جی۔" ہاشم نے جواب دیا۔ "چھوٹی بی بی گاؤں کے لوگ پیدل چلنے کے عادی ہوتے ہیں۔ میلوں پیدل چلتے ہیں۔"

"کہاں ہے وہ؟" نایاب نے پوچھا۔

"آپ کی گاڑی آتے دیکھ کر وہ چلا گیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ اسے جلدی شاہ پور پہنچنا ہے۔" ہاشم نے جواب دیا۔

"حیرت ہے۔" قریب کھڑی ہوئی روبی نے کہا۔ "وہ شام سے یہاں بیٹھا تھا اور اب اسے شاہ پور پہنچنے کی جلدی ہو رہی تھی۔"

"اس نے یہی کہا تھا بی بی جی۔" ہاشم نے جواب دیا۔

"تم اسے روک لیتے۔ میں اسے گاڑی پر....." نایاب کہتے ہوئے رک گئی۔ "ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔ میں سمجھ گئی' وہ کون تھا؟ بہرحال' اندر کوئی بتی وغیرہ جلائی ہے یا

نہیں؟"

"میں نے شام ہوتے ہی بتیاں جلا دی تھیں چھوٹی بی بی۔" ہاشم نے جواب دیا۔ "اوپر بھی دو جگہ پر لیمپ جلا کر رکھ دیئے ہیں اور نیچے بھی۔ دو تین جگہوں پر لیمپ جل رہے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" نایاب بولی۔ "گاڑی میں کھانا رکھا ہوا ہے۔ نکال کر کھا لو۔ سکینہ بھابھی نے تمہارے لیے کھانا باندھ دیا تھا۔ ابھی گرم ہی ہوگا۔"

ہاشم گاڑی میں رکھا ہوا کھانا نکالنے لگا اور نایاب وغیرہ اس دروازے کی طرف بڑھ گئیں جہاں اوپر جانے والا زینہ تھا۔

اوپر والے برآمدے میں زینے کے قریب ہی ایک پیٹرومیکس جل رہا تھا۔ دوسرا پیٹرومیکس برآمدے کے آخری سرے پر تھا۔ برآمدے میں کچھ کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ وہ لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"وہ بوڑھا کون تھا نایاب؟" روبی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کون سا بوڑھا؟" نایاب بولی۔

"وہی کمال دین۔ جس کے بارے میں ہاشم بتا رہا تھا اور تم کچھ کہتے کہتے رک گئی تھیں۔"

"ایسے ہی مجھے ایک خیال آگیا تھا۔" نایاب نے جواب دیا۔ "ایک بوڑھے نے میری گاؤں کی زندگی میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ تم اس کے بارے میں جان چکی ہو۔ وہ پراسرار بوڑھا ہر مشکل وقت پر ہمارے کام آیا ہے۔ پہلے تو میں اس کے بارے میں الجھن کا شکار رہی تھی کہ وہ کون ہے' پھر بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ سنہری ناگ بیجو تھا جو اس بوڑھے کے روپ میں ہماری مدد کو آجاتا تھا لیکن اب بیجو اس دنیا میں نہیں رہا۔ ہو سکتا ہے یہ بوڑھا کوئی اور ہو۔ ہو سکتا ہے اس کا تعلق بھی اسی برادری سے ہو اور ناگن دیوی نے اسے حویلی کی حفاظت کے لیے یہاں بھیج دیا ہو ورنہ یہ سوچنا ہی حماقت ہے کہ جو شخص شام سے یہاں بیٹھا رہا تھا' اسے اچانک شاہ پور جانے کی جلدی کیوں ہو گئی تھی۔ بقول ہاشم کے وہ بیس کوس کا فاصلہ طے کرکے آیا تھا۔ ایسے علاقوں میں تو رات کے وقت کسی اکیلے آدمی کے لیے سفر کرنا خطرناک ہوتا ہے۔ اس بوڑھے کو تو رات بھر کے لیے یہاں رک جانا

چاہیے تھا۔"

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔" روبی نے کہا۔ "لیکن کیا تمہارے خیال میں بیجو کے مرنے کے بعد صورتحال میں کوئی نمایاں تبدیلی آسکتی ہے؟"

"کیوں نہیں۔" نایاب نے جواب دیا۔ "پہلے تو بیجو کسی نہ کسی روپ میں ہماری مدد کے لیے ہر جگہ پہنچ جایا کرتا تھا لیکن اب وہ نہیں رہا تو صورتحال میں تبدیلی ضرور آئے گی۔"

"لیکن ناگن ملکہ نے کسی اور کو ہماری حفاظت کے لیے بھیج دیا ہے۔" روبی نے کہا۔ "کیا یہ بوڑھا ہماری حفاظت نہیں کرے گا۔"

"میں نے تو محض ایک خیال ظاہر کیا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "اس بوڑھے کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کون ہے۔"

"تمہارے خیال میں بیجو کو کس نے مارا ہوگا۔" روبی نے پوچھا۔

"کھنڈروں میں موجود لوگوں نے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "اگر وہ سعادت اور اس کے ساتھی ہیں اور اگر سعادت کو بیجو کے مرنے کا پتہ چل گیا ہے تو وہ کھل کر سامنے آنے کی کوشش کرے گا کیونکہ بیجو ہی اس کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اس طرح ہمیں پہلے سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"یہ بات تو تم ٹھیک کہتی ہو۔" روبی نے کہا۔ "لیکن کیا ان حالات میں ہمارا حویلی میں رہنا خطرناک نہیں ہوگا جبکہ یہاں ہماری حفاظت کا بھی کوئی بندوبست نہیں ہے۔ صرف نیچے کے پاس پستول ہے اور اس میں بھی زیادہ سے زیادہ چار پانچ گولیاں ہوں گی۔ اگر کسی نے حویلی پر حملہ کر دیا تو ہم اپنا دفاع نہیں کر سکیں گے۔"

"لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ حویلی اب بھی ہمارے لیے محفوظ ہے۔" نایاب نے جواب دیا۔ "سب لوگ جان چکے ہیں کہ یہ حویلی آسیب زدہ ہے۔ چودھری سعادت اور اس کے ساتھیوں کو اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔ اس لیے ان میں سے کوئی بھی حویلی کا رخ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔" روبی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی۔ تم لوگوں کو سونا ہے یا رات یہیں بیٹھے بیٹھے گزار دو گی۔" رابعہ نے

ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نیند ہی نہیں آرہی۔" روبی نے جواب دیا۔ "تمہیں نیند آرہی ہے تو کمرے میں جا کر سو جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ باتیں کرتے رہو۔ میں تو سونے جا رہی ہوں۔" رابعہ کہتے ہوئے اٹھ کر ایک کمرے میں چلی گئی۔

ٹیپو اور روبی پہلی رات گراؤنڈ فلور کے ایک کمرے میں سوئے تھے لیکن آدھی رات کو اس ڈھانچے کی وجہ سے اٹھ کر اوپر آگئے تھے۔ اس کے بعد سب کے لیے اوپر ہی کی منزل پر سونے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایک کمرہ نایاب کے پاس تھا' دوسرے کمرے میں روبی اور رابعہ کے لیے بستر لگا دیئے گئے تھے اور ایک کمرہ ٹیپو کو دے دیا گیا تھا۔

رابعہ کمرے میں چلی گئی لیکن روبی اور نایاب کرسیوں پر بیٹھی رہیں۔ ٹیپو محراب کی منڈیر پر بیٹھا سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے تاریکی میں گھور رہا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ روبی کو بھی جمائیاں آنے لگیں۔ وہ بھی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ نایاب بھی اٹھ گئی۔ البتہ ٹیپو محراب کی منڈیر پر بیٹھا تاریکی میں گھورتا رہا لیکن بالآخر وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

قسط نمبر 28

وہ آٹھ آدمی تھے اور سب کے پاس ڈبل بیرل بندوقیں تھیں۔ وہ دو دو کی ٹولیوں میں کھنڈروں کے چاروں طرف پھیل گئے۔ ملک سکندر نے انہیں واضح طور پر یہ ہدایت کر دی تھی کہ اگر وہ کھنڈروں میں کسی قسم کی نقل و حرکت دیکھیں تو بہت محتاط انداز میں قریب جا کر ان لوگوں کے گھیرنے کی کوشش کریں۔ ان کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ان میں سے کسی کو زندہ پکڑا جائے۔

عرفان اور سلیمان ٹیلے کے مشرق کی طرف تھے۔ ان دونوں کے پاس بھی ڈبل بیرل بندوقیں تھیں۔ عرفان کے پاس ٹارچ بھی تھی لیکن اس نے ٹارچ روشن نہیں کی تھی۔ وہ تاریکی میں آہستہ آہستہ ٹیلے پر چڑھ رہے تھے۔ ٹیلے پر اس طرف کثیر تعداد میں بیول کی جھاڑیاں تھیں۔ انہیں چلنے میں دشواری تو پیش آرہی تھی لیکن ان جھاڑیوں کا انہیں یہ

فائدہ ضرور ہوا تھا کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں کی نگاہوں سے چھپائے ہوئے تھے۔

وہ دونوں ایک شکستہ کھنڈر کے پاس رک گئے۔ یہ الگ تھلگ کھنڈر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ یہ غالباً تین چار کمروں کا مکان رہا ہوگا۔ صرف ایک کمرہ ایسا تھا جس کی تین دیواریں اب بھی کھڑی تھیں۔ باقی تمام کمروں کی دیواریں ملبے کا ڈھیر بن چکی تھیں۔

وہ دونوں اینٹوں کے ڈھیر کے پیچھے بیٹھ گئے۔ وقت آہستہ آہستہ رینگ رہا تھا۔ وہ آپس میں بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مبادا ان کی آواز کہیں سن نہ لی جائے۔ وہ تاریکی میں بیٹھے کھنڈروں کو گھورتے رہے۔

اس وقت شاید رات کا ایک بجا تھا۔ سلیمان کو نیند آنے لگی تھی۔ وہ بار بار اونگھ رہا تھا لیکن عرفان پوری طرح بیدار تھا اور چاق و چوبند بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت سلیمان اونگھ رہا تھا۔ عرفان نے اسے جگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

دفعتاً" وہ ایک آہٹ سن کر چونک گیا۔ آواز ایسی تھی جیسے کوئی چھوٹا پتھر کہیں سے لڑھکا ہو۔ عرفان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھورنے لگا لیکن کھنڈروں کی شکستہ دیواروں کے سوا اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

چند منٹ گزر گئے۔ پتھر لڑھکنے کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ یہ آواز پہلی جگہ سے کچھ فاصلے پر سنائی دی تھی۔ عرفان اس طرف گھورنے لگا اور اسے ایک بار پھر چونک جانا پڑا۔ تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک متحرک ہیولہ دکھائی دیا تھا۔

عرفان نے بڑی آہستگی سے سلیمان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلا دیا۔

"ٹک..... کیا ہوا..... کون ہے؟" سلیمان گڑبڑا گیا۔

"آہستہ بولو۔" عرفان نے سرگوشی کی۔ "ادھر کھنڈروں میں کوئی موجود ہے۔"

سلیمان ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے بندوق کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور تاریکی میں گھورنے لگا۔

عرفان بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ہیولہ تاریکی میں کہیں غائب ہو گیا تھا لیکن چند سیکنڈ بعد وہ دوبارہ دکھائی دیا۔

"وہ دیکھو اس طرف۔" عرفان نے اشارہ کیا۔

اب سلیمان نے بھی وہ انسانی ہیولہ دیکھ لیا تھا۔ وہ اکیلا ہی تھا اور محتاط انداز میں

کھنڈروں میں ایک طرف چل رہا تھا اور پھر وہ کھنڈروں میں غائب ہو گیا۔

"کیا خیال ہے۔ اس کا پیچھا کیا جائے۔" سلیمان نے سرگوشی کی۔

"ہاں ہاں۔ اسی لیے تو ہم یہاں آئے ہیں۔" سلیمان نے کہا۔

ان دونوں نے اپنی اپنی بندوقیں سنبھال لیں اور رینگتے ہوئے ان کھنڈروں کی طرف بڑھنے لگے جہاں انہوں نے اس انسانی ہیولے کو دیکھا تھا۔

وہ اس وقت کھلی جگہ پر تھے۔ کھڑے ہو کر چلنا مناسب نہیں تھا' اس لیے رینگ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ سو گز کا فاصلہ انہوں نے تقریباً دس منٹ میں طے کیا۔

اب وہ کھنڈروں میں پہنچ گئے تھے۔ ادھر ادھر انہیں شکستہ دیواروں کی آڑ حاصل تھی۔ اسی لیے وہ اٹھ کھڑے ہو گئے اور چاروں طرف دیکھنے لگے۔

"اس آدمی کو میں نے اس جگہ پر دیکھا تھا۔" عرفان نے کہا۔

"وہ یہاں بیٹھا ہمارا انتظار نہیں کر رہا ہوگا۔" سلیمان بولا۔ "اس طرف دیکھتے ہیں۔ میرے ساتھ ساتھ رہنا۔ تم اس طرف نظر رکھو اور میں اس طرف دیکھتا ہوں۔"

وہ دونوں بندوقیں سنبھالے چلتے رہے۔ ایک کھنڈر سے نکل کر وہ دوسرے کھنڈر میں آگئے لیکن انہیں کوئی ذی روح دکھائی نہیں دیا۔

"کہاں غائب ہو گیا۔" سلیمان بڑبڑایا۔

"یہیں کہیں ہوگا۔ آؤ اس طرف چلتے ہیں۔" عرفان نے ایک طرف اشارہ کیا۔

ابھی انہوں نے دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ بائیں طرف سے کسی پتھر کے لڑھکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دونوں چونک گئے۔ چند سیکنڈ تک اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ محتاط انداز میں اس طرف بڑھنے لگے جس طرف سے پتھر لڑھکنے کی آواز سنائی دی تھی۔ ابھی وہ چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ عقب میں ایک غراہٹ سن کر وہ دونوں اچھل پڑے۔

"اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا ورنہ دونوں کی کھوپڑیاں اڑ جائیں گی۔"

"تم لوگ کون ہو۔ ہماری کھوپڑیاں کیوں اڑاؤ گے؟" عرفان نے کہا۔ اس کی آواز میں خوف کا ہلکا سا تاثر تھا۔

"ہم وہ ہیں جن کی تمہیں تلاش ہے۔" وہی آواز سنائی دی۔ "اپنی بندوقیں پھینک دو

اور ہماری طرف گھوم جاؤ۔"

عرفان اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ دو آدمی تھے۔ اس نے بندوق پھینک دی۔ اس کی تقلید کرتے ہوئے سلیمان نے بھی بندوق پھینک دی اور وہ دونوں گھوم گئے۔

وہ دو آدمی تھے اور دونوں کے پاس آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔

"ہمیں اسی وقت پتہ چل گیا تھا جب تم لوگ ٹیلے کی طرف آئے تھے۔" ان میں سے ایک آدمی نے کہا۔ "پتھر لڑھکا کر جان بوجھ کر آواز پیدا کی گئی تھی تاکہ تم لوگوں کو متوجہ کیا جا سکے۔ تم لوگ آٹھ آدمی ہوں۔ ابھی تو ہم نے تم دونوں کو قابو کیا ہے۔ آہستہ آہستہ تمہارے دوسرے ساتھیوں کو بھی گرفت میں لے لیا جائے گا۔ اس طرف چلو۔ تم لوگوں کو ہمارے خفیہ ٹھکانے کی تلاش تھی نا.....؟ ہم پہلے تمہیں وہیں پہنچائیں گے اور بعد میں تمہارے باقی ساتھیوں کو بھی وہیں لے جایا جائے گا۔ چلو اس طرف۔"

بات کرنے والے شخص کے دوسرے ساتھی نے ان کی بندوقیں اٹھا لی تھیں۔ عرفان نے محسوس کیا کہ وہ شخص فوری طور پر اپنی رائفل استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ دوسرا آدمی ان پر رائفل تانے ہوئے تھا۔ اس آدمی نے رائفل سے انہیں ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ عرفان نے پہلا قدم اٹھاتے ہی بڑی تیزی سے گھوم کر لات چلا دی۔

اس کے پیر کی ٹھوکر رائفل پر لگی۔ وہ شخص گڑبڑا گیا۔ اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہی رائفل کا ٹرائیگر دب گیا تھا۔ ویران کھنڈر فائر کی آواز سے گونج اٹھے۔ رائفل کا رخ اس وقت اس شخص کے دوسرے ساتھی کی طرف تھا۔ گولی اس کے سر میں لگی اور کھوپڑی کے پرخچے اڑاتی ہوئی نکل گئی۔ اس کے منہ سے صرف ایک چیخ نکلی تھی۔ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

رائفل بردار بری طرح بدحواس ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ صورتحال کو سمجھ سکتا' سلیمان نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ وہ اس شخص سے رائفل چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی کشمکش میں ایک اور فائر ہو گیا۔ اس مرتبہ گولی سلیمان کے بازو میں لگی اور گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی۔ سلیمان کے منہ سے بھی ایک خوفناک چیخ نکل گئی تھی۔

رائفل بردار نے ایک زوردار جھٹکا دے کر اپنے آپ کو سلیمان سے الگ کیا لیکن اسی وقت عرفان نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ چھینا جھپٹی میں رائفل ان دونوں کے ہاتھ سے

نکل کر دور جا گری۔ اس شخص نے عرفان کی ناک پر سر سے زوردار ٹکر مار دی۔ عرفان کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ اس کے ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔ اس شخص نے موقع پا کر اپنے آپ کو عرفان کی گرفت سے چھڑا لیا اور ایک طرف کو بھاگ نکلا۔

اسی وقت چاروں طرف سے فائرنگ کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ یہ ڈبل بیرل بندوق کے فائر کی آوازیں تھیں۔ اس کے ساتھ ہی عرفان کو اپنے ساتھیوں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ وہ لوگ ایک دوسرے کے نام پکارتے ہوئے کھنڈروں میں دوڑ رہے تھے۔

سلیمان نے چیخ چیخ کر انہیں بتایا کہ وہ کہاں ہے۔ اس نے جھک کر ایک رائفل اٹھا لی اور دو تین ہوائی فائر کر دیئے۔ اس کے بازو سے خون بہہ رہا تھا لیکن وہ تکلیف برداشت کیے ہوئے تھا۔ عرفان زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ سر کی ٹکر سے اس کا دماغ بری طرح جھنجھنا اٹھا تھا۔

سلیمان اگرچہ خود زخمی تھا لیکن وہ عرفان کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عرفان بار بار سر جھٹک رہا تھا۔

کھنڈروں میں چاروں طرف سے بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور پھر فقیر حسین کی آواز سنائی دی۔

عرفان' سلیمان' حامد علی..... تم لوگ کہاں ہو؟"

"ہم یہاں ہیں فقیر حسین۔" سلیمان نے چیخ کر جواب دیا اور ٹارچ جلا کر اس کی روشنی سے اپنی جگہ کی نشاندہی کرنے لگا۔

تقریباً تین منٹ بعد وہ سب لوگ وہاں جمع ہو چکے تھے۔ سب کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں اور سب ہی نے بندوقیں بھی سنبھال رکھی تھیں۔

"کیا ہوا؟ تم دونوں زخمی ہو۔ وہ لوگ کون تھے؟" فقیر حسین نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک تو یہ پڑا ہے اور دوسرا بھاگ گیا۔" سلیمان نے چند قدم دور پڑی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

ان میں سے کسی نے ابھی تک لاش کو نہیں دیکھا تھا۔ فقیر حسین نے ٹارچ کی روشنی

لاش پر ڈالی تو خادم علی اچھل پڑا۔

"یہ تو داؤد ہے۔ حسن آباد والے ماچھی فرید کا بیٹا۔"

"دوسرا کون تھا؟" فقیر حسین نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ ہم اندھیرے میں اس کی شکل نہیں دیکھ سکے تھے۔" سلیمان نے جواب دیا۔

"خادم علی۔" فقیر حسین بولا۔ "ان دونوں کا خون بہہ رہا ہے۔ تم انہیں لے کر گاؤں چلے جاؤ اور ملک جی کو اس لاش کے بارے میں بھی بتا دو۔ وہ مناسب سمجھیں گے تو ابھی کسی کو تھانے بھیج دیں گے ورنہ لاش صبح تک یہاں پڑی رہے گی۔"

"ابھی پولیس کو اطلاع دے بھی دیں تو لاش ویسے بھی صبح تک یہیں پڑی رہے گی۔ بہرحال میں انہیں لے کر گاؤں جا رہا ہوں۔" خادم علی نے جواب دیا اور پھر وہ ان دونوں کو لے کر تیزی سے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

ان کے جانے کے بعد فقیر حسین اور اس کے ساتھی گھوم پھر کر داؤد کے دوسرے ساتھی یا ان کے ٹھکانے کو تلاش کرنے لگے۔ ان سب کے پاس ٹارچیں تھیں جو انہوں نے روشن کر رکھی تھیں۔

تقریباً چالیس منٹ بعد وہ لوگ کھنڈروں میں گھوم پھر کر دوبارہ اس جگہ پر آئے تو داؤد کی لاش غائب تھی۔

"لاش کہاں گئی؟" فقیر حسین ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہیں پڑی تھی....." احمد دین نے کہا۔ "یہ دیکھو۔ زمین پر خون پڑا ہوا ہے۔"

"یہ تو ہو نہیں سکتا کہ لاش خود اٹھ کر کہیں چلی گئی ہو۔" فقیر حسین نے کہا۔ "لاش غائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بھی آس پاس ہی کہیں موجود ہیں۔ ان کا خفیہ ٹھکانہ بھی یہیں کہیں ہے۔ ہم لوگ جیسے ہی یہاں سے ہٹے' وہ لوگ لاش اٹھا کر غائب ہو گئے۔ تلاش کرو۔ لاش کے سر سے ٹپکنے والے خون سے ان کے ٹھکانے کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔"

وہ لوگ ٹارچوں کی روشنی میں ایک بار پھر قرب و جوار کا علاقہ چیک کرنے لگے لیکن کوئی سراغ نہیں لگا سکے۔ انہیں کسی جگہ خون بھی نظر نہیں آیا تھا۔

"وہ ہیں کہیں آس پاس ہی۔" فقیر حسین بولا۔ "اب یہی ہو سکتا ہے کہ دو آدمی یہاں رک کر نگرانی کریں۔ ہم لوگ گاؤں جا رہے ہیں تاکہ ملک جی کو اس نئی صورتحال سے آگاہ کر سکیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر نذیر اور اصغر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم دونوں یہیں رک جاؤ۔ کسی ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ جانا جہاں وہ لوگ تمہیں نہ دیکھ سکیں۔"

"ٹھیک ہے بھائی فقیر حسین۔" نذیر نے جواب دیا۔

وہ پانچوں اس جگہ سے باہر آگئے۔ نذیر اور اصغر چند قدم چلنے کے بعد رک گئے اور فقیر حسین اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ٹیلے سے اترنے لگا۔

وہ لوگ آدھے گھنٹے میں گاؤں پہنچ گئے۔ خادم علی' عرفان اور سلیمان ملک سکندر کی حویلی کی بیٹھک میں تھے۔ ڈاکٹر احمد بھی تھا جسے ملک سکندر نے بلوا لیا تھا۔ وہ اس وقت سلیمان کے بازو کی ڈریسنگ کر رہا تھا۔

"ملک جی۔" فقیر حسین نے کہا۔ "آپ نے پولیس کو اطلاع دینے کے لیے شاہ پور کوئی بندہ بھیجا ہے یا نہیں؟"

"ابھی نہیں۔" ملک سکندر نے جواب دیا۔ "تین بجنے والے ہیں۔ اس وقت کون جائے گا۔ دن چڑھنے دو' میں خود چلا جاؤں گا مگر تم لوگ واپس کیوں آگئے؟"

"وہاں تو کہانی ہی دوسری ہو گئی ہے ملک جی۔ داؤد کی لاش وہاں سے غائب ہو گئی ہے۔" فقیر حسین نے کہا۔

"کیا؟" ملک سکندر اچھل پڑا۔

فقیر حسین اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "میں نذیر اور اصغر کو وہاں چھوڑ آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم لوگ تھوڑی دیر میں چلتے ہیں۔" ملک سکندر نے جواب دیا۔

وہ لوگ بیٹھے صورتحال پر تبصرہ کرتے رہے اور پھر پانچ بجے کے قریب وہ سب لوگ گاؤں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اس وقت دن کی ہلکی سی روشنی پھیل رہی تھی۔

جب وہ کھنڈروں میں پہنچے تو انہیں ایک نئی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ نذیر اور اصغر ایک جگہ بے ہوش پڑے ہوئے تھے اور ان سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر ایک جگہ فرش

پر ایک خلا نظر آرہا تھا۔ ایک بڑا سا پتھر اس خلا کے قریب پڑا ہوا تھا۔ رات کو تلاشی کے دوران انہوں نے یہ خلا نہیں دیکھا تھا۔

دو آدمی بندوقیں لے کر اس خلا میں اتر گئے اور پھر انہوں نے چیخ کر دوسروں کو بھی بلا لیا۔

یہ ایک لمبا چوڑا تہہ خانہ تھا جسے دیکھ کر لگتا تھا کہ کچھ لوگ بڑی عجلت میں یہاں سے بھاگے ہیں۔ فرش پر چار چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک ہوائی چپل پڑی ہوئی تھی اور بند خوراک کے کئی ڈبے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف پتھر رکھ کر چولہا بنایا گیا تھا جس میں جلی ہوئی لکڑیاں اور راکھ جمع تھی اور کمرے کے ایک کونے میں ایک لاش بھی پڑی ہوئی تھی۔

وہ داؤد کی لاش تھی۔

فصل 29

تہہ خانہ خاصا وسیع و عریض تھا۔ اس میں کسی اور طرف نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور حیرت کی بات تھی کہ ہر طرف سے بند ہونے کے باوجود یہاں گھٹن کا معمولی سا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ چولہے میں جلی ہوئی لکڑیوں سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ یہاں آگ بھی جلائی جاتی تھی۔ دھواں بھی ہوتا ہوگا لیکن دھواں بھی پراسرار طور پر کہیں غائب ہو جاتا تھا۔

ملک سکندر' نایاب کے ساتھ ان کھنڈروں کے نیچے کئی تہہ خانوں میں گھوم چکا تھا اور اسے کسی تہہ خانے میں گھٹن کا احساس نہیں ہوا تھا بلکہ یہ احساس ہوتا رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرف سے تازہ ہوا اندر آرہی ہے اور اس تہہ خانے میں بھی یہی صورتحال تھی۔ کسی پراسرار راستے سے یہاں تازہ ہوا کی آمد و رفت ہو رہی تھی۔

اس تہہ خانے میں موجود بعض چیزوں سے یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ یہاں چودھری سعادت بھی رہ رہا تھا۔ ایک مخصوص برانڈ کے سگریٹ پورے گاؤں میں وہی پیتا تھا اور اس تہہ خانے میں اس برانڈ کے کئی خالی پیکٹ پڑے ہوئے تھے۔

"اب اس لاش کا کیا کرنا ہے ملک جی؟" فقیر حسین نے لاش کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہا۔

"ہم نے لاش کا کیا کرنا ہے۔" ملک سکندر نے جواب دیا۔ "سگریٹ کے ان خالی پیکٹوں سے یہ تو ثابت ہو گیا ہے کہ چودھری سعادت یہاں موجود تھا۔ وہ ہمارے آدمیوں کو بے ہوش کر کے یہاں سے بھاگ گئے ہیں اور تہہ خانے کا راستہ جان بوجھ کر کھلا چھوڑ گئے ہیں تاکہ ہم لاش دریافت کر لیں۔ اب ان کے یہاں واپس آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب ہمیں یہی کرنا ہوگا کہ دو تین آدمی یہاں رہیں اور باقی گاؤں چلے چلیں۔ میں شاہ پور تھانے جا کر اطلاع دے دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ملک جی۔ ایسا ہی کرتے ہیں۔" فقیر حسین نے کہا۔

تین آدمیوں کو وہاں چھوڑ دیا گیا اور باقی ملک سکندر کے ساتھ گاؤں آ گئے۔ اس وقت دھوپ نکل چکی تھی۔ ملک سکندر نے گھر پہنچ کر ناشتہ کیا اور کار پر شاہ پور کی طرف روانہ ہو گیا۔

○

نایاب رات کو دیر سے سوئی تھی' اس لیے صبح دیر تک بستر پر پڑی رہی۔ روبی بھی اپنے کمرے میں ابھی تک سو رہی تھی۔ البتہ رابعہ صبح جلدی اٹھ گئی تھی۔

نایاب نے آنکھیں کھول کر کروٹ بدلی تو رابعہ چائے کا کپ لیے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

"میں تو یہ سوچ کر آئی تھی کہ اگر اب بھی تم نہ اٹھیں تو پانی کا پورا جگ تمہارے اوپر انڈیل دوں گی۔" رابعہ نے چائے کا کپ بیڈ کے قریب چھوٹی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"رات کو تم تو جلدی سو گئی تھیں لیکن ہم دیر تک جاگتے رہے تھے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ظاہر ہے دیر سے سوئیں گے تو دیر سے ہی جاگیں گے۔" اس نے اٹھ کر گلاس میں پانی انڈیلا اور کمرے سے باہر برآمدے میں جا کر ایک دو کلیاں کیں اور وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔ "رابعہ چائے یہیں لے آؤ۔ باہر تازہ ہوا اچھی لگ رہی ہے۔"

رابعہ چائے کا کپ اٹھا کر باہر لے آئی۔ اس نے کپ نایاب کے ہاتھ میں تھما دیا اور خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد روبی بھی باہر آ گئی۔ رابعہ اس کے لیے بھی

چائے لے آئی۔

نو بجے کے قریب انہوں نے ناشتہ بھی برآمدے ہی میں بیٹھ کر کیا۔ وہ ناشتے سے فارغ ہوئی ہی تھیں کہ گاؤں سے شہر کی طرف جانے والی سڑک پر ملک سکندر کی گاڑی دکھائی دی۔ وہ گاڑی اس کچے راستے کے موڑ پر رک گئی جو اس حویلی کی طرف آتا تھا۔ ایک آدمی نیچے اترا اور گاڑی آگے روانہ ہو گئی۔ نایاب گہری نظروں سے اس آدمی کی طرف دیکھ رہی تھی جو گاڑی سے اترنے کے بعد حویلی کی طرف آ رہا تھا۔

"یہ تو قیوم ہے۔" قریب بیٹھی ہوئی رابعہ نے کہا اور اٹھ کر محراب کی منڈیر کے قریب کھڑی ہو گئی۔

نایاب بھی اپنی جگہ پر بیٹھی اس طرف دیکھتی رہی۔ قیوم تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آ رہا تھا۔ تقریباً پانچ سو گز کا فاصلہ طے کرنے میں اسے بارہ تیرہ منٹ لگ گئے۔ ٹیلے پر پہنچ کر وہ درختوں کی آڑ میں ہو کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ مزید تین منٹ گزر گئے اور پھر وہ سیڑھیاں چڑھ کر سامنے آ گیا۔

"کیا بات ہے قیوم؟" رابعہ بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ گاؤں میں خیریت تو ہے نا؟"

"گاؤں میں تو خیریت ہے مگر کھنڈروں میں گزشتہ رات سے کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔" قیوم نے جواب دیا۔

"کیسی گڑبڑ؟" اس مرتبہ نایاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کو معلوم ہے چھوٹی بی بی۔" قیوم اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کل رات کھنڈروں میں پہرے کا پروگرام بنا تھا۔ آٹھ آدمی وہاں پہرہ دینے گئے تھے۔ ان میں سلیمان اور عرفان بھی تھے۔ ان دونوں کا ان لوگوں سے سامنا ہو گیا جن کی ہمیں تلاش تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "ملک جی تھانے گئے ہیں اس لاش کے بارے میں اطلاع دینے۔"

"وہ لاش کس کی ہے؟ کون تھا وہ؟" نایاب نے پوچھا۔

"حسن آباد کے ماچھی فرید کا بیٹا داؤد۔" قیوم نے جواب دیا۔ "وہ شروع ہی سے آوارہ تھا جی! اپنے ہی گاؤں میں کئی مرتبہ چوریاں کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ گاؤں والے

بوڑھے ماچھی فرید کا لحاظ کرکے اسے معاف کرتے رہے۔ آخری مرتبہ اس نے چودھری کی بھینس چرا لی تھی لیکن پکڑا گیا تھا۔ چودھری تو اسے پولیس کے حوالے کرنے پر تلا ہوا تھا مگر ماچھی فرید کی منت سماجت اور دوسرے بزرگوں کے کہنے پر چودھری نے اسے پولیس کے حوالے تو نہیں کیا البتہ گاؤں سے نکال دیا تھا۔ وہ کچھ عرصہ کمال پور میں رہا' پھر پتہ نہیں کب چودھری سعادت کے ہتھے چڑھ گیا اور بالآخر اپنے انجام کو پہنچ گیا۔"

"برے لوگوں کا انجام تو برا ہی ہوتا ہے۔" نایاب نے کہا۔ "کچھ پتہ چلا کہ سعادت اور اس کے ساتھی کہاں گئے ہیں؟"

"نہیں چھوٹی بی بی۔" قیوم نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تم یہاں رہو گے یا گاؤں واپس جاؤ گے۔" نایاب نے پوچھا۔

"میں تو آپ کو صرف یہی بتانے آیا تھا۔ اگر کوئی کام ہو تو میں رک جاؤں۔" قیوم بولا۔

"نہیں' یہاں تمہارا کوئی کام نہیں ہے۔ میں بھی گاؤں جا رہی ہوں۔ تم بھی ساتھ ہی چلو۔" نایاب کہتے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ تیار ہو کر باہر نکلی۔ رابعہ اور روبی بھی اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی تھیں۔

"میں بھی چلتا ہوں۔" ٹیپو بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "مجھے آپ اس راستے پر چھوڑ دیں۔ ذرا شاہ پور جانا چاہتا ہوں۔"

وہ سب کار میں لد گئے۔ نایاب نے کار حویلی سے نکال کر سڑک والے راستے پر ڈال دی۔ دو تین منٹ بعد اس نے کار گاؤں والی سڑک پر روک لی۔ ٹیپو وہیں اتر گیا۔ اسی وقت گاؤں کی طرف سے ایک موٹر سائیکل سوار آتا دکھائی دیا۔ ٹیپو نے اشارے سے اسے روک لیا اور اس کے ساتھ شاہ پور کی طرف روانہ ہو گیا۔

نایاب وغیرہ کو گاؤں پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ ملک صاحب کی حویلی میں بہت سی عورتیں جمع تھیں۔ کچھ عرصہ سے ملک صاحب کی حویلی ہی گاؤں والوں کی سرگرمیوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

ساڑھے گیارہ بجے کسی نے بتایا کہ پولیس کی جیپ اور ملک سکندر کی کار گاؤں کے باہر

والے راستے سے کھنڈروں والے ٹیلے کی طرف گئی ہے۔ نایاب بھی حویلی سے نکل کر کار میں بیٹھ گئی۔ روبی بھی اس کے ساتھ تھی۔

تقریباً دس منٹ میں وہ ٹیلے کے پاس پہنچ گئی اور اپنی کار پولیس کی جیپ کے پیچھے روک لی۔ چند پولیس والے جیپ اور ملک سکندر کی کار سے اتر رہے تھے۔ اس پولیس پارٹی کا انچارج سب انسپکٹر اشرف تھا' وہ نایاب کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"نایاب بی بی۔ لگتا ہے شیطان ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑ گیا ہے۔" سب انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں بھی شیطان کی خالہ ہوں۔" نایاب نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ لوگ باتیں کرتے ہوئے ٹیلے پر چڑھنے لگے۔ گاؤں کے وہ تینوں آدمی جنہیں کھنڈرات کی نگرانی کے لیے چھوڑا گیا تھا' ایک شکستہ دیوار کے سائے میں کھڑے تھے۔ ان لوگوں کے قریب پہنچنے پر وہ ان سب کو اس خفیہ تہہ خانے میں لے گئے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ سب انسپکٹر اشرف نے سرسری سے انداز میں صورتحال کا جائزہ لیا اور پولیس والوں کو مختلف ہدایات دینے لگا۔ تہہ خانے سے باہر آکر ایک شکستہ دیوار کے سائے میں بیٹھ کر اس نے رپورٹ تیار کی۔ دو تین آدمیوں کے بیانات لیے۔ ان کے دستخط کروائے اور سپاہیوں کو لاش اٹھانے کا کہہ دیا۔

لاش تہہ خانے سے نکال کر پولیس کی جیپ میں ڈال دی گئی اور جیپ گاؤں کی طرف جانے والے راستے پر روانہ ہو گئی۔

پولیس والے جا چکے تھے۔ نایاب اور سکندر وہیں کھڑے رہ گئے۔ ان کے ساتھ گاؤں کے دوسرے آدمی بھی تھے۔

"ارے فقیر حسین۔" سکندر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ گاؤں چلے جاؤ۔ میری گاڑی لے جاؤ۔ ہم تھوڑی دیر بعد آجائیں گے۔" اس نے گاڑی کی چابی فقیر حسین کی طرف بڑھا دی۔

نایاب نے روبی کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیا۔ اب وہ دونوں اکیلے رہ گئے تھے۔ وہ کچھ دیر تک وہیں کھڑے ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ کھنڈروں میں خزانے والا راستہ وہاں سے تقریباً سو گز دور تھا۔ کھنڈروں کے نیچے لاتعداد سرنگیں اور راستے تھے اور نایاب کو شروع ہی سے

یہ اندیشہ تھا کہ وہ لوگ اندر ہی اندر کسی طرح خزانے والے تہہ خانے تک نہ پہنچ جائیں اور اب پولیس بھی ان کھنڈروں تک پہنچ گئی تھی اور اگر پولیس کو کسی طرح خزانے کی بھنک مل گئی تو خزانہ محفوظ نہیں رہے گا۔

وہ دونوں تقریباً پندرہ منٹ تک وہاں کھڑے رہے' پھر اس تہہ خانے میں اتر گئے۔

ملک سکندر کے پاس ظاہر ہے اس وقت ٹارچ نہیں تھی لیکن انہیں تہہ خانے میں ایک طرف رکھی ہوئی لالٹین مل گئی۔ اس کے قریب ہی ماچس بھی پڑی تھی۔ ملک سکندر نے لالٹین روشن کر لی اور وہ دونوں گھوم پھر کر تہہ خانے کا جائزہ لینے لگے۔ نایاب دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھ رہی تھی۔

"تم جو سوچ رہی ہو' ایسا نہیں ہے۔" ملک سکندر نے کہا۔ "وہ لوگ کئی دن اس تہہ خانے میں رہے ہیں۔ انہوں نے بھی یہاں سے کوئی راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہوگی۔"

"مجھے یہی اندیشہ تھا کہ وہ لوگ اندر ہی اندر خزانے تک نہ پہنچ جائیں۔" نایاب نے کہا۔ "اب پولیس یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اگر انہیں خزانے کی بھنک مل گئی تو یہاں پہرہ بٹھا دیا جائے گا۔"

"پولیس خزانے کی باتوں کو افواہ ہی سمجھے گی۔" ملک سکندر نے کہا۔ "لوگ خزانے کی تلاش میں آئے دن یہاں آتے رہتے ہیں۔ پولیس والوں کو بھی سب معلوم ہے۔ اس لیے وہ اس طرف دھیان نہیں دیتے۔ اس وقت تو معاملہ مختلف ہے۔ بات خزانے کی تلاش کی نہیں' چودھری سعادت کی ہے۔ وہ پولیس کو مطلوب مجرم ہے جو یہاں چھپا ہوا تھا۔ پولیس کو اب صرف سعادت اور اس کے ساتھیوں کی تلاش ہے۔ پولیس اب دوبارہ یہاں نہیں آئے گی۔"

"لیکن اب ہمیں خزانے کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا بندوبست کیا جائے۔ یہ خزانہ فوری طور پر یہاں سے کسی اور جگہ منتقل بھی تو نہیں کیا جا سکتا۔" نایاب نے کہا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" سکندر بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ خزانہ یہاں سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ اسے کسی اور جگہ منتقل کرنا خطرناک ہوگا۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" نایاب نے کہا۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک اس تہہ خانے میں گھومتے رہے۔ تہہ خانے میں مختلف چیزوں کو دیکھ کر یہاں چودھری سعادت کی موجودگی ثابت ہو گئی تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ یہاں سے وہ کہاں گیا ہو گا؟

وہ لوگ تہہ خانے سے باہر آگئے۔ چمکتی ہوئی دھوپ سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ تہہ خانے میں انہیں گرمی کا احساس تک نہیں ہوا تھا لیکن باہر دھوپ کی تپش سے ان کے جسم پسینے میں تر ہونے لگے۔ وہ کھنڈروں میں گھومتے ہوئے اس جگہ آگئے جہاں خزانے والے تہہ خانے کا راستہ تھا۔ وہاں رک کر وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں بھی وہی سوچ رہی ہوں سکندر بھائی جو آپ کے ذہن میں ہے۔" نایاب نے کہا۔ "سل ہٹا کر راستہ کھولیے' ہم اندر چلیں گے۔"

سل کے اوپر اینٹیں اور مٹی وغیرہ بکھری ہوئی تھی۔ ویسے انہیں حیرت بھی ہوئی تھی کہ یہ اینٹیں سل پر کیسے گری تھیں۔ سکندر اینٹیں اٹھا کر ایک طرف پھینکنے لگا اور نایاب اینٹوں کے ایک ڈھیر پر کھڑی ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

اس وقت دوپہر کا ایک بجا تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ تیز اور چمکتی ہوئی دھوپ میں ہر طرف آگ کی لپٹیں سی اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ ٹیلے سے دور کھیتوں میں بھی کسی انسان کا نام و نشان تک نظر نہیں آرہا تھا۔ نایاب چاروں طرف دیکھتی رہی۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ سکندر کی آواز سن کر مڑی۔ سکندر سل ہٹا چکا تھا۔ نایاب اینٹوں کے ڈھیر سے اتر کر اس کے قریب آگئی۔

پہلے نایاب تہہ خانے میں اتری' پھر سکندر نیچے آگیا اور بھاری سل کو گھسیٹ کر تہہ خانے کے دہانے پر رکھ دیا۔

"ہمارے پاس کوئی ٹارچ تو ہے نہیں۔ راستہ کیسے تلاش کریں گے۔" نایاب بولی۔

"میرے پاس ماچس ہے۔" سکندر نے کہا۔

وہ چند لمحے تاریکی میں کھڑے رہے۔ پھر سکندر نے جیب سے ماچس نکال کر ایک تیلی

جلائی اور اس کی زرد روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر نایاب کو اشارہ کرتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

وہ سیدھی سرنگ تھی۔ تیلی بجھ جانے کے بعد بھی کچھ دور تک چلتے رہے۔ سکندر نے ایک اور تیلی جلا لی اور چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک اور سرنگ میں مڑ گئے۔ اسی وقت ایک سیاہ کوبرا ان کے سامنے آ گیا۔ کوبرا پھن پھیلائے ان کے راستے میں بیٹھا ہوا تھا۔ سکندر کی انگلیوں میں دبی ہوئی تیلی ختم ہو رہی تھی۔ اس نے دوسری تیلی جلا لی۔

نایاب اس کوبرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ وہی کوبرا تھا جو سنہرے ناگ کی لاش کو منہ میں دبا کر لایا تھا۔ اس نے نایاب کی طرف دیکھا اور پھن کو زمین پر مارنے لگا۔

"ہمیں ناگن ملکہ کے پاس لے چلو۔" نایاب نے کوبرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کوبرا ایک طرف رینگنے لگا۔ وہ دونوں اس کے پیچھے چلنے لگے۔ سکندر نے ختم ہوتی ہوئی تیلی پھینک دی اور اس کے بعد انہیں تیلی جلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سیاہ کوبرے کے رینگنے سے سرسراہٹ کی ہلکی سی آواز پیدا ہو رہی تھی اور وہ اس آواز کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔

مختلف سرنگوں میں گھومتے ہوئے تقریباً دس منٹ بعد وہ ایک ایسے وسیع و عریض تہہ خانے میں پہنچ گئے جہاں بہت مدھم سی نقرئی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ہال کے دوسری طرف ایک اور سرنگ میں داخل ہو گئے۔ سیاہ کوبرا ان کے آگے آگے رینگ رہا تھا۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے' نقرئی روشنی میں اضافہ ہوتا گیا۔ بالآخر وہ اس سرنگ سے نکل کر اس ہال میں پہنچ گئے جہاں چبوترے پر ناگن ملکہ کی سنہری مورتی رکھی ہوئی تھی اور اس کے سامنے خزانے کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ یہاں مرکری ٹیوب لائٹ جیسی روشنی تھی اور ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی۔

ناگن کی آغوش میں بیجو کا مردہ جسم رکھا ہوا تھا اور کئی سانپ اس کے گرد جمع تھے اور پھر دفعتاً" نایاب کو یوں لگا جیسے وہ تمام ناگ بین کر رہے ہوں۔ بہت مدھم سی عجیب و غریب بین جیسی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔

"ناگن ملکہ" نایاب مورتی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "ہمیں بیجو کی موت کا افسوس ہے۔"

"ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن تو مرنا ہی ہوتا ہے۔" ایک سرگوشی نایاب کی سماعت سے ٹکرائی۔ "لیکن بیجو کو جس طرح بے رحمی اور بیدردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے اس کا مجھے دکھ ہے۔ انسان سدا سے سانپوں کا دشمن رہا ہے لیکن ہر سانپ انسانوں کا دشمن نہیں ہوتا۔ ہم سانپوں کا زہر انسان کو زندگی بھی دیتا ہے۔ ہمارا زہر انسان کو کئی خطرناک اور مہلک بیماریوں سے نجات دلا کر انہیں زندگی کی نوید دیتا ہے۔ کوئی سانپ بلاوجہ کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچاتا اور ہم احسان فراموش بھی نہیں ہیں۔ تم نے ایک موقع پر بیجو کی جان بچائی تھی۔ ہماری پوری نسل تمہاری احسان مند ہے۔ دنیا کا کوئی سانپ تمہیں اور تمہارے دوستوں کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"مجھے افسوس ہے ناگن ملکہ۔" نایاب نے کہا۔ "بیجو کو موت کے گھاٹ اتارنے والا خود انسان کا بھی بدترین دشمن ہے۔ وہ اب تک کئی بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے اور اب اپنی زندگی بچانے کے لیے بھاگا پھر رہا ہے۔ اسے کہیں پناہ نہیں مل رہی۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد وہ اپنے بدترین انجام کو پہنچ جائے گا۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" ناگن ملکہ کی سرگوشی نایاب کی سماعت سے ٹکرائی۔ "لیکن ایک بات میں تمہیں بتا دوں' وہ بھی اب اکیلا نہیں ہے۔ ہنومان کے بھیس میں وہ راکشش اس کا ساتھ دے رہا ہے جو صدیوں سے ہمارا دشمن ہے۔ اگر وہ راکشش اس کا ساتھ نہ دیتا تو تمہارا دشمن اور ہمارے بیجو کا قاتل ان کھنڈروں سے زندہ واپس نہیں جا سکتا تھا لیکن تمہیں اب پہلے سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ بیجو نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہیں تمہارے دشمنوں سے بچاتا رہے گا۔ وہ جب تک زندہ رہا' اس نے اپنا وعدہ پورا کیا لیکن اب وہ نہیں رہا۔ تمہاری حفاظت کے لیے میرے پاس ان زہریلے ناگوں کی کمی نہیں ہے لیکن ان کے پاس وہ طاقت نہیں ہے جو بیجو کے پاس تھی۔ ان میں سے کوئی بھی بروقت تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا۔ اب تمہیں پہلے سے زیادہ

ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی موقع پر تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھا کر وہ راکشش وار کر گزرے۔"

ناگن ملکہ کی باتیں سن کر نایاب کے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا۔

"ناگن ملکہ۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "کل رات ایک پراسرار بوڑھا میری حویلی میں موجود تھا۔ میرے آدمی نے بتایا تھا کہ مجھے آتے دیکھ کر وہ بوڑھا غائب ہو گیا تھا۔ کیا اسے تم نے بھیجا تھا؟ کیا وہ بھی کوئی ناگ تھا؟"

"نہیں۔" نایاب کو سرگوشی سنائی دی۔ "وہ اسی راکشش کا بھیجا ہوا کوئی ہرکارہ ہوگا۔ میں ایک بار پھر کہتی ہوں کہ تمہیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ وہ تم پر وار کرنے کے لیے موقع تلاش کر رہا ہے۔"

نایاب کانپ اٹھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ناگن کی سرگوشی پھر سنائی دی۔

"بیجو مر چکا ہے۔ وہ اب تمہاری مدد کے لیے نہیں آسکتا لیکن اس کے لمس نے تمہارے اندر بھی اتنی قوت پیدا کر دی ہے کہ اس راکشش کے چھوٹے موٹے ہرکارے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ تم سے ڈر کر دور بھاگیں گے۔" چند لمحے خاموشی رہی اور سرگوشی پھر سنائی دی۔ "تمہیں یاد ہوگا بیجو کم از کم دو مرتبہ تمہارے جسم سے لپٹا تھا اور تمہارے جسم پر سنہری دھاریاں بن گئی تھیں۔ وہ سنہری دھاریاں تمہارے جسم پر نہیں رہیں لیکن ان کا اثر اور خوشبو اب بھی تمہارے بدن میں موجود ہے اور یہ خوشبو ہی چھوٹے موٹے دشمنوں کو تم سے دور رکھے گی۔"

نایاب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کن انکھیوں سے سکندر کی طرف دیکھا کہ کہیں اس نے تو ناگن کی سرگوشی نہیں سن لی لیکن وہ لاتعلق سا کھڑا تھا۔

"شکریہ ناگن ملکہ۔" نایاب نے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں کہ ان لوگوں کی سرگرمیوں سے اس خزانے کے لیے بھی خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔"

"خزانے کو یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔" ناگن ملکہ نے جواب دیا۔ "ہماری مرضی کے خلاف کوئی بھی شخص اس خزانے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی یہاں تک آنے میں کامیاب

ہو بھی گیا تو اسے جگمگاتے ہوئے ہیروں کے بجائے پتھروں کا ڈھیر نظر آئے گا۔ تم سے پہلے صدیوں کے مختلف اوقات میں کچھ لوگ یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن سب کو بے نیل و مرام واپس جانا پڑا۔ تمہیں اس خزانے کے بارے میں کوئی پریشان نہیں ہونی چاہیے۔"

"شکریہ ناگن ملکہ۔" نایاب بولی۔ "کیا میں اس میں سے کچھ لے سکتی ہوں؟"

"جتنا چاہو لے جاؤ۔ یہ تمہاری ملکیت ہے۔" سرگوشی نے کہا۔

نایاب نے ملک سکندر کو اشارہ کیا۔ اس نے دو مٹھیاں بھر کر ہیرے اپنے کرتے کی جیب میں ڈال لیے۔ نایاب نے خود آگے بڑھ کر ایک لاکٹ اٹھا لیا۔ خالص سونے کا یہ لاکٹ پرانی طرز کا اور خاصا وزنی تھا۔ اس میں لاتعداد چھوٹے چھوٹے ہیرے جڑے ہوئے تھے جو مرکزی روشنی میں بھی جگمگا رہے تھے۔ وہ چند لمحے اس لاکٹ کو دیکھتی رہی' پھر اسے گلے میں ڈال لیا اور سکندر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ سکندر بھی مسکرا دیا تھا۔

"اب میں چلتی ہوں ناگن ملکہ۔" نایاب نے مورتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں مگر ایک بار پھر کہہ دیتی ہوں کہ ہوشیار رہنا۔ دشمن تمہارے گرد گھیرا تنگ کر رہا ہے۔ اسے وار کرنے کا کوئی موقع نہیں ملنا چاہیے۔"

نایاب نے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کیا اور سکندر کو اشارہ کرتی ہوئی واپس جانے کے لیے مڑ گئی۔ سیاہ کوبرا ایک بار پھر ان کے آگے آگے چل پڑا۔

تہہ خانے سے باہر آکر سکندر نے سل دہانے پر رکھ دی۔ وہ پیچھے ہٹا ہی تھا کہ قریب ہی ایک ڈھیر سے اینٹیں اور مٹی لڑھک کر سل پر گری اور سل اس طرح دب گئی جیسے اسے کبھی وہاں سے ہٹایا ہی نہ گیا ہو۔

وہ دونوں کھنڈروں سے نکل کر ٹیلے سے اترتے ہوئے اس طرف آگئے جہاں نایاب کی کار کھڑی تھی۔ دروازہ کھول کر نایاب نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور سکندر پیسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا۔

جب وہ گاؤں پہنچے تو انہیں یہ دلچسپ اطلاع ملی کہ تھوڑی دیر پہلے ہی پولیس آئی تھی

اور وہ لوگ چودھری امانت علی کو ساتھ لے کر گئے ہیں۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد نایاب کمرے میں آکر بیڈ پر لیٹ گئی۔ آج وہ کچھ زیادہ ہی تھکن محسوس کر رہی تھی۔ لیٹنے کے فوراً بعد ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

پانچ بجے کے قریب نایاب کی آنکھ کھل گئی۔ نرگس اس کے قریب پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی نظریں نایاب کے سینے پر مرکوز تھیں۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" نایاب نے اسے گھورا۔

"یہ لاکٹ۔" نرگس اس کے گلے میں پڑے ہوئے لاکٹ کو پکڑ کر دیکھتے ہوئے بولی۔ "بہت خوبصورت ہے اور بہت قیمتی بھی۔ شاید ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ پہلے تو تمہارے پاس میں نے یہ لاکٹ نہیں دیکھا تھا۔"

نایاب اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے لاکٹ گریبان کے اندر ڈال لیا۔

"یہ لاکٹ!" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اللہ کی دین ہے۔ کہیں سے مل گیا' میں نے پہن لیا۔"

"تم بات چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔" نرگس نے اسے گھورا۔ "یہ لاکٹ تم یقیناً کھنڈروں والے خزانے سے لے کر آئی ہو۔ تھوڑی دیر پہلے سکندر بھائی نے بھابھی کو اتنے سارے ہیرے دیئے تھے۔ آخر تم لوگ اس خزانے کو وہاں سے نکال کیوں نہیں لیتے۔ اگر اسے کوئی اور چرا کر لے گیا تو کیا ہوگا؟"

"وہ خزانہ وہاں محفوظ ہے۔ کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں اس خزانے کے بارے میں کس نے بتایا؟"

"تم لوگ ہم سے چھپانے کی کوشش کرتے رہے لیکن مجھے پتہ چل ہی گیا۔" نرگس نے کہا۔ "پچھلی مرتبہ بھی بھابھی کے پاس کچھ ہیرے رکھے ہوئے تھے اور میں نے بھابھی سے ان ہیروں کے بارے میں پوچھ ہی لیا تھا کہ کہاں سے آئے تھے اور شاید تم بھول رہی ہو کہ شہر جانے سے پہلے تم نے بھی اس خزانے کا ذکر کیا تھا۔"

"اگر تمہیں معلوم ہے تو بڑی اچھی بات ہے۔" نایاب نے کہا۔ "لیکن کسی اور کو یہ

پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ کھنڈروں میں واقعی کوئی خزانہ موجود ہے۔"

"میرا خیال ہے گاؤں کی بعض عورتوں کو بھی کچھ بھنک مل چکی ہے۔" نرگس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج صبح جب پولیس کھنڈروں سے لاش لے کر گئی تھی تو یہاں یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ چودھری سعادت کو خزانے کا پتہ چل گیا ہے اور اس نے اپنے ساتھی کی زبان بند رکھنے کے لیے اسے قتل کیا تھا۔"

"یہ بات نہیں۔" نایاب نے کہا۔ "وہ تو کھنڈروں میں اس لیے چھپا ہوا تھا کہ موقع پا کر ہم پر حملہ کر سکے۔ گاؤں کے کچھ لوگ رات کو ٹیلے کی نگرانی کر رہے تھے کہ ان لوگوں کا تصادم ہو گیا اور وہ آدمی اتفاق سے اپنے ہی کسی ساتھی کی چلائی ہوئی گولی کا نشانہ بن گیا۔ خزانے والی بات کسی نے یونہی اڑا دی ہوگی لیکن میں نے تو کسی سے کچھ نہیں سنا۔"

نرگس کچھ کہنا چاہتی تھی کہ باہر سے آنے والی کچھ آوازیں سن کر چونک گئی۔ اس نے اٹھ کر کمرے سے باہر جھانکا اور نایاب کے قریب آکر سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔

"تمہاری ساس اور سسر آئے ہیں۔ باہر نکل کر ان کا استقبال کرو۔"

"کون آئے ہیں؟" نایاب نے اسے گھورا۔

"چچا امانت علی اور چودھرانی جی ابا کے کمرے میں گئے ہیں۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اٹھ کر تیار ہو جاؤ یا ایسے ہی سر جھاڑ منہ پھاڑ ان کا سامنا کرو گی۔"

"مجھ سے انہیں کیا دلچسپی۔ وہ آئے ہوں گے انکل سے لڑنے۔" نایاب نے کہا۔

"نہیں۔ وہ لڑائی کے موڈ میں نہیں لگتے۔ بات کچھ اور ہی ہے۔" نرگس نے کہا۔

وہ ابھی باتیں کر ہی رہی تھیں کہ برآمدے سے چودھرانی کی آواز سنائی دی۔

"کہاں ہے میری بیٹی۔ میں اس کے پاؤں پر گر کر معافی مانگوں گی۔"

نایاب کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ چودھرانی ہی کی آواز تھی۔ چند سیکنڈ بعد ہی وہ سکینہ اور عذرہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ نایاب ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ چودھرانی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

"میری بیٹی! مجھے معاف کر دے۔" وہ گلوگیر آواز میں بولی۔ "ہم غلطی پر تھے۔ تمہیں

پہچاننے میں ہم نے غلطی کی۔ ایک بیٹا تو ہم نے کھو ہی دیا تھا۔ ہمیں اسی وقت سمجھ لینا چاہیے تھا کہ ہمارا بیٹا غیروں کے نہیں' اپنے بھائی کے ہاتھوں ہلاک ہوا ہے۔ سعادت ہمیں قدم قدم پر دھوکا دیتا رہا۔ ایک طرف اس نے تمہارے لیے ہمارے دلوں میں نفرت پیدا کی اور دوسری طرف ہمارے ہی خلاف سازشیں کرتا رہا۔ اس نے قدم قدم پر ہمیں ذلیل کیا اور ہم اس کے اشاروں پر ناچتے رہے۔ اس کی وجہ سے آج ہماری عزت خاک میں مل گئی اور ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ آج پہلی بار ہمیں احساس ہوا ہے کہ ہم اپنے گھر میں بیٹے کو نہیں سانپ کو پال رہے تھے اور یہی زہریلا ناگ ہمیں ہی ڈس لے گا۔"

چودھرانی بھوں بھوں رو رہی تھی۔ نایاب کی بھی عجیب کیفیت تھی۔ وہ متوحش نظروں سے کبھی سکینہ اور کبھی نرگس اور عذرہ کی طرف دیکھنے لگتی۔

"نہ رو چاچی۔" سکینہ نے چودھرانی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ادھر ابا جی کے کمرے میں آجاؤ۔ چاچا بھی وہیں بیٹھے ہیں۔"

وہ لوگ ملک صاحب والے کمرے میں آگئے۔ چودھری امانت علی نے بھی اٹھ کر نایاب کو سینے سے لپٹا لیا۔ نایاب حیران تھی کہ یہ کایا پلٹ کیسی۔ چند روز پہلے چودھری امانت علی جائیداد میں سے اس کا حصہ دینے کو تو تیار ہو گیا تھا لیکن وہ یہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ چودھرانی اس طرح یہاں آکر اس سے معافی مانگے گی۔

"اب تم لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو بھول جاؤ پچھلی باتوں کو۔" ملک صاحب نے کہا۔ "نیک اولاد بھی اللہ کی نعمت ہوتی ہے اور اگر اولاد غلط راستے پر نکل جائے تو زندگی جہنم بن جاتی ہے۔"

"ہماری زندگی تو جہنم سے بھی زیادہ بدتر ہو گئی ہے۔" چودھری امانت علی نے کہا۔ "اس لڑکے نے تو ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے۔ ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ کاش! ہمیں پہلے اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا اور نایاب بیٹا۔" اس نے کپڑے میں لپٹا ہوا ایک بنڈل نایاب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ میری ساری جائیداد کے

کاغذات ہیں۔ آج سے یہ سب کچھ تمہارے سپرد۔ میرا وصیت نامہ بھی ان کاغذات میں موجود ہے جو میں نے آج دوپہر ہی کو شاہ پور میں وکیل سے لکھوایا تھا اور مجسٹریٹ سے اس کی تصدیق بھی کرا لی تھی۔ آج سے یہ سب کچھ تمہارا ہے۔ تم جو چاہو' کرو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

نایاب کے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ وہ کپڑے میں لپٹے ہوئے کاغذات کے پلندے کو گھور رہی تھی۔

"اب کچھ مت سوچو بیٹی۔" چودھرانی بولی۔ "بس اب ہمیں معاف کر دو۔ ہم نے بہت غلطیاں کی ہیں۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

نایاب اس سے لپٹ گئی۔

"آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔" وہ بولی۔ "میں آپ کو قصوروار نہیں سمجھتی۔ آپ کی غلطی صرف اتنی ہے کہ اس نے جو کہا' آپ نے مان لیا۔ میری شادی کے بعد جب سب سے پہلے سعادت نے جائیداد کی بات اٹھائی تھی تو آپ نے اسے بلا چون و چرا مان لیا تھا۔ آپ نے یہ نہ سوچا کہ سرفراز بھی آپ کا بیٹا ہے۔ سعادت کے کہنے پر اسے جائیداد سے عاق کر دیا۔ سرفراز کو جب قتل کیا گیا تو میں تو اس وقت بھی کہتی تھی کہ اس میں سعادت کا ہاتھ ہے لیکن آپ لوگوں نے اسے بہتان قرار دیا اور پھر سعادت نے میرے ساتھ جو کچھ کیا' وہ بھی آپ کے علم میں ہے۔ وہ کئی بار مجھے قتل کرانے کی کوشش کر چکا ہے۔ یہ سب کچھ آپ کے علم میں ہے لیکن آپ نے ہمیشہ مجھے ہی مورد الزام ٹھہرایا اور....."

"نایاب بیٹی۔" ملک صاحب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب یہ لوگ اپنے کیے پر پچھتا رہے ہیں تو تم بھی پچھلی باتوں کو بھول جاؤ۔ ختم کرو اب اس قصے کو۔ میرے لیے تو سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے اور یہ تمہیں اپنی بہو اور بیٹی کے طور پر اپنانا چاہتے ہیں۔"

"میں اس بات پر بے حد خوش ہوں۔" نایاب نے کہا۔ "لیکن یہ کاغذات..... مجھے نہ ان کاغذات کی ضرورت ہے اور نہ جائیداد کی۔ مجھے تو خوشی اس بات کی ہے کہ انہوں نے میرا حق تسلیم کر لیا۔ اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

"اگر تم یہ کاغذات اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتیں تو مجھے دیدو۔" ملک صاحب نے کہا

اور نایاب نے وہ کاغذات ان کے حوالے کر دیئے۔

باتوں میں دونوں طرف سے دلوں کی بھڑاس نکلتی رہی اور بالآخر دونوں کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

گاؤں میں بھی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ چودھری فیملی اور نایاب میں صلح ہو گئی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں ملک صاحب کی حویلی میں گاؤں کی عورتوں کا جمگھٹا لگ گیا۔ مرد بھی گلی میں جمع ہو رہے تھے۔

پورے گاؤں کے لوگ خوش تھے۔ ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ اس جھگڑے سے گاؤں پر بہت برا اثر پڑ رہا تھا۔ اب بات صرف چودھری سعادت کی رہ گئی تھی۔ چودھری امانت علی نے اس سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا تھا۔ ویسے بھی سعادت کے اب یہاں آنے کی توقع نہیں تھی۔ پولیس اس کی تلاش میں تھی اور وہ اپنی جان بچانے کے لیے چھپتا پھر رہا تھا۔

نایاب کو اس رات گاؤں ہی میں رکنا پڑا۔ ٹیپو بھی حویلی سے آگیا تھا۔ رات کا کھانا ان سب نے چودھری امانت علی کی حویلی میں کھایا۔ ملک صاحب کے گھر کے علاوہ گاؤں کے اور بھی بہت سے لوگ مدعو تھے۔ چودھری صاحب کی بڑی بہو حویلی میں نہیں تھی۔ نایاب کے لیے یہ اطلاع خاصی دلچسپ ثابت ہوئی تھی کہ سعادت کی بیوی کئی روز سے اپنے میکے گئی ہوئی تھی اور اس نے واپس آنے سے انکار کر دیا تھا۔

چودھری اور چودھرانی' نایاب کو اپنی حویلی میں روکنا چاہتے تھے لیکن نایاب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ فی الحال وہ الگ ہی رہے گی۔ تمام معاملات طے ہونے کے بعد وہ یہاں آ جائے گی۔

دوسرے روز دوپہر کا کھانا بھی نایاب نے ملک صاحب کی حویلی میں کھایا تھا اور پھر وہ ٹیپو' رابعہ اور روبی کو لے کر پرانی حویلی کے لیے روانہ ہو گئی۔

"ارے نایاب۔" راستے میں روبی نے کہا۔ "گاڑی حویلی کی طرف موڑنے کے بجائے سیدھی لے چلو۔ مجھے شاہ پور سے کچھ چیزیں خریدنی ہیں۔"

"چیزیں تو مجھے بھی خریدنی ہیں۔" نایاب بولی۔ "چلو' پہلے شاہ پور ہی چلتے ہیں۔"

نایاب گاڑی کو سیدھا لیتی چلی گئی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ شاہ پور پہنچ گئے۔ گاڑی چاچا

فضل دین کی دکان کے سامنے چھوڑ کر وہ بازاروں میں گھوم پھر کر شاپنگ کرنے لگے۔

چار بجے کے قریب وہ واپسی کے لیے روانہ ہو گئے۔

گاؤں کی طرف جانے والے راستے پر نایاب نے جیسے ہی کار پرانی حویلی کی طرف موڑی' وہ سب چونک گئے۔ حویلی کے باہر ٹیلے پر درختوں کے نیچے بہت سے لوگ جمع تھے۔ حویلی کے پھاٹک کے سامنے بھی لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ نایاب گاڑی سے اتری تو اسے لوگوں نے گھیر لیا۔

"کیا ہوا..... تم سب لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟" نایاب نے پوچھا۔

"بڑے چودھری جی کو ان کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے چھوٹی بی بی۔ حویلی کے اندر ان کی لاش برآمدے کے دروازے میں پڑی ہے۔" ایک آدمی نے بتایا۔

"کیا.....؟" نایاب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "یہ کیسے ہوا اور وہ یہاں کیا کر رہے تھے؟"

"پتہ نہیں جی۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "نکے ملک جی اندر موجود ہیں' ان سے پوچھ لیں۔"

نایاب پھاٹک سے اندر آ گئی۔ سکندر اور چند اور آدمی برآمدے میں کھڑے تھے۔ برآمدے والے دروازے میں چودھری امانت علی کی لاش اس طرح پڑی تھی کہ اس کا اوپر کا دھڑ باہر اور ٹانگیں اندر تھیں۔ کھوپڑی پھٹی ہوئی تھی اور خون بہہ کر جم چکا تھا۔

"سکندر بھائی۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟" نایاب نے پوچھا۔

"تم لوگ کہاں تھے؟" سکندر نے الٹا سوال کر دیا۔

"ہمیں کچھ شاپنگ کرنی تھی۔ گاؤں سے نکل کر سیدھا شاہ پور چلے گئے تھے لیکن چودھری انکل یہاں کب آئے تھے اور سعادت کیسے یہاں پہنچ گیا؟" نایاب نے پوچھا۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔" ملک سکندر بولا۔ "ہاشم بتا رہا تھا کہ ڈھائی بجے کے قریب چودھری صاحب یہاں آئے تھے۔ وہ تم سے ملنا چاہتے تھے۔ ہاشم نے بتایا کہ تم تو گاؤں میں ہو۔ چودھری صاحب سمجھے کہ شاید وہ جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ وہ تمہیں گاڑی پر گاؤں سے روانہ ہوتے دیکھ چکے تھے۔ وہ ہاشم کو نظرانداز کرتے ہوئے اندر آ گئے۔ برآمدے والا دروازہ کھول کر جیسے ہی قدم اندر رکھا' حویلی کے اندر سے کسی عورت کی چیخوں کی

آواز سنائی دینے لگی۔ ہاشم بھی گھبرا گیا کہ یہ کس کی چیخوں کی آواز تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم تینوں میں سے کوئی بھی حویلی میں موجود نہیں ہے۔ وہ صورتحال معلوم کرنے کے لیے پھاٹک سے اندر کی طرف دوڑا تو چودھری صاحب کے چیخنے کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں اور پھر ایسا لگا جیسے کسی نے چودھری صاحب کو اٹھا کر باہر پھینک دیا ہو۔

ہاشم چودھری صاحب کے قریب پہنچ گیا۔ وہ بری طرح خوفزدہ تھے۔ ہاشم انہیں سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ دو گھڑ سوار حویلی کے پھاٹک میں داخل ہوئے۔ ان میں ایک چودھری سعادت تھا اور دوسرا حسن آباد کا لالو مسلی۔ وہ گھوڑوں سے اتر آئے۔ سعادت بندوق تان کر برآمدے کے سامنے پہنچ گیا۔ اسے پتہ چل گیا تھا کہ گزشتہ شام اس کے ماں باپ نے تم سے صلح کر لی ہے اور چودھری صاحب نے سعادت سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے زمینوں اور دوسری جائیداد کے کاغذات تمہارے حوالے کر دیئے ہیں۔

سعادت شاید تمہارے چکر میں یہاں آیا تھا لیکن تم تو نہیں ملیں' اس کا سامنا اپنے باپ سے ہو گیا۔ کچھ دیر تک ان دونوں میں تلخ کلامی ہوتی رہی' پھر سعادت نے باپ پر بندوق تان لی اور چیخ کر کہا کہ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

چودھری امانت علی دوڑ کر دروازے میں داخل ہو گیا۔ سعادت نے گولی چلائی۔ گولی دروازے میں لگی۔ چودھری امانت علی جیسے ہی برآمدے والے دروازے کے اندر پہنچا' اندر سے ایک بار پھر کسی عورت کے چیخنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی چودھری کے چیخنے کی بھی آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر یوں گا جیسے بہت سے لوگ چیخ رہے ہوں' بین کر رہے ہوں۔ حویلی چیخوں سے گونج رہی تھی۔

تقریباً پانچ منٹ بعد چودھری کسی طرح دروازے سے باہر نکلا۔ وہ بہت خوفزدہ تھا۔ بیٹے کو برآمدے میں بندوق تانے کھڑے دیکھ کر وہ دوبارہ دروازے کی طرف لپکا۔ سعادت نے گولی چلا دی۔ چودھری کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے۔ وہ چکرا کر دروازے میں گرا اور اس کے ساتھ ہی حیرت انگیز طور پر حویلی میں سے چیخنے اور بین کرنے کی آوازیں بند ہو گئیں۔ اس طرح سکوت چھا گیا جیسے وہاں کوئی نہ ہو۔

سعادت کچھ دیر تک باپ کی لاش کے سامنے کھڑا قہقہے لگاتا رہا' پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور وہ اور لالو مسلی ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے وہاں سے فرار ہو گئے۔

ہاشم پہلے ہی ڈر کر ایک طرف چھپ گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا۔ چودھری سعادت اور لالو مسلی جیسے ہی حویلی سے نکلے' اس نے بھی باہر آکر شور مچا دیا۔ پہلی گولی کی آواز سن کر کھیتوں میں کام کرنے والے کسان اس طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے چیخوں کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ کچھ لوگ دوڑتے ہوئے اس طرف آرہے تھے۔ انہوں نے دوسری گولی کی آواز بھی سنی اور چودھری سعادت اور لالو مسلی کو گھوڑوں پر سوار حویلی سے نکلتے ہوئے بھی دیکھا۔

یہاں کی صورتحال دیکھ کر ایک آدمی دوڑتا ہوا گاؤں پہنچ گیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ سعادت نے پرانی حویلی میں اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ مجھ سے پہلے گاؤں کے بہت سے لوگ یہاں پہنچ چکے تھے۔ تم لوگوں کو یہاں نہ پا کر میں پریشان ہو رہا تھا کہ تم لوگ کہاں چلے گئے۔"

"حیرت انگیز۔" نایاب ملک سکندر کے خاموش ہونے پر بولی۔ "کیا کوئی بیٹا اتنا سنگدل ہو سکتا ہے کہ اپنے باپ کو گولی سے اڑا دے۔"

"اس کا بھی ایک پس منظر ہے جس کے بارے میں تمہیں آج تک علم نہیں ہو سکا لیکن....." سکندر چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بولا۔ "لیکن ایک بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ حویلی کا آسیب اب ختم ہو گیا ہے۔"

"ہاں۔" نایاب گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "کہا جاتا ہے کہ چودھری امانت علی نے گاؤں کے بوڑھے موچی کی جوان اور خوبصورت بیٹی کو حویلی میں بے آبرو کر کے قتل کر دیا تھا۔ اس کی روح انتقام لینے کے لیے بے چین تھی۔ آج چودھری امانت علی حویلی کے دروازے پر اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکا ہے۔ اس لڑکی کی روح کو بھی سکون مل گیا ہوگا اور اب وہ یہاں سے چلی گئی ہوگی لیکن آپ نے کون سے پس منظر کی بات کی ہے جو میں نہیں جانتی؟"

"سعادت علی' چودھری امانت کا بیٹا نہیں ہے۔" ملک سکندر نے کہا۔

"کیا؟" نایاب اچھل پڑی۔

"گاؤں کے بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ چودھری امانت کی شادی سے پہلے چاچی زینب کا ایک بیٹا بھی تھا۔" سکندر بولا۔

"کیا مطلب۔ میں سمجھی نہیں؟" نایاب نے اسے گھورا۔

"چاچی زینب رنگ پور کی رہنے والی ہے۔ اس کی پہلی شادی رنگ پور ہی میں ہوئی تھی جس سے ایک بیٹا تھا لیکن بیٹا ابھی صرف دو مہینے کا تھا کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ عدت کے فوراً ہی بعد اس کی چودھری امانت علی سے شادی کر دی گئی۔ اس طرح وہ بیٹا بھی چودھری کے پاس آگیا۔ چودھری نے اسے اپنا بیٹا ہی سمجھ کر پالا اور اسے نام بھی اپنا ہی دیا۔ اس کی اپنی اولاد کئی سال بعد ہوئی تھی۔ تمہارا شوہر سعادت سے آٹھ نو سال چھوٹا تھا لیکن ان بہن بھائیوں میں سے کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ سعادت ان کا سوتیلا بھائی ہے۔ وہ اسے اپنا سگا بھائی ہی سمجھتے رہے لیکن بڑے ہو کر سعادت کو کسی طرح اپنے بارے میں حقیقت کا پتہ چل گیا اور اس نے پوری جائیداد کا تنہا وارث بننے کے لیے اپنے بہن بھائیوں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ اس نے اپنے باپ کو بھی نہیں بخشا۔ ماں کو جب اس کی حرکتوں کا پتہ چلا تو اس نے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن سعادت نے اسے بھی زبان بند رکھنے پر مجبور کر دیا۔

سرفراز کے قتل کے بعد چاچی زینب کو شبہ ہوا تھا کہ اس قتل میں سعادت کا ہاتھ ہے مگر اس نے زبان بند رکھی۔ تم سے سرفراز کی شادی کے بعد سعادت نے باپ کو سرفراز اور تمہارے خلاف اتنا بھڑکا دیا تھا کہ اس نے سرفراز کو جائیداد سے عاق کر دیا۔ سعادت کی سازشیں جاری رہیں اور جب تم نے جائیداد میں اپنے حصے کے لیے کارروائی شروع کی تو سعادت بھی آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ ماں باپ اسے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ بہت آگے نکل چکا تھا۔

سعادت تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا تاکہ جائیداد کے جھگڑے کا قصہ ہی ختم ہو جائے۔ وہ تمہارا تو کچھ نہ بگاڑ سکا۔ البتہ کئی بے گناہ اس کے ہاتھوں مارے گئے۔ چودھری امانت علی بھی اب سب کچھ سمجھ چکا تھا۔ اس لیے عدالت کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی تمہیں یہ پیشکش کر دی تھی کہ جو زمین تم چاہو' اپنے نام منتقل کرا سکتی ہو اور کل بالآخر اس نے اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کر دیا۔

سعادت گاؤں کے آس پاس ہی کہیں چھپا ہوا تھا۔ اسے بھی یہ خبر مل گئی۔ اس نے نہ صرف تمہیں بلکہ اپنے باپ کو بھی قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ یہاں تم پر حملہ کرنے

کے لیے آیا تھا۔ تم تو یہاں موجود نہیں تھیں' چودھری امانت اس کے ہاتھ لگ گیا۔"

"میرے لیے یہ انکشافات حیرت انگیز ہیں۔" نایاب نے کہا۔

"حالات پرسکون ہوں تو چاچی زینب سے پوچھ لینا۔ وہ تمہیں سب کچھ بتا دے گی۔" سکندر نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "میں نے دو بندے موٹر سائیکل پر شاہ پور بھیجے تھے' پولیس ابھی تک نہیں آئی۔"

"میرا خیال اوپر چل کر بیٹھتے ہیں۔ یہاں تو گرمی ہو رہی ہے۔" نایاب نے کہا۔

وہ لوگ اوپر آکر برآمدے میں پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد پولیس کی جیپ سڑک سے حویلی والے راستے پر مڑتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ لوگ جیپ کو آتے دیکھتے رہے اور جب پولیس ٹیلے پر آکر حویلی کے پھاٹک کی طرف مڑ گئی تو وہ بھی اٹھ کر نیچے آگئے۔

اس پولیس کا انچارج سب انسپکٹر اشرف ہی تھا۔ پولیس تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک موجود رہی۔ ہاشم اور ان کسانوں کے بیانات لیے گئے جنہوں نے چودھری سعادت اور لالو مسلی کو دیکھا تھا۔

"لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دیا جائے یا....."

"نہیں جی۔" سکندر نے سب انسپکٹر کی بات کاٹ دی۔ "چیر پھاڑ کرنے کیا کیا ضرورت ہے۔ سب کچھ سامنے ہے۔ اب آپ اجازت دیں تو ہم لاش کو گاؤں لے جائیں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ اس کاغذ پر دستخط کر دیں۔" سب انسپکٹر اشرف نے کلپ بورڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

پولیس کے جانے کے بعد چودھری امانت علی کی لاش ایک چارپائی پر ڈال دی گئی اور وہ لوگ لاش لے کر گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ نایاب وغیرہ بھی دو آدمیوں کو حویلی میں چھوڑ کر گاؤں کی طرف روانہ ہو گئیں۔

گاؤں میں کہرام مچا ہوا تھا۔ طویل عرصے تک لوگ چودھری امانت علی سے نفرت کرتے رہے تھے لیکن گزشتہ چند روز کے دوران وہ جس طرح بدلا تھا' اس سے لوگوں کے رویئے میں بھی تبدیلی آئی تھی۔ پچھلے دو تین دن سے تو چودھری امانت علی گاؤں کے ایک ایک آدمی سے مل کر اپنی زیادتیوں کی معافی مانگتا رہا تھا اور پچھلے روز ان دونوں میاں بیوی

نے جس طرح ملک صاحب کے گھر جا کر نایاب سے معافی مانگی تھی اور اپنی جائیداد کے کاغذات اس کے حوالے کیے تھے' اس سے تو لوگوں کے رویئے بالکل تبدیل ہو گئے تھے۔ اس کی المناک موت سے تو لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے ہمدردی امڈ آئی تھی۔ جن لوگوں کے ساتھ ناقابل تلافی زیادتیاں ہوئی تھیں' انہوں نے بھی چودھری کو معاف کر دیا تھا اور وہ بھی اس کے لیے رو رہے تھے۔

چودھری امانت علی کے قتل کی خبر آناً فاناً پورے علاقے میں پھیل گئی تھی۔ وہ اس علاقے کا بہت بڑا زمیندار تھا۔ نایاب سے خاندانی جھگڑوں اور مزارعین سے ظلم و زیادتیوں سے قطع نظر' زمینداری کے حلقے میں اس کا ایک مقام تھا۔ لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔

آس پاس کی بستیوں سے لوگ رات ہی کو گاؤں پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ دور دراز کے علاقوں کے زمیندار اور دوسرے لوگ صبح سویرے پہنچ گئے۔ شاہ پور سے بعض اعلیٰ سرکاری افسران اور تاجر بھی آئے تھے۔

تجہیز و تکفین کے تمام انتظامات سکندر ہی کر رہا تھا۔ اس نے صبح سویرے ہی شاہ پور سے شامیانے وغیرہ منگوا لیے تھے جو چودھری کی حویلی کے وسیع کمپاؤنڈ اور اس کے سامنے کھلی جگہ پر لگا دیئے گئے تھے۔ سینکڑوں لوگ جمع تھے۔

دن کے گیارہ بجے کے قریب تدفین ہوئی اور پھر سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں وکیل نے چودھری امانت علی کا طویل وصیت نامہ پڑھ کر سنایا۔ اس وقت وہ لوگ بھی موجود تھے جنوں نے وصیت نامے پر گواہ کی حیثیت سے دستخط کیے تھے اور تصدیق کی تھی۔

وصیت نامے میں یہ سنسنی خیز انکشاف بھی کیا گیا تھا کہ سعادت اس کا حقیقی بیٹا نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک پائی کا حصہ بھی نہیں رکھا گیا تھا اور لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے اسے مکمل طور پر عاق کر دیا گیا تھا۔ اس وصیت نامے میں ساری منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کی واحد وارث نایاب کو قرار دیا گیا تھا۔ اسے یہ بھی اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جس طرح چاہے' اس جائیداد کو استعمال میں لا سکتی ہے۔ اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی عاید نہیں کی گئی تھی۔

صورتحال بدل گئی تھی۔

سوئم والے دن بھی علاقے کے بڑے بڑے زمیندار اور سینکڑوں لوگ موجود تھے اور پھر چہلم پر بھی کچھ ایسی ہی صورتحال تھی۔ گاؤں کی رسم کے مطابق ہوتا یہ ہے کہ خاندان کے سربراہ کی موت کے بعد چہلم والے دن سب سے بڑے بیٹے کو اس کا جانشین قرار دے کر اس کے سر پر پگڑی باندھی جاتی ہے لیکن یہاں صورتحال برعکس تھی۔ بڑے بیٹے کے بارے میں جو انکشاف ہوا تھا' اس نے سب کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ چودھری امانت علی نے وصیت نامے میں نایاب کو اپنا وارث قرار دیا تھا۔ گاؤں کی بزرگ عورتوں نے چودھرائی کو آگے کیا اور چودھرائی نے سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں نایاب کے سر پر شال اوڑھائی اور اس کی سربراہی کا اعلان کر دیا۔

نایاب وقتی طور پر چودھری کی حویلی میں آگئی تھی لیکن چہلم کے بعد وہ پھر پرانی حویلی منتقل ہو گئی تھی۔ حالانکہ سکندر اور دوسرے لوگوں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا تھا کیونکہ ان کے خیال میں چودھری سعادت اب پہلے سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس سے سب کچھ چھن گیا تھا۔ وہ ہر چیز سے محروم ہو گیا تھا اور ظاہر ہے' وہ اس کا ذمہ دار نایاب ہی کو سمجھتا تھا اور اب وہ نایاب سے انتقام لینے کی بھرپور کوشش کرے گا۔

نایاب نے کسی کی بات نہیں مانی اور پرانی حویلی آگئی تھی۔ روبی اور ٹیپو اس کے ساتھ تھے۔ البتہ رابعہ کو چودھرائی نے اپنے پاس روک لیا تھا۔ سکندر نے دو آدمی پرانی حویلی بھیج دیئے تھے۔ ہاشم پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اکبر اور غلام حسین کے پاس ڈبل بیرل بندوقیں تھیں۔

نایاب کو پرانی حویلی میں آئے ہوئے تیسرا دن تھا۔ شام پانچ بجے کے قریب نرگس' سکینہ اور عذرہ پہنچ گئیں۔ ان کے ساتھ چودھرائی اور رابعہ بھی تھیں۔ نایاب نے حویلی کے پھاٹک پر ان کا استقبال کیا۔ چودھرائی اندر داخل ہوتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ کئی سال پہلے ان کے دو بیٹے پراسرار طور پر حویلی میں ہلاک ہو گئے تھے اور حویلی میں بسنے والی روحوں کے خوف سے انہوں نے حویلی چھوڑ دی تھی۔ اس کے بعد ان میں سے کسی نے کبھی ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ چودھرائی یہ بھی جانتی تھی کہ حویلی میں بسنے والی روح نے نایاب یا کسی اور کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا لیکن کچھ عرصہ پہلے جب سعادت حویلی میں داخل ہوا تھا تو وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا تھا اور پھر اس روز چودھری امانت علی نایاب

سے ملنے کے لیے حویلی میں آیا تھا۔ حویلی میں داخل ہوتے ہی اسے بدروحوں نے گھیر لیا۔ وہ خوفزدہ ہو کر چیختا ہوا باہر بھاگا تو بیٹا بندوق تانے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے دوبارہ اندر بھاگنا چاہا مگر بیٹے نے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

چودھرانی سمجھتی تھی کہ بدروحوں کو صرف چودھری کے خاندان ہی سے دشمنی تھی۔ کسی اور کو انہوں نے کبھی نقصان نہیں پہنچایا تھا اور اسی لیے وہ خود بھی حویلی میں داخل ہوتے ہوئے ڈر رہی تھی۔

چودھری کی موت کے بعد نایاب ایک دو مرتبہ حویلی میں آئی تھی اور اس نے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی تھی جبکہ اس سے پہلے تقریباً ہر روز کوئی نہ کوئی چونکا دینے والی بات ہوتی رہتی تھی۔ کبھی لیمپ اپنی جگہ سے اٹھ کر ہوا میں تیرتا ہوا دوسری جگہ ٹک جاتا' کبھی کرسیاں اپنی جگہ چھوڑ دیتیں لیکن چودھری کی موت کے بعد ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ کوئی ایسا تاثر بھی محسوس نہیں ہوا تھا جو عام طور پر آسیب زدہ عمارتوں کے بارے میں ہوتا ہے۔ بالکل سکون سا لگ رہا تھا۔ سکندر نے شاید ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس لڑکی کی روح کو چودھری امانت علی ہی سے انتقام لینا تھا۔ اس کی موت کے بعد اب حویلی میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوگا۔

چودھرانی جب حویلی میں داخل ہوئی تو اس کے دل میں عجیب سا خوف تھا۔ نایاب اسے اور نرگس وغیرہ کو پہلے حویلی کے نچلے حصے میں گھماتی رہی' پھر اوپر لے آئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چودھرانی کے دل سے خوف زائل ہوتا گیا۔

نایاب کو بھی یقین ہو گیا کہ اب یہاں کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں ہوگی۔ وہ سب لوگ اوپر والے ٹیرس میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ روبی نے پہلے ان سب کے لیے چائے بنائی اور چائے پینے کے بعد روبی اور رابعہ رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگیں۔

چودھرانی اور نرگس وغیرہ رات دس بجے تک وہاں رہی تھیں۔ نایاب نے تو انہیں رات بھر کے لیے روکنا چاہا تھا لیکن چودھرانی نہیں مانی۔ وہ ابھی عدت میں تھی۔ اس کے گھر سے نکلنے پر ہی گاؤں میں باتیں بن رہی ہوں گی۔

وہ پیدل آئی تھیں۔ نایاب نے انہیں اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔ انہیں گاؤں چھوڑ کر نایاب اکیلی ہی گاؤں سے روانہ ہوئی تھی۔ گاؤں سے نکل کر وہ سڑک پر ہلکی رفتار سے

گاڑی چلاتی رہی۔ ہر طرف تاریکی اور سناٹا تھا۔ کھیتوں میں کسی کسی ڈیرے پر لالٹین کی روشنی دکھائی دے رہی تھی جو تاریکی میں بڑا پراسرار تاثر دے رہی تھی۔

حویلی کی طرف جانے والے موڑ سے ذرا پہلے اس نے گاڑی کی رفتار مزید کم کر لی اور وہ گاڑی کھیتوں والے راستے کی طرف موڑنا ہی چاہتی تھی کہ ایک آدمی اچانک ہی ایک کھیت سے نکل کر سامنے آگیا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ منہ پر ڈھاٹا بندھا ہوا تھا اور وہ مکمل طور پر کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھا۔ اس نے ایک ہاتھ میں رائفل سنبھال رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ سے وہ گاڑی روکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

نایاب کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ اکیلی تھی۔ چاروں طرف تاریکی اور سناٹا تھا۔ کوئی اس کی مدد کو بھی نہیں آسکتا تھا۔ ایک لمحہ کو اس کے ذہن میں خیال آیا کہ وہ گاڑی کی رفتار یکدم بڑھا دے اور سامنے کھڑے ہوئے اس شخص کو کچلتی ہوئی چلی جائے لیکن پھر اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ شخص جس انداز سے کھڑا تھا' اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ خاصا محتاط ہے۔ گاڑی کی رفتار کا اندازہ لگاتے ہی وہ فوراً ایک طرف ہٹ جائے گا اور فائر کھول دے گا۔ نایاب نے اس سے دوسرے طریقے سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ شخص اکیلا ہی تھا۔ کم از کم ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اکیلا ہی نظر آرہا تھا۔ اگر کوئی دوسرا تھا بھی تو تاریکی میں ہوگا جو نظر نہیں آرہا تھا۔

نایاب نے گاڑی روک لی۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات کا ابھر آنا اور دل کی دھڑکن کا تیز ہو جانا فطری بات تھی لیکن اس نے اپنی کیفیت پر قابو پانے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

وہ شخص ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کے قریب آگیا۔ اس نے ایک ہاتھ میں رائفل تھامی اور دوسرے ہاتھ سے اسے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ نایاب نے دروازے کے لاک والی ناب اوپر اٹھا دی اور ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ باہر سے اس شخص نے بھی ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ نایاب نے دو انگلیوں سے ہینڈل اوپر اٹھا دیا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے دروازہ کھول کر آرام سے نیچے اترنا چاہتی ہے لیکن دوسرے ہی لمحہ اس نے کندھے سے دروازے کو زوردار ٹکر ماری۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھل کر اس شخص کے گھٹنوں پر لگا۔

نایاب کی یہ حرکت اس شخص کے لیے بالکل غیر متوقع تھی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ گھٹنوں پر دروازے کی ٹکر سے وہ لڑکھڑا گیا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتا' نایاب نے بڑی پھرتی سے دروازے کو اپنی طرف کھینچ کر اسے ایک بار پھر پوری قوت سے باہر کی طرف دھکیلا۔ اس وقت وہ شخص جھک کر بائیں ہاتھ سے گھٹنا تھامے ہوئے تھا اور اس مرتبہ دروازہ اس کے سر پر لگا اور وہ کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

نایاب بڑی پھرتی سے نیچے اتر آئی اور پوری قوت سے اس شخص کو ٹھوکر رسید کر دی۔ ٹھوکر اس شخص کے کندھے پر لگی تھی۔ وہ کراہ اٹھا۔ نایاب ایک اور ٹھوکر مارنا چاہتی تھی کہ اس شخص نے رائفل کا ٹرائیگر دبا دیا یا بدحواسی میں ٹرائیگر دب گیا۔ رائفل آٹومیٹک پر تھی اور اس کا رخ گاڑی کے پچھلے دروازے کی طرف تھا۔

تاریک سناٹا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھا۔ گولیاں نایاب کی ٹانگ سے چند انچ کے فاصلے سے گزرتی ہوئی گاڑی کے پچھلے دروازے میں پیوست ہوتی چلی گئیں۔

نایاب اسی لمحہ اچھلی۔ اس کے پیر کی ٹھوکر اس شخص کی پیشانی پر لگی' وہ بری طرح چیخ اٹھا۔ پیر کی ٹھوکر لگنے سے سر کسی پتھر سے بھی ٹکرا گیا تھا۔ رائفل اس شخص کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ نایاب نے بڑی پھرتی سے جھک کر قریب پڑا ہوا ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر اس شخص کے دائیں کندھے پر دے مارا۔ وہ شخص بلبلا اٹھا۔ نایاب اگر چاہتی تو اس پتھر سے اس کا سر کچل سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ تو اسے صرف مفلوج کرنا چاہتی تھی تاکہ اسے اپنی گرفت میں لے سکے۔

اب تک کی صورتحال سے یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ وہ آدمی اکیلا ہی تھا اور قرب و جوار میں اس کا کوئی دوسرا ساتھی موجود نہیں تھا۔ وہ ہٹا کٹا آدمی تھا۔ اگر نایاب اس کے گھٹنوں پر دروازے کی ٹکر نہ مارتی تو اسے کسی طرح بھی زیر نہیں کر سکتی تھی۔ یہ اس شخص کی بدقسمتی تھی کہ نایاب جیسی لڑکی کے ہاتھوں مار کھا گیا تھا۔

نایاب نے اس کی ٹھیک ٹھاک دھنائی کر دی' پھر اسے گھسیٹتی ہوئی گاڑی کے سامنے لے آئی اور اس کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔ وہ شخص اس کے لیے اجنبی تھا۔

"بیس پڑے کراہتے رہو۔ اگر تم نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو تمہاری کھوپڑی کچل دوں گی۔" نایاب نے بلی کی طرح غرا کر کہا اور اس کی رائفل اٹھا کر پسنجرز سیٹ پر پھینک

دی۔ اگنیشن سے چابیوں کا گچھا نکال کر ایک چابی سے ڈگی کھولی اور اندر پڑی ہوئی ایک رسی نکال کر گاڑی کے سامنے آ گئی۔ وہ شخص اٹھ کر ایک طرف بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نایاب نے رسی کو لپیٹ کر پکڑا اور کوڑے کی طرح اس کی پٹائی کرنے لگی۔

رسی کی ضرب کوڑے سے بھی زیادہ شدید تھی۔ نایاب اس وقت تک اس کی پٹائی کرتی رہی جب تک وہ بے سدھ ہو کر گر نہیں پڑا۔

"تم مجھے عورت سمجھ کر قابو کرنا چاہتے تھے۔" نایاب سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "میں عورت نہیں شیرنی ہوں۔ تمہیں چیر پھاڑ کر رکھ دوں گی۔"

اسی وقت حویلی کی طرف سے بھی دو فائر ہوئے اور چند سیکنڈ بعد کسی کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد غلام حسین کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"چھوٹی بی بی۔ ہم آ رہے ہیں۔"

دو منٹ بعد غلام حسین اور ہاشم بھی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے نایاب کی کار کو کھیتوں کی طرف مڑنے والے راستے پر رکتے اور روشنی میں کسی آدمی کو دیکھ لیا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ کوئی گڑبڑ ہے' پھر فائرنگ کی آواز سنائی دی تو وہ اس طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

نایاب اس وقت تک اس شخص کو مکمل طور پر بے بس کر چکی تھی۔ غلام حسین اور ہاشم نے اسے رسی سے باندھ کر ڈگی میں ڈالدیا۔ نایاب نے غلام حسین کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کو کہا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا اور گاڑی کو پوری رفتار سے شاہ پور کی طرف دوڑا دیا۔ ہاشم کو اس نے گاؤں بھیج دیا تھا تاکہ ملک سکندر کو صورتحال کی اطلاع دے سکے۔

انہیں شاہ پور پولیس اسٹیشن پہنچنے میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ سب انسپکٹر اشرف اس وقت تھانے میں موجود تھا اور پھر نایاب کے لیے یہ انکشاف خاصا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ اس نے جس شخص کو پکڑا تھا' وہ کم از کم چار آدمیوں کے قتل کے الزام میں طویل عرصہ سے پولیس کو مطلوب تھا۔ اسے اشتہاری قرار دیا جا چکا تھا اور اس کی گرفتاری پر پچاس ہزار روپے کا انعام بھی مقرر تھا۔

"یہ انعام میری طرف سے پولیس ویلفیئر فنڈ میں دے دیجئے لیکن اس شخص کو اب

دوبارہ مطلوب نہیں ہونا چاہیے۔" نایاب نے کہا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک تھانے میں رہی تھی۔ سب انسپکٹر اشرف نے اس کی گاڑی کا بھی جائزہ لیا تھا جس کا پچھلا ایک دروازہ گولیوں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ اس کی موجودگی میں ہی سب انسپکٹر نے گلزار نامی اس شخص سے پوچھا تھا کہ وہ کس کے لیے کام کر رہا تھا؟

"چودھری سعادت نے مجھے حویلی کی نگرانی کرنے کو کہا تھا جی۔" گلزار نے جواب دیا۔

"اس نے کہا تھا کہ میں نایاب پر نگاہ رکھوں۔ میں نے اسے چودھرائی اور ملک جی کے گھر والوں کے ساتھ گاؤں کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ یہ انہیں چھوڑ کر اکیلی واپس آئے گی۔ میرا خیال درست نکلا۔ واپسی پر میں نے اس کی گاڑی روک لی۔ میں چاہتا تو اسے گولیوں سے چھلنی کر سکتا تھا لیکن میں اسے زندہ پکڑ کر چودھری کے پاس لے جانا چاہتا تھا تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ انعام حاصل کر سکوں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ شیرنی ثابت ہوگی۔ اس نے تو مار مار کر میرا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔"

"حلیہ تو تمہارا ہم بگاڑیں گے۔" سب انسپکٹر نے کہا اور اسے حوالات میں بند کر دیا۔

نایاب جب واپس آئی تو پرانی حویلی کی طرف جانے والے راستے کے قریب ملک سکندر کی گاڑی دیکھ کر چونک گئی۔ قریب پہنچ کر اس نے گاڑی روک لی۔ ملک سکندر اور دو آدمی گاڑی کے قریب کھڑے تھے۔ نایاب نے ان سے مختصر سی بات کی اور گاڑی کو حویلی کی طرف موڑ دیا۔ سکندر کی گاڑی بھی اس کے پیچھے ہی آ رہی تھی۔

چند منٹ بعد وہ حویلی میں پہنچ گئے۔

"کیا ہوا؟ کون تھا وہ آدمی؟" ملک سکندر نے نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا نام گلزار ہے اور وہ چار آدمیوں کے قتل کے الزام میں طویل عرصہ سے پولیس کو مطلوب تھا۔" نایاب نے کہا اور پھر اسے تفصیل سے بتانے لگی۔

"تم بھی بہت ضدی لڑکی ہو۔" سکندر نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "سعادت نے اپنے باپ کو زندہ نہیں چھوڑا۔ اب جبکہ اسے یہ بھی پتہ چل گیا ہے کہ چودھری امانت علی کی وصیت کے مطابق تم تمام زمینوں اور جائیداد کی مالک بن گئی ہو تو اس کے سینے پر سانپ لوٹ رہے ہوں گے۔ وہ تمہارے خلاف ہر حربہ استعمال کرے گا۔ تمہیں جتنا زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے، تم اتنی ہی لاپروائی کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ میں نے تمہیں پہلے ہی

کہا تھا کہ جب تک سعادت کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا، گاؤں میں ہی رہو۔ گاؤں سے اتنا دور اس حویلی میں رہنا تمہارے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ میرا مشورہ اب بھی یہی ہے کہ حویلی چھوڑ دو۔"

"سکندر بھائی۔" نایاب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں کسی سے ڈر کر زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر میرا وقت پورا ہو گیا ہے تو کسی محفوظ ترین پناہ گاہ میں بھی کوئی مجھے موت سے نہیں بچا سکتا۔ چھپتے تو وہ ہیں جو بزدل ہوں۔"

"میرا خیال ہے میں اس سلسلے میں تمہیں قائل نہیں کر سکتا۔" سکندر گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "بہرحال میں دو آدمی اور یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ سعادت کو جب گلزار کے پکڑے جانے کی خبر ملے گی تو وہ تلملا کر رہ جائے گا اور عین ممکن ہے وہ جوش میں آ کر حویلی پر دھاوا بول دے۔"

"وہ ہمیں غافل نہیں پائے گا۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا۔ اب میں چلتا ہوں۔" سکندر اٹھتے ہوئے بولا۔ "ویسے میں ایک بار پھر یہ مشورہ دوں گا کہ حویلی چھوڑ کر گاؤں آ جاؤ۔"

"اگر یہاں زیادہ گڑبڑ محسوس ہوئی تو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر آ جاؤں گی۔" نایاب نے جواب دیا۔

سکندر چلا گیا۔ نایاب، ٹیپو اور روبی اوپر والے برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے اس صورتحال کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" روبی کہہ رہی تھی۔ "میں نے تو یہ سنا تھا کہ ہر ایسے موقع پر ایک پراسرار بوڑھا تمہاری مدد کو پہنچ جایا کرتا تھا لیکن آج ایسا کیوں نہیں ہوا؟ وہ بوڑھا کہاں چلا گیا؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے ایک سنہری سانپ کی نیولے سے جان بچائی تھی۔" نایاب نے کہا۔ "وہ سنہری سانپ اتنا احسان مند ہوا کہ اس نے ہر آڑے وقت میں میری مدد اور حفاظت کا وعدہ کر لیا اور یہ حقیقت ہے کہ وہ میرا محافظ بن کر رہا لیکن کچھ عرصہ پہلے کھنڈروں والے ٹیلے پر اس سنہری ناگ کو سرکپل کر ہلاک کر دیا گیا۔"

"وہ تو مجھے معلوم ہے۔" روبی بولی۔ "لیکن سنہرے سانپ کا اس پراسرار بوڑھے سے کیا تعلق؟"

"وہی اس کا دوسرا روپ تھا۔" نایاب نے جواب دیا۔ "وہ سنہری سانپ بے پناہ پراسرار قوتوں کا مالک تھا لیکن کچھ عرصہ سے اس کی یہ قوتیں حیرت انگیز طور پر سلب ہو رہی تھیں۔ اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ اس کا ایک قدیم دشمن اس کے درپے ہے اور اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ دشمن دراصل ایک بندر ہے جس نے صدیوں پہلے ہنومان بن کر رانی شلپا کو دھوکا دیا تھا۔ وہی بندر رانی کی موت اور ریاست کی تباہی کا باعث بنا تھا۔ وہ بندر دراصل شیطانی قوتوں کا مالک ہے۔ اس زمانے میں ایک سنہری ناگن ہوا کرتی تھی جو رانی شلپا اور اس کے خزانے کی محافظ تھی۔ اس بندر اور ناگن میں آج تک ٹھنی ہوئی ہے۔ وہ بندر آج بھی زندہ ہے اور چاہتا ہے کہ رانی شلپا کا خزانہ شیطان صفت لوگوں کے ہاتھ آجائے تاکہ وہ اس سے شیطانیت کو فروغ دے سکیں لیکن سنہری ناگن اس خزانے کی حفاظت کر رہی ہے۔ اس نے اپنی ہی نسل کے ایک سنہری ناگ کو بہت سی قوتیں دی تھیں مگر اس شیطانی بندر کی شیطانی قوتیں رفتہ رفتہ غالب آتی گئیں اور وہ بیچارہ سنہری ناگ مارا گیا۔ شیطانی قوتوں کا مالک وہ بندر اب چودھری سعادت کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ میرے خیال میں اس نے بھی اپنے ہرکارے چھوڑ رکھے ہیں۔ تمہیں یاد ہوگا کہ ایک رات جب ہم گاؤں سے واپس آئے تھے تو ہاشم نے بتایا تھا کہ شام سے اس کے پاس ایک بوڑھا بیٹھا ہوا تھا جو ہماری گاڑی کو آتے دیکھ کر غائب ہو گیا تھا۔ وہ بوڑھا دراصل اسی شیطانی بندر کا ہرکارہ تھا جو کسی موقع کی تلاش میں یہاں آیا تھا لیکن کسی وجہ سے ڈر کر بھاگ گیا۔ بہرحال اس سنہری ناگ کی موت کے بعد میرے گرد حفاظت کا جو حصار تھا' وہ ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے آج رات کوئی پراسرار بوڑھا میری مدد کو نہیں آیا تھا۔ اب ہمیں اپنی حفاظت خود کرنی ہوگی۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟ میرا مطلب ہے اس شیطان بندر کے بارے میں اور دوسری باتیں۔" روبی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جس روز کھنڈروں میں تصادم ہوا تھا اور سعادت کا ایک آدمی مارا گیا تھا' اس روز دوپہر کے وقت میں اور سکندر بھائی تہہ خانے میں اترے تھے۔ یہ ساری باتیں مجھے ناگن

ملکہ نے بتائی تھیں۔"

"اوہ۔" روبی نے کہا۔ "اور میرا خیال ہے کہ یہ نیکلس بھی تم تہہ خانے ہی سے لے کر آئی تھیں۔" اس نے نایاب کے گلے میں نیکلس کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں۔" نایاب مسکرائی۔ "ہم نے وہاں سے چند ہیرے بھی اٹھا لیے تھے تاکہ انہیں فروخت کر کے کام جاری رکھا جائے۔ ہم خزانہ ایک دم وہاں سے نہیں نکال سکتے۔ ضرورت کے مطابق کوئی نہ کوئی چیز نکال لی جائے گی تاکہ اسے فروخت کر کے کام چلاتے رہیں۔"

"میں نے سنا ہے تم نے کہا تھا کہ چودھری فیملی کی جائیداد سے اپنا حصہ وصول کر کے تم وہ زمینیں غریب کسانوں میں بانٹ دو گی؟" روبی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اب جبکہ ساری جائیداد اور ساری زمینیں تمہیں مل چکی ہیں تو اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"ارادہ تو وہی ہے جو پہلے تھا۔" نایاب نے جواب دیا۔ "لیکن پہلے سعادت والا مسئلہ حل ہو جائے۔ جب تک وہ آزاد ہے' ایسا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ جس روز وہ قانون کی گرفت میں آگیا' میں اسی روز اپنے پروگرام پر عمل شروع کر دوں گی۔"

"خدا تمہیں اپنے نیک ارادوں میں کامیاب کرے۔" روبی نے کہا۔

وہ چند لمحے خاموش رہیں' پھر ان کی گفتگو کا موضوع بدل گیا۔

○ لائبریری ایسوسی ایشن

چودھری سعادت شاید پاگل ہی ہو گیا تھا۔

جب سے اسے پتہ چلا تھا کہ وہ چودھری امانت علی کا بیٹا نہیں ہے' اس کے سینے میں آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ امانت علی نے اسے اولاد کی طرح پالا ہے اور دوسرے بچوں کی طرح اسے عزیز رکھتا ہے لیکن نجانے اس کے دل میں یہ بات کیوں بیٹھ گئی تھی کہ وہ سوتیلا ہے اور امانت علی کی موت کے بعد جب جائیداد کا مسئلہ آئے گا تو اسے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے اس نے شروع ہی سے سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا تھا۔

وہ ان دنوں پرانی حویلی میں رہائش پذیر تھا۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ جب وہ چھوٹا تھا تو چودھری امانت نے حویلی میں گاؤں کی ایک لڑکی کی عزت لوٹ کر اسے قتل کر دیا

تھا اور اس لڑکی کی روح حویلی میں بھٹک رہی تھی۔ سعادت نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا۔ پہلے ایک بھائی کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا' پھر دوسرے کو..... اس طرح یہ مشہور ہو گیا کہ اس لڑکی کی روح اپنا انتقام لے رہی ہے۔ چودھری امانت علی حویلی چھوڑ کر گاؤں منتقل ہو گیا۔

سرفراز اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں شہر میں تھا۔ اس نے نایاب سے شادی کر لی۔ سعادت پہلے ہی سرفراز کے خلاف باپ کے کان بھرتا رہتا تھا۔ اس کی شادی کے بعد اسے مزید موقع مل گیا اور اس نے باپ کو اس حد تک بھڑکا دیا کہ اس نے سرفراز کو نافرمان قرار دے کر اپنی جائیداد سے عاق کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر ایک روز موقع پا کر سعادت نے سرفراز کو قتل کر دیا کیونکہ اسے شبہ ہو گیا تھا کہ باپ سرفراز کو معاف کر کے گلے سے لگا لے گا۔

سرفراز کے قتل کے بعد نایاب نے جائیداد میں سے حصے کا مطالبہ کیا تو سعادت نے ماں باپ کے دل میں اس کے لیے اتنی نفرت پیدا کر دی کہ وہ ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ سعادت ایسی کارروائیاں کرتا رہا کہ ان میں نفرت بڑھتی رہی لیکن دوسری طرف وہ خود بھی لوگوں کی نظروں میں آ گیا۔ اس کے برعکس نایاب لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرتی گئی۔

سعادت کا خیال تھا کہ امانت علی نایاب کو اپنی جائیداد میں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دے گا لیکن صورتحال پھر اچانک ہی تبدیل ہو گئی۔ چودھری امانت اور چودھرانی نے ملک صلاح الدین کے گھر جا کر جائیداد کے سارے کاغذات نایاب کی گود میں ڈال دیئے۔

سعادت پاگل ہو گیا۔ اس نے باپ کو بھی راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا خیال تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کو جائیداد کا وارث قرار دیا جائے گا اور دولت ہاتھ آنے کے بعد وہ اپنے خلاف سارے کیسز ختم کروا دے گا۔ اس کا خیال تھا کہ دولت سے سب کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن وہ بہت سی ایسی غلطیاں کر چکا تھا جن کا ازالہ دولت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے باپ کو قتل کرنے کا ایک ایسا منصوبہ بنایا تھا کہ اس پر الزام نہ آ سکے اور نایاب کو اس کے قتل میں پھنسا دیا جائے۔

اس روز وہ دراصل نایاب کو قتل کرنے کے لیے پرانی حویلی پہنچا تھا۔ نایاب تو نہیں ملی البتہ اپنے باپ کو وہاں دیکھ کر اس کے سینے میں آگ بھڑک اٹھی۔ تلخ کلامی سے اس کا

غصہ مزید بھڑک اٹھا اور اس نے باپ کو گولی مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔

باپ کے قتل کے بعد وصیت نامے کے انکشاف نے تو چودھری سعادت کا دماغ ہی پلٹ دیا تھا۔ نایاب اب قانونی طور پر بھی ساری جائیداد کی وارث بن چکی تھی اور سعادت نے طے کر لیا تھا کہ نایاب کو وہ کسی صورت میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس شام اس نے گلزار کو پرانی حویلی کی نگرانی کے لیے بھیجا تھا تاکہ صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد حویلی پر حملہ کر دے لیکن ماضی میں چار آدمیوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارنے والا گلزار ایسا احمق اور بزدل ثابت ہوا کہ نایاب جیسی لڑکی سے مار کھا گیا اور پولیس کے شکنجے میں پھنس گیا۔

چودھری سعادت نے سرحد پار کے نامور ڈاکو ہیر سنگھ سے بھی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ پہلے تو ہیر سنگھ نے حامی بھر لی تھی لیکن بعد میں جب ہیر سنگھ نے صورتحال کا جائزہ لیا تو اسے احساس ہو گیا کہ سعادت کی مدد کر کے اسے کچھ نہیں ملے گا' اس لیے اس نے صاف انکار کر دیا۔

سعادت کے ساتھ صرف تین چار آدمی رہ گئے تھے۔ اسے کھنڈروں میں خزانے کی بھنک مل گئی تھی۔ وہ اپنے آدمیوں کو لے کر کھنڈروں میں پہنچ گیا اور چوری چھپے خزانے کی تلاش شروع کر دی لیکن گاؤں والوں کو پتہ چل گیا اور تصادم میں اس کا ایک آدمی مارا گیا۔ سعادت کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔

سعادت کو یقین تھا کہ نایاب کو خزانے کا راستہ معلوم ہے اور جب اس نے نایاب کے گلے میں ایک بہت قیمتی نیکلس کی کہانی سنی تو اسے یہ بھی یقین کر لینا پڑا کہ یہ نیکلس اسی خزانے سے حاصل کیا گیا تھا۔ وہ پہلے نایاب کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن اب اس نے نایاب کو اغوا کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اس سے خزانے کا راستہ معلوم کیا جا سکے۔

چودھری سعادت گاؤں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس نے قرب و جوار میں ہی دو تین ٹھکانے بنا رکھے تھے۔ کبھی وہ ایک ٹھکانے پر ہوتا اور کبھی دوسرے پر۔ اس کے ساتھ صرف تین آدمی تھے۔ ایک چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ رہتا اور باقی دو نایاب کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔

اس روز اسے اطلاع ملی کہ نایاب اگلے روز چودھری فرمان کے گاؤں جانے والی ہے۔

چودھری فرمان کی بیٹی کا رشتہ شاہ پور کے فضل دین کے بیٹے سے ہوا تھا۔ یہ وہی چودھری فرمان تھا جس نے نایاب اور رابعہ کو ایری گیشن کے ویران ریسٹ ہاؤس سے فرار کے بعد اپنے گھر میں پناہ دی تھی اور پھر انہیں گاؤں بھی چھوڑ کر آیا تھا۔

یہ اطلاع ملتے ہی سعادت نے نایاب پر آخری اور فیصلہ کن حملہ کی تیاری شروع کر دی۔

فضل دین کے گھر والے کسی رسم کے سلسلے میں چودھری فرمان کے گھر آنے والے تھے۔ چودھری فرمان نے اپنے کچھ عزیزوں کے علاوہ ملک صاحب کے گھر والوں اور نایاب کو بھی مدعو کر لیا تھا۔

سب لوگ دوپہر ہی کو فضل دین کے گھر والوں سے پہلے چودھری فرمان کے گاؤں پہنچ گئے۔ شام تک وہاں بڑی رونق رہی۔ سورج غروب ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے فضل دین اور اس کے گھر والے رخصت ہو گئے اور پھر سورج غروب ہونے سے پندرہ بیس منٹ پہلے یہ لوگ بھی اپنے گاؤں کے لئے چل پڑے۔

ایک گاڑی میں سکندر، سکینہ، نرس اور عذرا تھیں۔ دوسری گاڑی میں نایاب کے ساتھ ٹیپو، رابعہ اور روبی تھیں۔ تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد نایاب کی گاڑی جھٹکے کھا کر رُک گئی۔ سکندر کو بھی اپنی گاڑی روکنی پڑی۔ وہ نیچے اتر کر نایاب کی گاڑی چیک کرنے لگا۔ لیکن فوری طور پر پتہ نہیں چل سکا کہ اس میں کیا خرابی ہوئی تھی۔

''نقص تلاش کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔'' سکندر نے کہا پھر ٹیپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ٹیپو تم ایسا کرو میری گاڑی لے جاؤ۔ میں یہ گاڑی ٹھیک کر کے ان لوگوں کے ساتھ آتا ہوں۔''

ٹیپو سکندر کی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی کو آگے بڑھا دیا۔

سکندر نایاب کی گاڑی کا بارنٹ کھولے انجن چیک کر رہا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ''بیٹری چیک کی تم نے؟'' سکندر نے قریب کھڑی ہوئی نایاب سے پوچھا۔

''نہیں۔'' نایاب نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔'' سکندر بولا۔

اور پھر ساری بات اُس کی سمجھ میں آ گئی۔ کچے راستے پر گاڑی کو جھٹکے لگنے سے بیٹری کا ایک کلپ نکل گیا تھا جس کی وجہ سے انجن کو کرنٹ نہیں مل رہا تھا۔ سکندر نے کلپ ٹائٹ کر دیا اور بارنٹ بند کر کے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ نایاب پسنجر زسیٹ پر بیٹھ گئی اور سکندر گاڑی کو حرکت میں لے آیا۔

اچھا خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ گاڑی کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ وہ لوگ کھنڈروں والے ٹیلے کے قریب پہنچے تو سکندر کو گاڑی روک لینی پڑی۔ وہ چار آدمی تھے جنہوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ ان چاروں کے ہاتھوں میں آٹو میٹک رائفلیں تھیں۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ان کے چہرے بھی صاف نظر آ رہے تھے۔ ان میں ایک چوہدری سعادت تھا۔ دوسرا لالو مسلی اور دو سکندر کے لئے بھی اجنبی تھے۔

سعادت نے فائرنگ کر کے گاڑی کے اگلے دونوں ٹائروں کے پرخچے اڑا دیئے اور ان سب کو نیچے اترنے کا حکم دیا۔ وہ چاروں نیچے اتر آئے۔ رابعہ اور روبی تو چیخ پڑی تھیں۔ نایاب کا چہرہ بھی خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔ سکندر بھی خوفزدہ تھا۔ سعادت جیسے جنونی سے کوئی بھی توقع کی جا سکتی تھی۔ سعادت اور اس کے ساتھیوں نے انہیں رائفلوں کی زد میں لے لیا تھا۔

''ٹیلے پر چلو..... کھنڈروں کی طرف۔'' سعادت نے غراتے ہوئے حکم دیا۔ وہ ٹیلے پر آ گئے۔ سعادت نے انہیں کھنڈروں میں ایک جگہ روک لیا۔

''زمینیں اور دوسری جائیداد تو میرے ہاتھ سے نکل گئی۔'' وہ نایاب اور سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''لیکن ان کھنڈروں کے نیچے چھپا ہوا خزانہ میں حاصل کروں گا۔ مجھے معلوم ہے تم خزانے کا راستہ جانتی ہو۔ تمہارے گلے میں پڑا ہوا لاکٹ اس کا ثبوت ہے۔ اب تم سب کی بھلائی اسی میں ہے کہ خزانے کا راستہ بتا دو ورنہ تم سب کو چھلنی کر دیا جائے گا۔''

''تم اپنے لئے دشواریاں پیدا کرتے جا رہے ہو سعادت۔'' سکندر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بہتر یہی ہے کہ تم اپنے آپ کو قانون کے.....''

''تم تو خاموش ہی رہو ملک۔'' سعادت نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس لڑکی سے کہو خزانے کا راستہ بتائے۔ میں تین تک گنوں گا اور اس کے بعد میں نہیں بولوں گا۔ میری رائفل بولے گی۔'' اُس نے گنتی شروع کر دی اور جب دو کہا تو نایاب بول پڑی۔

''ٹھیک ہے۔ میں مزید خون خرابہ نہیں چاہتی۔ میں تمہیں خزانے کا راستہ بتا دیتی ہوں۔ لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ جو کچھ بھی اٹھا سکو، اسے لے کر یہاں سے بہت دور چلے جاؤ گے۔''

''یہ وعدہ میں نہیں کر سکتا۔ لیکن اب زیادہ دیر مت کرو۔ آگے بڑھو اور راستہ بتاؤ۔'' سعادت غرایا۔

''اس طرف چلو۔'' نایاب نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ''میں تمہیں اس خزانے تک لے جا رہی ہوں لیکن تم وہ خزانہ حاصل نہیں کر سکو گے۔''

''وہ میرا کام ہے۔'' سعادت بولا۔ ''لیکن تم سب لوگ سن لو۔ اگر کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔''

وہ آگے آگے چلتے رہے اور سعادت اور اس کے ساتھی رائفلیں تانے اس کے پیچھے پیچھے۔ رابعہ اور روبی کی حالت بہت غیر ہو رہی تھی۔ روبی کی تو ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اس سے چلا بھی

نہیں جا رہا تھا۔ سعادت کا ایک ساتھی اسے بار بار دھکے دے رہا تھا۔

وہ اس جگہ رک گئے جہاں تہہ خانے کا راستہ تھا۔ نایاب کے اشارے پر سعادت کے دو آدمیوں نے شکستہ اینٹوں کا ڈھیر ہٹا کر سل اٹھا دی۔ سعادت نے رائفل سے پہلے انہیں اندر اترنے کا اشارہ کیا پھر وہ اور اس کے ساتھ ان کے پیچھے خود بھی تہہ خانے میں اتر گئے۔

انہوں نے شاید پہلے ہی سے سارا انتظام کر رکھا تھا۔ سعادت نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کر لی۔ نایاب اور سکندر وغیرہ ٹارچ کی روشنی میں آگے آگے چلتے رہے اور بالآخر ایک جگہ پر رک گئے۔

چوہدری سعادت ٹارچ کی روشنی ادھر ادھر گرا رہا تھا اور پھر تہہ خانہ یکبارگی اس طرح روشن ہو گیا جیسے وہاں بہت سی رنگ برنگی روشنیاں جل اٹھی ہوں۔ ٹارچ کی روشنی میں چبوترے پر ڈھیر کی صورت میں پڑے ہوئے ہیرے جگمگا رہے تھے۔

سعادت نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور رائفل کا رخ نایاب کی طرف کرتے ہوئے چیخا۔

''تمہاری وجہ سے مجھے زمینوں اور جائیداد سے محروم ہونا پڑا۔ مجھے ہاتھ خون میں رنگنے پڑے۔ میں قانون کا مجرم بن گیا۔ لیکن اب مجھے قارون کا یہ خزانہ مل گیا ہے۔ اس سے میں پورا ملک خرید سکتا ہوں۔ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں سب کو خرید لوں گا۔ لیکن تمہیں..... بلکہ تم سب کو مرنا ہوگا۔ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ تم لوگ۔''

سعادت کے ساتھیوں نے بھی ان پر رائفلیں تان لیں۔ لیکن ٹھیک اسی وقت ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے بہت سے سانپ بیک وقت پھنکارا اٹھے ہوں۔ سعادت اور اس کے ساتھیوں نے مڑ کر دیکھا۔ سینکڑوں سانپ پھنکارتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انہوں نے بیک وقت فائر کھول دیا۔ سانپ گولیوں سے چھلنی ہونے لگے لیکن نہ تو پھنکاروں میں کمی آئی اور نہ سانپوں کی تعداد میں۔ لگتا تھا جیسے دیواریں سانپ اگل رہی ہوں۔ چھت سے بھی سانپ لٹک رہے تھے۔

اور پھر دفعتہ تہہ خانے میں گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور ان کے پیروں کے نیچے زمین کانپنے لگی۔ دیواریں اس طرح ہل رہی تھیں جیسے ابھی گر جائیں گی۔

''نایاب بھاگ جاؤ..... جلدی کرو..... یہ سب کچھ ختم ہونے والا ہے۔'' ایک نسوانی سرگوشی نایاب کی سماعت سے ٹکرائی۔ یہ ناگن ملکہ کی آواز تھی۔ نایاب نے سکندر کو اشارہ کیا اور رابعہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔ سکندر نے روبی کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

سعادت اور اس کے ساتھی چاروں طرف سے حملہ آور ہونے والے سانپوں پر فائرنگ کر رہے تھے۔ نایاب وغیرہ اس طرح دوڑتی رہیں جیسے انہیں تاریکی میں سب کچھ نظر آ رہا ہو۔ گڑگڑاہٹ کی آواز میں ایک دم شدت آ گئی تھی۔ سکندر نے مڑ کر دیکھا۔ خزانے کا چبوترہ زمین میں دھنس رہا تھا اور اوپر سے چھت ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہی تھی۔

ایک جگہ خرخری آوازیں سن کر وہ لوگ رُک گئے اور آواز کی سمت دیکھنے لگے۔ وہ بہت بڑے قد و قامت کا بندر تھا جس سے درجنوں سانپ لپٹے ہوئے تھے اور بندر اچھل اچھل کر منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکال رہا تھا۔

گڑگڑاہٹ کی آواز ایک بار پھر شدت اختیار کر گئی۔ چھت کا ایک اور حصہ گرا تھا۔ سعادت وغیرہ بھی اب چیختے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ لیکن انہیں چاروں طرف سے زہریلے سانپوں نے گھیر لیا تھا۔ اپنے قریب ہی چھت کے ایک حصے کو گرتے دیکھ کر سکندر اور نایاب وغیرہ نے پھر دوڑ لگا دی۔ وہ بندر بری طرح چیختا ہوا اچھل رہا تھا۔ اس پر لپٹنے والے سانپوں کی تعداد اب بڑھ رہی تھی۔

سکندر اور نایاب وغیرہ ایک بار پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ تہہ خانے کے دہانے پر ایک لمحہ کو رک کر انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ چھت کا ایک اور حصہ گر گیا تھا اور پیچھے کا راستہ بند ہو گیا تھا۔

سکندر نے روبی، رابعہ اور نایاب کو اوپر چڑھنے میں مدد دی، پھر خود باہر آ گیا۔

گڑگڑاہٹ کی آوازیں تیز ہو گئی تھیں اور پورا ٹیلا اس طرح ہل رہا تھا کہ قدم جمانا مشکل ہو گیا تھا۔ کھنڈرات کی جو دیواریں کھڑی تھیں وہ بھی گر رہی تھیں۔

دفعتہً سکندر نے محسوس کیا کہ ٹیلا زمین میں دھنس رہا ہے۔ گڑگڑاہٹ کی آواز کچھ اور شدید ہو گئی تھی۔ ''بھاگو.....'' وہ چیخا۔ ''یہ ٹیلا زمین میں دھنس رہا ہے۔'' وہ کھنڈروں سے نکل کر ڈھلان پر بھاگنے لگے۔ رابعہ وغیرہ کئی مرتبہ گری تھیں۔ سکندر ہی انہیں بار بار سہارا دے رہا تھا۔

وہ لوگ ٹیلے سے اتر کر کھیتوں اور ٹیلے کے درمیان والے راستے پر پہنچ گئے۔ ان کی کار کافی پیچھے کھڑی تھی۔ لیکن وہ کار کی طرف جانے کی بجائے گاؤں کی طرف دوڑتے رہے۔

اور پھر دفعتہً سکندر نے محسوس کیا کہ ان کے پیروں کے نیچے زمین پرسکون تھی۔ وہ رک گئے۔ زمین واقعی پرسکون تھی۔ لیکن گڑگڑاہٹ کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں اور ٹیلا بدستور زمین میں دھنستا جا رہا تھا۔ وہ پھر گاؤں کی طرف دوڑنے لگے۔ گڑگڑاہٹ کی آوازیں دُور تک گونج رہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے مہیب بادل گرج رہے ہوں۔ گاؤں والوں نے بھی یہ آوازیں سنی تھیں اور درجنوں لوگ صورت حال معلوم کرنے کے لئے گاؤں سے باہر آ گئے تھے۔

وہ سب لوگ نہر کے پاس جمع تھے۔ سکندر وغیرہ ان کے قریب رک گئے اور چیخ چیخ کر لوگوں کو بتانے لگے کہ کھنڈروں والا ٹیلا زمین میں دھنس رہا ہے۔ گاؤں کے لوگ رات بھر وہاں کھڑے گڑگڑاہٹ کی آوازیں سنتے رہے۔ صبح کی روشنی طلوع ہوئی تو وہ ٹیلا عام زمین کی سطح سے چند فٹ ہی اوپر رہ گیا تھا۔

صبح سویرے ہی شاہ پور میں پولیس کو بھی اطلاع دے دی گئی۔ درجنوں پولیس والے پہنچ گئے تھے لیکن ظاہر ہے وہ ٹیلے کو زمین میں دھنسنے سے نہیں روک سکتے تھے۔ البتہ انہوں نے لوگوں کو آگے جانے سے روکا ہوا تھا۔

تین دن میں وہ اونچا نیلا کھنڈرات سمیت صفحۂ ہستی سے غائب ہو گیا تھا اور وہاں ایک وسیع و عریض جھیل معرض وجود میں آ چکی تھی۔ سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ بدی کی قوتیں زمین کی گہرائیوں میں دھنس گئی تھیں۔ آس پاس کے علاقوں اور شہروں سے ہزاروں لوگ اس جھیل کو دیکھنے آ رہے تھے جہاں کبھی ٹیلا ہوا کرتا تھا۔

ایک ہفتہ تک تو نایاب وغیرہ بھی اپنے حواس پر قابو نہیں پا سکی تھیں۔ نایاب کئی روز تک صورت حال پر غور کرتی رہی اور پھر اُس کا ذہن بتدریج پُرسکون ہوتا چلا گیا۔

ایک مہینہ گزر گیا۔ نایاب پھر پرانی حویلی میں منتقل ہو چکی تھی اور اپنی ساس چوہدرانی کو بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ نایاب اس خزانے سے محروم ہو گئی تھی۔ اس نے اور سکندر نے جو فلاحی منصوبے بنائے تھے وہ دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ لیکن چوہدری فیملی کی زمینیں اب بھی اس کے اختیار میں تھیں۔

اور پھر گاؤں والوں کے لئے وہ دن بہت ہی خوشی کا تھا جب چوہدرانی پرانی حویلی میں ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ حویلی کے وسیع و عریض کمپاؤنڈ میں گاؤں کے سینکڑوں لوگ جمع تھے اور چوہدرانی اپنے ہاتھوں سے اپنے مزارعین میں زمینوں کی ملکیت کے کاغذات تقسیم کر رہی تھی۔ علاقے کا ڈپٹی کمشنر اور دیگر حکام بھی موجود تھے۔

چوہدرانی نے اپنے لئے کچھ بھی نہیں رکھا تھا۔ یہ سب کچھ نایاب کے ایما پر ہوا تھا۔ نایاب نے غریب کسانوں سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔ لوگ ہاتھ اٹھا کر نایاب کو دعائیں دے رہے تھے۔

یہ جشن کئی روز تک جاری رہا۔ نایاب کے والد بھی گاؤں آئے ہوئے تھے۔ لیکن نایاب نے واپس شہر جانے سے انکار کر دیا۔ وہ ہیرے اور نیکلس اب بھی نایاب کے پاس تھے اور نایاب انہیں بیچ کر یہاں ایک اسکول اور کالج بنانے کا پروگرام بنا رہی تھی۔ اسکول اور کالج کے لئے زمین ملک سکندر کے والد ملک صلاح الدین نے تحفے کے طور پر دے دی۔

ہیرے فروخت ہونے میں چند روز لگ گئے۔ اور پھر پیسہ ملتے ہی اس منصوبے پر کام شروع ہو گیا۔ گاؤں کی عورتیں اور مرد رضا کارانہ طور پر بڑے جوش و خروش سے دن رات کام کر رہے تھے۔ نایاب بہت خوش تھی۔ کم از کم اس علاقے کے لوگوں کو زمینداروں کے ظلم سے نجات مل گئی تھی اور اُسے یقین تھا کہ اسکول اور کالج بننے کے بعد جب اس علاقے میں علم کی روشنی پھیلے گی تو کوئی زمیندار کسی غریب کسان پر ظلم نہیں کر سکے گا۔

(ختم شد)